فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِيْ الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۴)

المجلد الرابع

بقية كتاب العلم، من كتابة القرآن الى باب الوعظ و النصيحة، الدعوة و البليغ السلوك و الاحسان، الادعيه و الاذكار

۱۰۰۶ ——— ۱۴۱۵

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

۴/بقیة کتاب العلم

۵/فصل في کتابة القرآن وأحکامه

مسئلہ نمبر .... صفحہ نمبر

۶/ فصل في قراءة القرآن و اهداء الثواب

۷/ فصل في الأجرة والهدايا على تلاوة

۸/باب ما يتعلق بالحديث وشرحه

۹/ باب مایتعلق بالاحادیث الضعیفة و الموضوعة

۱۰/ باب الوعظ والنصیحة

۵/ کتاب الدعوة والتبليغ

	۱/ باب الدعوة ومتعلقاتها	

۲/ باب: مستورات کی جماعت

	٦/ کتاب السلوک والإحسان	۵۲۲

۵۹۳	۷/ کتاب الأدعیة والأذکار	❑

(۴) بقية كتاب العلم

الفصل الخامس في كتابة القرآن وأحكامه

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

کھانے کی چیزوں پر کلمۂ طیبہ یا آیات قرآنی کا لکھا ہوا ہونا

سوال [۱۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس پھل یا مچھلی یا جانور وغیرہ پر قدرتی طور پر کلمۂ طیبہ یا آیات قرآنی لکھا ہوتا ہے، اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ہارون رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جتنے لوگوں نے اس طرح کے جانور دکھلائے ہیں، اس پر ہم نے کلمۂ طیبہ لکھا ہوا نہیں دیکھا، لیکن لوگوں کو محسوس ہوتا ہے اور جب کسی چیز پر خیال جمایا جائے تو نقشہ نظر آتا ہے، اور خاص طور پر عید الاضحیٰ کے زمانہ میں یہ تماشہ زیادہ نظر آتا ہے، جس کی کوئی حقیقت واقع میں نہیں، بالفرض اگر لکھا ہوا بھی ہو تو اس کے کھانے میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے جیسا کہ آیت قرآنیہ لکھا ہوا پانی پینا جائز ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟

سوال[۱۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سورۂ برأۃ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟

المستفتی: عبید اللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ براءت کے شروع میں عام دستور کے مطابق نہ بسم اللہ نازل ہوئی اور نہ ہی حضور ﷺ نے کاتب وحی کو لکھنے کی ہدایت فرمائی حتی کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی، ہاں البتہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے بسم اللہ کیوں نہیں لکھوائی تو انہوں نے فرمایا حضور ﷺ نے کاتب وحی کو لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا اور بظاہر سورۃ الانفال اور سورہ براءت دونوں کی آیتیں یکساں اور ملتی جلتی ہیں، مگر آپ ﷺ نے سورۂ براءت کو انفال میں صراحت کے ساتھ شامل نہیں فرمایا؛ اس لئے دونوں کو الگ الگ رکھا گیا، مگر درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔

عن ابن عباسؓ قال: قلت لعثمان بن عفان ما حملكم أن عملتم إلي الأنفال وهي من المثاني وإلى براء ة، وهي من المئين فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم، ووضعتموها في السبع الطول، ما حملكم على ذلك؟ فقال: عثمان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، مما يأتي عليه الزمان وهو ينزل عليه السور ذوات العدد، فكان إذا نزل عليه الشيئ دعا بعض من كان يكتب، فيقول ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، فإذا نزلت عليه الآية، فيقول ضعوا هذه الآية في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا وكانت الأنفال من أوائل مانزلت بالمدينة، وكانت براء ة من آخر القرآن، وكانت قصتها شبيهة بقصتها، فظننت أنها منها، فقبض رسول الله

صلى الله عليه وسلم، ولم يبين لنا أنها منها فمن أجل ذلك قرنت بينهما ولم أكتب بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم. (ترمذي، كتاب التفسير، باب: ومن سورة التوبة، النسخة الهندية ۲/۱۳۹، دار السلام رقم: ۳۰۸٦، أبوداؤد، كتاب الصلوة باب من لم يرا الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، النسخة الهندية ۱/۱۱٤، دار السلام رقم: ۷۸٦، مستدرك حاكم قديم ۲/۳۰۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ۳/۱۲۲۷، رقم: ۳۲۷۲، مسند أحمد بن حنبل ۱/۵۷، رقم: ۳۹۹، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۲/۸، رقم: ۳٤٤)

والصحيح أن التسمية لم تكتب؛ لأن جبرئيل عليه السلام ما نزل بها في هذه السورة. (أحكام القرآن قرطبي بيروت ۸/٦۳، تفسير مظهري، زكريا قديم ٤/۱۳۲، جديد ٤/۱۱۹، روح المعاني، زكريا ٦/٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ رجسٹر خاص ۴۰/۱۱۴۳۷)

آیات قرآنیہ کو ابجد ہوز کے عدد کے اعتبار سے لکھنے کا حکم

سوال [۱۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **هل يجوز كتابة آيات القرآن بصورة الأعداد وفق حساب الجمل (أبجد) ومن هو موجد حساب الجمل، أجيبوا عن هذه المسائل أيها السادات الحنفية جزاكم الله خير الجزاء في الدارين: والسلام۔**

المستفتی: شہید اللہ، ہاوڑہ، مدرسہ اشرف العلوم کیتھن بردوان (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ابجد ہوز کے اعداد کے اعتبار سے آیات قرآنی کو حفاظت اور موقع اہانت میں استعمال ہونے سے بچانے کی غرض سے لکھنا جائز ہے؛ البتہ اسی اعداد میں تلاوت وقرأت جائز نہیں اور اس کا موجد معلوم نہیں؛ البتہ اس کا

ثبوت حضور پاک ﷺ کے عہد مبارک سے پہلے سے ہے، جیسا کہ بیضاوی شریف کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

أو إلی مدد أقوام وآجال بحساب الجمل کما قاله أبو العالیة متمسکاً، بماروي أنه علیه السلام لما أتاه الیهود تلٰی علیهم آلم البقرة فحسبوه وقالوا کیف ندخل في دینٍ مدته سبعون سنة فتبستم رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقالوا فهل غیره فقال: آلمص، وألر وألمر، فقالوا: خلطت علینا فلا ندري بأیها تأخذ، فإن تلاوته إیاها بهذا الترتیب علیهم وتقریرهم علی استنباطهم دلیل علی ذلک. وفي هامشه: وتبسمه صلی الله علیه وسلم لیس للإنکار؛ بل إشارة إلی غلطهم في تعیینهم للمعدود المذکور وهذا لا یقتضي إنکار أصله. (بیضاوي،مطبوعه رشیدیه دهلی ۱/۱٤، التفسیر المظهري، زکریا قدیم ۱/۱۳، جدید ۱/۱۹، الفتاوی النظامیه ۱/٤۷۳، ۱/۳۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۷۵۶)

قرآن کریم کو ہندی یا انگریزی رسم الخط میں لکھنا

سوال [۱۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن کریم کو عربی رسم الخط کے علاوہ ہندی، انگلش وغیرہ، دیگر زبانوں میں لکھنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان ہندی، انگلش رسم الخط والے قرآن کریم میں تلاوت کرنے سے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور اس کو بے وضو چھونا درست ہے یا نہیں؟ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں تلاوت کرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد یامین، سندیلہ، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قرآن کریم کو عربی رسم الخط کے علاوہ دیگر رسم الخط مثلاً ہندی، انگلش وغیرہ میں لکھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۳/۵۰۷، فتاوی عبدالحی ۱۱۵، کفایت المفتی ۲/۱۰۶، قدیم ۱/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۲/۵۱۰)

اس لئے کہ بہت سے حروف ایسے ہیں جن کا بدل دیگر زبان کے رسم الخط میں نہیں ہے۔

قال أشهب: سئل مالک هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا،……وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمانؓ في واو، أوياء، أو ألف، أو غيرذلک. (الإتقان في علوم القرآن ۲/۳۲۸، بحواله محمودية، ڈابهيل ۳/۵۰۷)

وصرح بتحريم كتابته بالعجمية. (الفتاوى الكبرى الفقهية ۱/۳۸، بحواله محموديه ۳/۵۰۸)

وإن اعتاد القراء ة بالفارسية، أو أراد أن يكتب المصحف بالفارسية منع من ذلک على أشد المنع. (تاتارخانية، كتاب الصلوة، فصل في القرأة نوع آخر في القراء ة بالفارسية، زكريا ۲/ ۷۵، رقم: ۱۷۹۲ ، فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، زكريا ۱/۲۹۱، دار الفكر ۱/۲۸٦، كوئٹه ۱ /۲٤۸)

من كتب مصحفا، فينبغي له أن يحافظ على الهجاء التي كتبوا بها تلک المصاحف ولايخالفهم فيها، لا يغير مما كتبوه شيئاً . (شعب الإيمان، فصل في إفراد المصحف للقراء ة……دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵٤۸، رقم:۲٦۷۹)

(۲) عربی رسم الخط کے علاوہ ہندی، انگلش وغیرہ، دیگر زبانوں کے قرآن کریم میں تلاوت کرنے سے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب نہیں ملے گا۔

إن الفارسي ليس قرآنا أصلاً، لانصرافه في عرف الشرع إلى

العربي. (شامي،كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب في حكم القراءن بالشاذ، زكريا۲/۱۸٦، كراچي۱/٤۸٥)

فإن القراءة بها (بالفارسية) مع القدرة على العربية ليست قرآنا أصلا، لانصرافه في عرف الشرع للعربي. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل وإذا أراد الشروع فيها كبر، كوئٹه ۱/۲۱۷)

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. [سورة يوسف: ۲]

فلا يكون الفارسيّ قرآنا فلا يخرج به عن عهدة الأمر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في أركان الصلوة، بيان قدرة القراءة، مكتبه امدادية ملتان ۱/۱۱۲، زكريا۱/۲۹۸)

(۳) عربی رسم الخط کے علاوہ ہندی، انگلش وغیرہ دیگر زبان کے رسم الخط والے قرآن کو بلا وضو چھونے کی اسی طرح گنجائش ہے، جس طرح دینی کتابوں کو چھونے کی ہوتی ہے؛ جبکہ اس میں قرآنی آیات کم ہوں اور حواشی وترجمہ اور شرح وغیرہ زیادہ ہوں، جیسا کہ اوپر کی عبارات سے واضح ہو چکا ہے؛ ہاں البتہ جنبی اور حائضہ کے لئے چھونا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان پر غسل واجب ہے، ان کا چھونا احترام کے خلاف ہے۔

ولو كان القرآن مكتوباً بالفارسية يحرم على الجنب، والحائض مسه بالاجماع، وهو الصحيح. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض فروع، زكريا۱/۳٥۰، كوئٹه ۱/۲۰۲)

اور بعض مشائخ نے محدث کے لئے بھی بلا وضو چھونے کو مکروہ لکھا ہے اور اس پر صحیح کا نشان بھی گنایا ہے، جس پر عمل کرنا اہل علم کے لئے بڑا مشکل اور دشوار ہے جو ذیل میں ہے۔

وقال بعض مشايخنا إنما يكره لمحدث مس الموضع المكتوب دون الحواشي؛ لأنه لم يمس القرآن حقيقة والصحيح أن مسها كمس

المكتوب، ولو بالفارسية يحرم مسه اتفاقاً على الصحيح. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، دارالكتاب ديوبند ۸۲)

يكره عند أبي حنيفة لغير المتطهر مس المصحف ولو مكتوباً بالفارسية، وكذا عند الصاحبين على الصحيح. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/۱۰)

(۴) زبان اور چیز ہے، رسم الخط اس سے الگ بالکل دوسری چیز ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص اردو بولتا ہے، یہ اس کی مادری زبان ہے، مگر اردو کا ایک لفظ بھی لکھنے پڑھنے پر قادر نہیں اور الفاظ لکھنے پڑھنے کے لئے اس کو مادری زبان سے ہٹ کر الگ سے محنت کرنی پڑتی ہے؛ لہٰذا اوپر جو ناجائز لکھا ہے، وہ رسم الخط کے بارے میں ہے اور رسم الخط کو دیکھے بغیر پڑھنے کے بارے میں نہیں اور نماز کے اندر رسم الخط کو دیکھے بغیر قراءت کی جاتی ہے؛ لہٰذا اس میں عربی زبان سے ہٹ کر کے دیگر زبان میں قرآن کا ترجمہ پڑھے گا، تو اس سلسلہ میں فارسی کے بارے میں اختلاف ہے، اور اس میں بعض لوگوں نے اس کی گنجائش لکھی ہے اور بعض نے ناجائز لکھا ہے، یہ اس لئے کہ فارسی، عربی زبان سے قریب ہے اور فارسی کے علاوہ باقی کسی اور زبان کا ترجمہ نماز کے اندر پڑھے گا، تو اس سے نماز کسی کے نزدیک بھی درست نہ ہوگی۔

ثم ذكر الشيخ الفقيه أبو سعيد البردعي: أن أباحنيفة إنما جوز القراءة بالفارسية خاصة دون غيرها من الألسنة لقربها من العربية، على ماجاء في الحديث: لسان أهل الجنة العربية، والفارسية الدريّة، الأصح أن الاختلاف في جميع الألسنة واللغات، نحو التركية، والرومية، والهندية، ثم إنما يجوز عند أبي حنيفةؒ إذا كان مقطوع القول بأن ما أتي به هو المعنى ويكون على نظم القرآن نحو قوله تعالىٰ: (فجزاؤهم جهنم) ''سزائے وے دوزخ'' وقوله (فجمعناهم جمعاً فجمعناهم عندنا (كذا) قوله تعالىٰ: (معيشة ضنكا) فقال: ''معيشت تنگا'' فأما إذا لم يكن على نظم القرآن فلا يجوز قال الشيخ الإمام الصفار؛ يجوز كيف ما كان، وقال بعضهم:

إنـمـا يـجـوز إذا كان ثناء كسورة الإخلاص ، فأما إذا كان من القصص ، فـإنه لايجوز كقوله تعالى: (اقتلوا يوسف) فقال: ''بكشيد يوسف را'' تفسد صـلاتـه والـصـحيـح أنـه يجوز في الكل، وإن اعتاد القراءة بالفارسية، أوأراد أن يـكـتـب الـمـصـحف بـالفارسية منع من ذلك على أشد المنع.

(تاتارخانية، كتاب الصلوة، فصل في القراءة نوع آخر في القراءة بالفارسية، زكريا٢/٧٥، رقم: ١٧٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۴۹/۳۹)

قرآن شریف ہندی میں چھاپنا اور پڑھنا کیسا ہے؟

سوال [۱۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن شریف کا ہندی میں چھپوانا و چھاپنا اور ہندی قرآن کا پڑھنا کیسا ہے؛ کیونکہ آج اکثریت ہندی پڑھنے والوں کی ہے، خاص کر ہمارے اس راجستھان کے علاقہ میں جو علم دین سے بالکل بنجر ہے اور اکثر لوگ ہندی پر زیادہ توجہ رکھتے ہیں، خاص کر دیہاتوں میں ایسے لوگوں کے لئے ہندی میں کوئی دینی معلومات کی کتابیں چھپوانا اور دینی مدارس کا ہندی میں اشتہارات وغیرہ چھپوا کر ایسے لوگوں کو دینا یا تقسیم کرنا جو اردو، عربی سے بالکل نابلد ہوں کیسا ہے؟ تاکہ ہندی کے ذریعہ ان کو کچھ اپنے مذہب کے متعلق مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، صدقہ وغیرہ کی معلومات ہوں، اکثر ہندی پڑھے ہوئے لوگ ہندی میں کلام اللہ پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔

المستفتی: محمد فاروق، جھنجھنوں (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم کی تفسیر یا ترجمہ تو ہندی یا دوسری

زبانوں میں کرنا جائز ہے، مگر ہندی یا دوسری زبانوں میں بغیر عربی عبارت کے قرآن کریم کا لکھنا اوراسی کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔

إن اعتاد القراء ة بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع. (فتح القدير، دار الفكر ١/٢٨٦، زكريا ١/٢٩١، كوئٹه ١/٢٤٨، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، المجلس العلمي ٢/٢٥، رقم: ١٢١٨، شامي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب في حكم القراءة بالشاذ، كراچي ١/٤٨٦، زكريا ٢/١٨٧، البنايه، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، مكتبه اشرفيه، ١٢/٢٣٧، تاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في القراءة ٢/٧٥، رقم: ١٧٩٢)

من كتب مصحفاً، فينبغي له، أن يحافظ على الهجاء التي كتبوا بها تلك المصاحف ولايخالفهم فيها، لايغير مما كتبوه شيئًا. (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في إفراد المصحف للقراءة......دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٤٨، رقم: ٢٦٧٩)

وصرح بتحريم كتابته بالعجمية. (الفتاوى الكبرى الفقهية ١/٣٨)

قال الله تعالیٰ: اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. [سورة يوسف: ٢]

فلا يكون الفارسي قرآنا فلا يخرج به عن عهدة الأمر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في أركان الصلوة، بيان قدرة القراءة، زكريا ١/٢٩٨، كراچي ١/١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
۱۴۱۷/۳/۳ھ	(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۰۸/۳۲)

مدارس میں بلیک بورڈ پر آیات قرآنیہ لکھنے کا حکم

سوال [۱۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مدارس میں بلیک بورڈ پر چاک سے قرآن پاک کی چھوٹی

چھوٹی آیات لکھ کر یاد کراتے ہیں اور سمجھاتے ہیں اور پھر اس کو کپڑے یا ڈسٹر سے صاف کر کے دوسری آیات لکھتے ہیں معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح مٹانے سے قرآن پاک کی بے ادبی اور چاک کے اجزاء زمین پر گرتے ہیں، اس سے بے ادبی تو لازم نہیں آتی؟ کیا اس کی اجازت ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچوں کو تعلیم دینے اور سکھانے کے لئے بورڈ پر قرآن کریم کا لکھنا پھر اس کو مٹا دینا جائز ہے۔

ولو محا لوحاً كتب فيه القرآن واستعمله في أمر الدنيا يجوز.
(هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس جديد زكريا ديوبند ۵/۳۷۳، قديم ۵/۳۲۲-۵/۳۲۲، البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض فروع، زكريا ۱/۳۵۱، كوئٹه ۱/۲۰۲)

اگر مٹاتے وقت چاک کے ذرّات نمایاں طور پر نیچے گر جائیں تو ان کو ادب سے اکٹھے کر کے کاغذ وغیرہ میں لے کر محفوظ جگہ میں یا قبرستان میں دبا دے۔

ولو كتب القرآن على الحيطان، والجدران، بعضهم قالوا: يرجي أن يجوز، وبعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس.
(عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الخامس، مكتبة زكريا قديم ۵/۳۲۳، جديد ۵/۳۷٤، قاضي خان، كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم والصلوة على النبيؐ جديد زكريا ديوبند ۳/۳۰۷، وعلى هامش الهندية ۳/٤۲٤)

وليس بمستحسن كتابة القرآن على المحاريب والجدران لما يخاف من سقوط الكتابة، وأن توطأ. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، قبيل باب الوتر، والنوافل، كوئٹه ۲/۳۷، زكريا ۲/٦۵)

المصحف إذا صار خلقاً لا يقرأ منه ويخاف أن يضيع يجعل في خرقة

طاهرة ويدفن، ودفنه أولىٰ من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة، أونحو ذلک ويلحد له؛ لأنه لو شق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه وفي ذلک نوع تحقير. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الخامس، مكتبه، زكريا قديم ٥/٣٢٣، جديد ٥/٣٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۱۰۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

کیا قرآنی آیات لکھے ہوئے اسٹیکر مکان یا دوکان میں چسپاں کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل لوگ اپنی دوکانوں، مکانوں کے دروازوں پر نیز ٹیوب لائٹ اور دیوار پر پلاسٹک کا اسٹیکر (یعنی پلاسٹک کا ورق) جس پر قرآن کریم کی آیت لکھی ہوتی ہے لگاتے ہیں؛ لہٰذا اس ورق کو بلا وضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض ورق پر **ماشاء اللہ، هذا من فضل ربی** اور دوسرے دعائیہ کلمات اور احادیث اور عربی وفارسی کے اشعار لکھے ہوتے ہیں، تو ان تمام چیزوں کو دروازے اور دوکان میں لگانا احترام کے خلاف تو نہیں؟

المستفتی: افروز احمد، کرلا ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم کی آیتوں کے لکھے ہوئے اسٹیکروں کو مکان یا دوکان کے دروازے یا ٹیوب لائٹ یا دیواروں پر چسپاں کرنا مکروہ اور ممنوع ہے۔

تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم، والمحاريب، والجدران. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، زكريا٣/١٥٧، كراچي٢/٢٤٦، فتح القدير، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه،

زکریا ۱/۱۷۳، دار الفکر ۱/۱۶۹، کوئٹہ ۱/۱۵۰، الفقیه الإسلامي وأدلة، مکتبه الهدیٰ انٹرنیشنل، کتاب الطهارات، المبحث الثالث أحکام الحیض، والنفاس، ومایحرم علی الحائض، والنفساء۱/۵۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۱/۳۹۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

سبق کے اختتام پر قلم سے قرآن میں نشان لگانے اور تاریخ لکھنے کا حکم

سوال [۱۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس میں جو بچے حفظ وناظرہ پڑھتے ہیں، ان کے اساتذہ ان کے قرآن پاک پر روزانہ کے سبق پر جہاں تک سبق دیتے ہیں، تاریخ یا نشان قلم سے لگاتے ہیں، تو یہ نشان قرآن مقدس میں لکھنا کیسا ہے؟ کیا حاشیہ پر تاریخ سبق وغیرہ لکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: قاری احمد علی، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن مقدس میں اساتذہ کرام کا اختتام اسباق پر قلم سے نشان اور تاریخ وغیرہ لکھ دینا مکروہ ہے۔

ويكره كتابة التعشير بالفارسية في المصحف كما يعتاده البعض.

(بناية شرح هداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، مكتبه اشرفيه ۱۲/۲۳۷)

عن مسروق أن ابن مسعود كان يكره التعشير في المصحف.

(مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤/۳۲۲، رقم:۷۹٤۲، مصنف ابن أبي شيبة في التعشير في المصحف٥/٤۹۹، رقم:۸٦۲۳)

عن عطاء قال: كان يكره التعشير في المصحف، وأن يكتب فيه

شیئ من غیره. (مصنف ابن أبي شيبة، في التعشير في المصحف، مؤسسه علوم القرآن ٥/٤٩٩، رقم: ٨٦٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ر صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۲/۱۴۱۵ھ

کیا پوسٹر واشتہارات میں قرآنی آیات لکھنا جائز ہے؟

سوال [۱۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل دیکھا گیا کہ بعض لوگ اشتہارات جن میں دین اور آخرت کی ترغیب دی گئی ہے (بزبان تلگو وغیرہ) ایسی جگہ چسپاں کر رہے ہیں، جہاں پر فلمی پوسٹر لگائے جاتے ہیں دراں حالیکہ ان دینی پوسٹروں میں قرآن کی متعدد آیات لکھی ہوئی ہوتی ہیں، سمجھانے پر بتلایا کہ قرآن کا پیغام ساری اقوام کے لئے ہے؛ اس لئے اس کو عام کرنا ضروری ہے؛ جبکہ طریقۂ مذکورہ میں قرآن پاک کی بے ادبی کی کئی صورت ہمارے مشاہدے میں ہے، مثلاً مذکورہ دینی اشتہار کو ناپاک لوگوں کا مس کرنا، ان پر گوبر اوجھ وغیرہ کو مارا جانا بے دردی سے اس کو پھاڑ کر پھینکنا، پیروں، نالیوں میں ان کا روندا جانا وغیرہ وغیرہ، جب یہ باتیں بتائی گئیں تو کہا گیا کہ عرب ملکوں مثلاً کویت کے دفاتر الاوقاف وغیرہ میں غیر مسلموں کا لیا جانا اور اوراق قرآن کو ان کے ہاتھوں پیروں میں روندا جانا، کیا وہ لوگ اس کو نہیں جانتے، اس قسم کے سارے کام وہاں پر علماء کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ قرآنی آیات کی بے ادبی سے منع کیا گیا، تو اس کو فتنہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے، کیا صحیح ہے؟

المستفتی: عنایت اللہ خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پوسٹر اور دیواری اشتہارات میں قرآن کریم

کی آیتوں کے لکھنے میں بے ادبی اور اہانت کا سخت خطرہ ہے؛ اس لئے مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر پیروں سے روندنے کا خطرہ ہے، تو پھر بالکل حرام ہوگا اور آپ کے علاقہ کے لوگوں کا منع کرنے پر یہ کہنا کہ روک تھام کرنے پر فتنہ کا خطرہ ہے، تو کیا قرآن کریم کی آیتوں کو پیروں سے روندنا فتنہ نہیں ہے، اس میں کیا کمی باقی رہ گئی۔

ولا ينبغي الكتابة على جدرانه خوفاً من أن تسقط وتوطأ.

(شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، زكريا ٤٣٧/٢، كراچي ٦٦٣/١)

ولو كتب القرآن على الحيطان، والجدران بعضهم قالوا: يرجي أن يجوز، وبعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس.

(هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، جديد زكريا ديوبند ٣٧٤/٥، زكريا قديم، قاضي خان على هامش الهندية، فصل في التسبيح والتسليم، جديد زكريا ديوبند ٣٠٧/٣، وعلى هامش الهندية ٤٢٤/٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس ٦٧/١٨، رقم المسئلة: ٢٨٠٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۳۶۳/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۷ھ

آیات قرآنیہ لکھے ہوئے پوسٹر دیواروں پر چسپاں کرنا

سوال [۱۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جیسے جلوس وغیرہ کے پوسٹر جو شہروں قصبوں کی دیواروں پر چسپاں کئے جاتے ہیں، جن میں اللہ اور رسول کے نام کعبہ اور گنبد خضریٰ وغیرہ منقوش ہوتے ہیں، وہ پوسٹر بارش یا ہوا کی وجہ سے نالیوں میں گرتے ہیں یا پھر بچے انہیں پھاڑ کر نالیوں میں گراتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں اللہ اور رسول کی توہین ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو باوجود معلومات کے چسپاں کنندگان اور کاتب کے لئے اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ جبکہ عوام الناس تک کسی تقریب کی اطلاع پہونچانے کے دیگر ذرائع مثلاً اخبارات اور لاؤڈ اسپیکر وغیرہ موجود ہیں بالتفصیل قلم بند فرمائیں۔

المستفتی: راشد علی کاتب، پیپل سانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن پوسٹروں اور اشتہاروں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام ہوتے ہیں یا آیت قرآنی یا بسم اللہ وغیرہ مکتوب ہوتے ہیں ایسے پوسٹر و اشتہار کو اس طرح غیر محفوظ دیواروں پر چسپاں کرنا مکروہ تحریمی اور ممنوع ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

کما استفید من عبارة الهندية: ولو كتب القرآن على الحيطان، والجدران، بعضهم قالوا: يرجي أن يجوز، وبعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس (إلى قوله) بساط أو مصلى كتب عليه الملك لله يكره بسطه والقعود عليه واستعماله، وعلى هذا قالوا: لا يجوز أن يتخذ قطعة بياض مكتوب عليه اسم الله علامة فيما بين الأوراق لمافيه من الابتذال باسم الله تعالىٰ. (فتاوى عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الخامس، مكتبه زكريا قديم ۵/۳۲۳، جديد ۵/۳۷٤، البحر الرائق، كتاب الصلوة، قبيل باب الوتر، كوئٹه ۲/۳۷، زكريا ۲/٦۵)

اور منتظمین اور چسپاں کنندگان گناہ میں شامل ہوں گے؛ لیکن کاتب شامل نہ ہوگا؛ کیوں کہ کاتب کے لکھنے کے بعد چسپاں کنندگان کو مقام محفوظ میں چسپاں کرنے کا بھی اختیار ہے؛ لہٰذا فاعل مختار منتظمین اور چسپاں کنندگان ہوں گے اور انہیں پر جواز اور عدم جواز کا حکم لاگو ہوگا۔

إنما تحصل المعصية بعفل فاعل مختار (شامي) **وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه، فصار كبيع الجارية، ممن لايستبرئها، أو ياتيها من دبر الخ.** (شامي، كراچي ٦/٣٩٢، زكريا ديوبند ٩/٥٦٢)

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه امدادية ملتان ٦/٢٩، زكريا٧/٦٤)

وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار فيه. (الهداية مع البناية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه اشرفيه ١٢/٢٢١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۷۸/۲۸)

آیات قرآنیہ والے پوسٹر دیواروں پر چسپاں کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل دینی اجلاس اور دیگر پوسٹر جن میں اللہ اور رسول کے نام ہوتے ہیں، وہ ایسی ہی دیواروں پر لگتے ہیں، جن کے نیچے یا تو نالی ہوتی ہے یا کوڑا کرکٹ ہوتا ہے اور وہ تمام پوسٹر نالیوں اور کچرے میں جاتے ہیں یہ حرام ہے یا نہیں؟

المستفتی: راشد علی، پیپل سانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اشتہاروں اور پوسٹروں پر بسم اللہ، اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کا نام اور قرآن کریم کی آیت وغیرہ لکھنے سے گریز کرنا لازم ہے، ورنہ جیسا کہ سوال نامہ میں ان چیزوں کی بےادبی کے بارے میں لکھا گیا ہے، اسی طرح بے ادبی لازم آتی ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ان چیزوں کی بےادبی سے حتمی طور پر بچنے کی کوشش

کرے اور کسی قسم کے پوسٹر اور اشتہار میں یہ چیزیں نہ لکھے۔

یکره کتابة قرآن، أو اسم الله تعالیٰ علی ما یفرش لما فیه من ترک التعظیم، وکذا علی درهم، ومحراب، وجدار لما یخاف من سقوط الکتابة. (طحطاوي علی المراقي، کتاب الطهارة، باب الحیض، والنفاس، والإستحاضة اشرفي ۱۴۸)

ولو کتب القرآن علی الحیطان، والجدران، بعضهم قالوا: یرجي أن یجوز، وبعضهم کرهوا ذلک مخافة السقوط تحت أقدام الناس. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد......، مکتبة زکریا قدیم۵/۳۲۳، جدید۵/۳۷۴)

تکره کتابة القرآن وأسماء الله تعالیٰ علی الدراهم، والمحاریب، والجدران. (شامي، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فیما یکتب علی کفن المیت، زکریا۳/۱۵۷، کراچي۲/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۴۴/۱۰۵۵)	۱۴۳۲/۱۱/۲۷ھ

آیات قرآنیہ فریم میں کرکے گھروں میں آویزاں کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض آدمی آیۃ الکرسی یا سورۂ یسین یا اور کوئی آیت لکھ کر شیشہ فریم میں بھرکر اپنے گھروں میں آویزاں کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ مجھے ایک شخص نے (مفتی) صاحب مرحوم کا حوالہ دے کر کہا کہ انہوں نے اس کو ناجائز قرار دے کر جلادینے کا حکم فرمایا تھا۔

المستفتی: اسرار الحق، محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر احترام وتعظیم ملحوظ ہو اور قرآن مجید کی بے حرمتی نہ ہو، تو فریم وغیرہ کے اندر بھر کر گھروں میں آیۃ الکرسی یا سورۂ یاسین یا دیگر آیات وغیرہ آویزاں کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۶۳، کفایت المفتی ۹/۲۵۲، جدید زکریا مطول ۱۳/۲۱۶ ایضاح المسائل ۱۵۶، ایضاح النوادر ۱/۸۴)

لیکن اگر بے ادبی کا اندیشہ ہے، تو انہیں محفوظ کر کے جلا کر راکھ کو دفن کر دینا ضروری ہے اور جن مفتی صاحب نے سوالنامہ کی بات کہی ہے، وہ اس دوسرے پہلو کے اعتبار سے ہے۔

نیز پیتل اسٹیل وغیرہ دھات کے پلیٹوں میں اس طرح قرآن کریم کا مونو گرام بنانا قطعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ بنانے والا نہ باوضو ہوتا ہے، نہ اس کا احترام کرتا ہے؛ بلکہ چھپائی وغیرہ میں پیروں سے دبایا جاتا ہے، یہ قرآن کریم کی زبردست توہین ہے؛ اس لئے یہ شکل قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۶۳، کفایت المفتی ۹/۲۵۲، جدید زکریا مطول ۱۳/۲۱۶)

بساط أوغيره كتب عليه الملك لله يكره بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة. (شامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، زكريا ١/٣٢٢، كراچي ١/١٧٨)

وكذا الوضوء فرض لمس المصحف، ولو آية مكتوبة على درهم، أوحائط. لقوله تعالىٰ: لايمسه إلا المطهرون. [الواقعه: ٧٩] (حاشية الطحاوي على المراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، مكتبة دارالكتاب ديوبند ٨٢)

وكذا لايجوزله مس شيئ مكتوب فيه شيئ من القرآن من لوح، أودرهم، أوغير ذلك إذا كان آية تامة. (الجوهرة النيره على مختصرالقدوري، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه دارالكتاب، امدادية ملتان ١/٣٧، دار الكتاب ديوبند ١/٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۲۲۷)

کیا اخبار میں قرآن کی آیت چھاپنا جائز ہے؟

سوال [۱۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اخبارات میں قرآن پاک کی آیات لکھنا، لکھانا خواہ وہ اخبارات ہفتہ واری ہوں یا روز نامہ؛ کیونکہ اخبارات ہر شخص خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم پڑھتے ہیں، پھر پڑھنے کے بعد اخبارات کی کوئی اہمیت نہیں رہتی ہے اور اس طرح اخبارات کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اشیاء خوردونوش میں (پڑیا) میں استعمال ہوتے ہیں اور یہاں تک کہ نالیوں میں اور گندگیوں میں اخبارات کے ٹکڑے کوڑے، کرکٹ میں پھینک دیئے جاتے ہیں، ہر شخص قرآن کی آیات جو اخبار میں تحریر ہوتی ہیں، اس طرح حفاظت نہیں کر پاتا، نہ ہی کرتا ہے۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب ایسے واقعات سامنے ہوں کیا قرآنی آیات اخبارات میں لکھنی جائز ہے؟ اگر نہیں تو پھر علماء کرام اور حفاظ جو مضمون وغیرہ میں آیات قرآنی لکھنے سے دریغ نہیں کرتے کیا وہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں؟ جواب جلد عنایت فرمائیں تاکہ حق واضح ہو، پھر لوگوں کو اس کی بابت بتایا جائے، جواب کے لئے کارڈ منسلک ہے، اس کو جدا نہ کیا جائے تاکہ سوال وجواب دونوں ساتھ ہوں امید ہے کہ جلد جواب دے کر مشکور کریں گے۔

المستفتی: عبداللہ قاسمی، گوالیار، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اشاعت دین کی غرض سے اخبارات میں آیات کریمہ کا لکھنا اور لکھانا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۲/۱، جدید ڈابھیل ۵۳۶/۳)

البتہ آیت کریمہ کی بے حرمتی حرام اور ناجائز ہے؛ اس لئے جو لوگ اخبار بینی کرتے ہیں وہ لوگ اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں کہ جب ضرورت پوری ہو جائے، تو فوراً اس کی حفاظت

کی صورت پیدا کریں دفن کردیں یا دریامیں بہادیں یا جلا دیں۔

وحرق عروۃ بن الزبیر کتب فقه کانت عندہ یوم الحرۃ وکرہ إبراهیم أن تحرق الصحف، إذا کان فیها ذکر اللّٰہ تعالیٰ وقول من حرقها أولیٰ بالصواب وقد فعله عثمان. (تفسیر قرطبي، مقدمه المؤلف، مکتبه دارالکتب العلمیة ۱/ ٤٠)

نیز غیر مسلم کے پڑھنے میں دین اسلام کی عظمت ان کے دلوں میں پیدا ہوسکتی ہے۔

والنصراني إذا تعلم القرآن یعلم والفقه کذلک؛ لأنه عسیٰ یهتدي. (البحرالرائق، کتاب الطهارۃ، باب الحیض، مکتبه رشیدیة، کوئٹه ۱/ ۲۰۲، زکریا ۱/ ۳۵۱)

لیکن اگر ان کے یہاں بے حرمتی ہو، تو اخبارات کے ذمہ داروں کے لئے تعاون علی المعصیۃ کی بناء پر ان کے یہاں ایسے اخبار ارسال کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۱۹، جدید زکریا مطول ۲/ ۵۰۷)

لایجوز لف شيئ في کاغذ فیه مکتوب من الفقه. (فتاوی عالمگیري، کتاب الکراهیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/ ۳۲۲، جدید ۵/ ۳۷۳)

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ. [سورۃ المائدہ: ۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۳۶)

قرآنی آیات کو کٹوری یا برتنوں میں لکھوانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ سعودی عرب مال کا ایکسپورٹ کرتے ہیں اور اس میں کٹوری وغیرہ میں آیت قرآنی لکھ کر جاتی ہیں؛ لہٰذا اس طرح کی تجارت کسی حد تک جائز ہے؟

المستفتی: نورالعارفین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنی آیات کوکٹوری برتنوں وغیرہ میں لکھوانے، چھپوانے میں مختلف وجوہ سے آیات قرآنیہ کی توہین اورحقارت لازم آتی ہے، مثلاً ایک آیت قرآنی چھونے اور پکڑنے کے لئے بھی وضوء کرنا فرض ہے، جب کہ مزدوروں اورکاریگروں سے اس کی احتیاط نہیں ہوتی اور بعض دفعہ پالش اور چھلائی کرتے وقت پیروں سے دباتے بھی ہیں جو قرآن کریم کی سخت اہانت ہے جو کہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے اورقرآنی آیات کواستعمالی آلات وغیرہ میں استعمال کی وجہ سے آہستہ آہستہ قرآن کی عظمت مسلمانوں کے دلوں سے نکلنا شروع ہوجائے گی؛ لہٰذا اس کی تجارت اور ایکسپورٹ ہرگز جائز نہ ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۵، ایضاح المسائل اضافہ شدہ ۱۵۶)

تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم(إلى قوله) وماذلک إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، زكريا ۳/۱۵۷، كراچي ۲/۲۴۷، البحرالرائق، كتاب الصلوة، قبيل باب الوتر والنوافل، مكتبه كوئٹه ۲/۳۷، زكريا ۲/۶۵، عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الخامس، زكريا، قديم۵/۳۲۳، جديد ۵/۳۷۴)

وكذا الوضوء فرض لمس المصحف، ولو آية مكتوبة على درهم، أوحائط. لقوله تعالىٰ: لايمسه إلا المطهرون. [الواقعه: ۷۹](حاشية الطحاوي على المراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، مكتبة دارالكتاب ديوبند ۸۲)

وكذا لايجوزله مس شيئ مكتوب فيه شيئ من القرآن من لوح، أودرهم، أوغير ذلک إذا كان آية تامة. (الجوهرة النيره على مختصر القدوري، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه دارالكتاب ديوبند ۱/۴۲، امدادية ملتان ۱/۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۹۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۷ھ

آیات قرآنیہ لکھے ہوئے برتنوں کی تجارت کا حکم

سوال [۱۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی تاجر پیتل کے ایسے برتن کی تجارت کرتا ہے، جس میں قرآن مقدس کی آیات شریفہ لکھی ہوئی ہوں اور وہ برتن تیار ہونے سے پہلے مزدور جو کہ ڈھلائی کا کام کرتا ہے، اس کے پیروں کے نیچے دیتا ہے، بعد میں جو مزدور چھلائی کرتا ہے، اس کے پیروں میں دیتا ہے، یہ کام عام ہو چکا ہے؛ لہٰذا اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ ایسے کام کی تجارت کرنا اور مزدوری کرنا کہاں تک درست ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد نجیب الرحمٰن، بھاگلپوری، مدرس مدرسہ فیض العلوم، برولان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ قرآن کریم کی سخت توہین اور اہانت ہے ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا اور اگر پیروں کے نیچے نہ کرنا پڑے تب بھی برائے تجارت قرآن کریم کا مونوگرام بھی ہرگز جائز نہیں۔

تکره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم- إلى -وماذاك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، زكريا٣/١٥٧، كراچي ٢/٢٤٦، هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس، زكريا، قديم ٥/٣٢٣، جديد ٥/٣٧٤)

وكذا لايجوزله مس شيئ مكتوب فيه شيئ من القرآن من لوح، أودرهم، أوغير ذلك إذا كان آية تامة. (الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه دارالكتاب ديوبند ١/٤٢، امداية ملتان ١/٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۸۰۳)

آیات قرآنیہ لکھے ہوئے پیالہ کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس ایک پیالہ مدتوں سے رکھا ہوا ہے، اور اس پیالہ کے اندر سورۂ یٰسین مکتوب ہے، اور زید اس پیالہ کو اپنے استعمال میں لانا چاہتا ہے، تو اب اس پیالہ کے اندر کا زنگ صاف کرنے کے لئے اس کے اندر تیزاب وغیرہ ڈال کر صاف کر سکتے ہیں اور اس پر چاندی وغیرہ کا پانی چڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس جیسے پیتل، تانبا یا پالش وغیرہ چڑھا سکتے ہیں یا نہیں یا اس پیالہ سے لکھے ہوئے حروف کو از سر نو ختم کرنے کے لئے اس کو بھٹی وغیرہ میں ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم الدین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پیالے اور برتنوں میں قرآن کریم کی آیتوں کو لکھنا پھر اسے استعمال کرنا قرآن کریم کی سخت توہین اور بے ادبی ہے۔ یاد رکھیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ چھونے کے لئے وضو کرنا فرض ہے، جس برتن میں قرآن کریم کی آیت لکھی جاتی ہے، کیا ہر انسان اسے وضو ہی کے ساتھ پکڑے گا اور جو مزدور بنانے میں کام کرتے ہیں کیا سب باوضو ہوتے ہیں؟ یہ سب قرآن کریم کی بے حرمتی ہے؛ اس لئے سوال نامہ میں لکھا ہوا کوئی بھی کام شرعاً جائز نہیں ہے، نہ اس میں تیزاب ڈالنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اس پر چاندی چڑھانے کی اجازت ہوگی اور جس حالت میں بھی ہو اس کو بے حرمتی سے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا لازم ہوگی اور گلاس اور پیالے کے طور پر اس کا استعمال کرنا بے حرمتی اور توہین ہے، جس کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ويحرم مسها أي الآية، لقوله تعالىٰ: لايمسه إلا المطهرون سواء كان كتب على قرطاس، أو درهم، أو على حائط. (المراقي على الفلاح قديم ۷۷،

حاشية الطحاوي على المراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، مكتبة دارالكتاب ديوبند ۱۴۳)

وكذا الوضوء فرض لمس القرآن، ولو آية مكتوبة على درهم، أوحائط. لقوله تعالىٰ: لايمسه إلا المطهرون. [الواقعه:۷۹](حاشية الطحاوي على المراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، مكتبة دارالكتاب ديوبند۸۲، قديم ۴۵)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايمس القرآن إلا طاهر.
(المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۳۱۳/۱۲، رقم:۱۳۲۱۷)

ويكره كتابة سورة الإخلاص على الدراهم حين تضرب–إلى– وإنما المكروه مس موضع الكتابة لاغير والصحيح منعه؛ لأنه تبع للقرآن.
(البناية، كتاب الطهارة، باب الحيض والاستحاضة، مكتبه اشرفيه ۶۵۱/۱)

تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم، والمحاريب، والجدران ومايفرش. (فتح القدير، كتاب الطهارة، باب الحيض والاستحاضه، مكتبه، زكريا ۱۷۳/۱، دار الفكر ۱۶۹/۱، كوئٹه ۱۵۰/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۶۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۴ھ

کیا برتنوں پر قرآنی آیات لکھنا جائز ہے؟

سوال [۱۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیتل، المونیم، چاندی، لوہے، گلاس، پلاسٹک کے پیالوں، پلیٹوں، تھالیوں، وکاغذ پر اللہ محمد کا نام مبارک، آیت الکرسی، آیت کریمہ، سورۂ یسین، قل شریف، ودیگر آیات قرآنیہ، خانہ کعبہ، وگنبد نبوی کی تصویر، خانہ کعبہ کے دروازہ کی شبیہ بصد احترام نقاشی یا چھپائی

کر کے یا کرا کرڈھلائی، چھپائی شدہ عدد یا اعداد کو مسلمانوں کو سپلائی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن، عرف منن، املی والی گلی، محلّہ بیلداران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن دھات اور شیشے پلاسٹک وغیرہ کے پیالوں، پلیٹوں اور تھالیوں وغیرہ پر اللہ ورسول کے مبارک نام، آیت الکرسی، آیت کریمہ، سورۂ یسین، قل شریف، اور دیگر آیات قرآنیہ لکھ کر منقش کرنا چاہتے ہیں، اور پھر ان آیتوں کے منقش برتنوں کو مسلمانوں کو سپلائی کرنا چاہتے ہیں، یہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس میں اللہ اوررسول کے مبارک ناموں اور قرآن کریم کی آیتوں کی اہانت ہوتی ہے، چاہے نقاشی یا چھپائی کے وقت ان کے احترام کا خیال رکھا جاتا ہو۔ نیز قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ بھی چھونے کے لئے وضو کرنا لازم ہے۔

اور جب ان برتنوں پر آیتیں نقش ہوجائیں گی، طہارت و بلا طہارت باوضو اور بے وضو ہر شخص ان پر ہاتھ لگائے گا، جو آیات قرآنیہ کی اہانت میں شامل ہے؛ اس لئے جائز نہیں؛ ہاں البتہ گنبد خضراء کی تصویر، بیت اللہ کے دروازے کی شبیہ چھونے کے لئے وضو اور طہارت لازم نہیں، مگر آیات قرآنیہ کو چھونے کے لئے طہارت لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۸۶، ایضاح المسائل ۴۳، امداد الفتاوی ۴/ ۶۳)

ویکره لمن لایکون علی الطهارة أن یأخذ فلوساً علیها اسم الله تعالی، کذا في قاضیخان......ولایجوز أن یتخذ قطعة بیاض مکتوب علیه اسم الله تعالیٰ علامة فیما بین الأوراق لما فیه من الابتذال باسم الله تعالی.

(فتاوی عالمگیري، کتاب الکراهیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/ ۳۲۳، جدید مطول ۵/ ۳۷٤)

وفي البحر: وکذا یکره کتابة الرقاع والصاقها في الأبواب لما فیه من الإهانة. (البحر الرائق، کتاب الصلوة، قبیل باب الوتر، والنوافل، کوئٹہ ۲/ ۳۷، هندیة، زکریا ۲/ ٦٥، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، زکریا قدیم ۵/ ۳۵٦، جدید ۵/ ٤١١)

وکذا الوضوء فرض لمس المصحف، ولو آیة مکتوبة علی درهم، أو حائط. لقوله تعالیٰ: لایمسه إلا المطهرون. [الواقعہ:۷۹] (حاشیة الطحاوي علی المراقي الفلاح، کتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، مکتبه دارالکتاب دیوبند ۸۲)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لایمس القرآن إلا طاهر. (المعجم الکبیر للطبراني، دار أحیاء التراث العربي ۱۲/۳۱۳، رقم: ۱۳۲۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۷۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۷ھ

کتاب اللہ کے بوسیدہ اوراق کو کیا کریں؟

سوال [۱۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عوام مساجد میں بنیت ایصال ثواب، قرآن مجید اور اس کے پاروں کا سیٹ وقف کرتے ہیں، بسا اوقات وہ اتنی مقدار میں ہوجاتے ہیں کہ جگہ کے ناکافی ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کا ادب واحترام دشوار ہوجاتا ہے اور بے ادبی کا خدشہ رہتا ہے۔

(بعض مساجد میں اس بات کا اعلان بھی آویزاں کیا گیا کہ قرآن مجید اور اس کے پارے کافی مقدار میں ہونے کی وجہ سے جگہ ناکافی ہورہی ہے اور بے احترامی کا ڈر ہے؛ لہٰذا کسی اور مسجد میں جہاں ضرورت بھی ہو وہاں پہونچا دیا جائے)

تاہم فی الحال مسجد میں جو متعدد قرآن کریم اور پارے ہیں، ان کا کیا کیا جائے، بے ادبی وبے احترامی کے اندیشہ سے کسی دوسری مسجد میں منتقل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد السلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق اور بوسیدہ پاروں

کو کسی ڈرم میں جلا کر راکھ بنا کر اور اسے محفوظ کر کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے تاکہ ہر طرح کی بے ادبی سے محفوظ ہوجائے اور اگر یوں ہی گڑھا بنا کر دفن کر دیا جائے تو اوراق مٹی میں نہیں گلتے ہیں اور بارش وغیرہ کے ذریعہ سے باہر آجاتے ہیں، پھر ان کی بے ادبی ہوتی ہے؛ اس لئے یہی طریقہ زیادہ مناسب ہے کہ راکھ بنا کر دفن کر دیا جائے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب مصحف عثمان تیار ہوگیا، تو دیگر سارے نسخوں کو جلوا دیا تھا جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی روایت موجود ہے ملاحظہ فرمائیں:

وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فإنما نزل بلسانهم ففعلوا حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان المصحف إلى حفصة رضـ، و أرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة، أو مصحف أن يحرق. (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندية ٢/٧٤٦، رقم: ٤٧٩٦، ف: ٤٩٨٧)

قال: ابن بطال في هذا الحديث جواز تحريق الكتب التي فيها اسم الله بالنار وأن ذلک إكرام لها وصون عن وطئها بالأقدام. (فتح الباري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، مكتبه اشرفية ديوبند ٩/٢٥، دار الفكر ٩/٢١)

إذا اتخرق القرآن العزيز وبليت الأوراق يدفن في اللحد، أويحرق ويلقي رماده في البحر كما ثبت أن ذا النورين أحرق الصحائف. (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم اللحد لنا والشق لغيرنا ١/٢٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۴۹)	۱۴۳۳/۱۱/۱۹ھ

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کیا کئے جائیں؟

سوال [۱۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد میں قرآن کریم کے پھٹے پرانے اوراق کافی تعداد میں ہیں اورایسی کوئی جگہ نہیں جہاں انہیں دفن کیا جائے، ہم یہ چاہتے ہیں، انہیں جلاکر دفن کریں تاکہ تھوڑی مقدار میں رہ جائیں تو شرعاً کیا حکم ہے تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حاجی محمد احمد واراکین مسجد محلّہ کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دفن کے لئے کوئی شکل نہیں ہے اورنہ ہی سمندر یا دریا میں بہادینے کے لئے کوئی شکل ہے، تو جلاکر ادب کے ساتھ راکھ کو دفن کردینے کی گنجائش اوراجازت ہے۔

وفي هذا الحديث جواز تحريق الكتب التي فيها اسم الله تعالى بالنار، وأن ذٰلک إكرام لها وصون عن وطيها بالأقدام. (حاشية بخاری شریف، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن ۲/۷۴۶، رقم: ۴۷۹۶، ف: ۴۹۸۷)

قال ابن حجر: وفعل عثمان يرجح الإحراق وحرقه بقصد صيانته بالكلية لا اتهان فيه بوجه. (مرقاة المفاتيح، كتاب فضائل القرآن، ماذا يفعل بأوراق المصحف البالية، مكتبه امداديه ملتان ۵/۲۹، العرف الشذي على هامش الترمذي، ابواب الجنائز، باب ما جاء في قول النبي صلى الله عليه و سلم: اللحدلنا و شق لغيرنا ۱/۲۰۲)

رد عثمان الصحف إلى حفصةؓ، وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة، أو مصحف أن يحرق.

(بخاري شریف، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندیة ۲/ ۷٤٦، رقم: ٤٧٩٦، ف: ٤٩٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۲۸۹)

بوسیدہ قرآن کریم کو جلانا

سوال [۱۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بوسیدہ قرآن پاک اور اس کے اوراق جن میں پڑھنا دشوار ہو، تو بے حرمتی سے بچاتے ہوئے جلانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ کوئی حدیث ہو یا حدیث شریف کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہو، تو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالصمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بے حرمتی اور بے ادبی سے حفاظت کی غرض سے قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانے کا حکم فرمایا تھا؛ اس لئے اگر دفن کرنے یا دریا برد کرنے میں اوراق کے منتشر ہونے یا بے ادبی کا اندیشہ ہو، تو جلانے کی بھی گنجائش ہے اور راکھ کو دفن کر دینا بھی ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی بے حرمتی نہ ہو سکے۔

رد عثمان الصحف إلی حفصةؓ، وأرسل إلی کل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في کل صحیفة أو مصحف أن یحرق.

(بخاري شریف، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندیة ۲/ ۷٤٦، رقم: ٤٧٩٦، ف: ٤٩٨٧)

قال ابن حجر وفعل عثمان يرجح الإحراق وحرقه بقصد صيانته بالكلية لا اتهان فيه بوجه. (مرقاة المفاتيح، كتاب فضائل القرآن، ماذا يفعل بأوراق المصحف البالية، مكتبه امداديه ملتان ۵/۹، رقم: ۲۲۲۱)

إذا اتخرق القرآن العزيز وبليت الأوراق يدفن في اللحد، أويحرق ويلقي رماده في البحر كما ثبت أن ذا النورين أحرق الصحائف. (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم اللحد لنا والشق لغيرنا ۱/۲۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۷۸۵)

بوسیدہ اوراق قرآن کا حکم

سوال [۱۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں رکھے ہوئے قرآن پاک کچھ بوسیدہ ہو گئے ہیں، ان کو کیا کیا جائے؟ شرعی حکم سے آگاہ کریں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالقدیر، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پاک صاف کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے یا کپڑے میں لپیٹ کر دریا میں بہا دیا جائے۔

ولابأس بأن تلقي فيماء جار كما هي وتدفن وهو أحسن. (شامي)

المصحف إذ صار بحال لايقرأ فيه يدفن كالمسلم. (الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على مايشمل الثناء، زكريا ۱/۳۲۰، كراچي ۱/۱۷۷)

وإذا صار المصحف بحيث لا يمكن أن يقرأ فيه يجعل في خرقة طاهرة ويدفن في أرض طاهرة. (حلبي كبير تتمات فيما يكرهٗ من القرآن، المكتبه الأشرفيه ٤٩٨، ومثله في الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس، في آداب المسجد وغيره، زكريا قديم ٥/ ٣٢٣، جديد ٥/ ٣٧٥، فتاوى تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس ١٨/ ٦٩، رقم: ٢٠٨٠٦٥)

إذا اتخرق القرآن العزيز وبليت الأوراق يدفن في اللحد، أويحرق ويلقي رماده في البحر كما ثبت أن ذا النورين أحرق الصحائف. (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم اللحد لنا والشق لغيرنا ١/ ٢٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۴۵)

قرآن کریم کے پھٹے پرانے اوراق کو جلانے کا حکم

سوال [۱۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ صاحب مسجد کے امام ہیں انہوں نے قرآن کریم کے پھٹے پرانے اوراق اور سپارے وغیرہ جلا دیئے۔ کیا ایسا کرنا بہتر ہے یا بغیر جلائے مٹی میں دفن کر دینا چاہیئے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: منظور احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم اور اس کے پھٹے پرانے اوراق کو محفوظ مقام میں دفن کرنے کا حکم ہے؛ لیکن تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ دفن کی صورت میں کاغذ نہیں گلتے ہیں، کسی نہ کسی زمانے میں وہ اوراق رونما ہوجاتے ہیں، جس سے نہایت

بے ادبی اور بے حرمتی ہوتی ہے، اسی ہفتہ کا ایک واقعہ ہے کہ رام گنگا کے کنارے پر پھٹے پرانے قرآن کریم جو کسی زمانے میں دفن کردیئے گئے تھے، وہ نکل آئے اور وہیں پر بیت الخلاء کا گندہ نالہ گذر رہا ہے، ۸۰/۹۰/ کی تعداد میں قرآن کریم جو پھٹے پرانے تھے، وہاں سے برآمد ہوئے، اور ان اوراق میں نجاست لگی ہوئی تھی، یہ بے ادبی اور بے حرمتی اوراق کے دفن کرنے کے نتیجے میں ہوئی ہے؛ اس لئے بہتر شکل یہ ہے کہ کسی ڈرم میں محفوظ انداز سے جلا کر راکھ کردیا جائے، پھر راکھ کو قبرستان میں لے جا کر دفن کردیا جائے، یا کسی محفوظ جگہ گہرا گڑھا کھود کر دفن کردیا جائے، تو ایسی صورت میں کسی قسم کی بے ادبی کا خطرہ نہیں ہے اور اس طرح حفاظت کے لئے جلانا قرآن کریم کی بے حرمتی نہیں؛ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مصحف عثمانی لکھوانے کے بعد قرآن کریم کے بقیہ تمام نسخوں کو جلوا دیا تھا؛ اس لئے یہی شکل سب سے افضل ہے؛ لہٰذا امام صاحب نے جو جلا کر راکھ کردیا ہے، وہ بے ادبی سے حفاظت کے لئے تھا، اس میں امام صاحب پر کوئی الزام نہیں۔

إن حذيفة بن يمان قدم على عثمان وكان يغازي أهل الشام في فتح أرمينية، وأذربيجان مع أهل العراق، فأفزع حذيفة إختلافهم في القراءة، فقال: حذيفة لعثمان يا أمير المؤمنين أدرک هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود، والنصارىٰ (إلى قوله) وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة، أو مصحف أن يحرق. الحديث (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندية ٢/٧٤٦، رقم: ٤٧٩٦، ف: ٤٩٨٧)

قال ابن بطال: في هذا الحديث جواز تحريق الكتب التي فيها اسم الله عزوجل وأن ذلک إكرام لها وصون عن وطئها بالأقدام. (عمدة القاري، دار احياء التراث العربي ٢٠/١٩، زكريا ١٣/٥٣٦، تحت رقم الحديث: ٤٩٨٧، فتح الباري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، مكتبه

اشرفیہ ۹/۲۵، العرف الشذي علی ھامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبيؐ اللحدلنا والشق لغیرنا ۱/۲۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کوجلا کراڑانا

سوال [۱۰۲۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن کے پھٹے پرانے اور بوسیدہ اوراق کوجلانے کے بعداڑادینا درست ہے یاپھراس کاکیاحکم ہے؟

المستفتی: اسرارالحق، کشن گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کومحفوظ ڈرم وغیرہ میں جلاکرراکھ کومحفوظ انداز میں قبرستان میں دفن کرناجائز ہےتاکہ بےادبی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجائے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۴/۸)

رد عثمان الصحف إلی حفصةؓ، وأرسل إلی کل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواہ من القرآن في کل صحیفة، أو مصحف أن یحرق.

(بخاري شریف، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الھندیة ۲/۷۴۶، رقم: ۴۷۹۶، ف: ۴۹۸۷)

قال: ابن بطال في ھذا الحدیث جواز تحریق الکتب التي فیھا اسم اللّٰہ بالنار وأن ذلک إکرام لھا وصون عن وطئھا بالأقدام.

(فتح الباري، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، مکتبہ اشرفیہ ۹/۲۵،

دار الفکر ۹/ ۲۱، العرف الشذي علی هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلی اللّٰه علیه وسلم اللحد لنا والشق لغیرنا ۱/ ۲۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۵/ ۱۴۲۸ھ

قرآن کے بوسیدہ اوراق کو جلا کر دفن کرنا

سوال [۱۰۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اخبارات و اردو کے کاغذات کچھ حروف مقطعات کے ورق ایسی جگہ سے اٹھا کر جہاں ان کی بے حرمتی ہو رہی تھی جلا دیا اور جلا کر اس کی راکھ کو اٹھا کر دفن کر دیا، شریعت میں ان کا جلانا کیسا ہے؟ جلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کسی صورت میں جلانے کی اجازت ہو، تو مع حوالہ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ناصر الدین، قصبہ بھوجپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن پاک کے جو اوراق بوسیدہ ہو جائیں اور ان کی بے حرمتی کا خطرہ ہو، تو انہیں جلا کر ان کی راکھ محفوظ جگہ دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، سیدنا حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں لغت قریش کے علاوہ دیگر مصاحف قرآن کو جلانے کا حکم دیا تھا، اور کسی صحابی نے ان پر نکیر نہیں کی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بے حرمتی سے بچانے کی غرض سے قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق جلانا شرعاً درست ہے اور جلائے بغیر بھی پاک کپڑے میں لپیٹ کر ان اوراق کو محفوظ جگہ دفن کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے؛ لیکن موجودہ زمانے میں تجربے سے یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہے کہ مطبوعہ کاغذات زمین میں دبانے سے گل کر ختم

نہیں ہوتے اور بسا اوقات کھدائی یا مٹی کٹنے کی وجہ سے پھر ظاہر ہو کر پیروں میں آجاتے ہیں، اس سے ان کی سخت بے ادبی ہوئی ہے؛ لہٰذا اس خطرہ سے بچنے کے لئے اگر جلا کر دفن کیا جائے، تو شرعاً اس میں کوئی گناہ یا ممانعت نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/۱۱۷، جدید زکریا مطول ۲/۵۰۶، فتاوی محمودیہ قدیم ۶/۱۸، جدید ڈابھیل ۳/۵۳۵)

حتی إذا نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة، فأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة، أو مصحف أن يحرق. (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندية ٢/٧٤٦، رقم: ٤٧٩٦، ف: ٤٩٨٧)

وفي رواية بكير ابن الأشج: فأمر بجمع المصاحف، فأحرقها، ثم بث في الأجناد التي كتبت، ومن طريق مصعب بن سعد، قال: أدركت الناس متوافرين حين أحرق عثمان المصاحف، فأعجبهم ذلک أو قال لم ينكر ذلک منهم أحد. (عمدة القاري، دار احياء التراث العربي ٢٠/١٨، زكريا ١٣/٥٣٦، العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي ﷺ اللحد لنا والشق لغيرنا ١/٢٠٢، فتح الباري، دارالفكر ٩/٢٠، اشرفية ديوبند ٩/٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۹۳۵)

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق جلانا

سوال [۱۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن پاک، سپارے اور قاعدوں کے اوراق ہمارے مدرسہ میں جمع ہو جاتے ہیں

اب تک ہمارا معمول تو یہ تھا کہ اس کو دریا کی خشک زمین میں ہی دفن کردیا کرتے تھے، مگر بارہا دیکھا گیا کہ دریا میں پانی آیا اور پانی پر تمام اوراق تیرنے لگے کبھی ایسا ہوا کی دریا خشک ہوگیا، ہواؤں نے ریت کو اڑایا اور اوراق کو پورے جنگل میں منتشر کردیا، اس سوء ادبی کی وجہ سے ہم نے سوچا کہ اوراق کو ڈرم جیسی چیز میں جلا کر راکھ کرلیا جائے اور اس کو قبرستان جیسی جگہ میں دفن کردیا جائے، ایسا کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص ایسا کرلیتا ہے، تو آیا اس کو واجب القتل اور خارج از ایمان یا انگریز جیسا دشمن قرآن قرار دیا جانا درست ہے؟

المستفتی: محمد عثمان ڈرھیال رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دفن کرنے یا دریا برد کرنے میں اوراق کے منتشر ہونے اور بے ادبی کا اندیشہ ہو، تو اوراق کو محفوظ کرکے جلا کر راکھ کو دفن کردینا اور دریا میں بہادینا جائز اور مستحسن ہے؛ اس لئے ایسا کرنے والوں کو واجب القتل یا خارج از ایمان یا انگریز کہنا ہرگز جائز نہیں ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے بھی سوء ادبی سے حفاظت کی غرض سے قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلایا تھا۔

قال ابن حجر وفعل عثمان يرجح الإحراق وحرقه بقصد صيانته بالكلية لا امتهان فيه بوجه. (مرقاة المفاتيح، كتاب فضائل القرآن، ماذا يفعل بأوراق المصحف البالية، مكتبه امداديه ملتان ٥/ ٢٩)

رد عثمان الصحف إلى حفصةؓ، وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة، أو مصحف أن يحرق. (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندية ٢/ ٧٤٦، رقم: ٤٧٩٦، ف: ٤٩٨٧)

روي معمر عن ابن طاؤس عن أبيه: أنه كان يحرق الصحف إذا اجتمعت

عنده الرسائل، فیها بسم الله الرحمن الرحیم. (تفسیر قرطبي، مقدمة المؤلف، مکتبه دارالکتب العلمیة ۱/ ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۳ھ

قرآنی آیات لکھے ہوئے اخبارات اور خطوط کا حکم

سوال [۱۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اخبارات میں کہیں کہیں لفظ ''اللہ'' یا کچھ حدیث کے الفاظ یا کچھ قرآن پاک کے الفاظ ہوتے ہیں یا خطوط میں ''انشاء اللہ'' یا ''سلام'' وغیرہ یا ''محمدؐ'' کسی نام کے ساتھ لکھا ہوتا ہے، ایسے تمام کاغذات ادھر ادھر ہوتے رہتے ہیں، جو کبھی پاؤں کے نیچے بھی پڑ جاتے ہیں، جس سے بے ادبی کا اندیشہ ہے، کیا ایسی حالت میں ایسے کاغذات کو جلا دینا یا ٹکڑے ٹکڑے کر کے حروف کو جدا کر دینا یا قلم سے اسے مٹا دینا جائز ہے یا نہیں؟ تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے؛ کیونکہ زیادہ ہوں تو دفن کرتے ہوئے بنتا ہے ورنہ چند ایسے اوراق کے لئے دفن کا اہتمام مشکل ہے؛ اس لئے دفن کے علاوہ جو ترکیب میں نے عرض کی، اس میں سے کوئی کام جائز ہو، تو بتایا جائے، یا دفن کے علاوہ کوئی اور ترکیب بتائی جائے احسان ہوگا۔

المستفتی: فیاض الدین، بہار شریف نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے اخبارت اور خطوط جن میں قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ کے الفاظ یا ان کے ترجمے یا لفظ اللہ، محمد وغیرہ موجود ہوں، تو ان کی حفاظت واحترام لازم ہے، اگر حفاظت مشکل ہو، تو بجائے ٹکڑے ٹکڑے کے پھاڑنے اور قلم زد یا روشنائی کے ذریعہ مٹانے کے ان کو کسی محفوظ جگہ دفن کر دینا بہتر ہے۔

نیز جاری پانی میں بہا دینے یا جلا دینے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن جلانے کے بعد راکھ کو بھی دفن کرنا ضروری ہے تاکہ بے حرمتی نہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۲۵، ۱/۱۷، ۶/۱۹، جدید ڈابھیل ۳/۵۳۵)

المصحف إذ صار بحال لايقرأ فيه يدفن كالمسلم. (درمختار، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على مايشمل الثناء، مكتبه زكريا ١/٣٢٠، كراچي ١/١٧٧)

ولابأس بأن تلقي في ماء جار كما هي أوتدفن وهو أحسن (وتحت قوله) كذا جميع الكتب إذا بليت وخرجت عن الانتفاع بها يعنى أن الدفن ليس فيه إخلال بالتعظيم؛ لأن أفضل الناس يدفنون. (درمختار مع الشامي، كراچي ٦/٤٢٢، زكريا ٩/٦٠٥)

رد عثمان الصحف إلى حفصة رضـ، وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة، أو مصحف أن يحرق. (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندية ٢/٧٤٦، رقم:٤٧٩٦، ف:٤٩٨٧)

قال أبو الحسن بن بطال: وفي أمر عثمان بتحريق الصحف، والمصاحف حين جمع القرآن جواز تحريق الكتب التي فيها أسماء الله تعالىٰ، وأن ذلك إكرام لها، وصيانة عن الوطء بالأقدام. (تفسير قرطبي مقدمة المؤلف، دارالكتب العلمية ١/٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۶۶۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۸ھ

اخبار کے قرآنی تراشوں کو کیا کریں؟

سوال [۱۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے یہاں اردو اخبار گرج آتا ہے، جس میں قرآن پاک کا ترجمہ وحدیثیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں، اخبار کی بہت ردی جمع ہوگئی ہے، اگر ہم ان متبرک حصوں کو کاٹ کر دریا میں ڈلواتے ہیں یا مٹی میں دباتے ہیں، تو بے ادبی کا خطرہ ہوتا ہے۔ مہربانی کر کے وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں کہ ہم ان کٹے ہوئے متبرک حصوں کو کیا کریں؟

المستفتی: اہلیہ محمد ناصر، بھٹی محلّہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اخبارات میں سے قرآن کریم اور حدیث شریف کے متبرک تراشوں کو جمع کر کے قبرستان میں دفن کردیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو، تو دریا برد کردیا جائے، اور یہ بھی باادب طریقہ سے نہ ہوسکے تو مجبوراً ان تراشوں کو ادب کے ساتھ کسی بڑے برتن میں محفوظ کر کے جلا کر پانی میں گھول کر دریا میں بہادیا جائے، ایسی صورت میں ہر قسم کی بے ادبی سے محفوظ ہوجائیں گے؛ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے بھی لغت قریش والا نسخہ باقی رکھ کر بقیہ تمام نسخے جلوا دیا تھا، اوراس میں یہی ادب مقصود تھا۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۵۵)

بخاری شریف میں حضرت عثمان غنیؓ کا عمل ان الفاظ میں ثابت ہے۔

رد عثمان الصحف إلی حفصةؓ، وأرسل إلی کل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في کل صحیفة، أو مصحف أن یحرق.

(بخاري شریف، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندیة ۲/۷۴۶، رقم: ۴۷۹۶، ف: ۴۹۸۷)

وفي هامش: قال ابن بطال: في هذا الحدیث جواز تحریق الکتب التي فیها اسم الله بالنار، فإن ذلک إکرام لها وصون عن وطئها بالأقدام.

(حاشیة بخاري شریف ۲/۷۴۶، مرقاة المفاتیح، کتاب فضائل القرآن، ماذا یفعل بأوراق

المصحف البالية، مكتبه امداديه ملتان ٥/ ٢٩، العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبيؐ اللحد لنا والشق لغيرنا ١/ ٢٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۷ھ

اسلامی مضامین والے بوسیدہ اردو اخبار کو کیا کریں؟

سوال [۱۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیشتر اردو اخبارات اور اردو رسالوں پر اسلامی ماحول کے احترام کے بجائے ان کو فروخت کرنے کے کیا ان کو جلا کر خاک کیا جا سکتا ہے، اگر یہ عمل صحیح ہے، تب انگریزی اور ہندی اخبارات کے متعلق کیا عمل کیا جائے؟ واضح فرما کر رہبری فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: ڈاکٹر غلام مجتبیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اردو اخبارات اور رسائل میں ایسی باتیں بہت ہوتی ہیں جن کا احترام لازم ہوتا ہے؛ اس لئے ان کو جلا کر خاک کر کے راکھ کو دفن کر دینا بہتر ہے تاکہ بے حرمتی نہ ہو۔

رد عثمان الصحف إلى حفصةؓ، وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق.

(بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، النسخة الهندية ٢/ ٧٤٦، رقم: ٤٧٩٦، ف: ٤٩٨٧)

اور ہندی انگریزی اخبارات میں ایسی دینی باتیں بہت کم ہوتی ہیں، یا بالکل نہیں ہوتی ہیں جن کا احترام لازم ہوتا ہے؛ اس لئے ان کو استعمال کے لئے فروخت

کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر محرم الحرام ۱۴۱٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۰۴/۳۲)

آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کے S.M.S ڈلیٹ کرنا

سوال [۱۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے کہ آج کل موبائل میں S.M.S کے ذریعہ قرآنی آیات واحادیث شریفہ بھیجی جاتی ہیں، لوگ ان کو پڑھ کر ڈلیٹ کر دیتے ہیں، کیا یہ ڈلیٹ کرنا اس کو مٹانے کے حکم میں ہوگا؟ جس کے متعلق احادیث نبویہ میں بیان کیا گیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائیل پر جو ایس ایم ایس (SMS) قرآنی آیات اور احادیث شریفہ کے بھیجے جاتے ہیں، ان کو ڈلیٹ کرنا قرآن واحادیث مٹانے کے مانند نہیں ہے؛ کیونکہ موبائل کی حیثیت ایک آئینہ کی سی ہے، جس میں عکس ظاہر ہوتا ہے، اور کسی چیز کے عکس کو مٹا دینے سے اصل کو مٹا دینا لازم نہیں آتا۔

ولومحا لوحا كتب فيه القرآن واستعمله في أمر الدنيا يجوز. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس، جديد زكريا ديوبند ٣٧٣/٥، قديم ٣٢٢/٥)

إن المرئي في المرآة مثاله لاهو. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا ١١٠/٤)

أن المرئي في المراء ة مثاله لاهو. (حاشية چلپي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه امدادية ملتان ١٠٧/٢، زكريا ٤٧٣/٢، فتح القدير، كتاب النكاح، فروع النظر من وراء الزجاج إلى الفرج محرم، زكريا ٢١٥/٣، دار الفكر ٢٢٤/٣، كوئٹه ١٣١/٣)

محالوحاً یکتب فیه القرآن واستعمله في أمر الدنیا یجوز . (البحرالرائق، کتاب الطهارة، باب الحیض فروع، زکریا ۱/ ۳۵۱، کوئٹه ۱/ ۲۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۵۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

قرآن کے بوسیدہ اوراق ڈالے گئے کنویں میں لنٹر ڈال کر فلیش ٹینک بنانا

سوال [۱۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے قریب ایک کنواں تھا، جو مدت ہوئی اٹ چکا ہے، اب ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ مسجد فلیش کا ٹینک (گڈھا) اس کنویں کے اوپر لنٹر ڈال کر بنا دیا جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کنویں میں قرآن کے بوسیدہ اوراق ڈالے گئے تھے، یہ صرف افواہ ہے، کوئی عینی شاہد بھی نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اول تو اوراق ڈالنے کا یقین نہیں ہے، دوسرے یہ کہ وہ اوراق مدت ہوئی (اگر ایسا ہوا تھا تو) گل کر مٹی ہوچکے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ کنواں تو بہت گہرا ہے، اس سے اوپر مضبوط لینٹر ڈال کر ٹینک بنا دینا چاہتے ہیں کہ کوئی نمی وغیرہ نیچے نہ جاسکے گی، حکم شریعت سے مطلع فرمایئے کہ اہل مسجد کا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ غرض یہ ہے تاکہ لوگوں کی چہ میگوئیاں فتوی کے ذریعہ بند کی جاسکیں۔

المستفتی: فدوی شریف احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر افواہ کی خبریں ہیں، تو اس کی طرف توجہ دینا ضروری نہیں ہے۔ نیز اگر کنویں کی گہرائی میں اوراق ڈالے گئے ہیں اور اوپر لینٹر ڈال کر مسقّف کردیا جائے، تو ایسا ہوجائے گا، جیسا کہ دومنزلہ عمارت ہے، اور نیچے کی منزل میں قرآن

کریم رکھا ہوا ہو۔ اور اوپر کی منزل میں بیت الخلاء ودیگر نجاست وغیرہ ہوتو قرآن کریم کی کوئی بے ادبی نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے لینٹر ڈال کر فلیش کا ٹینک بنانے کی گنجائش ہوگی۔

وفي ذلک نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، زكريا ١/٣٢٠، كراچي ١/١٧٧، ٦/٤٢٢)

وفي ذلک نوع تحقير واستخفاف بكلام الله عزوجل، إلا أن يجعل عليه سقف حتى لا يحتاج إلى إهالة التراب. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في المسجد والقبلة وغيرها ١٨/٦٩، رقم: ٢٨٠٦٥)

وفي ذلک نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب إليه فهو حسن. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/٣٢٣، جديد ٥/٣٧٥)

فهو كما لو بال على سطح بيتٍ فيه مصحف، وذلک لايكره. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والإستحسان، المجلس العلمي ٨/٥، رقم: ٩٤٦٢، شامي كراچي ١/٦٥٧، الفتاوى التارتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في المسجد...... ١٨/٦٤، رقم: ٢٨٠٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۵۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱/۱۴۱۲ھ

غیرعربی میں قرآن مقدس کی اشاعت

مقالہ کا خلاصہ

(۱) بغیر متن کے قرآن مقدس کا صرف ترجمہ کی اشاعت میں فائدہ کے مقابلہ میں مفاسد زیادہ ہیں؛ اس لئے ہماری نظر میں بغیر متن کے صرف ترجمہ قرآن کریم کی اشاعت درست نہیں ہے۔

(۲) متن کے ساتھ ترجمہ قرآن کی اشاعت بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

(۳) غیرعربی رسم الخط میں قرآن کریم کی کتابت جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ کسی بھی دوسری زبان میں قرآن کریم کے ہرحرف کی ادائے گی اور ہرحرف کے معانی کی صحیح ترجمانی نہیں ہوسکتی اور الفاظ ومخرج کی ادائے گی صحیح طور پرنہیں ہوسکتی، اس کے دلائل اسی مقالہ میں موجود ہیں۔

(۴) بریل کوڈ میں قرآن کریم کی کتاب بلا شبہ جائز ہے۔

(۵) موبائل پر قرآن مقدس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ موبائل کی اسکرین پر جب قرآن کریم کے حروف واضح طور پر نمایاں ہوجائیں تو باوضو ہوکر اس موبائل کو ہاتھ میں لے کر تلاوت کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

اگر موبائل کے اوپر ایسا کور چڑھا ہوا ہے کہ جب چاہے اس کو موبائل سے الگ کیا جاسکتا ہے، تو ایسا کور جزدان کے حکم میں ہے، اس کور کے اوپر سے اسکرین پر قرآن کریم کے حروف نظر آنے کی صورت میں اس موبائل کو چھونے اور پکڑنے کی گنجائش ہے۔ اور اگر اس کا کور موبائل سے جدا نہیں ہوسکتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کور کے اوپر سے اسکرین پر قرآن کریم کے حروف نظر آنے کی صورت میں بغیر وضو کے چھونا اور پکڑنا جائز نہیں ہوگا۔

اسکرین والے موبائل کو لے کر بیت الخلاء میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے، اس کو بند کرکے اسکرین پر حروف ظاہر نہ ہونے کی حالت میں جیب میں محفوظ کرکے بیت الخلاء میں داخل ہونا جائز اور درست ہے۔ دلائل اسی مقالہ میں موجود ہیں۔ ❑❑❑

غیر عربی میں قرآن مقدس کی اشاعت

بغیر متن کے ترجمۂ قرآن کی اشاعت

سوال [۱۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغیر متن کے کسی بھی زبان میں قرآن کریم کا صرف ترجمہ شائع کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کو واضح کیا جائے، جو لوگ متن قرآن پڑھنے پر قادر نہیں ہیں، انہیں متن والا قرآن دینے سے کیا فائدہ؟ اس لئے کہ متن سے ان کو کوئی فائدہ نہیں صرف ترجمہ ہی وہ پڑھ سکتے ہیں۔

بہت سے غیر مسلموں کو بھی قرآن دیا جاتا ہے، انہیں متن کے ساتھ دینے کی صورت میں بے حرمتی کا اندیشہ ہے؛ اس لئے بغیر متن کے صرف ترجمۂ قرآن دیا جائے تاکہ ان تک قرآن کا پیغام پہنچ جائے، اسی کے پیش نظر بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ متن کے بغیر صرف ترجمہ کا قرآن شائع کیا جائے۔

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متن کے بغیر دوسری کسی بھی زبان میں قرآن کریم کا خالص ترجمہ شائع کیا جائے، تو ایسی صورت میں اس ترجمہ کو قرآن کریم کے اصل متن کی حیثیت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی، نہ ہی اسے پڑھنے کو تلاوت قرآن قرار دیا جائیگا اور نہ ہی اسے پڑھنے والوں کو تلاوت قرآن کا ثواب ملے گا، نہ ہی نماز میں قراءت کی جگہ اسے پڑھنا جائز ہوگا، ان احکامات کے علاوہ مزید خالص ترجمہ شائع کرنے کی صورت میں پڑھنے والوں کے دل ودماغ میں یہ بات بھی بیٹھ سکتی ہے کہ یہی اصل قرآن مقدس ہے اور پھر اس ترجمہ کو آہستہ آہستہ اصل قرآن کی حیثیت دینے لگیں گے، سوال نامہ میں اس کے جو فوائد بیان کئے

گئے ہیں، ان فوائد کے مقابلہ میں نقصان زیادہ ہونے کا خطرہ ہے؛ اسی لئے بغیر متن کے صرف ترجمہ کی اشاعت مصالحہ شرعیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا متن کے بغیر کسی بھی زبان میں قرآن مقدس کا صرف ترجمہ شائع کرنا ہمارے نزدیک جواز کے دائرے میں نہیں آسکتا اوراسے خرید کر تقسیم کرنا اور ہدیہ کرنا بھی کارثواب نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ اس میں فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہے اوراس کےعدم جواز کی بات حاشیۃ المغنی لابن قدامہ کی اس عبارت سے مستفاد ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وهو إنما نزل باللسان العربي كماهو مصرح به في الآيات المتعددة، وإنما كان تبليغه والدعوة إلى الإسلام والإنذار به كما أنزل الله تعالى، ولم يترجمه النبي صلى الله عليه وسلم، ولا أذن بترجمته، ولم يفعل ذلك الصحابة، ولاخلفاء المسلمين، وملوكهم ولو كتب النبي صلى الله عليه وسلم كُتبه إلى قيصر و كسرى ومقوقس بلغاتهم لصح التعليل الذي علل به.

(حاشية المغني بيروت ١/ ٢٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۷۶۴)

متن کے ساتھ ترجمۂ قرآن کی اشاعت

سوال [۱۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن کریم کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کیا جائے اور متن کے ساتھ جوڑ کر شائع کیا جائے تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کو اصل عربی متن کے ساتھ جوڑ کر

اس کا ترجمہ دوسری کسی بھی زبان میں کر کے شائع کیا جائے مثلاً اردو، انگریزی، ہندی، فارسی، فرانسیسی، مراٹھی، تامل اور کیرل الغرض کسی بھی زبان میں اصلی متن کے ساتھ جوڑ کر ترجمہ کر کے شائع کیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی شک وشبہ اور تردد نہیں بشرطیکہ مترجم قرآن کریم کا ترجمہ دوسری زبان میں صحیح طور پر کرتا ہو، قرآن کے معانی اور مقصد اس ترجمہ میں صاف طور پر واضح ہوں اور عربی محاورہ میں آیت قرآنی کے مقصد کے خلاف ترجمہ میں کوئی بات نہ آنے پائے، تو اس طریقے سے قرآن کا ترجمہ متن کے ساتھ جوڑ کر شائع کرنا بلاشبہ جائز ہے، چاہے متن کے نیچے ترجمہ لکھا جائے یا دو کالموں میں کر کے ایک کالم میں قرآن کا متن اور دوسرے کالم میں اس کا ترجمہ ہو دونوں طرح جائز ہے جیسا کہ فقہاء کی درج ذیل عبارات سے جواز کی بات معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي في شرح الجامع الصغير: وإن كتب القرآن وتفسير كل حرف و ترجمته تحته. روي عن الشيخ الفقيه أبي جعفر: أنه لابأس به في ديارنا. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني القراءة، زكريا ٢/٧٥، رقم: ١٧٩٢، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ٢/٥٢، رقم: ١٢١٨)

فتح القدیر اور شامی میں ''کافی'' کے حوالہ سے اس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

فإن كتب القرآن و التفسير كل حرف و ترجمته جاز. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/١٨٧، كراچي ١/٤٨٦، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/٢٩١، کوئٹہ ١/٢٤٨، دارالفكر مصري ١/٢٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۶۳/۴۱)

غیر عربی رسم الخط میں قرآن کی کتابت

سوال [۱۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر عربی رسم الخط میں قرآن کریم کی عبارت اور قرآن کا متن لکھنا مثلاً ہندی، انگریزی وغیرہ رسم الخط میں تا کہ غیر عربی داں حضرات کو تلاوت قرآن میں سہولت ہو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجمع الفقہ الاسلامیہ الہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ شروع ہی سے دینی تعلیم سے دور ہیں اور قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کا بھی ان کے اندر احساس پیدا نہیں ہوا اور ماں باپ نے کبھی نہیں سوچا کہ بچوں میں قرآن کریم کی تعلیم دینا اسلامی فریضہ ہے، بعد میں ان بچوں میں شعور آجانے کے بعد احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمیں قرآن پڑھنا چاہئے اور قرآن سے لگاؤ ہونا چاہئے، مگر قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر بھی قادر نہیں ہوتے ہیں، پھر ان کے دلوں میں یہ داعیہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو زبان ہم نے پڑھ رکھی ہے، اسی زبان کی رسم الخط میں اصل قرآن کی کتابت ہو جانی چاہئے تا کہ ہم بھی اصل قرآن مقدس کی تلاوت کر سکیں اور یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ اسلامی تعلیم حاصل کرنا ہمارے اوپر لازم ہے، کم سے کم قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کے ہم لائق بن جائیں؛ بلکہ قرآن کریم کو اپنی پڑھی ہوئی زبان کے تابع بنا کر پڑھنے کی سوچ ان کے اوپر غالب آجاتی ہے؛ چنانچہ اپنی اس سوچ اور فکر کی وجہ سے قرآن کریم کو غیر عربی رسم الخط میں لکھنے کے لئے ایک مشن چلایا جاتا ہے اور چونکہ دینی تعلیم حاصل کرنیوالے علماء اور دینی ذمہ داروں کے مقابلہ میں اس طرح کے لوگ زیادہ پیسے والے ہوتے ہے، اپنے پیسوں کے زور سے ان کا یہ مشن جلدی نمایاں ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ان کے مشن سے متعلق علماء کو غور کرنا پڑ جاتا ہے؛ لہٰذا اس سلسلے میں ہر اہل قلم کو غور کرنا ہے، کیا ایسا ممکن ہے کہ

قرآن کریم کے ہر حرف کے متبادل دوسری زبان میں بھی حروف ہوں، یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے مثلاً ج، ذ، ز، ظ ان کے متبادل حروف انگریزی، ہندی، فارسی، بنگالی، مراٹھی، تامل، فرانسیسی اور کرل زبان میں ہرگز نہیں ہیں، اسی طرح ص، س اور ث ان کے متبادل حروف بھی دیگر زبانوں میں نہیں ہیں کہ جوان کا معنی ادا کرسکیں، ابھی ہم سعودی عرب سے سفر حج سے واپس آرہے تھے کہ جہاز کے اسکرین پر انگریزی حروف میں ''J '' سے ''Jeddah '' لکھا ہوا آرہا تھا اور پھر ''ڈی'' سے ''Deddah '' لکھا ہوا آرہا تھا صرف جدہ کی ادائے گی میں انگریزی زبان میں تردد ہے کہ ''J '' لکھا جائے یا ''D '' سے لکھیں تو اسی طرح لفظ ''ضلالۃ'' اگر لفظ ''L '' سے لکھیں تو ''جلالۃ'' ہوجائے گا۔ اور اگر ''Z '' سے لکھیں تو ''زلالۃ'' ہوجائیگا۔ معلوم ہوا ''ض'' کے متبادل ان کے یہاں کوئی حرف نہیں، اسی طرح ہندی زبان میں بھی لفظ ''ج، ذ، ز، ض، ظ اور س، ص، ث'' ان تمام حروف کے متبادل حروف نہیں ہیں انہیں وجوہات کی بنا پر حضرات علماء کرام نے غیر عربی رسم الخط میں قرآن لکھنے سے منع فرمایا ہے؛ اس لئے ہم بھی غیر عربی رسم الخط میں قرآن کریم کا متن لکھنے کو قطعی طور پر ناجائز سمجھتے ہیں۔

علماء کرام کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

قال الإمام المحبوبي أما لو اعتاد قراء ة القراء ة، أو كتابة المصحف بالفارسية منه يمنع أشد المنع حتى أن واحدا من أهل الهواء، في زمان الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل كتب فتوى و بعثها إليه أن الصبيان في زماننا يشقّ عليهم التعلم باللغة العربية، هل يجوز لنا أن نعلمهم بالفارسية، قال للمستفتي ارجع حتى نتامل: ثم استخبر من حاله، فإذا هو كان معروفاً بفساد مذهبه فأعطي لواحدٍ من خدامه سكينا، فقال: أقتله بهذا ومن أخذک به، فقل: إن فلاناً أمرني به ففعل، فجاء الشرطي إليه وقال إن الأمير يدعوک فذهب الشيخ إليه فقص القصة، وقال: إن هذا كان يريد أن يبطل كتاب الله فخلع له الأمير وجازاه بالخير، ثم وقوله: و كان الشيخ أبو بكر

محمد بن الفضل يقول: أما من تعمد ذلک يكون زنديقاً، أو مجنوناً، فالمجنون يداوى الزنديق يقتل. (الكفاية مع الفتح، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة، کوئٹہ ۱/۲۴۸، ۱/۹۱)

اسی سے متعلق شعب الایمان کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

من يكتب مصحفاً، فينبغي أن يحافظ على الهجاء الذي كتبوبه تلک المصاحف ولايخالفهم فيه ولايغير مما كتبوه شيئاً، فإنهم كانوا أكثر علما وأصدق قلبا، ولسانا، وأعظم أمانة، فلاينبغي أن نظن بأنفسنا استدراكا عليهم. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۵٤۸)

اس سے متعلق ”الاتقان“ للسیوطی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وقال الإمام أحمد ويحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو، أوياء، أو ألف، أو غير ذلک. (الإتفاق للسيوطي ۲/۱۷۱، ۱٦۰)

اسی سے متعلق حاشية المغني لابن قدامه کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

أما عند الأئمة الشافعية فقدمنا عن الإمام الزركشي احتمال الجواز، وأن الأقرب المنع من كتابة القرآن بالفارسية كما تحرم قراء ته بغير لسان العربية. (المغني، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، باب صفة الصلاة، ۱/۲۸۹)

اوراس مسئلہ سے متعلق کفایہ، فتح القدیر اور شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفي الكافي: إن اعتاد القراء ة بالفارسية، أوأراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/۲۹۱، كوئٹه ۱/۲٤۸، دارالفكر مصري، ۱/۲۸٦، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اشرفية ۱/۹۱، کوئٹۃ ۱/۲٤۸ شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/۱۸۷، كراچي ۱/٤۸٦)

ہاں البتہ سخت ضرورت اور مجبوری کی صورت میں حسب ذیل شرائط کی رعایت کرتے ہوئے گنجائش ہے۔

(۱) قرآن مقدس کے اصل عربی رسم الخط اور متن قرآن کو ساتھ رکھا جائے۔

(۲) قرآن کریم کی ترتیب نہ بدلے۔

(۳) مخارج کا حتی الامکان لحاظ رکھا جائے۔

(۴) عثمانی اور عربی رسم الخط کی تمام خصوصیات کے لئے جامع ومانع اصطلاحات وضع کر کے اس زبان کے رسم الخط کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے، ان تمام شرائط میں سے ہر شرط کا لحاظ رکھنا لازم ہے، اس کے بغیر جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۸۴/۴۱)

بریل کوڈ میں قرآن مجید کی کتابت

سوال [۱۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بریل کوڈ میں قرآن مجید کی کتابت کی جائے تاکہ نابینا لوگ یا انتہائی کمزور بینائی والے افراد کاغذ پر ابھری ہوئی عبارتوں پر انگلیوں کے پوروں کے ابھرے ہوئے حروف پر لگاتے ہوئے پڑھ سکیں یعنی جو کام بینا افراد اپنی نگاہوں سے لیتے ہیں، وہ کام نابینا افراد انگلیوں کے پوروں کے لمس کے ذریعہ لیتے ہیں تو اس طرح بریل کوڈ میں قرآن مجید کی کتابت نابیناؤں کی آسانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجمع الفقہ الاسلامیہ الہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابینا مسلمانوں کو قرآن مجید پڑھانے کے لئے اگر بریل کوڈ میں قرآن کریم کی کتابت کر دی جائے اور اس سے نابینا لوگ قرآن کریم کی تلاوت پر قادر ہو جائیں، تو ایسی صورت میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا؛ کیونکہ اس میں آئندہ چل کر کسی قسم کی شرعی خرابی کا اندیشہ نہیں ہے؛ بلکہ نابیناؤں کے علاوہ گونگوں کے لئے بھی

قرآن سیکھانے کی کوئی بھی بہتر شکل ہو تو اس شکل کو اختیار کرنا بھی بلاشبہ جائز ہوگا، بعض روایات سے اس کے جواز کی بات معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ امام بیہقیؒ کی شعب الایمان کی ایک عبارت سے اس کے جواز کی بات مستفاد ہوتی ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

قال الحليمي: ولأن النقطة ليست بمقروءه فيتوهم لأجلها ما ليس بقرآن قرآنا، وإنما هي دلالات على هيئة المقروء، فلا يضر إثباتها لمن يحتاج إليها والله أعلم. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۵۴۸، رقم: ۲۶۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۷۶۷)

موبائل پر قرآن مجید

سوال [۱۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موبائل کی اسکرین پر قرآن کریم کے حروف واضح طور پر نمایاں ہوجائیں، جس سے آسانی کے ساتھ تلاوت کی جاسکے، ایسی صورت میں اس کو بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موبائل کی اسکرین پر قرآن کریم کے حروف نمایاں طور پر صاف نظر آتے ہیں اور اس پر آسانی کے ساتھ تلاوت بھی کرسکتے ہیں، اب اس بارے میں دو مسئلے زیر غور ہیں۔

(۱) جس موبائل کی اسکرین پر قرآن کریم آتے ہیں، اس کو بے وضو پکڑنے اور چھونے کا مسئلہ ہے۔

(۲) اور اس کو جیب میں لے کر بیت الخلاء میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے۔

پہلا مسئلہ: قرآن کریم جب موبائل کی اسکرین پر نمایاں طور پر ظاہر ہوجائے تو اس کو چھونے اور پکڑنے کے بارے میں موبائل کی دو شکلیں ہمارے سامنے ہیں۔

نمبر ۱ : بے وضو اسکرین والے موبائل پر قرآن مجید کو پکڑنا

اس موبائل پر کوئی ایسا غلاف یا کوَر چڑھا ہوا ہو جو موبائل سے بالکل الگ ہو، جب چاہے اس کور کو موبائل سے الگ کیا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت میں یہ کور قرآن کریم کے جزودان کے درجے میں ہوگا اور اس کور کے لگے ہوئے ہونے کی حالت میں اس موبائل کی اسکرین پر قرآن کریم نمایاں طور پر صاف ظاہر ہوجائے تو بلا وضو کور کے اوپر سے اس موبائل کو پکڑنا جائز اور درست ہوگا اور اسے پکڑنے کے لئے باوضو ہونا لازم نہیں، جیسا کہ حسب ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

یحرم مسها: أي الآية لقوله تعالیٰ: لایمسه إلا لمطهرون سواء کتب علی قرطاس، أو درهم، أو حائط إلا بغلاف متجاف عن القرآن والحائل کالخریطة في الصحیح، ویکره بالکم تحریماً لتبعیته للابس. وفي الطحطاویة: قوله یکره بالکم تحریماً صححه. في الهدایة، وفي المحیط، وجامع التمرتاشي: لایکره مسه بالکم عند العامة؛ لأن المحرم المس، وذلک بالمباشرة بالید بلاحائل. (طحطاوي علی المراقي، کتاب الطهارة، باب الحیض و النفاس والإستحاضة، دارالکتاب ۱۴۳)

اور **ملتقي الأبحر** میں اس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

لایجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحیح. وفي در المنتقی: قوله في الصحیح وعلیه الفتوی، وکره المس بالکم، أو بشيئ من الثوب الذي علی الماس؛ لأنه تبع وقیل لایکره. وجعله في المحیط قول الجمهور. (الدر المنتقی علی الملتقی الأبحر، کتاب الطهارة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۴۲)

اورشامی میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ومسه ولو مكتوباً بالفارسية في الأصح إلا بغلافه المنفصل. وفي الشامية قوله: إلا بغلافه المنفصل: أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح وعليه الفتوىٰ؛ لأن الجلد تبع له. (شامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ١/٤٨٨، كراچي ١٧٣)

نمبر ۲ : اسکرین پرقرآن کے حروف ظاہر ہونے کی حالت میں چھونا

جس موبائل کی اسکرین پر قرآن کریم کے حروف نمایاں طور پر ہوتے ہوں اور اس کے اوپر کور چڑھا ہوا نہ ہو، تو ایسی صورت میں جب اس موبائل کی اسکرین پر قرآن مقدس کے حروف نمایاں طور پر ظاہر ہوجائیں تو اس وقت اس موبائل کو بغیر وضو کے چھونا اور پکڑنا جائز نہیں ہوگا اور اس کی دوسری پشت کا حکم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی ایسی جلد ہو جو اس کا جز لاینفک اور متصل ہو اور وہ اس سے الگ نہ ہوتی ہو، تو جس طرح قرآن کریم کو جلد کے اوپر سے بلاوضوء پکڑنا ممنوع ہے، اسی طرح یہ حکم قرآن کریم کے حروف نمایاں ہونے کی حالت میں موبائل کی دوسری پشت سے پکڑنے کا ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

ومسه ولو مكتوبا بالفارسية في الأصح إلا بغلافه المنفصل، وكذا يمنع حمله كلوح وورق فيه آية. وفي الشامية قوله: ومسه أي القرآن ولو في لوح، أو درهم، أو حائط؛ لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف، فلا يجوز مس الجلد وموضع البياض منه. وقال: بعضهم يجوز، وهذا أقرب إلى القياس والمنع أقرب إلى التعظيم كما في البحر: أي والصحيح المنع، وقوله: إلا بغلافه المنفصل: أي كالجراب، والخرقة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح، وعليه الفتوى؛ لأن الجلد تبع له.

(شامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ٤٨٨١، كراچي ١/٢٩٣)

ہدایہ مع فتح القدیر میں اس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

وليس لهم مس المصحف إلا بغلافه، ولا أخذ درهم فيه سورة من القرآن إلا بصرته، وكذا المحدث لا يمس المصحف إلا بغلافه. لقوله عليه السلام ” لايمس القرآن إلا طاهر“ ثم الحدث، والجنابة، حلا اليد فيستويان في حكم المس، والجنابة حلت الفم دون الحدث، فيفترقان في حكم القراءة، وغلافه ما يكون متجافياً عنه دون ما هو متصل به الجلد المشرز هو الصحيح. وفي الفتح قوله: وغلافه مايكون متجافيا عنه: أي منفصلا وهو الخريطة خلافا لمن قال هو الجلد، أو الكم؛ لأن الجلد الملصق تابع له حتى يدخل في بيعه بغير شرط، فلمسه حكم مسه والكم تابع للماس فالمس به كالمس بيده والمراد بقوله: يكره مسه بالكم كراهة التحريم. (فتح القدير، كتاب الطهارة، باب الحيض والإستحاضة، زكريا ١/١٧٢، كوئٹه ١/١٤٩)

اور ملتقی الابحر میں اس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

لايجوز مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح، وكره المس بالكم ولا مس درهم فيه سورة. وفي در المنتقي في الصحيح وعليه الفتوىٰ، وكره المس بالكم، أو بشيئ من الثوب الذي على الماس؛ لأنه تبع له، وقيل لايكره و جعله في المحيط قول الجمهور: وتبعه الدرر والتنوير ولا يجوز مس درهم فيه سورة، أي آية إلا بصرته؛ لأنها كالغلاف.

(در المنتقي، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۷۸۳)

اسکرین والے موبائل کو لے کر بیت الخلاء میں داخل ہونا

سوال [۱۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جس موبائل کی اسکرین پر قرآن کریم کے حروف نمایاں طور پر ظاہر ہوجاتے ہوں تو ایسے موبائل کو جیب میں لے کر کے بیت الخلاء میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اس کے حروف موبائل کی اسکرین پر ظاہر نہ ہوں؛ بلکہ موبائل میں یا اس کی ''چپ'' میں مخفی ہوں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس موبائل کی اسکرین پر قرآن کریم نظر آتا ہو، اس موبائل کو جیب میں لے کر بیت الخلاء وغیرہ میں داخل ہونا جائز نہیں ہوگا اور اسکرین پر قرآن کریم ظاہر نہ ہونے کی حالت میں اس کو جیب میں محفوظ کر کے بیت الخلاء وغیرہ میں داخل ہونا جائز اور درست ہوگا؛ کیونکہ ایسی صورت میں قرآن کریم کی بے ادبی نہیں ہے اور اسکرین پر ظاہر نہ ہونے کی حالت میں بظاہر ایسا ہے کہ اس موبائل میں قرآن کریم ہے ہی نہیں؛ بلکہ قرآن کریم موبائل پر اس وقت آتا ہے، جب موبائل کھول کر قرآن والے پروگرام کو چالو کیا جائے گا تب قرآن کے حروف اسکرین پر دیکھائی دیتے ہیں؛ لہٰذا اس کا حکم ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ آیت لکھی ہوئے سکہ وغیرہ کو جیب میں لے کر داخل ہونا بلا کراہت جائز ہوتا ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

وفي فتاوی آھو لا بأس بالتسمية على الدراھم أن قصد صاحبه العلامة لا التھاون. قال القاضي الإمام على السغدي: وھذه المسئلة نظير الرجل إذا كان له خاتم مكتوب عليه إسم من أسماء الله، فأراد أن يدخل الخلاء والخاتم في اصبعه أنه لايكره. (الفتاوی التاتار خانية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في المسجد والقبلة وغيرها، زكريا ۱۸/ ۶۷، رقم: ۲۸۰۵۳)

اور اس مسئلہ کو مجمع الانہر میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

وكذا دخول الخلاء وفي اصبعه خاتم فيه شيئ من القرآن، أو من أسماء الله تعالىٰ لما فيه من ترك التعظيم، وقيل لايكره إن جعل فصه إلى

باطن الکف، ولو کان ما فیه شيئ من القرآن، أو من أسماء اللّٰه تعالی في جیبه لابأس به، وکذا لو ملفوفاً في شيئ؛لکن التحرز أولی. (مجمع الأنهر، کتاب الطهارة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۴۳)

اور فتح القدیر میں اس کوان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

ولو کانت رقیة في غلاف متجاف عنه لم یکره دخول الخلاء به والاحتراز عن مثله أفضل الخ (فتح القدیر، کتاب الطهارة، باب الحیض والإستحاضة، زکریا۱/ ۱۷۳، کوئٹه ۱/ ۱۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۶۸)

قرآن کے متن وترجمہ کی کتابت واشاعت سے متعلق تجاویز

آج مؤرخہ ۳/ مارچ بروز شنبہ ۲۰۱۵ء ’’قرآن کے متن وترجمہ کی کتابت واشاعت‘‘ سے متعلق تجویز کمیٹی کے زیر بحث طے پایا۔

(۱) قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہدایت ہے، جو قیامت تک انس وجن کی رہنمائی کرتی رہے گی، دنیا میں چونکہ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں؛ لہٰذا قرآنی تعلیمات کو عام انسانوں تک پہونچانے کے لئے مختلف زبانوں میں معتبر تراجم کو فروغ دیا جائے۔

(۲) متن قرآن کے بغیر کسی زبان میں تنہاء ترجمۂ قرآن کی اشاعت ناجائز ہے؛ لہٰذا اسے خریدنا، تقسیم کرنا، ہدیہ کرنا درست نہیں ہے۔

(۳) عثمانی رسم الخط کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط میں قرآن مجید کی کتابت و اشاعت ناجائز ہے۔

(۴) اصل تو یہ ہے کہ صرف عربی رسم الخط میں قرآن کریم کی اشاعت کی جائے؛ لیکن ضرورۃً عربی متن کے ساتھ غیر عربی رسم الخط میں درج ذیل شرائط کے ساتھ اشاعت کی گنجائش ہے:

الف : قرآن کریم کی ترتیب نہ بدلے۔

ب : مخارج کا حتی الامکان لحاظ کیا جائے۔

ج : عثمانی وعربی رسم الخط کی تمام خصوصیات کے لئے جامع و مانع اصطلاحات وضع کر کے اس زبان کے رسم الخط کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

(۵) نابینا اور معذور افراد سماج کی خصوصی توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں، ان کی تعلیم کے لئے بریل کوڈ کی ایجاد نہایت اہم پیش رفت ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس رمزی زبان کے ذریعہ نابینا حضرات کو زیادہ سے زیادہ علوم اسلامیہ سے استفادہ کی سہولت فراہم کی جائے۔

(۶) بریل کوڈ کے ماہرین مسلمان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس کوڈ کو زیادہ سے زیادہ عربی خط اور رسم عثمانی سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں؛ تاکہ یہ رموز قرآن مجید کے اصل رسم سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوجائیں۔

(۷) چونکہ بریل کوڈ علامتی زبان ہے، رسم الخط نہیں؛ اس لئے نابینا افراد کی حاجت و سہولت کے پیش نظر بریل کوڈ میں قرآن حکیم کی کتابت واشاعت جائز ہے اور چونکہ یہ قرآن کریم کا رمز ہے؛ اس لئے اس کا پورا احترام کیا جائے۔

(۸) موبائل کی اسکرین پر نظر آنے والی آیات کو بے وضو نہ چھوا جائے۔

(۹) موبائل اور اس قسم کے دیگر آلات کا ڈھانچہ اسکرین سے علیحدہ ہے؛ لہٰذا جب اسکرین پر قرآن مجید ہو، تو موبائل یا دیگر آلہ کو ہاتھ میں لینے کے لئے باوضو ہونا ضروری نہیں۔

❁❁❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یوپی)

بروز جمعہ ۱۵/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

(٦) فصل في قراءة القرآن وإهداء الثواب

سورۂ یٰسین کا ختم کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں فجر کے بعد سورہ یٰسین پڑھتے ہیں، تو اس طرح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض مساجد میں ایک آدمی پڑھتا ہے اور سب آدمی سنتے ہیں اور بعض مساجد میں سب آدمی پڑھ کر ایک ساتھ دعا کرتے ہیں، اس طرح ایک ساتھ پڑھنا اور ایک ساتھ دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دفع مصائب وبلیات اور حصول برکت کے لئے سورۂ یٰسین کا ختم کرنا جائز ہے، بزرگوں کا یہ مجرب عمل رہا ہے، اس میں وقت کی کوئی قید نہیں جب چاہے پڑھ لے، حدیث میں آیا ہے کہ ہر چیز کا قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب سورۂ یٰسین ہے، جو شخص سورۂ یٰسین پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پڑھنے کی وجہ سے اسے دس قرآن ختم کرنے کا ثواب دیتے ہیں۔

عن أنس رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن لكل شئ قلبا، وقلب القرآن يٰس، ومن قرأ يٰس كتب الله له بقراء تها قراءة القرآن عشر مرات. (سنن الترمذي، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة يس، النسخة الهندية ٢/ ١١٦، دار السلام رقم: ٢٨٨٧، شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم القرآن، ذكر سورة يٰس،دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٧٩، دار السلام رقم: ٢٤٦٠، مسند الدارمي، دار المغني ٤/ ٢١٤٩، رقم: ٣٤٥٩)

اس فضیلت کے پیش نظر سورۂ یٰسین کے ختم پر اجتماعی وانفرادی دعا کرنا اور اس کا قبول ہونا ظاہر ہے؛ اس لئے اجتماعی وانفرادی دعا بھی ختم پر جائز ہے، ہاں اس ختم کرنے کو مسنون طریقہ اور حکم شرعی نہیں سمجھنا چاہئے؛ بلکہ صرف جائز ومباح کے درجہ میں سمجھنا چاہئے۔
(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۰/۴۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۹۴۶)

اجتماعی قرآن خوانی

سوال [۱۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علماء کرام اجتماعی قرآن خوانی، اجتماعی ایصال ثواب کو منع کرتے ہیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی؛ کیونکہ خود دارالعلوم دیوبند اور دوسرے بڑے مدارس میں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو دن اور وقت کی تعین کے ساتھ باقاعدہ اعلان کے ذریعہ اجتماعی قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا نظم ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی جواز کی صورت ہے یا علمائے دیوبند کا خود عمل دلیل جواز ہے؟ تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد تعظیم قاسمی بجنور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: علماء کرام کی جانب سے اسی طرح دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں قرآن خوانی اور ایصال ثواب کے لئے جمع ہونے کا جو اعلان کیا جاتا ہے، اس میں تیجہ، دسواں وغیرہ کا لحاظ نہیں ہوتا ہے، اس کی رعایت کئے بغیر کسی بھی دن ایک وقت کی تعیین ہوتی ہے، دن کی تعیین کو فقہاء نے منع لکھا ہے، وقت کی تعیین کو منع نہیں لکھا، اس طرح تیجہ، دسواں وغیرہ کی رعایت کے بغیر کسی بھی دن کوئی وقت متعین کر کے جمع ہو کر ایصال ثواب

کردیا جائے، تو یہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۳/۹۲، جدید زکریا مطول ۵/۵۹۶، فتاوی رشیدیہ ۱۵۶، کفایت المفتی ۴/۱۱۷، فتاوی رحیمیہ ۱/۳۸۹)

لابأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهرًا، عند ختم القرآن–إلى–و يستحب له، أن يجمع أهله، وولده عند الختم ويدعولهم. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع، مكتبه زكريا قديم ٥/٣١٧، جديد ٥/٣٦٦)

عن أنس، أنه كان إذا ختم القرآن جمع أهله. (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في البكاء عند قراءة، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٣٦٨، رقم: ٢٠٧٠ – ٢٠٧١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

قرآن پڑھ کر ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے

سوال [۱۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کرنا اور دعاء کر کے ایصال ثواب کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمیر ہاپوڑی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن کی تلاوت کر کے میت کو ایصال ثواب کرنا احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔

عن معقل بن يسار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤوها عند موتاكم يعني يٰسٓ. (ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء فيما يقال عند المريض إذا حضر، النسخة الهندية ١٠٤، دار السلام رقم: ١٤٤٨)

عن معقل بن يسار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤوا سورة يٰسٓ على موتاكم. (ابو داؤد شريف، كتاب الجنائز، باب القراءة عند الميت، النسخة الهندية۲/۳/۲٤۳، دار السلام رقم: ۳۱۲۱، مشكوة شريف ۱٤۱)

عن معقل بن يسار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اقرء وا يٰسٓ على موتاكم. (السنن الكبرىٰ للنسائي ۹/۳۹٤، رقم:۱۰۷٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۰/۲۱۹، رقم: ۵۱۰، المستدرك للحاكم، كتاب فضائل القرآن، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ۲/۷۸۷، رقم: ۲۰۷٤، صحيح ابن حبان، فصل في المختصر، دارالفكر ٤/۳، رقم:۲۹۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی القعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ رجسٹر خاص: ۱۱۳۱۹/۴۰)

اجتماعی ختم قرآن کرنا کیسا ہے؟

سوال[۱۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اجتماعی طور پر ختم قرآن کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عمیر، ہاپوڑ قصبہ گڑھ مکتیشور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سب لوگ تلاوت کریں اور آواز کے ٹکرانے سے کسی کو خلل نہیں ہوتا ہے اور الفاظ بھی صحیح طریقے سے ادا ہوجاتے ہیں، تو اس طرح قرآن کریم پڑھنے اور ختم کرنے میں کوئی قباحت نہیں؛ البتہ اگر دوسروں کو خلل پڑے تو مکروہ ہے اور تجربات سے معلوم ہوا کہ اگر سبھی پڑھنے والے ہوں تو خلل نہیں ہوتا؛ اس لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۴۰)

سئل الخجندي، عن إمام يقرأ مع أهل جماعته كل غداة بعد فراغ صلاته جاهرًا، آية الكرسي، وآخر سورة البقرة، هل تجوزله، قال لا بأس والأفضل الإخفاء بها. (التارتار خانية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع، مسائل قراءة القرآن ١٨/٥٠، رقم: ٢٨٠٠٦، هندية،كتاب الكراهية، الباب الرابع: جديد ٥/٣٦٦، قديم ٥/٣١٧)

يكرهُ للقوم، أن يقرأ القرآن جملة، لتضمنها ترك الاستماع والإنصات، وقيل لا بأس به. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في صفة الأذكار،دارالكتاب٣١٨، الموسوعةالفقهية الكويتية٣٣/٦٢)

أن ابن عباس أخبره أن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة، كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم،وأنه قال: قال ابن عباس: كنت أعلم إذاانصرفوا بذلك، إذا سمعته. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الذكر بعد الصلوة، النسخة الهندية ١/٢١٧، بيت الأفكار رقم: ٥٨٣، صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب الذكر بعد الصلوة، النسخة الهندية ١/١١٦، رقم:٨٣٣، ف:٨٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

قرآن خوانی کے ذریعہ ایصال ثواب

سوال [۱۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایصال ثواب کرنا، مثلاً قرآن کی تلاوت کرکے یا کلمہ خوانی کر کے اپنے مرحوم کو ثواب پہونچانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحفیظ، کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب قرآن خوانی یا کلمہ خوانی یا کسی بھی مشروع طریقہ پر ہو درست اور مفید ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۵/۲۹۴)

إن الانسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أو صومًا، أو صدقة، أو قراءة قرآن، أو ذكرا، أو طوافا، أوحجا، أو عمرة، أو غير ذلك، عند أصحابنا، للكتاب والسنة، أما الكتاب فلقوله تعالى وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا. وأما السنة فأحاديث كثيرة منها ماروواه ابو داؤد اقرؤوا على موتاكم بسورة يٰسٓ.

(البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، شامي، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، كراچي ۲/۲۴۳، زكريا۳/۱۵۱)

عن معقل بن يسار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرؤا يٰسٓ على موتاكم. (سنن أبي داؤد، باب القراءة عند الميت، النسخة الهندية۲/۴۴۵، دارالسلام رقم: ۳۱۲۱، مسند أبي داؤد الطيالسي، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۳۴۴، رقم: ۹۷۳، سنن ابن ماجه،كتاب الجنائز، باب ماجاء فيما يقال عند المريض إذا حضر، النسخة الهندية ۱/۱۰۴، دار السلام رقم: ۱۴۴۸، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۲۰/۲۲۰، رقم:۵۱۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۱۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۵ھ

قرآن خوانی

سوال [۱۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو اکٹھا کر کے قرآن پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد خورشید تاج گنج آگرہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رسم ورواج کی پابندی اورد باؤمیں آئے بغیر اورکوئی مخصوص تاریخ، دن اور تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ کی تعیین کے بغیر قرآن خوانی کرکے ایصال ثواب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صرح علماء نا...... بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أوصومًا، أو صدقةً، أو غيرها. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنارة، مطلب في القراء ة للميت، زكريا ٣/ ١٥١، كراچي ٢/ ٢٤٣)

وتكره الضيافة من أهل الميت لأنها شرعت في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، مكتبه دارالكتاب،٦١٧)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثاني، وبعد الأسبوع. (شامي زكريا، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ٣/ ١٤٨، كراچي ٢/ ٢٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۵۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۳۳ھ

ایصال ثواب کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

سوال [۱۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایصال ثواب کے لئے اجتماعی طور سے قرآن خوانی کرنا شرعا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عمیر، گڑھ مکتیشور، ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت ایصال ثواب کے لئے

یا خیر و برکت کے لئے بلا شبہ بہت اہمیت رکھتی ہے اور اجتماعی طور پر بھی قرآن خوانی کی اجازت ہے، مگر اس میں آواز کا ٹکراؤ نہ ہو، ایک دوسرے کو پڑھنے میں خلل نہ ہو، نیز مٹھائی، چائے، کھانے کا بھی التزام نہ ہو، مگر مروجہ رسومات کے التزام کے ساتھ قرآن خوانی جائز نہیں ہے اور آج کل کے زمانہ میں مروجہ رسومات کا اہتمام زیادہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳۶۲/۱، فتاوی رحیمیہ ۴۰۳/۱۰)

واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم، أولقراءة سورة الأنعام، أو الإخلاص، فالحاصل إن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (فتاوى بزاريه، كتاب الصلوة، الخامس والعشرون في الجنائز نوع ذهب إلى المصلى قبل الجنازة جديد ٥٤/١، وعلى ماهش الهندية ٨١/٤، شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ١٤٨/٣، كراچي) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۲۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۲ھ

قرآن پڑھ کر نابالغ بچہ کا ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نابالغ بچے قرآن وغیرہ پڑھ کر ثواب پہونچائیں تو مردہ کو اس کا ثواب پہونچے گا یا نہیں؟ والدین یا غیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیر الدین، قصبہ بڑھاپور، بجنور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مردوں کو قرآن وغیرہ پڑھ کر جو ثواب پہونچایا

جاتا ہے، وہ ان کو پہونچتا ہے، خواہ بچے پڑھیں یا بڑے پڑھیں، اپنے ہوں، یا غیر حدیث شریف میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أو صوما، أو صدقة، أو غيرها، لأنها تصل إليهم. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، ملطب في القراء ة للميت، كراچي ۲/۲۴۳، زكريا۳/ ۱۵۱)

ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة، والجماعة. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت واهداء ثوابها له، زكريا ۳/ ۱۵۲، كراچي ۲۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

خوشی یا غمی کے موقعہ پر ایصال ثواب یا دعا کرنے کا حکم

سوال[۱۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرحومین کو ایصال ثواب کے لئے یا کسی خوشی وغمی کے موقعہ پر بغرض دعا، قرآن خوانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: امداد الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلا پابندیٔ رسم رواج اگر کوئی مخصوص تاریخ ودن کی تعیین کے بغیر اور دعوتی اہتمام والتزام کے بغیر خیر خواہ اور عزیز واقارب ایصال ثواب کی غرض سے بلا اعلان جمع ہو کر قرآن خوانی کریں، تو جائز ہے، ممنوع نہیں۔

صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب

عملہ لغیرہ صلاةً، أو صوما، أوصدقة، أو غيرها كذا في الهداية. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، كراچي ۲/۲۴۳، زكريا۳/۱۵۱)

واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام والإخلاص -هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحرز عنها لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۳/۱۴۸، كراچی ۲/۲۴۰، حاشية الطحطاوی علی المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور ۶۱۷)

اسی طرح کسی خوشی اورغمی کے موقعہ پر بلا التزام واجتماع ودعوت اگر قرآن وغیرہ پڑھ کردعا کریں تو یہ جائز ہے۔

لقوله عليه الصلوة والسلام مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبة كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصابا، النسخة الهندية ۱/۱۱۵، دار السلام رقم: ۱۶۰۱، المعجم الأوسط، دار الفكر ۴/۸۵، رقم: ۵۲۹۶)

ولقوله عليه الصلوة والسلام: من عزى مصابا فله مثل أجره. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصابا، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۵، رقم: ۱۶۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۹۵/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۲۴ھ

قرآن خوانی کے لئے لوگوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کرنا کیسا ہے، باقاعدہ دعوت دے کر قرآن خوانی کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر ناجائز ہے، تو کیا وجہ ہے؟

ایصال ثواب اور قرآن خوانی کے بعد کھانا کھلانا اور چائے وغیرہ پیش کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عمرو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے کسی قریبی عزیز مسلمان بھائی کا انتقال ہو جائے تو صدقات اور تلاوت قرآن کے ذریعہ ان کو ثواب پہونچانا جائز اور درست ہے، تاہم ایصال ثواب کا اہتمام نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۳۲۱/۵)

صرح علماء نا بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً، أو صومًا، أوصدقة، أو غيرها الخ. فالأفضل لمن يتصدق نفلاً، أن ينوي لجميع المؤمنين، والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، زكريا ۱۵۱/۳، كراچي ۲۴۳/۲)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثاني، وبعد الأسبوع. (شامي زكريا، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ۱۴۸/۳، كراچي ۲۴۰/۲، طحطاوي على المراقي قديم ۳۳۹، جديد ۶۱۷ دار الكتاب)

(۲) ایصال ثواب اور قرآن خوانی کے بعد کھانے اور چائے وغیرہ کا اہتمام کرنا یہ صورۃ معاوضہ ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۳۲۸/۵)

وتكره الضيافة من أهل الميت لأنها شرعت في السرور، لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، اشرفية /۶۱۷/ ۶۱۸)

والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره.

(شامي زكريا ۳/۱٤۸، كراچي ۲/۲٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۲/۳ھ

ہفتہ میں ایک دن مقرر کر کے ختم قرآن کرنے کی شرعی حیثیت

سوال[۱۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی محلّہ کے چندلوگ مل کر ہفتہ کے مقررہ دن پر کسی ایک گھر جا کر اجتماعی طور پر بلامعاوضہ ختم قرآن پڑھ کر دعاء خیر کرتے ہیں اور یہ سلسلہ بہت دنوں سے باقاعدہ چالو ہے، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

المستفتی: مسیح الرحمٰن قاسمی ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں مذکورہ طریقہ سے مقررہ دن پر ختم قرآن کرنا مکروہ ہے۔

واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراء ة سورة الأنعام، أوالإخلاص. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۳/۱٤۸، كراچي ۲/۲۳۰)

ومن قال من المشائخ إن ختم القرآن بالجماعة جهرًا، ويسمي بالفارسية سی پاره خواندن مكروه. (الفتاوى التارتار خانية، كتاب الكرهية الفصل الرابع، رفع الصوت عند قراء ة القرآن، زكريا ۱۸/۵۸، رقم: ۲۸۰۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۹۱/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۲۵ھ

آیت کریمہ کے ختم سے متعلق سوال کا جواب

سوال [۱۰۵۳۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ آیت کریمہ **لاإلہ إلا أنت سبحانک إني کنت من الظالمین** کا سوالا کھ مرتبہ ختم کرنا شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر سوالا کھ مرتبہ ختم کرنا صحیح ہے، تو پھر اس کے ختم کرنے کا طریقہ صحیح کس طرح ہے؟

(۳) آج کل جو رواج ہے مسجد میں نماز میں اعلان کرنا کہ آج آیت کریمہ کا ختم ہوگا، پھر نمازی غیر نمازی متبع سنت غیر متبع سنت، سب لوگوں کا ایک مجلس میں اکھٹا ہو کر اور جلد از جلد ختم کرنے کی نیت سے پڑھنا اور بعد ختم کے شیرینی پر فاتحہ دے کر سب لوگوں کا مل کر اس کو کھانا اور شرکت نہ کرنے والوں کو اچھی نظر سے نہ دیکھنا؛ بلکہ ان کو برا بتانا، اس کے متعلق شریعت مطہرہ میں کیا ثبوت ہے؟ اور طریقہ نمبر ۳ میں کیا کیا جائز ہے؟

المستفتی: محمد اسحاق جے پوری

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آیت کریمہ ’’ **لاالہ الا انت سبحانک انـي کنت من الظالمین** ‘‘ دفع مصائب کے لئے بہت مجرب ہے؛ البتہ سوالا کھ کی تعداد کسی حدیث سے ثابت نہیں صرف بزرگوں کا مجرب ہے؛ لہٰذا اس کے ختم میں کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۴۵، جدید ڈابھیل ۳/ ۸۳)

(۲) اس کے ختم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی التزام وقیود کے اس مقدار کو پورا کر لیا جائے؛ اس لئے کہ التزامات و قیودات سے امور مستحبہ بھی بدعت ہوجاتے ہیں۔

(مستفاد: فتاوی عزیز الفتاوی ۱/ ۱۲۲)

فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروها. (مجموعه رسائل ۳/ ۴۹۰، بحواله محمودیه ڈابھیل ۳/ ۲۶۹)

(۳) آیت کریمہ کا ختم کرنا فی نفسہ باعث خیر وبرکت ہے اور اس کے لئے اعلان کرنا تاکہ جس کا جی چاہے شرکت کرے اور جس کا جی چاہے شرکت نہ کرے، اس میں بھی کوئی قباحت نہیں؛ لیکن اس کے لئے شیرینی وغیرہ کے لوازمات جائز نہیں ہیں۔ نیز اگر شیرینی یا دعوت وغیرہ کے بغیر ختم نہیں کیا جاتا، تو ایسے ختم میں کسی قسم کی خیر وبرکت کی امید نہیں، اس میں شرکت بھی نہیں کرنا چاہئے۔

ویکره اتخاذ الطعام في اليوم الأول –إلى– واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ٦١٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/ ٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۲۸ھ

ایضاح المسائل میں قرآن خوانی کے مسئلہ پر حوالہ نہ ہونے کی وجہ سے تذبذب

سوال [۱۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی ممتاز کتاب ''ایضاح المسائل'' کو پڑھ کر استفادہ کیا اور ہر مقام پر حوالہ دیکھ کر کافی خوشی ہوئی؛ لیکن ص: ۱۴۰ پر قرآن خوانی کے مسئلہ میں کوئی حوالہ موجود نہیں، اس کی وجہ سے کچھ تذبذب میں ہوں، مؤدبانہ عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، قرآن واحادیث اقول صحابہ وتابعین یا تبع تابعین یا اس کے علاوہ شریعت کی کوئی اور مقبول دلیل پیش کریں؟

المستفتی: عبدالمطلب، متعلم مدرسہ مدینۃ العلوم انجمن معاون الاسلام، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایضاح المسائل میں اتفاق سے حوالے چھوٹ گئے ہیں ورنہ تو اس مسئلہ پر بہت سے حوالہ ہیں جو ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱/۳۸۹-۱/۳۹۰، فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۵-۱۰/۸۴)

وفي الشامية: ويكره الضيافة من الطعام، من أهل الميت لأنه شرع في السرور، لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص –هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحرز عنها لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى.

(شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۳/۱٤۸، كراچی ۲/۲٤۰، مرقاة المفاتيح، باب في المعجزات الفصل الثالث تحت رقم الحديث:٥٩٤٢، مكتبه امدادية ملتان ۱۱/۲۲۳، حاشية الطحطاوي، دارالكتاب٦١٧، الموسوعة الفقهية الكويتية١٦/٤٥، فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل في الدفن، مكتبه زكريا ۲/۱٥۱، دار الفكر ۲/۱٤۱، كوئٹه ۲/۱۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۰ھ

مائک میں اجتماعی قرآن خوانی کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عالم صاحب مائک پر تقریر کرتے ہیں اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہمارے علاقہ میں کچھ حضرات مائک پر قرآن خوانی کرتے ہیں، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کچھ حفاظ آپس میں قرآن کے پاروں کو تقسیم کرلیتے ہیں اور بقدر حصہ باری باری قرآن شریف

پوری رات پڑھتے ہیں اور صبح کو دعا کرتے ہیں اور تلاوت بیٹھ کر کرتے ہیں نہ کہ نماز میں، تو ان کا مائک پر قرآن خوانی کے جواز کو مائک پر تقریر کے جواز پر قیاس کرنا صحیح ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: عبدالحمید متعلم مدرسہ حیات العلوم مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ راتوں کو انسانوں کے سونے کے واسطے بنایا اور دیگر ضروریات کے لئے اللہ پاک نے دنوں کو مقرر کر دیا ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا. [سورۃ نباء:۹-۱۰]

اور راتوں کو نفلوں میں قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت بھی بہت زیادہ آئی ہے؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تنہائی میں انفرادی طور پر نفلوں میں قرآن پڑھنے کی فضیلت ہے، جس میں اونچی آواز ایسی نہ ہو کہ دوسروں کی نیند میں خلل انداز ہو جائے اور جو صورت سوال نامہ میں ہے کہ مائک کے ذریعہ سے پوری رات قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، تو ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں؛ اس لئے کہ اللہ تعالی نے راتوں کو نیند کے لئے بنایا ہے اور ہر طرف لوگ سو رہے ہوں گے اور آپ مائک میں قرآن کی آواز کے ذریعہ سے ان کی نیند میں خلل ڈالتے ہیں۔

دوسری طرف قرآن کریم کی سخت بے حرمتی ہوتی ہے کہ ادھر قرآن کریم کی آواز آرہی ہے ادھر جاگنے والے لوگ جن کے کانوں میں قرآن کی آواز پہونچ رہی ہے، وہ اپنی دنیوی گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں، تو اس طرح مائک میں رات بھر قرآن پڑھنے کی وجہ سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

(۱) سونے والوں کے سونے میں خلل ڈالنا، جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

(۲) چلنے پھرنے والے دنیوی گفتگو کرنے والے جن کے کانوں میں قرآن کی آواز

پہونچتی ہے ان کے قرآن کی طرف متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے اور قرآن کی آواز کانوں میں پڑنے کے باوجود دنیوی گفتگو میں مصروف رہنے کی وجہ سے گنہگار ہوتے ہیں اور اس گناہ کا سبب پڑھنے والے بنتے ہیں۔

(۳) اس طرح سے قرآن کریم پڑھنا غیروں کے مندروں اور گرودواروں میں رات بھر مائک میں پروگرام چلنے کے مشابہ ہے، جونہایت خطرناک عمل ہے، ان تمام وجوہات کی بنا پر مائک میں قرآن خوانی ناجائز اور ممنوع ہے، اس کو عبادت سمجھ کر کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے؛ اس لئے شریعت قرآن کریم کو اس انداز سے پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی۔

لايقرأ جهرًا عند المشتغلين بالأعمال، و من حرمة القرآن، أن لا يقرأ في الأسواق، و في موضع اللغو. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الخامس، مكتبه زكريا، قديم ٥/٦ ٣١، جديد ٥/ ٣٦٥)

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يكره رفع الصوت عند قراءة القرآن. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن ١٥/٥٢٤، رقم: ٣٠٨٠١)

قال في القنية نقلا عن ظهير الدين التمرتا شي لايقرأ جهرًا عند المشتغلين بالأعمال، و من حرمة القرآن، أن لا يقرأ في الأسواق، ومواضع اللغو.

(حاشيه چلپي، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه امداديه ملتان، ١/٥٨، زكريا ١/٦٧)

رجل يقرأ القرآن، فلا يمكنه استماع القرآن، فالإثم على القاري، وعلى هذا لو قرأ على السطح في الليل جهرًا، والناس نيام يأثم. (فتح القدير، كتاب الصلوة، قبيل باب الامامة، مكتبه زكريا ١/ ٣٥١، كوئٹه ١/٢٩٨، دار الفكر ١/٣٤٢، حاشية چلپي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مكتبه امداديه ملتان ١/ ١٣٢، زكريا ١/٣٣٩، البحر الرائق، كتاب الصلوة قبيل باب الامامة، مكتبة كوئٹه ١/٣٤٣، زكريا ١/ ٦٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۶۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۲۷ھ

اجتماعی قرآن خوانی کے لئے مائک سے اعلان کرنے کا شرعی حکم

سوال [۱۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اہل میت اگلے دن صبح کو ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کا نظم کرتے ہیں اور مائک سے اعلان کیا جاتا ہے، تو یہ اعلان کرنا کیسا ہے؟ بظاہر فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مکمل پڑھا جاتا ہے، اگلے دن صبح کو قرآن خوانی کرانے میں کیا قباحت ہے؟

المستفتی: محمد تعظیم قاسمی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگلے دن صبح ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنے میں تیجہ، دسواں وغیرہ لازم نہیں آتا؛ اس لئے جائز اور درست ہے اور مائک میں صرف اس لئے اعلان ہوتا ہے تاکہ بخوشی آنے والوں کو معلوم ہو جائے اور قرآن مکمل کر کے میت کی مغفرت کی دعا کی جائے، یہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۹۲/۳)

لابأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهرًا، عند ختم القرآن إلى قوله ويستحب له أن يجمع أهله، وولده عند الختم ويدعولهم، كذا في الينابيع.

(هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس، مكتبه زكريا قديم ٥/٣١٧، جديد ٥/٣٦٦)

حدثنا ثابت قال: كان أنس إذا ختم القرآن جمع ولده، و أهل بيته، فدعالهم. (مسند دارمي، دار المغني ٤/٢١٨٠، رقم: ٣٥١٧، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١/٢٤٢، رقم: ٦٧٤)

في الشامية: ويقرأ ما تيسر له من القرآن من الفاتحة، وأول البقرة إلى المفلحون، و آية الكرسي، و آمن الرسول، و سورة يٰس، وتبارك الملک إلى قوله ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب، ما قرأناه إلى فلان أو إليهم.

(شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابهاله

زکریا ۳/ ۱۵۲، کراچی ۲/ ۲۴۳)　فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۴۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

مروجہ قرآن خوانی اور شبینہ کا شرعی حکم

سوال [۱۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مروجہ قرآن خوانی اور شبینہ ازراہ شرع کیسا ہے؟

المستفتی: ابراراحمد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس زمانہ میں شبینہ کا جو رواج ہو چکا ہے، وہ مختلف خرافات ومفاسد کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔ مثلاً ادھر قرآن ہو رہا ہے اور ادھر کچھ لوگ باتیں کرتے رہتے ہیں یا کچھ لوگ کھانا، شیرینی، چائے وغیرہ کے انتظام میں ہوتے ہیں اور کچھ لوگ یونہی پھرتے رہتے ہیں، یہ سب احترام قرآن کے خلاف ہے، ایسی صورت میں بجائے ثواب کے سخت گناہ کا ارتکاب لازم آتا ہے؛ اس لئے جائز نہیں۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۴۸۷، فتاوی رحیمیہ ۴/ ۳۸۷، ایضاح المسائل ۲۶، احسن الفتاوی ۳/ ۵۲۱)

الأخذ بالتجويد حتم لازم من لم يجود القرآن فهو أثم. (الموسوعة الفقهية الكويتيه ۱۰/ ۷۹)

نیز مروجہ قرآن خوانی غیر ضروری لوازمات اور کھانا یا شیرینی، چائے وغیرہ کی وجہ سے ممنوع ہے۔

واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم ...... والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۳/ ۱۴۸، كراچی ۲/ ۲۴۰)

وصرح الحنفية: بأنه يكره اتخاذ الطعام-إلى- واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن الخ (الموسوعة الفقهية الكويتيه ١٦/ ٤٥)

ہاں البتہ اگر کسی قسم کا کھانا پینا، چائے، ناشتہ لین دین کچھ نہ ہو صرف قرآن پڑھ کر خالی واپس ہوجائیں تو جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۶ھ

کیا مروجہ قرآن خوانی جائز ہے؟

سوال [۱۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گھروں اور دوکانوں میں کوئی شخص چند آدمیوں کو بلاکر قرآن خوانی کرائے اوراس کے بعد کھانے پینے کا اہتمام کرے تو ایسی جگہ قرآن شریف پڑھنے جانا اوراس کے بعد کھانا، پینا کیسا ہے؟ اس طرح قرآن پڑھنے جانا کیسا ہے؟

المستفتی: نواب اختر متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گھروں اور دوکانوں میں مروجہ قرآن خوانی جس میں کھانے، پینے کا التزام ہوتا ہو مکروہ اور بدعت ہے، اس میں ثواب اور برکت کی امید نہیں ہے؛ اس لئے کہ خود پڑھنے والوں میں کھانے، پینے کی غرض شامل ہوتی ہے اور قرآن کریم بھی صحیح طریقہ سے نہیں پڑھا جاتا ہے؛ البتہ اگر صرف ثواب اور خیر و برکت کے لئے بغیر کھانے پینے کے التزام یا بغیر کسی دنیاوی طمع کے پڑھا جائے تو جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۳/ ۱۹۴ و ۶/ ۱۸۱، ایضاح المسائل: ۱۴۰)

الحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل يكره.

(شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت زكريا ۱۴۸/۳، كراچی ۲۴۰/۲)

وتكره الضيافة من أهل الميت، و تحته في حاشية الطحطاوی، واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن، و جمع الصلحاء والقراء للختم. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيادة القبور، مكتبه دارالكتاب: ۶۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۷۸۶/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۴/۲۰ھ

اجتماعی قرآن خوانی کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن خوانی کروانا کیسا اور کیا ہے؟ اگر گھر میں کوئی مر گیا ہو تو قرآن پڑھوانا کیسا ہے؟

المستفتی: رفیق احمد کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب کے لئے قرآن شریف پڑھنا جائز اور مستحسن ہے؛ لیکن اجتماعی طور پر قرآن خوانی کروانا، جیسا کہ آج کل رائج ہے کہ قرآن خوانی کے بعد کھانا، ناشتہ یا میٹھائی کھلائی جاتی ہے، تو اس طرح اجتماعی طور پر قرآن خوانی کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۸۲/۶، امداد الفتاوی ۵۳۹/۱)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۱۴۸/۳، كراچي ۲۴۰/۲، مرقاة المفاتيح،

بــاب فـي الـمـعـجـزات الـفـصـل الثـالـث تـحـت رقـم الحديث: ۵۹۴۲، مکتبـه امدادية مـلتـان ۲۲۳/۱۱، حـاشيـه الـطـحـطاوي على المراقي، كتاب الصلوة قبيل فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ۶۱۷، الموسوعة الفقهية الكويتيه ۴۵/۱۶)

لابأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهرا، عند ختم القرآن–إلى– ويستحب له أن يجمع أهله وولده عند الختم ويدعولهم.

(هنديه،كتاب الكراهية، الباب الخامس زكريا قديم ۳۱۷/۵، جديده ۳۶۶/۵)

نیزاس سلسلے میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى. (شامی زکریا۱۴۸/۳)

اوراگر کچھ کھلایا یا پلایا نہ جائے اور کچھ نہ دیا جائے صرف لوجہ اللہ قرآن پڑھ کر کے ایصال ثواب کیا جائے،تو جس کے لئے پڑھا گیا اسے بھی ثواب ملے گا اور پڑھنے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/صفرالمظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۶۵۰۸/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲۷ھ

اجتماعی قرآن خوانی

سوال[۱۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اجتماعی طور پر قرآن خوانی مختلف مواقع پر جیسے نئے مکان میں رہائش اختیار کرنے سے پہلے، فیکٹری مل اور دوکان کے افتتاح کے وقت، ٹرک یا اور کوئی موٹر گاڑی چلانے سے پہلے خیر وبرکت کے طور پر اسی طرح کسی کے انتقال کے بعد ایصال ثواب کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عقیل ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کی تلاوت بہت بڑی خیر وبرکت کا ذریعہ ہے۔ نیز اگر اجتماعی تلاوت ہوتی ہے اور اطمینان کے ساتھ سب تلاوت پر قادر ہیں، تو یہ بھی جائز ہے؛ لہٰذا مل، فیکٹری، دوکان، مکان وغیرہ کی خیر وبرکت کے لئے بھی جائز ہے؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے اسی موقعہ پر دعوت طعام کا انتظام نہ ہو؛ اس لئے کہ اس قسم کے لوازمات کی وجہ سے قرآن خوانی ثانوی درجہ کی ہوجاتی ہے اور لوازمات کی اہمیت زیادہ ہوجاتی ہے اور پڑھنے والے بھی اس لئے پڑھتے ہیں کہ نقدی یا کھانے کی چیز مل جائے گی اور اس زمانہ میں عمومی طور پر یہی صورت حال ہے، جو ناجائز اور ممنوع ہے؛ اس لئے مروجہ قرآن خوانی کو علماء نے ناجائز کہا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۴۰)

ومن قال من المشائخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرا، ويسمي بالفارسية سي پاره خواندن مكروه. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع، زكريا ١٨/ ٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣)

واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، أولقراءة سورة الأنعام، والإخلاص. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجناز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ٣/ ١٤٨، كراچی ٢/ ٢٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۵۶/۳۲)

برکت اور ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور شیرینی تقسیم کرنا

سوال [۱۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ رسم آج کل روز بروز ترقی کرتی جارہی ہے، کوئی نیا مکان بناتا ہے

یا گاڑی خریدتا ہے یا پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے، تو برکت کے طور پر قرآن کریم پڑھواتا ہے شرعاً یہ کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ پھر شیرینی تقسیم ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں، جب کوئی مرجاتا ہے، تو مرنے والے کے گھر پر قرآن پڑھنے کے لے جانا چاہئے یا نہیں؟ پھر شیرینی تقسیم ہوتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یوسف رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برکت کے لئے قرآن کریم پڑھنا اور اسی طرح میت کے یہاں ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا جائز اور درست ہے، مگر اس میں شیرینی تقسیم کرنا اور دعوت کھلانا ممنوع اور ناجائز ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام (إلی قوله) واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أو الإخلاص.

(شامي، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في کراهة الضیافة من أهل المیت، زکریا ۱٤۸/۳، کراچی ۲٤۰/۲)

وصرح الحنفیة: بأنه یکره اتخاذ الطعام–إلی– واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن. (الموسوعة الفقهیة الکویتیه ٤٥/١٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۹۳/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۲ھ

دوکان کے افتتاح میں قرآن خوانی کرواکر دعوت کھلانے کا شرعی حکم

سوال [۱۰۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ دور میں مکان اور دوکان، فیکٹری، کارخانہ کے افتتاح کے لئے عوام کے ساتھ حفاظ، علماء کو مدعو کیا جاتا ہے، کبھی تو فقط عالم صاحب دعا کرتے ہیں اور کبھی کلام

پاک پڑھوا کر دعاء کرتے ہیں اور اس کے بعد کھانا، ناشتہ یا چائے نوش فرماتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے۔ نیز اس زمانہ میں مدارس کے طلباء کرام کو مدعو کیا جاتا ہے اور منتظم مدرسہ تمام طلباء کو جانے پر مجبور کرتے ہیں، کیا یہ مروجہ طریقہ صحیح ہے؟

المستفتی: حامد علی کرلا ویسٹ ممبئی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تلاوت کے بعد کھانے پینے کا طریقہ مشروع نہیں اور نہ ہی تعلیم چھوڑ کر طلباء کو شرکت پر مجبور کرنا جائز ہے؛ ہاں البتہ تعلیمی نقصان سے بچتے ہوئے، محض دوکان یا مکان میں پہونچ کر صرف دعاء کی جائے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور تلاوت نہ کی گئی ہو، تو وہاں پر کچھ کھا پی لینا بھی امر ممنوع نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/۳۴۱)

لیکن اگر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے پھر اس کے بعد کھانا، پانی مکروہ ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام (إلی قوله) واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أو الإخلاص.

والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره.

(شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۳/۱٤۸، كراچی ۲/۲٤۰، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، مكتبه دارالكتاب ٦١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
۱۴۱۵/۵/۲۷ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۳۶)

دفع مصائب، خیر وبرکت کے لئے قرآن خوانی کرانے کا شرعی حکم

سوال [۱۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں قرآن خوانی کا رواج ہے کبھی مریض کی شفایابی کے لئے، کبھی دوکان کی خیر وبرکت کے لئے یا پھر کسی مصیبت سے نجات کے لئے دس، بارہ حافظ یا قاری کو جمع کر کے قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، پھر سب کو پچاس یا سوسو روپئے دیئے جاتے ہیں، پیسہ کی مقدار متعین نہیں ہوتی عرف میں اس طرح دینے کا رواج ہے، کیا اس طرح قرآن خوانی کرنا یا کرانا پیسہ دینا یا لینا جائز ہے؟ مصیبت زدہ ہر ایک کا حکم ایک ہے یا الگ الگ؟

المستفتی: محمد نجم الاسلام مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد، مظفرنگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث مبارکہ میں قرآنی آیات اور سورتوں وغیرہ کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں، وہ دو طرح کے ہیں:

اول: یہ کہ کوئی شخص مریض ہو یا سحر زدہ ہو یا پھر مہلک امراض میں مبتلا ہو اور مخصوص آیتوں اور سورتوں کی تلاوت کر کے اگر کوئی ان پر دم کرے، تو ان کو مرض سے شفایابی ہو جائے، سحر کا اثر ختم ہو جائے، مہلک امراض سے شفایابی نصیب ہو، تو یہ فضائل بطور علاج اور رقیہ کے بیان کئے گئے ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص مخصوص آیتوں اور سورتوں کی تلاوت کر کے مرض میں مبتلا شخص پر دم کر کے اس عمل کی اجرت لے، تو یہ عمل رقیہ کے تحت جائز ہو کر اس عمل پر اجرت کا لینا اور دینا جائز اور درست ہوگا؛ اس لئے کہ اس میں رقیہ مقصود ہوتا ہے تلاوت مقصود نہیں ہوتی۔

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب اللّٰه يعني إذا رقيتم به. (عمدة القاري، كتاب الاجارة، باب ماجاء يعطي في الرقية على احياء العرب الخ، دار احياء التراث العربي ۹۶/۱۲، زكريا ۶۲۸/۸)

في الحديث دليل على جواز الرقية بالقرآن، وبذكر اللّٰه وأخذ الأجرة عليه؛ لأن القراء ة من الأفعال المباحة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة، كتاب البيوع، باب الاجارة، أخذ الأجرة على تعليم القرآن، اشرفى ديوبند ۱۳۶/۶، امدادية ملتان ۱۳۶/۶)

دوسرے یہ کہ مخصوص آیتوں اور سورتوں کی تلاوت کرنے سے مختلف دنیوی اوراخروی اغراض حاصل ہوں اور خیرات وبرکات کا حصول ہوتو یہ فضائل بطور علاج اور رقیہ کے نہیں؛ بلکہ بطور تلاوت کے بیان کئے گئے ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس قسم کی آیتوں اور سورتوں کی تلاوت کر کے اجرت کا مطالبہ کرے یا پھر کوئی شخص تلاوت کرانے کے بعد اپنی خوشی سے کوئی چیز بطور اجرت کے دے تو چونکہ یہ تلاوت پر اجرت ہے؛ لہٰذا اس اجرت کا لینا اور دینا ناجائز اور حرام ہوگا۔ جیسا کہ سونے سے پہلے سورۂ ملک کی تلاوت سے عذاب قبر سے حفاظت ہوتی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴۹۵/۲، رقم: ۲۵۱۰)

اور رات کو سونے سے پہلے سورۂ واقعہ پڑھنے سے بے روزگاری اور فاقہ کشی سے حفاظت ہوتی ہے۔ (شعب الایمان ۴۹۲/۲، رقم: ۲۴۹۹و۲۵۰۰)

اس تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے صورت مسئولہ میں مریض کی شفایابی کے لئے قرآن کی تلاوت کرانے کے بعد مریض پر فورادم کرائے، تو یہ عمل رقیہ کے تحت جائز ہوکر اس پر اجرت کا لینا اور دینا جائز ہوگا؛ لیکن اگر فورادم نہیں کرایا گیا اور صرف تلاوت پر اجرت دی جائے، تو یہ تلاوت پر اجرت کے تحت ناجائز ہوکر اس پر بھی اجرت کا لینا اور دینا ناجائز اور حرام ہوگا۔ اسی طرح دوکان، مکان میں خیر وبرکت کے لئے تلاوت کرائی گئی اور تلاوت کرانے والے تلاوت کے بعد تلاوت کرنے والوں کی تخصیص کے بغیر مجلس میں شریک تمام لوگوں کو اپنی خوشی سے کچھ دے تو اس کا لینا اور دینا جائز ہوگا؛ لیکن اگر تلاوت کرنے والوں کی تخصیص کی گئی، تو معلوم ہوا کہ یہ تلاوت پر اجرت کا لینا ہورہا ہے، جو ناجائز اور حرام ہے؛ لہٰذا اس صورت میں بھی اجرت کا لینا اور دینا دونوں ناجائز اور حرام ہوں گے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحق ما أخذتم عليه أجرًا كتاب الله يعني إذا رقيتم به. (عمدة القاري، دار احياء التراث العربي ٩٦/١٢، زكريا ٦٢٨/٨)

في الحديث دليل على جواز الرقية بالقرآن وبذكر الله، وأخذ الأجرة عليه؛ لأن القراءة من الأفعال المباحة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة ۱۳٦/٦، امدادية ملتان)

جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكر الطحطاوي لأنها ليست عبادة محضة؛ بل من التداوي. (شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسده، مطلب في الاستئجار على الطاعات، زكريا۹/۷۸، كراچي ٦/۵۷)

ويمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطي آثمان فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز الخ. (شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات۹/۷۷، زكريا ديوبند، كراچي ٦/۵٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰٦۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۴/۱٦ھ

دفع ضر وحصول برکت کے لئے قرآن خوانی

سوال [۱۰٦۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کسی مصیبت کے وقت یا کسی بیماری کے لئے یا کسی نئی دوکان ومکان کے لئے یا صرف خیر وبرکت کے لئے یا اور دوسرے مقاصد کے لئے لوگ ختم یونس پڑھاتے ہیں اور اس پر اجرت بھی دیتے ہیں اگرچہ پڑھنے والے اس سے کچھ نہیں چاہتے ہیں؛ بلکہ یہاں کا رواج ایسا ہی ہے کہ ختم کے بعد پڑھانے والے قارئین کو کچھ پیسہ دیتے ہیں اور اکثر کھانا بھی کھلاتے ہیں، تو کیا صورت مذکورہ میں کھانا کھانا اور پیسہ لینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد عمیر قاسمی، گڑھ مکتیشور، ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مصیبت کے دفع کے لئے یا دوکان ومکان کی خیر وبرکت کے لئے قرآن کریم کا ختم کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن اس میں اجرت وغیرہ نہ لی جائے، نہ دی جائے۔

القـاري لـلدنيا والآخذ، والمعطي آثمان (إلى قوله) أن–القاري إذا قـرأ لأجـل الـمـال، فـلاثـواب لـه فأي شيئ يهدى إلى الميت، وإنما يـصـل إلـى الميت العمل الصـالـح. (رسـائـل ابـن عـابدين، ثاقب بکڈپو دیوبند ۱/۱۷۵، شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، البناية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه، مكتبه اشرفية ۱۲/۲۳۷، الموسوعة الفقهية الكويتيه ۱/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۱۴/۳۸)

قرآن خوانی سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ربیع الاول کی ۱۲؍تاریخ کو قرآن خوانی کرائی جائے یا نہیں؟ اور لوگ حضور ﷺ کے لئے قرآن خوانی کا جو بندوبست کرتے ہیں یہ طریقہ سنت ہے، یا بدعت؟

(۲) میت کے ایصال ثواب کے لئے تیسرے دن، دسویں، چالیسویں دن قرآن خوانی کا اہتمام کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا کیسا ہے، یہ طریقہ سنت ہے یا بدعت؟

(۳) کوئی نئی چیز خریدی جیسے اسکوٹر، کار، ٹرک، بس وغیرہ اس کے لئے قرآن خوانی کرانا کیسا ہے سنت یا بدعت؟

(۴) قرآن وسنت کے خلاف زندگی گذاری جائے اور سال میں ایک یا دوبار دوکان پر قرآن خوانی کرادی جائے، جیسا کہ آج کے دور میں رواج چل پڑا، یہ کیسا ہے یہ سنت ہے یا بدعت، اس قرآن خوانی سے خیر وبرکت حاصل ہوجائے گی یا نہیں؟

(۵) ان تمام طریقوں کو اختیار کرنا بہتر ہے یا چھوڑنا بہتر ہے؟

المستفتی: محمد حنیف نئی مسجد ٹنک پور نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲/۳) قرآن خوانی خواہ ایصال ثواب کے لئے ہو یا دوکان ومکان میں خیر وبرکت کے لئے ہو فی نفسہ جائز اور باعث اجر وثواب ہے؛ لیکن اس دور میں جو قرآن خوانی ایک رسم بن کر رہ گئی ہے، خواہ بارہ ربیع الاول کو ہو یا میت کے ایصال ثواب کے لئے، تیجے، دسویں، چالیسویں میں ہو بدعت ہے؛ کیونکہ اس دور میں قرآن خوانی کی مجلس طرح طرح کی خرافاتوں پر مشتمل ہوتی ہے اور کھانے وغیرہ تیار کر کے قرآن پڑھنے والوں کو کھلائے جاتے ہیں اور پڑھنے والوں کی نیت بھی کھانے کی ہوتی ہے؛ اس لئے ان کے پڑھنے سے میت کو کوئی ثواب وغیرہ نہیں پہونچتا ہے؛ اس لئے یہ ناجائز اور بدعت ہے۔

فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة، وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولاالأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان. (شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسده، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچي ٦/٥٦، زكريا ديوبند ٩/٧٧، هداية، اشرفي ديوبند ٣/٣٠٣، احسن الفتاوى ١/٣٦١)

(۴/۵) سال میں ایک دو مرتبہ قرآن خوانی کرالینا اور پوری زندگی قرآن وحدیث کے خلاف گذارنا گناہ عظیم ہے؛ بلکہ انسان پر لازم ہے کہ اپنی زندگی کا کوئی بھی لمحہ احکام

قرآن اور احادیث نبویہ کے خلاف نہ گذارے اس لئے کہ جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کے بتلائے ہوئے راستے کے خلاف چلتے ہیں، تو ان کے لئے قرآن کریم میں سخت سے سخت وعیدیں آئی ہیں اور ایسے ہی لوگ حوادثات و پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور بہترین و خوشگوار زندگی وہی زندگی ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق گذاری جائے اور ان تمام ممنوعات کو ترک کرنا ضروری اور باعث ثواب ہے۔

فليحذر الذين يخالفون عن امره أن تصيبهم فتنة (أي عقوبة أو زلازل وأهوال وتسليط سلطان جائر) أو يصيبهم عذاب اليم أي وجيع في الآخرة. (الطريقة المحديه ١/٩٣، سورة نور آيت:٦٣)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا. (سورة احزاب:٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۴۹/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۱ھ

قرآن خوانی کے لئے لوگوں کو گھر پر بلانے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ کسی کے مرجانے پر اس کا چالیسواں، تیجہ وغیرہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) قرآن پڑھوانے کے لئے گھر پر بچوں کو دعوت دینا کیسا ہے؟

(۳) ایصال ثواب کے لئے دوسروں کو پارے پڑھنے کے لئے دعوت دینا کیسا ہے؟

المستفتی: اخلاق احمد پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر گھر بلوا کر قرآن خوانی کرائی جائے اور پڑھنے والے بچوں کو کچھ نہ کھلایا جائے اور نہ ہی کچھ دیا جائے تو جائز ہے اور اگر کھلایا پلایا جاتا ہے، یا کچھ دیا جاتا ہے، تو کوئی ثواب نہ ملے گا؛ اس لئے کہ بچے اسی غرض سے پڑھنے جاتے ہیں۔ دیکھئے کہ اگر کچھ نہ کھلایا جائے اور نہ ہی دیا جائے تو مجبوراً صرف ورق گردانی کر کے آجائیں گے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع في السرور، لافي الشرور، وهی بدعة مستقبحة (إلی قوله)ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول، والثاني، وبعد الأسبوع. (شامي، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في کراهة الضیافة من أهل المیت، زکریا ۳/۱٤۸، کراچي ۲/۲٤۰)

ومن قال من المشائخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرًا، ویسمي بالفارسیة سی پاره خواندن مکروه. (الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع عند صوت القرآن، زکریا ۱۸/۵۸، رقم: ۲۸۰۲۳)

ہاں البتہ دوسروں کے گھروں میں پارے بھیج دیئے جائیں اور وہ اپنے اپنے گھروں میں پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں تو جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

قرآن خوانی کے لئے طلبہ کو جمع کرنا اور ان کی دعوت کرنا

سوال [۱۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کے گھر والے اگلے روز قرآن خوانی کرا دیتے ہیں، اس کے بعد کھانے کا انتظام کرتے ہیں، مدرسہ کے طلباء کی دعوت کرتے ہیں اور رشتہ داروں کی

اور محلّہ والوں کی دعوت کرتے ہیں، تو یہ کھانا درست ہے یا نہیں؟ جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد بشیر احمد، بنگلوری

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے گھر قرآن خوانی کے لئے کھانے کا انتظام کرنا اور اس کے لئے طلبہ کو جمع کرنا مکروہ اور بدعت ہے؛ البتہ نفس کھانا حلال ہے۔

نیز بلا کسی التزام کھانا یا شیرینی وغیرہ کے قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کردینا جائز و مستحب ہے، اسی طرح کسی دن یا وقت کے لازم کیے بغیر بلا قرآن خوانی کے کھانا کھلانا بھی جائز ہے۔

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور، لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة (إلى قوله)ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثاني، وبعد الأسبوع. ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أو الإخلاص. (فتاوى شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت زكريا ۱٤۸/۳، كراچی ۲٤۰/۲)

ونقل الطعام إلى المقبرة في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، مكتبه دارالكتاب: ٦۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۷۲)

قرآن خوانی کے بعد کھانا کھلانے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنے مکان یا دوکان پر بچوں کو بلا کر قرآن کریم پڑھوا تا ہے اور پڑھنے کے بعد ان کو کچھ کھلائے تو کیا یہ کھانا، پینا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر صرف قرآن کریم پڑھوائے اور کچھ نہ کھلائے تو کیا یہ بھی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اختر بجنور، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی دوکان یا مکان میں قرآن خوانی کے لئے بچوں کو بلانا اور قرآن خوانی کے بعد ان کو کچھ کھلانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۶۳/۸)

ویکره اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم. (الفتاوى البزازية، كتاب الصلوة، باب الجنائز آخر ذهب إلى المصلي قبل الجنازة الخ ، زكريا جديد ١/٥٤، وعلى هامش الهندية ٤/ ٨١، شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ٣/١٤٨، كراچى ٢/ ٢٤٠،حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، مكتبه دارالكتاب:٦١٧)

اور اگر اس طرح قرآن خوانی میں کچھ کھلانے، پلانے کا سلسلہ نہیں ہے اور نہ ہی کچھ لینے دینے کا سلسلہ ہے صرف لوجہ اللہ پڑھا جا رہا ہے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لابأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهرا عند ختم القرآن-إلى-ويستحب له،أن يجمع أهله وولده عند الختم ويدعولهم.
(هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس، مكتبه زكريا قديم ٥/٣١٧، جديد ٥/٣٦٦ ، مستفاد: فتاوى دارالعلوم ديوبند ٥/٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹۶/۳۶)

ختم قرآن کے موقع پر دعوت کی رسم

سوال[۱۰۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تکمیل قرآن مجید کے بعدکوئی خوشی کی جائے،جس میں دوست احباب،اعزا واقرباء کو اکھٹا کیا جاوے، ان کو کھانا کھلایا جائے، باقاعدہ خوشی کی جائے، اس میں مدعوئین حضرات بچہ کوعطیات پیش کرتے ہیں،ان کو لینا کیسا ہے،اگران عطیات کو لینے سے گریز کیا جائے،تومعطیان کرام کو یہ بات گراں گذرے گی؛ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: قاری شان الٰہی قاسمی،دارالکتاب متصل مسجد کارخانہ والی میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختم قرآن کریم کے موقع پر باقاعدہ دعوتوں کی رسم ادا کرنا اور پھراس میں لین دین کا التزام مکروہ اور بدعت ہے؛ اس لئے ان سب امور کا ترک کردینالازم ہیں۔

ویکره اتخاذ الطعام (إلى قوله) واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أوالإخلاص. والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره.
(شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۱٤۸/۳، كراچی ۲٤۰/۲)

وصرح الحنفية: بأنه يكره اتخاذ الطعام-إلى- واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن الخ (الموسوعة الفقهية الكويتيه ٤٥/١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۹۲/۳۱)

قرآن خوانی کے بعد شیرینی تقسیم کرنا

سوال[۱۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن خوانی ہر نئی چیز کے افتتاح پر برکت کے لئے یا عام طور پر گھروں میں نابالغ بچوں یا بڑوں سے قرآن شریف پڑھنا یا پڑھوانا بعد پڑھنے کے اس پر شیرینی لینا دینا یا کھانے کی دعوت کھلانا کھانا، اس بارے میں شرعی کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عمیر قاسمی، گڑھ مکتیشور، ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعوت وشیرینی وغیرہ کے ساتھ تلاوت اور ختم قرآن کرنا ناجائز ہے، نہ اس سے ثواب ملتا ہے اور نہ ہی برکت مل سکتی ہے۔

ومنها الوصية من الميت لا تخاذ الطعام، والضيافة يوم موته، أو بعده باعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه، او يسبح، أو يهلل له، وكلها بدع منكرات باطلة، والمأخوذ منها حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة، والذكر لأجل الدنيا الخ. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسد، مطلب في الاستجار على الطاعات، زكريا ۹/۷۸، كراچی ۶/۵۷)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع. ونقل الطعام إلى المقبرة في المواسم، واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، مكتبه دارالكتاب ٦١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۷۱)

قرآن خوانی کے لئے دعوت وغیرہ کا التزام کرنا

سوال [۱۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس اسلامیہ میں تعلیم پانے والے طلباء اوقات تعلیم مدرسہ سے باہر قرآن خوانی کے لئے بھیجے جاتے ہیں، جس سے تعلیم کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے، کیا شرعاً قرآن خوانی جائز ہے؟ تفصیل طلب یہ ہے کہ جدید کارخانہ، دوکان، جدید گاڑی، موٹر وغیرہ خریدنے کے موقع پر اولاً قرآن خوانی طلبہ کو بلا کر اکھٹا کر کے کرانا ضروری سمجھ رکھا ہے، اس کے بغیر جدید کام کا افتتاح نہیں ہوتا ہے اور کسی مرد یا عورت یا بچہ کے انتقال پر اگر تدفین میں تاخیر ہے، تو میت کے روبرو قرآن خوانی ہوتی ہے اور دوسرے دن مدرسہ سے بچے بلا کر اپنے گھر قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، جو مدرسہ والا قرآن خوانی کے لئے نہ بھیجے اس کو قرآن کا دشمن سمجھا جاتا ہے، اس قدر رواج ہو چکا ہے کہ اس کا ترک کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے، لڑکیاں بھی قرآن خوانی کے لئے مدرسہ سے بھیجی جانے لگی ہیں، بعض مدارس کے ذمہ داران نے یہ عمل بھی شروع کرادیا ہے، آخر میں عرض یہ ہے کہ چودہ سجدہ بھی ادا کئے جائیں، بلند آواز سے نہ پڑھا جائے تو کسی کے گھر پر تعلیم یا غیر تعلیم کے اوقات میں قرآن خونی کے لئے اکھٹا ہونا، شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے، اگر نہیں تو پھر وہ مدرسوں کے ذمہ داران جو صرف چندہ کے لالچ میں اس بدعت کو بڑھاوا دے رہے ہیں، قرآن وحدیث میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: جمعیۃ الحفاظ والعلماء، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے ایصال ثواب کے لئے فی نفسہ قرآن پڑھ کر ثواب پہونچانا جائز اور مباح ہے؛ لیکن ایسے مباح کام کے لئے دعوت دے کر لوگوں کو جمع کرنا اور مدرسہ تعلیم کے اوقات میں تعلیم چھوڑ کر طلبہ کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے اور جو مدرسہ

والے طلباء کو قرآن خوانی کے لئے نہ بھیجیں ان کو قرآن کا دشمن سمجھنا اور اس کے ترک کو گناہ سمجھنا بے دینی اور جہالت ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ کی تعلیم ہر اعتبار سے قرآن خوانی کے لئے جانے پر مقدم ہے؛ لہٰذا تعلیمی فریضہ کو چھوڑ کر قرآن خوانی کے لئے تعلیمی اوقات میں کسی کے گھر جانا شرعا درست نہیں ہے؛ ہاں البتہ خالی اوقات میں بغیر جبر و دباؤ کے جانبین کی تراضی اور خوشی کے ساتھ اتفاقی طور پر اس طرح قرآن خوانی ہو جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے، مگر اس میں دعوت و مٹھائی کا سلسلہ نہ ہونا چاہئے، اس کے لئے بہتر شکل یہ ہے کہ طلبہ کو کہیں نہ بھیجا جائے، مدرسہ ہی میں درس گاہ میں ختم کرا کر ایصال ثواب کر دیا جائے۔

قال في المرقات: من أصر على أمر مندوب وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة، أو منكر وجاء في الحديث ابن مسعود إن الله عزوجل، يحب أن تؤتي رخصه كما يجب أن تؤتي عزائمه. (مرقاة، باب الدعاء في التشهد الفصل الثاني، امدادية ملتان ۲/۳۵۳)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع. ونقل الطعام إلى المقبرة في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الإنعام، أو الإخلاص، (إلى قوله) وهذه الأفعال كلها للسمعة، والرياء فيحزرعنها. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۳/۱۴۸، كراچي ۲/۲۴۰)

ومن قال من المشائخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرًا، ويسمي بالفارسية سى پاره خواندن مكروه. (الفتاوى التارتا خانية، كتاب الكرهية الفصل الرابع، رفع الصوت عند قراءة القرآن، زكريا ۱۸/۵۸، رقم: ۲۸۰۲۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۷/۵۱۳، رقم: ۹۴۵۲)

کسی جدید کام کے کرنے پر قرآن خوانی کو ضروری سمجھنا کہ اس کے بغیر اس کام کا

افتتاح ہی نہ ہوا یک امر قبیح اور بدعت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/۳۶۲)

کسی کے انتقال پر میت کے روبرو غسل دینے سے پہلے قرآن خوانی کرنا؛ جبکہ میت پر کوئی چادر وغیرہ نہ ڈالی گئی ہو مکروہ ہے۔

قال في التنوير: وكره قراءة القرآن عنده إلى تمام غسله: وتحته في الشامية: أن محل الكراهة إذا كان قريبا منه، أما إذا بعد عنه بالقراءة، فلاكراهة، قلت: والظاهر أن هذا أيضا إذا لم يكن الميت مسجي بثوب يستر جميع بدنه. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، زكريا ٣/٨٥، كراچي ٢/١٩٥-١٩٤)

وأصحابنا كرهوا القراءة بعد موته حتى يغسل و يجعل على سرير أو لوح الخ. (البناية، كتاب الجنائز مايفعل بالميت عقيب موته، اشرفية ديوبند ٣/١٧٨)

ويكره قراءة القرآن عنده حتى يغسل. (هنديه كتاب الجنائز، الباب الحادى والعشرون في الجنائز،الفصل الاول في المختصر، زكريا، كذا في تبيين الحقائق، مكتبه امداديه، ملتان ١/٢٣٥، زكريا١/٥٦٤)

چودہ سجدوں کی آیت سجدہ تلاوت کی جائے، تو تلاوت کرنے والے پر سجدۂ تلاوت ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، خواہ زور سے پڑھے یا آہستہ پڑھے؛ لیکن اس کا التزام کرلینا یہ بھی ایک امر بدعت ہے۔

يجب بسبب تلاوة آية أي أكثرها مع حروف السجدة من أربع عشرة آية. (در مختار مع الشامی، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة، زكريا ٢/٥٧٥، كراچي٢/١٠٣)

قوله تجب بأربع عشرة آية، أي تجب سجدة التلاوة بسبب تلاوت آية من أربع عشرة آية في أربع عشرة سورة الخ (البحر الرائق

۱۲۸/۲، باب سجود التلاوة، کوئٹہ ۱۱۱۸/۲، زکریا ۲۱۰/۲، الموسوعة الفقهية الكويتيه ۲۱۵/۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۳۷/۳۷)

قرآن خوانی کے چند روز بعد جوڑے کا انعام دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت والے اپنی مسجد کے امام صاحب کو یا مدرسہ کے طلبہ کو قرآن پڑھوانے کو کہدیں اور امام صاحب قرآن شریف پڑھ دیں، اس کے بعد جب میت کو ۲۰، ۳۰، ۴۰، روز گذر جائیں تو امام صاحب کو بلا کر جوڑا اور کچھ انعام دیں، امام بھی خوشی خوشی قبول کرلیں اور اسی جوڑے کو پہن کر لوگوں کو نماز پڑھائیں یا اس جوڑے کو اپنے گھر میں استعمال کرلیں آیا ایسا کرنا امام کو جائز ہے یا نہیں اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اللہ مہر صدیقی، خادم جامعہ اسلامیہ، بڈھانہ مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام مسجد یا طلبہ کے دلوں میں یہ بات اور خیال رہتا ہے کہ کسی موقع پر کپڑے جوڑے وغیرہ کا انعام ملے گا اور اس علاقہ میں یہ دستور بھی چلا آرہا ہو، تو یہ انعام نہ ہوگا؛ بلکہ سابقہ قرآن خوانی کی اجرت ہوگی اور اس قرآن خوانی سے ثواب حاصل نہ ہوگا اور انعام کے نام سے جوڑے حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا اور اس جوڑے سے نماز پڑھانے سے بھی احتراز کرنا چاہئے۔

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، اشرفي ديوبند

۱۲۵، رقم: ٣٣٤)

لیکن اگر وہاں اس طرح انعام کا دستور نہیں ہے اور نہ ہی قرآن پڑھنے والوں کے دماغ میں انعام وغیرہ کا خیال ہے اور اتفاقاً کسی وقت کوئی جوڑا بطور ہدیہ وتحفہ پیش کیا جائے اور آئندہ بھی یہ خیال باقی نہیں رہتا ہے، تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، ورنہ ہرگز یہ انعام جائز نہ ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تهادوا تحابوا. (مؤطا إمام مالك ٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۶۶)

ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھوا کر کھانا کھلانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لوگ ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھوا کر بچوں کو کھانا یا مٹھائی کھلا دیتے ہیں، تو کیا اس پڑھنے کا ثواب اس مردے کو اور پڑھنے والے کو ملے گا؟

المستفتی: محمد طیب متعلم دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب کے لئے قرآن وغیرہ پڑھوانے کے بعد کھانا، مٹھائی وغیرہ کا اہتمام کرنا درست نہیں ہے، نہ اس سے پڑھنے والوں کو ثواب ملے گا نہ میت کو ثواب پہونچے گا؛ اس لئے مسلمانوں کو اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

ويكره اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، الحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره.

(شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا۳/۱٤۸، كراچي۲/۲٤۰)

ان القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لاللميت ولاللقاري والآخذ والمعطي آثمان، فإذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستاجر. (شامي، كتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة زكريا۹/۷۷، كراچى ٦/٤۲٥)

وقد نص الحنفية علىٰ أنه لايجوز قراء ة القرآن بأجر، وأنه لايترتب علىٰ ذالك ثواب والآخذ، والمعطي آثمان. (الموسوعة الفقهية الكويتيه ۱/۲۹۱)

وقراء ة القرآن للدنيا مكروهة، والأفضل أن لايعطي القارئ شيئا، وفي الواقعات يمنع القاري، والآخذو المعطي آثمان. (البناية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه، مكتبه اشرفيه ديو بند ۱۲/۲۳۷)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول–واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل فصل في زيارة القبور، مكتبه دارالكتاب ٦۱۷)

وصرح الحنفية: بأنه يكره اتخاذ الطعام في أيام متعارف عليها كاليوم الأول–واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن الخ (الموسوعة الفقهية الكويتيه ۱٦/٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰/رجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۵۱/۳۵)	۲۰/۷/۱۴۲۱ھ

دسویں، تیسویں، چالیسویں میں قرآن پڑھنا پڑھانا

سوال [۱۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ دسواں، تیسواں، چالیسواں کرنا اوران دنوں میں قرآن پاک پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل ہلدور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ تیجہ،دسواں، چالیسواں قرآن وحدیث، فقہ،حضرات صحابہ کرامؓ اور مجتہدین عظام میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے؛ بلکہ یہ غیر مسلموں کی رسم ہے، جو مسلمانوں میں آ گئی ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے ان رسومات سے منع فرمایا ہے اوران کو ممنوع اور بدعت قرار دیا ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو ان رسومات سے گریز کرنا چاہئے۔ ہاں البتہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا ان رسومات کی تعیین کے بغیر خیرو برکت اور کارثواب ہے اوران رسومات اور تاریخوں کی پابندی کے ساتھ ممنوع ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۳/ ۱۹۴، رحیمیہ ۸/ ۱۹۲)

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لأنه شرع في السرور، لافي الشرور،وهی بدعة مستقبحة–في البزازیة ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع.ونقل الطعام إلی المقبرة في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراء ة سورة الأنعام، أو الإخلاص (شامي، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في کراهة الضیافة من أهل المیت، زکریا ۳/ ۱۴۸، کراچی ۲/ ۲۴۰)

ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول، أوالثالث، أوبعد الأسبوع–إلی–وقال ابن الهمام: ویکره الضیافة من أهل المیت والکل علـلـوه؛ لأنه شرع في السرور، لافي الشرور،قال وهی بدعة مستقبحة.

(مرقاة المفاتیح، باب في المعجزات الفصل الثالث تحت رقم الحدیث: ۵۹۴۲، مکتبه امدادیه ملتان ۱۱/ ۲۲۳،فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل في الدفن زکریا ۲/ ۱۵۳، دار الفکر ۲/ ۱۴۲، کوئٹه ۲/ ۱۰۲) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۳ھ

فاتحہ خوانی اور شیرینی کا حکم

سوال [۱۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسرے روز فاتحہ خوانی کرا کے میت کے لئے ایصال ثواب کر کے شیرینی بانٹی جاتی ہے، تو کیا یہ سب زید کے لئے کرنا جائز ہے؟

المستفتی: وثیق الرحمٰن امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مخصوص دن یا وقت میں لوگوں کا اجتماع کر کے قرآن ختم کرانا اور اس کے بعد کھانا یا شیرینی تقسیم کرنا یہ سب مکروہ ہے؛ بلکہ ایصال ثواب کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ میسر ہو صدقہ کر دے یا کوئی بدنی عبادت مثلاً نماز، نفل روزہ، تلاوت قرآن مجید ختم کر کے اس کا ثواب جس کو بخشنا چاہے بخش دے، اس میں کسی دن، تاریخ یا کسی معین چیز کی تخصیص اور تعیین نہ کرے نہ اس کو لازم اور ضروری قرار دے۔

(مستفاد: کفایت المفتی ۴/۱۲۲، ۱۴۰/۴، محمودیہ قدیم ۱۰/۳۰۱، جدید ذکریا مطول ۴۳۲/۶، جدید ڈابھیل ۸۵/۳)

في البزازية ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول–إلى قوله–واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن. وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أو الإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. وفيها من كتاب الاستحسان، وإن اتخذ طعاما للفقراء، كان حسنا وأطال في ذلك في المعراج، وقال وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء

فتحرز عنها لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، زكريا ۱٤۸/۳، كراچی ۲٤۰/۲)

صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً، أو صومًا، أو صدقة، أو غيرها كذا في الهداية. بل في زكاة التاتار خانية عن المحيط الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شيئ هو مذهب أهل السنة والجماعة. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، زكريا ۱٥۱/۳، كراچی ۲٤۳/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۲۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۲ھ

قرآن خوانی کے عوض دعوت کھانا یا پیسہ لینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن خوانی اور آیت کریمہ میں جانا، قرآن پاک اور آیت کریمہ کا پڑھنا پڑھانے والے کے گھر ناشتہ کرنا، پیسہ لینا وغیرہ کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: جلیل احمد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا التزام قرآن خوانی کرنا اور قرآن پڑھنا بہت زیادہ ثواب و برکت رکھتا ہے؛ لیکن کسی کے یہاں جا کر قرآن خوانی کو لازم وضروری سمجھنا اور پڑھوانے والوں کا ناشتہ وغیرہ کرانا اور پڑھنے والوں کا ناشتہ کرنا اور نقد پیسہ وغیرہ لینا دینا

سب ناجائز اور حرام ہیں اور قرآن کی اجرت میں داخل ہیں؛ لہٰذا ان مذکورہ خرافات کی بناء پر مروجہ قرآن خانی بھی ناجائز وبدعت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/۳۶۱)

قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولاللقاري وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطي آثمان فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز الخ.

(شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، زكريا ۹/ ۷۸، کراچی ۶/ ۵٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ رجب ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵٦۰/۲۵)

قرآن خوانی پر اجرت لینا یا اس کے بدلے کھانا کھانا

سوال [۱۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن خوانی کر کے اس کی اجرت لینا یا اس کے بدلے کھانا، ناشتہ وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: نظر الاسلام

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن خوانی کی اجرت میں رقم، کھانا، چائے، مٹھائی وغیرہ لینا ناجائز اور حرام ہے۔ نیز اس میں میت کو ثواب بھی نہیں ملتا۔

إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت، ولاللقاري (وقوله) ويمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطي آثمان. (شامي كراچی ۶/ ۵٦، زكريا۹/ ۷۸)

وقراءة القرآن للدنيا مكروهة، والأفضل أن لايعطي القاري شيئًا

وفي الواقعات: يمنع القاري والآخذ والمعطي آثمان. (البناية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، اشرفية ديوبند ۱۲/۲۳۷)

وقد نص الحنفية على أنه لايجوز قراء ة القرآن بأجرو أنه لايترتب على ذلك ثواب والآخذ والمعطي آثمان. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱/۲۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۴۳)

قرآن خوانی کے کھانے پینے کا حکم

سوال [۱۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کے حضرات مدرسوں کے طلباء سے گھروں میں دوکانوں میں کارخانوں میں قرآن خوانی کراتے ہیں، برائے ایصال ثواب یا برکت کے لئے اس میں بیرونی طلباء بھی ہوتے ہیں اور مقامی بھی ہوتے ہیں قرآن خوانی کے بعد قرآن خوانی کرانے والا اپنی مرضی سے جو کچھ بھی کھلاتا ہے، خواہ چائے، ناشتہ ہو یا کھانا ہو کیا، اس کا کھانا ناجائز وحرام ہے، قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہیں ہوگا؟ اس کا خلاصہ مفصل جواب سے نوازیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالواحد ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن پڑھنے، پڑھوانے کے بعد کھانا پینا، یا کھلانا پلانا شرعاً مشروع نہیں ہے، اس طرح نہ پڑھنے والوں کو ثواب ملتا ہے اور نہ پڑھوانے والوں کا مقصد حاصل ہوتا ہے؛ بلکہ پڑھنے اور پڑھوانے والے گنہگار ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے قرآن کو کھانے پینے کا ذریعہ بنایا وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نام کی کوئی چیز نہ ہوگی؛ اس لئے اس عمل سے اجتناب کرنا چاہئے۔

عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوز القيامة، ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الأيمان، فصل في ترك قراءة القرآن......دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۳۳، رقم: ۲۶۲۵)

إن القرآن بالأجرة، لايستحق الثواب لا للميت، ولاللقاري، والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، زكريا ۹/۷۷، كراچي ۶/۵٦، البناية، كتاب الكراهية مسائل متفرقة،اشرفية ديوبند ۱۲/۲۳۷)

وقد نص الحنفية علىٰ أنه لايجوز قراء ة القرآن بأجر، وأنه لايترتب علىٰ ذلک ثواب والآخذ، والمعطي آثمان. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱/۲۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۷۲/۳۵)

۷/ فصل في الأجرة والهدايا على تلاوة، أوتعليم القرآن

آغاز تعلیم قرآن رسم بسم اللہ کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن شریف شروع کرنے سے قبل رسم بسم اللہ کی تقریب ہوتی ہے، اس میں عزیز واقارب کی موجودگی میں لڑکوں اورلڑکیوں کو استاذ یا استانی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کر قرآن شریف کے پہلے سبق کا آغاز کرتے ہیں، اختتام تقریب پر استاذوں کو ہدیہ، تحفہ کچھ پیش کیا جاتا ہے، اس کا کیا ثبوت ہے، ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد یسن، محلّہ شیخ محمود مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بسم اللہ کی تقریب خرافات ولوازمات مٹھائی وغیرہ کے ساتھ ممنوع اور بدعت ہے، ورنہ بقدر وسعت مباح ہے۔ نیز استاذوں کو تحفہ وتحائف دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ص:۶/ ۱۵، اصلاح الرسوم ص:۳۶)

سئل ابن مقاتل عما يهدى أبو الصبى إلى المعلم أو إلى المؤدب فى النيروز أو فى المهرجان، أو فى العيد؟ قال: إذا لم يسئل ولم يلح عليه فى ذٰلک، فلا بأس به. (هنديه كتاب الهبة، الباب الحادى عشر فى المتفرقات، مكتبه زكريا قديم ٤/ ٤٠٣، زكريا جديد ٤/ ٤٣١)

أب الصبي إذا أهدى إلى معلم الصبي، أو إلى مؤدبه فى العيد، إن لم يسأل ولم يلج عليه لا بأس به؛ لأنه بر، وبر المعلم مستحب. (المحيط البرهانى،

كتاب الكراهية، والاستحسان الفصل ١٧، الهدايا والضيافات، المجلس العلمي ٧٥/٨، رقم:٩٦٢٤، تاتار خانيه، كتاب الكراهية، الفصل ١٧، الهدايا والضيافات زكريا١٨/١٧٩، رقم: ٢٨٤٢٨)

عن أبی هريرةؓ، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: تهادوا فإن الهدية تذهب وحر الصدر. (سنن الترمذی، باب فی حث النبی صلی الله عليه وسلم علی التهادي، النسخة الهندية ٣٤/٢، دار السلام رقم: ٢١٣٠، المعجم الاوسط، دار الفكر ٢١٩/٤، رقم: ٥٧٧٥، ٧٢٤٠، الادب المفرد، باب قبول الهدية ص/١١٨، رقم: ٥٩٤، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ١٦٢/٢٥، رقم: ٣٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۰۱)

کیا حضرت عمرؓ نے بارہ سال کی عمر میں سورۃ بقرہ حفظ کی تھی؟

سوال [۱۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حدیث کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورۃ بقرہ کے یاد ہونے پر خوشی میں دو اونٹ ذبح کر کے دعوت کی ہے، کیا یہ بات درست ہے، حدیث کی معتبر کتاب سے یہ حدیث تحریر فرمادیں؟ کیا حضرت عمر اتنے غبی تھے کہ ۱۲/سال میں سورۂ بقرہ کو یاد کیا؛ حالانکہ ۱۲/سال فجر کی نماز میں سورۂ بقرہ بھی پڑھتے تھے یہ کیسا معمہ ہے اس کو حل فرمادیں؟

المستفتی: محمد الیٰس سرائے شیخ محمود مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام ابوبکر بیہقیؒ نے اپنی شعب الایمان، مطبع دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳۳۱/۲، رقم: ۱۹۵۷، میں حضرت عبد اللہؓ ابن عمر کی روایت نقل فرمائی ہے کہ **تعلم عمر بن الخطاب البقرة فی اثنتی عشر سنة** یعنی حضرت عمرؓ کو سورۂ بقرہ

کے احکام اور مسائل کو سمجھ کر ضبط کرنے میں ۱۲/ سال لگے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں احکام ہی کی آیتیں سب سے زیادہ ہیں؛ اس لئے اتنی ساری آیتوں کے مسائل کو سمجھنا پھر ان سے اصول کا استنباط کرکے دوسرے مسائل کو سمجھنا بڑا مشکل کام تھا؛ اس لئے اس میں بارہ سال لگ گئے، پھر خوشی میں اونٹ ذبح کرکے لوگوں کی دعوت فرمائی، یہی اس روایت کا صحیح مطلب ہے، جو خود تعلم کے لفظ سے واضح ہوتا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کو سورۂ بقرہ کے حفظ یاد کرنے میں بارہ سال لگ گئے ہوں؛ کیونکہ حضرت عمرؓ خود فجر کی نماز میں سورۂ بقرہ اور دیگر بڑی بڑی سورتیں پڑھا کرتے تھے، بعض لوگوں کو اس طرح بیان کرنے میں تردد نہیں ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بارہ سال میں سورۂ بقرہ یاد فرمائی، کیا عجیب بات ہے کہ حضرت عمر کو اتنا غبی ثابت کردیا اور امت کے چھوٹے بچے سال دو سال میں پورا قرآن حفظ کررہے ہیں بڑی شرم وغیرت کی بات ہے۔

عن نافع عن ابن عمر قال: تعلم عمر بن الخطاب البقرة في إثنتي عشر سنة، فلما أتمها نحر جزورا. (شعب الايمان للبيهقي، فصل في تعليم القرآن، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٣١، رقم: ١٩٥٧، تفسير قرطبي، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٤٠)

وتعلمها عمرؓ بفقهها وما تحتوى عليه في اثنتى عشر سنة. (تفسير سورة بقره، تفسير قرطبي، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ١٥٢)

عن أبي رافعؓ قال: كان عمر يقرأ في صلاة الصبح بمائة من البقره ويتبعها بسورة من المثانى أو من صدور المفصل. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة العلوم القرآن ٣/ ٢٢٢، رقم: ٣٥٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

کیا استاذ کا ختم قرآن پر ہدیہ قبول کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب مکتب میں پڑھاتے ہیں اور جب کسی لڑکے یا لڑکی کا کلام پاک پورا ہوتا ہے، تو ان کے والد صاحب حافظ صاحب کے لئے کپڑے یا کچھ نقدی ہدیہ کے طور دیتے ہیں، کیا یہ ہدیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہارون رشید شام گڑھ، مندسور ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی لڑکے یا لڑکی کے قرآن کریم ختم پر بچوں کے والدین مکتب کے حافظ صاحب کو جو ہدیہ دیتے ہیں وہ تعلیم کی وجہ سے ہے تو ایسا ہدیہ لینا خلاف اولیٰ ہے اور اگر محبت ومودت کی وجہ سے دیتے ہیں تو اسے لے سکتے ہیں۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳۴/۱۴، جدید ڈابھیل ۱۶۳/۱۸)

ومعلم القرآن والعلم؛ لأنهم ليس لهم أهلية الإلزام والأولىٰ في حقهم إن كانت الهدية؛ لأجل ما يحصل منهم من الإفتاء، والوعظ، والتعليم، عدم القبول ليكون علمهم خالصاً لله تعالىٰ، وإن أهدىٰ إليهم تحبباً وتودداً، لعلمهم وصلاحهم فالأولىٰ القبول. (شامی، کتاب القضاء مطلب فی حکم الهدية للمفتی، زکریا ۵۰/۸)

سئل ابن مقاتل عما يهدى أبو الصبي إلى المعلم أو إلى المؤدب في النيروز، أو فى المهرجان، أو فى العيد، قال: إذا لم يسئل ولم يلح عليه فى ذٰلک فلا بأس به. (هنديه، كتاب الهبة، الباب الحادى عشر فى المتفرقات، مكتبه زكريا قديم ۴۰۳/۴، جديد ۴۳۱/۴)

أب الصبي إذا أهدى إلى معلم الصبي أو إلى مؤدبه فى العيد، إن لم يسأل

ولم يلج عليه لا بأس به لأنه بروبر المعلم مستحب. (المحيط البرهانی، کتاب الكراهية الفصل ١٧، الهدايا والضيافات، المجلس العلمي ٨/٧٥، رقم: ٩٦٤٢)

عن عطاء بن عبدالله الخراسانی قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم تصافحوا يذهب الغل وتهادوا تحابوا تذهب الشحناء. (مؤطا امام مالك ٣٦٥)

عن أبي هريرةؓ عن النبی صلى الله عليه وسلم يقول: تهادوا تحابّوا.

(الأدب المفرد، باب قبول الهدية ص:١١٨، رقم:٥٩٤، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ٢٥/١٦٢، رقم: ٣٩٣، المعجم الاوسط، دار الفكر ٤/٢١٩، رقم: ٥٧٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۱۶ھ

تکمیل قرآن پر اساتذہ کا والدین کا ہدیہ قبول کرنا

سوال [۱۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکاتب کے اساتذہ کو مکتب میں بچوں کے قرآن کریم ختم ہونے پر بچوں کے والدین ہدیۃً مٹھائی اور کپڑے وغیرہ دیتے ہیں تو کیا اس کا لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابوبکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کی تکمیل کے موقع پر بچے کے والدین اپنی خوشی سے جو تحفے استاد کو دیتے ہیں وہ درحقیقت استاد کی قدردانی کا اظہار ہے اس لئے اس موقع پر ان تحائف کا لین دین شرعاً جائز اور درست ہے، اور یہ قرآن پڑھانے کی اجرت نہیں ہے نیز قرآن پڑھانے کی تنخواہ منجانب مدرسہ استاد کو ملتی رہتی ہے۔

سئل ابن مقاتل عما يهدى أبو الصبى إلى المعلم أو إلى المؤدب

في النيروز، أو في المهرجان، أو في العيد قال: إذا لم يسئل ولم يلح عليه في ذٰلک فلا بأس به. (عالمگیری، کتاب الهبة، الباب الحادی عشر فی المتفرقات،مکتبہ زکریا قدیم ۴/۴۰۳، جدید۴/ ۴۳۱)

أب الصبی إذا أهدى إلى معلم الصبي، أو إلى مؤدبه فی العید إن لم یسأل ولم یلج علیه لا بأس به؛ لأنه بر وبر المعلم مستحب. (المحیط البرهانی، کتاب الکراهیة، والإستحسان الفصل ۱۷، الهدایا والضیافات، المجلس العلمي ۸/۷۵، رقم:۹۶۲۴، تاتارخانیه کتاب الکراهیة، الفصل ۱۷ الهدایا والضیافات ۱۸/۱۷۹، رقم: ۲۸۴۲۸)

عن أبی هریرةؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم: قال تهادوا، فإن الهدية تذهب وحر الصدر. (سنن الترمذی، باب فی حث النبی صلی الله علیه وسلم علی التهادي، النسخة الهندية ۲/۳۴، دار السلام رقم:۲۱۳۰، المعجم الأوسط، دار الفکر ۴/۲۱۹، رقم: ۵۷۷۵،۷۲۴۰، الادب المفرد، باب قبول الهدية ص/۱۱۸، رقم:۵۹۴، لمعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۲۵/۱۶۲، رقم: ۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۲۶/۳۸)

حفظ قرآن پر دعوت کرنا کیسا ہے

سوال [۱۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچہ جب حافظ قرآن ہوجائے تو دوست، احباب اور خاندان کے لوگوں کو اکٹھا کرکے بڑی دعوت کی شکل اختیار کرنا جائز ہے نہیں؟

المستفتی: محمد عمیر قاسمی، ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مختصر سی دعوت کرکے دوست، احباب اور خاندان کے لوگوں میں حفظ قرآن کی ترغیب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن رسمی طور پر دعوت کرنا اور بڑی دعوت کرنا جس سے غریب طلبہ متأثر ہوسکتے ہوں، شرعاً اس کی اجازت نہیں۔

ویستحب له ان یجمع أهله وولده عند الختم ویدعوا لهم. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع، زکریا قدیم ۳۱۷/۵، جدید ۳٦٦/۵)

عن سلمة بن کهیل قال سمعت جندبا العلقی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من یسمع یسمّع الله به ومن یرائی یرائی الله به. (صحیح مسلم، باب تحریم الریاء، النسخة الهندیة ۴۱۲/۲، بیت الأفکار رقم:۲۹۸۷، ابن ماجه شریف، باب الریا والسمعة، کتاب الزهد، النسخة الهندیة۳۱۰/۲، دار السلام رقم: ٤٢٠٦، ٤٢٠٧)

أي من فعل فعلا أراد به التسمیع للناس، والتشهیر وازال الخمول بتشهیر الذکر شهر الله عیوبه یوم القیٰمة. (نجاح الحاجه جاشیه ابن ماجه ص: ۳۱۰،مکتبه اشرفیه)

عن نافع ان ابن عمر یقول: عن النبی صلی الله علیه وسلم إذا دعا أحدکم فلیجب عرسا کان أو نحوه، قال النووی: والثالث: مندوب هذا مذهبنا فی ولیمة العرس وأما فی غیرها ففیها وجهان لأصحابنا أحدهما إنها کولیمة العرس والثانی الإجابة إلیها ندب،وابن عمر یأتی الدعوة فی العرس وغیرالعرس ویأتیها وهو صائم. (مسلم شریف، مع حاشیه نووی، کتاب النکاح، باب الامر بإجابة الداعی إلی دعوة، النسخة الهندیة ٤٦٢/١)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من سمع سمع الله به ومن راءی راءی الله به. (صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب تحریم الریاء، النسخة الهندیة ۴۱۲/۲، بیت الأکار رقم: ۲۹۸۷، المصنف لابن أبي شیب، مؤسسه علوم القرآن ۳۹۳/۱۹، رقم: ٣٦٤٤٦، ٣٦٤٤٧، کتاب الزهد)

عن سلمةؓ، قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: من سمع سمع الله به ومن یرائی یرائی الله به. (صحیح البخاري، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمع، النسخة الهندیة ۲/۹٦۲، رقم: ٦۲۵۰، ف- رقم: ٦٤۹۹، ۷۱۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

ناظرہ یا حفظ کی تکمیل پر تقریب کا اہتمام کرنا

سوال [۱۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن کریم پڑھنے والا بچہ جب ناظرہ یا حفظ قرآن پاک کی تکمیل کرتا ہے تو اس موقع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں بچہ کے پڑھانے والے اساتذہ علماء وحفاظ اور تعلق دار ورشتہ داروں کو دعوت دی جاتی ہے، بچہ ان تمام حضرات کی موجودگی میں سورۂ مرسلات پارہ عم کے آخر اور سورۂ بقرہ کی شروع کی آیات پڑھتا ہے، اس کے بعد دعا ہوتی ہے، اور مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، کسی جگہ اس تقریب کے ختم پر پر تکلف کھانا بھی کھلایا جاتا ہے، اس لئے شریعت مطہرہ کی روشنی میں دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح کی تقریب منعقد کرنی چاہئے؟ اس طرح کی تقریبات میں شرکت کرنی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: عقیل احمد ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کے ختم پر اظہار خوشی کے جواز میں کسی کا کلام نہیں، اتفاق سے کبھی احباب کو کچھ کھلا بھی دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں مگر اس زمانہ میں یہ ایک رسم اور لوازمات میں داخل ہو چکا ہے، ابھی ایک ڈیڑھ ماہ قبل مرادآباد میں دو لڑکیوں کے ناظرہ ختم ہونے پر نشرح خوانی کی تقریب کی گئی، لوگوں کو دعوت

کھلانے کے لئے ایک رات کے واسطہ پچیس ہزار روپیہ میں ایک مکان کرایہ پر لیا گیا، اب کھلانے اور لوازمات میں کتنا خرچ ہوا ہوگا، اسلام نے دینی تعلیم کو بالکل آسان اور سستا کر دیا ہے، اب مسلمانوں نے لوازمات کے ذریعہ سے دینی تعلیم کو مشکل اور گراں کرنا شروع کر دیا ہے؛ اس لئے اب ختم قرآن کریم کے مواقع میں کھلانے پلانے کے لوازمات کا ترک کرنا لازم ہوگا، بالکل سادہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام. الیٰ. واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم الخ (شامی، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت، زکریا ۱۴۸/۳، کراچی ۲۴۰/۲)

واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم. (حاشیه الطحطاوی علی المراقي، کتاب الصلوٰة، قبیل فصل فی زیارة القبور، مکتبه دارالکتاب ص:۶۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۸۵/۳۳)

حفظ قرآن کی تکمیل پر عزیز واقارب کو مدعو کرنا

سوال [۱۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد نے اپنے لڑکے حامد کا حفظ قرآن پاک مکمل کرایا، خالد اس نعمت و سعادت کو پاکر انتہائی خوش ہوا، اور اپنے رب کے حضور شکر گزار بھی، خالد نے اس خوشی میں اپنے عزیز و اقارب اور دوست واحباب کو ظہرانہ میں مدعو کرنے کا ارادہ کیا، تو کیا سلف صالحین میں اس کی کوئی نظیر ہے، اور اگر یہ فعل بدعت ہے تو اس کی وجہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: شکیل احمد قاسمی بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم کا حفظ مکمل ہونے کے شکریہ میں اورخوشی میں دوست واحباب کو کچھ کھلا دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چاہے ناشتہ کی شکل میں ہو یا کھانے کی شکل میں؛ لیکن اس دعوت کے لئے لمبے چوڑے اہتمام کرنا اپنے آپ کو دشواری میں مبتلا کرنا ہے؛ نیز عام طور پر اچھے اچھے حافظ غریب نہتوں کے بچے ہی ہوتے ہیں؛ جب پیسہ والے اپنے بچے کے ختم پر لمبی لمبی دعوتوں کا اہتمام کریں گے تو اس سے ایک سلسلہ چل پڑے گا، اس کا اثر غریبوں تک پہنچے گا، پھر غریب بیچارے اپنے بچے کے ختم پر دعوت کے اہتمام میں قرضہ کے شکار بھی ہو سکتے ہیں؛ جیسا کہ آج کل سرمایہ داروں کی لڑکیوں کی شادی میں لمبے چوڑے اہتمام کی وجہ سے غریب لڑکیوں کی شادیاں سخت دشواریوں کا شکار ہوگئیں، اورشادیوں کے واسطے سرمایہ داروں کے یہاں بھیک مانگنے پر مجبور ہوجاتے ہیں؛ اس لئے ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے حفظ قرآن کی خوشی میں اگر کچھ کھلانا پلانا ہے، تو مختصر انداز سے کچھ کھلا پلا دیا جائے، اس کے لئے بڑا اہتمام نہ کیا جائے، نہ یہ کام شادی ہال میں کیا جائے، اور نہ اس کے لئے خیمہ اور پنڈال قائم کیا جائے اور نہ ہی دعوت ناموں کے ذریعہ سے دور دراز سے لوگوں کو جمع کیا جائے؛ بلکہ سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ جس قاری صاحب کے یہاں قرآن کریم کا حفظ ہوا ہے، اس قاری صاحب کو اور اس کے درجہ کے سارے بچوں کو اور اپنے گھر کے قریبی لوگوں کو کھلا دیا جائے، اور اس کے لئے لمبے چوڑے اہتمام کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی شادی ہالوں کی نمائش کی ضرورت ہے، ہم نے اپنے حلقۂ مرادآباد میں اٹھارہ سال سے یہ تجربہ کیا ہے، کہ جن لوگوں نے اپنے بچوں کے ختم قرآن کے سلسلے میں لمبی لمبی دعوتیں کی ہیں یا ایسے شادی ہال میں دعوت کا اہتمام کیا ہے جن کے یومیہ کرائے بیس پچیس ہزار روپئے ہیں، ان لوگوں نے اپنے بچوں کو کسی نہ کسی طرح حافظ بنانے کے بعد مدارس اسلامیہ کی زندگی منقطع کرادی ہے یا تو ان کے بچے مدارس

چھوڑ کر دنیا داری میں لگے ہوئے ہیں، یا کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، یا ماڈرن اسکولوں میں، ایسا ہم نے ایک بھی نہیں دیکھا ہے کہ جن بچوں کے ختم پر تیس تیس چالیس چالیس ہزار روپیہ خرچ کیا گیا ہے وہ بچے اس کے بعد مدارس کی تعلیم کو قبول کر کے عالم بنے ہوں؛ اس لئے اس قسم کی لمبی دعوتوں کے بارے میں جو لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو ترغیب ہوگی، وہ استدلال صرف زبانی ہے؛ لیکن اس پر کوئی عمل نہیں ہے، ہاں البتہ علماء کرام جو اپنی دینی مجلسوں اور جلسوں میں قرآن کریم کے فضائل پر مسلسل ترغیب دیتے رہتے ہیں اس کا اثر پڑتا ہے، کہ غریب یا مالدار اپنے بچوں کو بھی حافظ قرآن بنانے کا شوق کرنے لگتے ہیں؛ لیکن ان لمبی لمبی دعوتوں کا کوئی ایسا اثر نہیں پڑتا کہ جس کی وجہ سے محض دعوت کی نمائش کے شوق میں اپنے بچوں کو مدارس میں لگایا ہو۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں حضرت عمر اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کے بارے میں عجیب حدیث نقل کی ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور وہ حدیثیں ہم کو دوسری حدیث کی کتابوں میں دستیاب نہیں ہوئیں اور ان کی سند میں جو رواۃ ہیں ان کا بھی پتہ نہیں چل پایا، حضرت عمر کے بارے میں یہ بات نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے سورۂ بقرہ کو بارہ سال میں یاد کیا اس کے بعد ایک اونٹ ذبح فرمایا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں حضرت ابوبکرؓ کے بعد سب سے افضل ترین صحابی حضرت عمرؓ ہیں، ان کی ذہانت اور قوت حافظہ اور ان کے اجتہاد و استنباط میں کسی کو اشکال نہیں، کوئی آنچ نہیں لگا سکتا، تو کیا بڑے خلیفۃ المسلمین جن کی ذہانت سے دنیا ترستی تھی کیا وہ اتنے بڑے غبی تھے کہ صرف سورہ بقرہ یاد کرنے میں بارہ سال لگ گئے؛ اس لئے یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا شمار ان صحابہ کرام میں ہے جنہوں نے کثیر تعداد میں احادیث شریفہ روایت کی ہیں، ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں آٹھ سال تک اٹکے رہے، اگر یہ اتنے بڑے

غبی ہیں تو اتنی کثیر تعداد میں احادیث شریفہ یاد کرکے ان پر اعتماد کرکے کیسے روایت فرمائیں؛ اس لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں یہ کہنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آٹھ سال تک سورۂ بقرہ میں اٹکے رہے، اور آٹھ سال کے بعد سورۂ بقرہ یاد ہوئی؛ اس لئے یہ دونوں روایتیں ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتی ہیں؛ لہٰذا ہم دنیا کے علماء اور مفتیان کرام سے گزارش کرتے ہیں کہ ان دونوں آثار کے راویوں کے بارے میں کوئی تحقیق حاصل ہوگئی ہوتو ہم کو بھی مطلع کردیں۔

بعض علماء نے اس کے بارے میں یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورۂ بقرہ کے معانی اور اسرار و رموز کی تحقیقات میں بارہ سال لگادئے، اس کے بعد اونٹ ذبح فرمایا، اگر یہی مطلب ہے تو محض حفظ قرآن کے ختم پر دعوت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا یہ عمل مستدل نہیں بن سکتا؛ بلکہ اگر مستدل بن سکتا ہے تو صرف علوم قرآنیہ کے اسرار و رموز کی تحقیق جن لوگوں کو حاصل ہو چکی ہے، محدث و مفتی اور مفسر بن چکے ہیں یا حدیث وقرآن اور فقہ کے مصنف بن چکے ہیں، ان لوگوں کے حق میں مستدل بن سکتا ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: تعلم عمر بن الخطاب رضی الله عنه البقرة فی إثنی عشر سنة فلما أتمها نحر جزوراً (شعب الایمان، فصل في تعليم القرآن، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٣١، حديث ١٩٥٧)

حدثنا مالک أنه بلغه ان عبد الله بن عمرؓ مکث علی سورة البقرة ثمان سنين يتعلمها. (شعب الايمان، فصل في تعليم القرآن، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٣١، حديث ١٩٥٦). **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۰۰/۳۷)

تکمیل حفظ کے بعد باہم چندہ کر کے دعوت کرنا

سوال [۱۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی دینی مدرسہ سے درجہ حفظ یا دیگر جماعت سے فراغت کے بعد طلبہ کا چندہ کر کے خود، اساتذۂ کرام اور مدرسہ کے ذمہ دار حضرات کی دعوت کرنا اور کسی طالب علم کے پاس روپیہ نہیں ہے تو قرض لے کر چندہ جمع کرتا ہے، اور اگر چندہ نہ دے تو دوسرے طلبہ مذاق اڑاتے ہیں، اور چندہ نہ دینے والے طالب علم کو اساتذہ بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، اور ہوسکتا ہے کہ آئندہ یہ رسم بھیانک رخ اختیار کرلے، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۲) مثلاً احقر کے بچے نے قرآن پاک حفظ کر لیا اور اس خوشی میں اساتذہ اور احباب کی دعوت طعام کی پھر شرکت کرنے والے حضرات بچہ یا بچے کے والدین کو لفافہ میں رکھ کر روپیہ دیتے ہیں تو اس خوشی کے موقع پر دعوت کرنا اور شرکت کرنے والوں کا روپیہ دینا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق امام مسجد بڑوالی محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) درجہ حفظ یا دیگر جماعت سے فراغت کے بعد باہم چندہ کر کے دعوت کرنا جائز نہیں، ایسی دعوت میں اساتذہ و دیگر ذمہ داران کو شریک نہیں ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ چندہ دہندگان کی رضا اور طیب خاطر متفق نہیں ہوتی؛ بلکہ ظن غالب یہی ہے، جیسا کہ سوال سے پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ مروت اور غلبۂ حیا کی وجہ سے چندہ دیتے ہیں؛ چنانچہ اس سے احتراز ضروری ہے۔ (احسن الفتاوی ص: ۱/۳۷۷، فتاوی احیاء العلوم ص: ۱/۳۳۱)

لا یحل مال امرئٍ مسلم إلا بطیب نفس منه (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الغصب، باب من غصب حافا دخله فی سقینة، دار الفکر ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷٤۰)

(۲) حفظ قرآن پاک کے بعد کبھی کبھی بطور اداء شکر اپنی جیب خاص سے دعوت کر لے اور اس میں نام ونمود یا التزام مقصود نہ ہو تو اجازت ہوگی اور اگر اس کو ضروری سمجھیں یا مروت وحیاء کی وجہ سے کریں تو جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۴/۳۸۸، جدید زکریا ۶/۲۴۳)

اور اگر بچہ کی ہمت افزائی کرتے ہوئے مدعوئین حضرات بطور تبرع کچھ رقم بچہ کو دیدیں، تو اس کی گنجائش ہے بچہ کے والدین کو دینے کی مشروعیت ثابت نہیں۔

تتم هبة الأجنبی للصغیر بقبض الصغیر إن کان عاقلاً (البحر الرائق، کتاب الهبة، قبیل باب الرجوع فی الهبة، کوئٹہ ۷/۲۸۹، زکریا ۷/۴۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۱۵ھ

تکمیل حفظ قرآن پر دعا اور کھانے وغیرہ کا حکم

سوال [۱۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حفظ تکمیل قرآن میں دعا کی کیا شکل ہے اور اس میں عزیز واقارب کا کھانا کرنا کہاں تک جائز ہے؟

المستفتی: حمد الرحمٰن محلّہ گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قرآن کریم کا حفظ کرنا ایک بڑی نعمت ہے اس نعمت کی قدر دانی کے لئے مختصر سی دعا اور تقریب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عـن انس أنه کان إذا ختم القرآن جمع أهله، وفی روایة عن أنس أن النبی صلی الله علیه وسلم، إذا ختم القرآن جمع أهله. وفي روایة: وکان یقال: إن الدعاء یستجاب عند ختم القرآن، فلما فرغوا من ختم القرآن

دعوا بدعوات. (شعب الايمان للبيهقي، فصل في البطاء عند قراء ة القرآن، دار الكتب العلمية بيروت٢/٣٦٨، رقم: ٢٠٧٠، ٢٠٧١، ٢٠٧٢)

عن الحكم قال: بعث مجاهد قال: إنما دعوناک إنا أردنا أن نختم القرآن وإنه بلغنا أن الدعاء يستجاب عند ختم القرآن قال: فدعوا بدعوات

(مسند الدارمي، دار المغني ٤/ ٢١٨٤، رقم: ٣٥٢٥، باب ختم القرآن)

حدثنا ثابت قال: كان أنس إذا ختم القرآن جمع ولده وأهل بيته فدعا لهم. (مسند الدارمي، دار المغني ٤/ ٢١٨٠، رقم: ٣٥١٧، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ١/٢٤٢، رقم: ٦٧٤)

عن العرباض بن سارية، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلوة فريضة فله دعوة مستجابة، ومن ختم القرآن فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٨/ ٢٥٩، رقم: ٦٤٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۲۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۱/۱۴۳۰ھ

قرآن پڑھانے والی کا تحفہ قبول کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی نے محلّہ کی ایک بچی کو قرآن پڑھایا اور اس سے کسی قسم کے دنیاوی فائدے کی امید نہیں رکھی مگر اس کے قرآن ختم پر اس کے گھر والوں نے ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں بڑی تعداد میں لوگوں کے طعام کا انتظام کیا، اس موقع پر قرآن پڑھانے والی کو اور اس کے شوہر کو پہننے کے لئے ۲ عدد کپڑوں کا جوڑا اور مٹھائی وغیرہ پیش کی اور بضد ہوکر

انہیں قبول کرنے کے لئے مجبور کیا، تو زید کی بیوی کے لئے یہ تحفے جائز ہیں یا نہیں؟ کیا یہ قرآن پڑھانے کی اجرت تو تسلیم نہیں کئے جائیں گے؟

المستفتی: محمد عمیر قاسمی، ہاپوڑ، گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو چیز بطور تحفہ پیش کی گئی ہے اس کو اگر قرآن پڑھانے کی اجرت بھی مان لی جائے تب بھی جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے، ہاں البتہ تلاوت قرآن کریم پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اور یہاں تعلیم ہے، تلاوت قرآن نہیں ہے؛ ہاں البتہ اجرت کے ساتھ قرآن پڑھانے کے لئے ختم ہونے پر تحفہ نہ لینا بہتر ہے؛ تا کہ حرص نہ بڑھے۔

یفتی الیوم بصحتها لتعليم القرآن الخ. (در مختار كتاب الاجاره، باب الإجارة الفاسدة، زكريا، ۹/۷٦، كراچی، ٦/٥٥)

والفتوى اليوم على جواز الاستئجار لتعليم القرآن. (البحر الرائق، كتاب الاجارة، باب الاجارةالفاسدة، مكتبة، كوئٹه۸/۱۹، زكريا،كنز الدقائق، ص:٣٦٤، قديم)

بعض مشائخنااستحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم، وعليه الفتوى. (الهداية، اشرفي ديوبند ۲/۲۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۰/۱۴۱۹ھ

ٹیوشن پر بچوں کو قرآن پڑھانا

سوال [۱۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات بچوں کو قرآن مجید اور دینی مسائل ٹیوشن کے اعتبار سے

پڑھاتے ہیں، اورمہینہ پورا ہونے کے بعد پڑھوانے والے سے طے شدہ رقم وصول کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں، اوراس سے متعلق بہترصورت کیا ہے؟

المستفتی: عماراحمداصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم بچوں کو پڑھانا چاہے مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے بچوں کو پڑھایا جاتا ہواور مدرسہ سے تنخواہ لی جاتی ہو، یا بطور ٹیوشن بچوں کو پڑھایا جاتا ہو، اس کو تلاوت قرآن نہیں کہا جاتا؛ بلکہ تعلیم قرآن کہا جاتا ہے، یعنی قرآن کریم سیکھنا اورسکھانا اوراس پر اجرت لینا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

عن أبي سعيد الخدریؓ أن أناساً من أصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم أتوا علی حی من أحیاء العرب، فلم یقر وهم فبینما هم کذٰلک إذا لدغ سید أولئک فقالوا هل معکم دواء أوراق، فقالوا: نعم إنکم لم تقرونا ولانفعل حتی تجعلوا لنا جعلاً فجعلوا لهم قطیعاً من الشاء فجعل یقرأ بأم القرآن ویجمع بزاقه ویتفل فبرأ فأتوا بالشاء، فقالوا: لانأخذه حتی نسئل النبی صلی اللہ علیه وسلم، فسألوه فضحک وقال: ما أدراک إنها رقیة خذوها واضربوا لي بسهم. (بخاری شریف ۲/ ۸۵٤، باب الرقي بفاتحة الكتاب، النسخة الهندية۲/ ۸۵٤، رقم:۲ ۵۵۱ ۵، ف:۵۷۳٦)

لأن المتقدمین المانعین الاستئجار مطلقاً جوزوا الرقیة بالأجرة ولو بالقرآن کما ذکره الطحاوی؛ لأنها لیست عبادة محضة بل من التداوی. (شامي، کتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب فی الاستئجار علی الطاعات، زکریا ۷۸/۹، کراچي٦/ ۵۷)

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة، والأذان وبعض مشائخنا رحمهم اللہ تعالیٰ استحسنوا الاستئجار علی تعلیم القرآن الیوم

لظهور التواني في الأمور الدينية ففي الامتناع تضييع لحفظ القرآن وعليه الفتوى. (شامي زكريا، ۹/ ۷۸، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، ۹/ ۷۶، كراچي ۶/ ۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۳۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۱۸ھ

قاری کا تحفہ وہدیہ قبول کرنا

سوال [۱۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک اچھا قاری ہے اور کبھی کبھی جلسہ وغیرہ میں شرکت کرتا ہے، اور موقع ملنے پر رکوع کی تلاوت بھی کرتا ہے، پس میرے اس رکوع اور تلاوت کرنے سے اور میرے پڑھنے کے انداز سے خوش ہو کر کچھ لوگ دس دس، بیس بیس، روپئے دیتے ہیں، تو میرے لئے یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ میرے اس پڑھنے کی وجہ سے یہ روپیہ دیتے ہیں، اگر میں تلاوت نہ کروں تو چاہے کتنا بھی اچھا قاری ہوں، اور جلسے میں شرکت بھی کروں، اور اسٹیج پر بھی بیٹھا ہوں، تو مجھ کو کوئی ایک روپیہ بھی دینے کو تیار نہیں۔

المستفتی: کفیل احمد جھبو کا نالہ کسرول مرادآباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں تعلیم قرآن نہ ہو؛ بلکہ تلاوت قرآن ہی ہو چاہے داخل صلوٰۃ ہو یا خارج صلوٰۃ، بہر صورت تلاوت قرآن پر اجرت لینا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح جلسہ وغیرہ میں بھی محض تلاوت قرآن پر بنام انعام دیا جائے تو وہ بھی ناجائز ہے۔

والإستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة. (رسائل ابن عابدين، ۱/ ۱۷۵، شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات ۹/ ۷۸، كراچى، ۶/ ۵۷)

المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً. (قواعد الفقۃ ص: ۱۲۵، رقم القاعدۃ:۳۳٤)

ہاں البتہ اگر محض تلاوت پر نہ دیا جائے؛ بلکہ خوش الحانی پر انعام دیا جاتا ہے تو اس کے لینے اور دینے کی گنجائش ہے، اور تجربہ یہی ہے کہ جلسہ وغیرہ میں محض تلاوت پر کوئی انعام نہیں دیا جاتا؛ بلکہ آواز اور حسن انداز پر بھی دیا جاتا ہے؛ اس لئے اس انعام کے لینے کی گنجائش ہے، اس میں قرآن فروشی نہیں ہے؛ بلکہ یہ حسن انداز اور حسن آواز کا انعام ہے؛ کیونکہ اگر حسن انداز اور حسن آواز نہیں ہے تو کوئی کچھ نہیں دیتا، اور یہی حال حسن آواز سے نعت پڑھنے والے کا ہے کہ اگر حسن آواز سے نہیں پڑھتا ہے، تو کوئی انعام نہیں دیتا، اور قاری حضرات کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب بھی قرآن پڑھیں تو خلوص وللّٰہیت کو باقی رکھیں۔

وما کان علی وجه التبرع یستوی فیه الغنی والفقیر. (قواعد الفقۃ، اشرفي دیو بند ص: ۱۱٦، رقم القاعدۃ: ۲۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۹/۱۴۱۲ھ

ختم کلام پاک پر اجرت لینا حرام ہے

سوال [۱۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ حضرات کی کیا رائے ہے، اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو تائید فرمائیں اور اگر غلط ہے، تو مدلل ومفصل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ختم قرآن کے عدم جواز پر جناب محمد شاہد صاحب عمری مدرس مدرسہ جامع مسجد امروہہ فتوی دیتے ہیں کہ قطعا حرام ہے اور جناب مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدرسہ شاہی مراد آباد نے اپنی کتاب اللہ سے شرم کیجئے ص: ۱۳۷ کے اندر، اور کتاب تحفہ رمضان ص: ۸۲ کے اندر عدم جواز کا فتوی دیا ہے اور آپ نے اپنی

کتاب انوار رحمت میں ص:۴۸۳/ کی نویں لائن پر لکھا ہے کہ تراویح میں روپے لینے والے اور دینے والے دونوں گنہگار رہوں گے، آج کے اس دور میں کس مسئلہ پر فتوی ہے؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: مفتی محمد شاہد صاحب عمری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مولانا مفتی محمد شاہد صاحب، مفتی محمد فرقان صاحب، مفتی محمد حسین صاحب، مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری وغیرہ کا فتوی اور انوار رحمت کا مسئلہ صحیح اور درست ہے، ان سب حضرات نے ختم کلام پاک کی ممانعت اور حرمت نہیں لکھی؛ بلکہ ختم کلام پاک پر اجرت اور روپیہ لینے اور دینے کی حرمت لکھی ہے، جو قرآن مقدس سے ثابت ہے۔

آیت شریفہ ملاحظہ فرمائیے:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا .(سورۃ البقرہ:٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۸۹۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۲۶ھ

قرآن خوانی کی اجرت کا حکم

سوال [۱۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کسی مدرسہ کا مدرس ہے وہاں بچوں کے ساتھ قرآن خوانی میں جانا پڑتا ہے، بعض لوگ قرآن کی تلاوت کے بعد کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں اور بعض لوگ ناشتہ وغیرہ کھلا کر کچھ روپیہ دیتے ہیں اور وہ روپیہ مدرسہ کے ناظم کے پاس آتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کا کھانا، روپیہ لینا اور مدرسہ میں رہتے ہوئے بچوں کے

ساتھ جانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مدلل و مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عنداللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: مولانا ساجداختر قاسمی حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کی تلاوت عین عبادت ہے؛ لیکن آج کل مروجہ طریقہ پر جو قرآن خوانی کی جاتی ہے وہ شرعاً ناجائز ہے، شریعت میں اس کی ہرگز اجازت نہیں؛ لہٰذا اس قرآن خوانی میں ملنے والی رقم **"وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَاِيَّایَ فَاتَّقُوْنِ"** (سورة البقرة: ٤١) کے حکم سے قطعی طور پر حرام ہے، قرآن خوانی کے بعد کھانے وغیرہ سے احتراز کرنا چاہئے۔

اقرء وا القرآن ولاتأكلوا به. (مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٠/٧)

عن عبد الرحمن بن شبل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اقرء وا القرآن ولاتأكلوا به". (مسند أحمد بن حنبل ٤٢٨/٣، رقم: ١٥٦٢٠، المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الصلوة، باب في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطي، مؤسسه علوم القرآن ٢٣٨/٥، رقم: ٧٨٢٥، مسند أحمد أبي يعلي الموصلي، دار الكتب العلمية بيروت ٥٦/٢، رقم: ١٥١٥، ١٥١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۸۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

کیا ۴۰؍دن سورۃ بقرہ پڑھ کر اجرت لینا، دینا جائز ہے؟

سوال [۱۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کسی کے یہاں چالیس دن سورۃ بقرہ پڑھی یا ایک پارہ روزانہ پڑھا،

اب زید کے لئے پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مالک اپنی خوشی سے دے؟

المستفتی: محمد سعد اللہ، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو سورۂ بقرہ یا ایک ماہ تک ایک پارہ کسی کے یہاں پڑھا ہے، اس پر زید کا روپیہ پیسہ لینا خواہ وہ خوشی سے دے یا ناخوشی سے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہوں گے اور قرآن کے پڑھنے اور پڑھوانے کا ہرگز کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

المعروف عرفا کالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، مكتبه اشرفي ١٢٥)

المعروف كالمشروط. (درمختار زكريا ، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، كراچي٦/٥٥، زكريا٩/٧٦)

عن عبد الرحمن بن شبل قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”اقرء وا القرآن ولاتاكلوا به“. (مسند أحمد بن حنبل ٣/٤٢٨، رقم: ١٥٦٢٠، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٣/٢٥٣، رقم: ١٠٤٤، المعجم الأوسط، دار الفكر ٢/٧٥، رقم:٢٥٧٤)

وقد نص الحنفية على أنه لايجوز قراء ة القرآن بأجر، ولأنه لايترتب على ذلک ثواب والآخذ والمعطي آثمان. (الموسوعة الفقهية الكويتيه١/٢٩١، البناية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه اشرفية ديو بند ١٢/٢٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۲۸/۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۶/۱۴۲۲ھ

دوکان ومکان میں قرآن خوانی اوراس کی اجرت کا شرعی حکم

سوال [۱۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بعض احباب دوکانوں یا مکانوں میں چالیس دن سورۃ بقرہ یا قرآن مجید شروع سے ترتیب وار تلاوت کرتے ہیں اور پھر چالیس دن پورا ہونے کے بعد پڑھوانے والے سے طے شدہ رقم وصول کرتے ہیں، ایسے رقم متعین کرکے قرآن مجید پڑھنا اور پڑھوانا جائز ہے یا نہیں اور یہ متعین رقم اجرت قرآن میں شمار ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عمار احمد، اصالت پورہ رمرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم پڑھنے کی دو شکلیں ہوتی ہیں اور دونوں کی حیثیت اور حکم بالکل الگ الگ ہے۔

(۱) قرآن کریم کی تلاوت نماز میں کی جائے اور اس میں اصل مقصد نماز کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن اور ختم قرآن بھی ہو، جیسے تراویح میں ختم قرآن ہوا کرتا ہے، اسی طرح قرآن کریم پڑھنے میں تلاوت اور اس کا ثواب مقصود ہو، جیسے کہ میت کو ثواب پہونچانے کے لئے تلاوت کی جاتی ہے، ایسی شکل میں تلاوت کی اجرت لینا، اسی طرح ختم قرآن کی اجرت لینا ناجائز اور حرام ہے اور دینے والے کے لئے دینا بھی جائز نہیں جس کی ممانعت خود قرآن کریم میں آئی ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا .(سورة البقرة:٤١)

ولايصح الاستئجار على القراءة وإهدائها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد الأئمة الإذن في ذلك، وقد قال العلماء: إن القاري إذا قرء لأجل المال، فلاثواب له، فأي شيئ يهديه إلى الميت. (شامي، كتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الإستئجار على الطاعات، زكريا ٧٨/٩، كراچي ٥٧/٦)

(۲) خود قرآن پڑھنے میں اصل مقصد تلاوت اور ثواب نہ ہو؛ بلکہ خیر و برکت یا شفاء مقصود ہو، تو ایسی صورت میں قرآن کریم پڑھنا جھاڑ پھونک کے قبیل سے ہے کہ قرآن پڑھ کر برکت حاصل ہوجائے یا شفاء حاصل ہوجائے تو اس کی اجرت لینا دینا جائز ہے، جیسا کہ حدیث

پاک میں حضرات صحابہ کرامؓ کا کسی دشمن کے سانپ یا بچھو کے ڈسنے پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر کچھ لینا دینا ثابت ہے، اگرچہ اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ دشمنوں کا مال کسی بھی طریقہ سے لینا جائز ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضى الله عنه -إلى- فجعل يقرأ بأم القرآن، ويجمع بزاقه ويتفل، فبرأ فأتوا بالشاء فقالوا: لانأخذه حتى نسأل النبي صلى الله عليه وسلم فسألوه فضحک وقال وماأدراک أنها رقية خذوها واضربوا لي بسهم. (صحيح البخاري، باب الرقي بفاتحة الكتاب، النسخة الهندية ٢/ ٨٥٤، رقم: ٥٥١٢، ف: ٥٧٣٦، السنن الكبرى للنسائي ٩/ ٢٨٨، رقم: ١٠٨٠٠)

لأن المتقدمين المانعين الاستئجار مطلقا جوزوا الرقية بالأجرة، ولوبالقرآن كما ذكره الطحاوى لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوى. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچي ٦/ ٥٧، زكريا ٩/ ٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۸ھ

ختم قرآن کا نذرانہ

سوال [۱۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہر قسم کے ختم میں پیسہ کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟ **بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل.**

المستفتی: محمد سعد اللہ، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن کریم کی تلاوت کے عوض میں پیسے کا لین دین جائز نہیں ہے، اس میں کون سی قسم ہے اور کون سی قسم نہیں ہے، آپ خود ہی سمجھیں۔

والاستئجار علی مجرد التلاوة لم یقل به أحد من الأئمة. (رسائل ابن عابدین، ثاقب بکڈپو دیوبند ۱/۱۷۵، شامي، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار علی الطاعات، زکریا ۹/۷۹، کراچی ۶/۵۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۱۴/۳۸)

کیا قرآنی آیات سے گنڈے تعویذ کرنا شرک ہے؟

سوال [۱۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علماء اور بزرگوں نے جھاڑ پھونک اور تعویذات وعملیات کی کافی کتابیں لکھی ہیں جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور حصہ:۱۱، محدث دہلوی نے قول جمیل جیسی کتاب لکھی ہیں جو ہماری بیماریوں کے دفعیہ کے لئے کام دیتی ہیں، مگر سحر ریہ یا عرب امارت کے علماء ان تعویذات کو شرک قرار دیتے ہیں، غیر ملقدین حضرات بھی سختی سے اس کی مخالفت کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے، پاکستان سے آئے کتابچہ بھی دیکھنے میں آتے ہیں، جن کے اوپر تعویذ گنڈہ شرک ہے لکھا ہوتا ہے (نعوذ باللہ) کیا ہمارے علماء کرام شرک کے مرتکب ہوسکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس امام جامع مسجد احمد نگر سنگرور (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ گنڈے کرنا قرآن وحدیث کی روسے قرآن کی آیتوں اور حدیث کی دعاؤں کے ذریعہ سے اسلامی حدود میں رہ کر کے جائز اور درست ہے، حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، ہمارے ہندی علماء اسی پہلو سے تعویذ گنڈے کی اجازت دیتے ہیں، مگر قرآن وحدیث کی حدود سے باہر ہوکر نجومیوں، کاہنوں

اورجادوگروں کے انداز سے سفلی عمل کرنا ناجائز اورحرام ہے۔نیز ہمارے پاس جواز کے جودلائل ہیں، ان کی رو سے ہم جائز کہہ سکتے ہیں اور ناجائز کہنے والوں کے ہم ذمہ دار نہیں۔ وہ کون سی دلائل کی روشنی میں ناجائز کہتے ہیں، انہیں سے معلوم کیا جائے۔

عن عوف بن مالک الأشجعي قال: کنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يارسول الله! کيف ترى في ذلک؟ فقال: اعرضوا عليّ رقاکم،لا بأس بالرقي،مالم يکن فيه شرک. (صحيح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٤، بيت الأفکار رقم: ٢٢٠٠، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في الرقي، النسخة الهندية ٢/ ٥٤٢، دار السلام رقم:٣٨٨٦، مسند البزار، مکتبة العلوم و الحکم ٧/ ١٧٨، رقم:٢٧٤٤)

حدثنا عائشة عن الرقية من الحمة، فقالت رخص النبي صلى الله عليه وسلم أرقية من کل ذي حمة. (صحيح البخاري، باب رقية الحية والعقرب ٢/ ٨٥٤، النسخة الهندية رقم: ٥٥١٧، ف: ٥٧٤١، صحيح المسلم، باب استحباب، الرقية من العين والنمله والحمة والنظرة، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٣، بيت الأفکار رقم:٢١٩٣)

عن أنسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في الرقية من الحمة والعين النملة. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الرخصة في ذلك، النسخة الهندية ٢/ ٢٦، دار السلام رقم: ٢٠٥٦ سنن ابن ماجه، باب رخص فيه من الرقي، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دار السلام رقم:٣٥١٦)

عن أبي خزامة عن أبيه قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت: يا رسول الله! صلى الله عليه وسلم أرأيت رقي نسترقيها ودواءً نتداوي بها وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا قال: هى من قدر الله.
(ترمذي شريف، باب ماجاء في الرقي والأدوية، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، دار السلام رقم:٢٠٦٥، ٢١٤٨، سنن ابن ماجه، ابواب الطب، باب مانزل اللّٰه داء إلا أنزل له شفاء،

النسخة الهندية ٢/ ٢٤٥، دار السلام رقم: ٣٤٣٧، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ٣/ ١٩٢، رقم: ٣٠٩٠)

فكان عبد الله بن عمرو يعلمها من بلغ من ولده، و من لم يبلغ منهم كتبها في صك ثم علقها في عنقه. (سنن الترمذي، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٩٢، دار السلام رقم: ٣٥٢٨، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ١٨١، رقم: ٦٦٩٦، المستدرك قديم ١/ ٧٣٣، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ٢/ ٧٦٤، رقم: ٢٠١٠، مشكوة شريف ٢١٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۴۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۲ھ

کیا قرآنی آیات واحادیث شریفہ سے جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک ایسا آدمی ہے، جو جھاڑ پھونک اور دعا تعویذ کا دھندہ کرتا ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اس کی بہنوں پر سحر وجادو خود کرتا اور دوسرے سے کرواتا رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کی بیوی چار وناچار اپنی روحانی وجسمانی علالت کی وجہ سے اپنے والدین کے گھر رہ کر اپنا علاج کروارہی ہے؛ لیکن وہ پوچھنا یہ چاہتی ہے کہ کیا اس کے شوہر کے اس گناہ عظیم کے ارتکاب کے بعد بھی اس کا نکاح اس کے اس شوہر سے باقی رہے گا، یا وہ اس کی زوجیت سے آزاد ہوگئی؟

المستفتی: محمد عمر معرفت ڈاکٹر محمد قمر کٹورا تال کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کی آیتوں سے یا حدیث کی دعاؤں سے جھاڑ پھونک، دعا تعویذ کرنا جائز ہے۔

عن عوف بن مالک الأشجعي قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يارسول الله! كيف ترى في ذلک؟ فقال: اعرضوا علي رقاكم، لا بأس بالرقي، مالم يكن فيه شرک. (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة، النسخة الهندية ۲/۲۲٤، بيت الأفكار رقم: ۲۲۰۰، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في الرقي، النسخة الهندية ۲/۵٤۲، دار السلام رقم: ۳۸۸٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/۱۷۸، رقم: ۲۷٤٤، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۱۸/٤۹، رقم: ۱۸۸، المستدرك، كتاب الطب، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز۷/ ۲٦۷۱، رقم: ۷٤۸۵)

اورسحراور جادوکرناناجائزاور گناہ کبیرہ ہے۔

وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ -إلى- وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِيْ الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ . (سورة البقرة:۱۰۲)

اورسحراور جادو کرنے کی وجہ سے شوہر فاسق ہوگا اس کوسحر جادونہیں کرنا چاہئے، دعا تعویذ کی گنجائش ہےاوراگرسحرو جادو سے بازنہیں آتا،تو اس کے فاسق ہونے کی وجہ سے بیوی کا نکاح ختم نہیں ہوتا بدستور باقی رہتاہےاور گناہ کبیرہ کا وبال شوہر پر ہوگا بیوی پرنہیں ہوگا۔

ولايجب على الزوج تطليق الفاجرة (در مختار) و في الشامي و لاعليها تسريح الفاجرا إذا خافا أن لايقيما حدود الله فلابأس أن يتفرقا. (شامي، كتاب الحظر و الاباحة، باب الاستبراء، زكريا۹/ ٦۱۱، كراچي ٦/٤۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۹۲۸۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱ھ

بطور رقیہ قرآن خوانی کی اجرت کا جواز

سوال [۱۰۹۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہم لوگوں کو دوکانوں پر قرآن خوانی کے لئے بلایا جاتا ہے اور ختم کے بعد دعوت کھلائی جاتی ہیں اور کچھ روپیہ بھی دیئے جاتے ہیں، تو کیا یہ دعوت کھانا اور پیسے لینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد عمیر قاسمی، ہاپوڑ، گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قرآن خوانی کرانے والے کا مقصد یہ ہے کہ دوکان میں برکت ہو اور اس کو مالی ترقی حاصل ہو، تو اس قرآن خوانی کے بدلے دعوت کھانا یا پیسے لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر قرآن خوانی سے مقصد یہ ہے کہ دوکان آفات وبلیات سے محفوظ رہے، تو پھر یہ رقیہ ہے اور رقیہ پر اجرت حدیث سے ثابت ہے۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۲۰۸، فتاوی محمودیہ ڈھابیل ۱۷/ ۳۲، ۴۲، میرٹھ ۲۵/ ۲۱۸، ۲۳۳)

الحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره.

(بزاريه على الهنديه زكريا ٤/ ٨١، كتاب الصلاة، الفصل الخامس و العشرون: في الجنائز، جديد ١/ ٥٤، مجمع الأنهر، ديوبند ٣٣٣ه)

إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب......والآخذ والمعطي آثمان فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للآمر والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحية، فأين يصل الثواب إلى المستأجر. (شامي، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، زكريا ٩/ ٧٧، كراچى ٦/ ٥٦، البناية دارالإيمان سهارنپور ٣/ ٣٣٦، اشرفية ديوبند ١٢/ ٢٣٧)

عن أبي سعيد بن الخدري أن ناسا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أتو على الحيى من أحياء العرب، فلم يقروهم فبينما هم كذالک إذا لُدِغَ سيدٌ أولئک فقالوا هل معكم دواء، أوراق فقالوا: نعم! إنكم لم تقرونا ولانفعل؛ حتى تجعلوا لنا جعلا، فجعلوا لهم بذاته من الشاء، فجعل يقرأ بأم

القرآن ويجمع بزاقه و يتفل فَبَرَأفأتوا بالشاء، فقالوا: لانأخذه حتى نسئل النبي صلى الله عليه وسلم فسألوه فضحك وقال: ماأدرٰك أنهما رُقية خذوها واضربولي بسهم. (بخاري شريف، مكتبه بلال ديو بند، كتاب الطب، باب الرقي بفاتحة الكتاب، النسخة الهندية ٢/ ٨٥٤، رقم: ٥٥١٢، ف: ٥٧٣٦)

المتقدمين المانعين الاستئجار مطلقا جوزوا الرقية بالأجرة، ولوبالقرآن؛ لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوى. (شامي كراچى ٦/٥٧، زكريا ٩/٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

بطور علاج قرآن خوانی (رقیہ) کی اجرت کا حکم

سوال [۱۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنے گھر قرآن خوانی کرائی، تاکہ گھر جنات، کیڑے مکوڑوں اور دیگر آفات سےمحفوظ رہے، تو اس قرآن خوانی پر اجرت کا لینا دینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے آفات سے حفاظت کی غرض سے جو قرآن خوانی کرائی ہے، وہ رقیہ ہے اور رقیہ پر اجرت کا لینا حدیث سے ثابت ہے۔ اور اکابر اہل فتاوی نے اس کو جائز لکھا ہے (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۲۰۸، فتاوی محمودیہ ڈھابیل ۱۷/ ۴۳، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۵/ ۲۳۴)

عن أبي سعيدؓ قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في سرية فنزلنا بقوم، فسألناهم القرىٰ، فلم يقرونا فلُدِغَ سيدهم فأتونا، فقالوا: هل

فيكم من يرقي من العقرب؟ قلت: نعم أنا! ولكن لا أرقيه حتى تعطونا غنما، قالوا: فإنا نعطيكم ثلاثين شاة، فقبلنا فقرأت عليه: الحمد لله سبع مرات، فبرأ وقبضنا الغنم، قال: فعرض في أنفسنا منها شيئ، فقلنا: لاتعجلوا حتى تأتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فلما قدمنا عليه ذكرت له الذي صنعت، قال: وماعلمت أنها رقية؟ اقبضوا الغنم واضربوا لي معكم بسهم.

(سنن الترمذي، كتاب الطب باب ماجاء في اخذالاجر على التعويذ، مكتبه البدر ديوبند ۲/۲٦، دار السلام رقم:۲۰٦۳، بخاري شريف، مكتبه بلال ديوبند، كتاب الطب باب الرقي بفاتحة الكتاب، النسخة الهندية۲/۸۵٤، رقم:۵۵۱۲، ف:۵۷۳٦)

وما استدل به بعض المحشين على الجواز بحديث البخاري في اللديغ فهو خطأ؛ لأن المتقدمين المانعين الاستئجار مطلقا، جوزو الرّقية بالأجرة، ولو بالقرآن؛ لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسده، مطلب في الاستئجار على الطاعات كراچي ٦/۵۷، زكريا۹/۷۹، فيض الباري كوئٹه ۳/۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

قرآن کی آیت سے تعویذ لکھ کر اس کا عوض لینا جائز ہے

سوال [۱۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن کی آیت سے تعویذ دے، اس کے عوض میں کچھ لینا شریعت کی نظر میں کیا حکم رکھتا ہے؛ کیونکہ بظاہر تراویح کی اجرت پر قیاس کرتے ہوئے کچھ شبہ سا معلوم ہورہا ہے؛ کیونکہ نماز تراویح میں بھی قرآن پڑھ کر سنایا جارہا ہے اور تعویذ بھی قرآن کی آیت ہی سے لکھ کر دیا جاتا ہے اور قرآن کی آیت بھی ہے۔ **لا تشتروا بآيتي ثمنا قليلا** اگر تعویذ کا

عوض لینا درست ہے، تو پھر تعویذ اور تراویح کے عوض میں فرق کیا ہے؟

المستفتی: اسرارالحق، مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کی آیت سے تعویذ دے کر عوض لینا شرعاً جائز ہے؛ کیونکہ یہ کوئی عبادت نہیں؛ بلکہ ایک دنیوی تدبیر اور علاج ہے، جس پر معاوضہ لیا جا سکتا ہے اور تراویح میں قرآن کی تلاوت دنیوی تدبیر یا علاج نہیں؛ بلکہ یہ ایک خالص عبادت ہے، جس میں اجرت لینے سے اللہ نے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا دونوں کو ایک ساتھ قیاس کر کے یکساں سمجھنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۳۵۳، ۳/۶۱، محمودیہ قدیم ۱۴/۳۹۰، جدید میرٹھ ۲۸/۲۸۹)

عن أبي سعيد الخدريؓ قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في سرية فنزلنا بقوم، فسألناهم القرىٰ، فلم يقرونا، فلدغ سيدهم فأتونا فقالوا: هل فيكم من يرقي من العقرب؟ قلت أنا: ولكن لا أرقيه؛ حتى تعطونا غنما، قالوا: فإنانعطيكم ثلاثين شاة فقبلنا، فقراءت عليه الحمد لله مرات. (ترمذي، باب ماجاء آخذ الأجرة على التعويذ، النسخة الهندية ۲/۲۶، دار السلام رقم:۲۰۶۳، سنن ابن ماجه، باب أجرالراقي، النسخة الهندية ۱/۱۵۶، دار السلام رقم: ۲۱۵۶)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحق ماأخذتم عليه أجرا كتاب الله يعنى إذا رقيتم به. (عمدة القاري، كتاب الإجارة، باب ما يعطي في الرقية على احياء العرب الخ، دار احياء التراث العربي ۱۲/۹۶، زكريا۸/۶۲۸)

جوزوا الرقية بالأجرة ولوبالقرآن كما ذكره الطحطاوي، لأنها ليست عبادة محضة؛ بل من التداوي. (شامي، كتاب الإجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، زكريا ۹/۷۸، كراچي ۶/۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

(۸) باب ما یتعلق بالحدیث و شرحه

ثقہ، جرح، تعدیل کی تعریف

سوال [۱۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے تین لفظ سامنے آئے۔(۱) ثقہ (۲) جرح (۳) تعدیل ان کا کیا مطلب ہے، حدیث کے محاورہ میں ثقہ، جرح، تعدیل کس کو کہتے ہیں؟

المستفتی: عبداللہ سیوہاروی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ثقہ: حدیث کے اس راوی کو کہا جاتا ہے، جو عادل ہو، کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور ایسی معمولی باتوں سے بھی بچتا ہو، جس سے لوگوں کے درمیان اس کا تقوی متأثر ہوتا ہو اور اس کا حافظہ نہایت قوی اور مضبوط ہو اور کبھی اس سے جھوٹ کا صدور نہ ہوا ہو۔

والمراد بالعدل من له ملكة تحمله على ملازمة التقوى، والمروة، المراد بالتقوي اجتناب أعمال السيئة من شرك، أو فسق، أو بدعة. (نخبة الفكر ٢٤)

جرح: کہا جاتا ہے روای کی طرف کوئی ایسی خرابی اور عیب کی نسبت کرنا جو قبول حدیث کے لئے مانع ہو۔

الغرض منه أن ينسب إلى الشخص ما يخل بالعدالة التي هي شرط قبول الرواية. (حاشية نخبة ١٠٨)

تعدیل: کہا جاتا ہے حدیث کے راوی کی عدالت کو جان کر اس کی طرف عدالت کو منسوب کر دینا۔

ومن المهم أيضًا معرفة أحوالهم تعديلا و تجريحا؛ لأن الراوي إما أن يعرف عدالته. (نخبة الفکر ۱۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۰۲/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲۳ھ

کیا حضور ﷺ نے دس لاکھ احادیث بیان فرمائی ہیں؟

سوال [۱۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا یہ درست ہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے دس لاکھ احادیث بیان فرمائی ہیں، بہت سے ائمہ علماء؛ بلکہ نوجوان مفتیان کرام اپنے بیانات اور تقاریر میں دس لاکھ احادیث کی صراحۃً تحدید اور تعیین کر کے کہتے ہیں، تو یہ تحدید وتعیین درست ہے یا نہیں؟ تحدید وتعیین کا مطلب تو یہ ہوا کہ دس لاکھ سے کم یا زیادہ بیان نہیں فرمائی ہیں؛ جبکہ یہ بات ناممکن ہے، اور اپنے دعویٰ پر نہ کوئی دلیل پیش کرتے ہیں اور نہ ہی کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، بہرحال یہ بات کتنی صحیح ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دس لاکھ حدیثوں کی تعیین سے متعلق ہاں یا نہ احقر کی نظر سے نہیں گذرا؛ اس لئے یہ بندہ ناچیز اس سلسلہ میں کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۹۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۴ھ

کیا امام بخاری کے استاذ صحابی رسول ہیں؟

سوال [۱۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ حدیث کی برکت: جب امام بخاری کے استاد کا انتقال ہوا، تو کسی شخص نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا، آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا آپ نے فرمایا، مجھے اللہ تعالیٰ نے بلا کر فرمایا، اے بڑھے بتا فلاں دن تو نے یہ عمل کیوں کیا، میں حیران کھڑا رہا، پھر حکم ہوا، اے بڑھے بولتا کیوں نہیں خاموش کیوں کھڑا ہے، میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں ایک بات سوچ رہا ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہوا وہ کیا ہے؟ عرض کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں ایک بات سنی تھی؛ لیکن آج اس کے خلاف ہو رہا ہے حکم ہوا بتا وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کو عذاب دینے سے شرماتا ہے؛ لیکن یہاں الٹا معاملہ نظر آرہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہوا: تیرے راوی اور ہمارے پیارے رسول ﷺ دونوں سچے ہیں، جا آج ہم نے تجھ کو محض تیرے بڑھاپے کی وجہ سے بخش دیا۔

محترم مفتی صاحب مدرسہ شاہی مراد آباد

حدیث بالا سے امام بخاری کے استاد کا صحابی رسول اللہ ہونا معلوم ہوا، آپ برائے کرم حدیث بالا کا مکمل حوالہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیے۔ (سمیع اللہ حسینی سندھنور، رائچور)

المستفتی: محمد احمد یار بیگ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مضمون کی روایت تو حدیث شریف میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے اور سفید داڑھی والے سے شرماتے ہیں، بشرطیکہ اس بوڑھے اور سفید داڑھی والے نے حدود شرع کے خلاف گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور اس مضمون کی جتنی روایتیں ہم کو ملی ہیں، وہ سب ضعیف اور متکلم فیہ ہیں؛ لیکن سوال میں امام بخاریؒ کے استاذ کے صحابی ہونے کی بات بے ثبوت اور بے دلیل بات ہے؛ اس لئے کہ حضور ﷺ کی وفات اور امام بخاری کی پیدائش کے درمیان ۱۸۶/سال کا فاصلہ ہے اور حضور ﷺ کی ہجرت

اورامام بخاری کی پیدائش کے درمیان ۱۹۴/سال کا فاصلہ ہےاورامام بخاری نے جتنی بھی روایات نقل کی ہیں، ان میں امام بخاریؒ اور حضور ﷺ کے درمیان کم ازکم تین واسطوں کا فاصلہ ہوتا ہےاورامام بخاریؒ کے کسی بھی استاذ اور حضور ﷺ کے درمیان کم ازکم دو واسطوں کا فاصلہ ضرور ہوتا ہے؛اس لئے امام بخاریؒ کے کسی بھی استاذ کا براہ راست حضور ﷺ سے کوئی حدیث سننا صحیح نہیں ہےاورنہ ہی ثابت ہوسکتا ہے۔ نیز سوالنامہ میں جو بات پیش کی گئی ہے، وہ خواب کی بات ہےاورخواب کی باتوں کا سوفیصد صحیح ہونا ضروری نہیں ہے۔

عن أنسؓ بن مالک عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن اللہ عزوجل یستحیي من ذي الشیبة المسلم إذا کان مسددا لزوما للسنة أن یسأل اللہ فلا یعطیه ...... (المعجم الأوسط بیروت، دار الفکر ٤/ ٨٢، مکتبة ریاض رقم: ٥٢٨٦، ٦/ ١٣٨، رقم: ٥٢٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۴۷)

گناہ کبیرہ کے مرتکب کا شمائل ترمذی کی تعلیم دینا

سوال [۱۱۰۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو مستقل داڑھی منڈاتا ہےاورٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنتا ہے، یہ شخص ہماری مسجد میں مستقل ۱۴/سال سے شمائل ترمذی شریف کی اجتماعی تعلیم کرتا ہے؛ جبکہ مسجد میں دوسرے ایسے لوگ موجود ہیں، جو باشرع ہیں اور تعلیم کرسکتے ہیں؟

المستفتی: عبدالٰہی سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے اورٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے

والا شرعاً حرام کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق وملعون اور سخت ترین عذاب الٰہی کا مستحق ہے۔ نیز شمائل ترمذی شریف میں حضور ﷺ کے لباس داڑھی اور تمام حلیۂ مبارکہ کا ذکر موجود ہے اور لباس حضور ﷺ اور ریش حضور ﷺ کی تعلیم دینے والا معلم باشرع ہونا ضروری ہے، ورنہ الٹا غلط اثر سامعین پر مرتب ہونے کا سخت خطرہ ہے؛ اس لئے ایسے شخص کو سمجھایا جائے باز آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو اس کام سے الگ کردیا جائے اور کوئی باشرع آدمی اس کے لئے متعین کرلیا جائے۔

عن أبي ذرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيامة، المنان الذي لايعطي شيئا إلا منه، والمنفق سلعته بالحلف الفاجر، والمسبل إزاره. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار، النسخة الهندية ۱/۷۱، بيت الأفكار رقم: ۱۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۴۷)

احادیث کی دعائیں ہندی زبان میں شائع کرنا

سوال [۱۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک انگلش مانیٹری اسکول کی ابتداء کی ہے، جس کی اسکول ڈائری میں وہ مسلم بچوں کے لئے کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد کی دعا اس غرض سے چھپوانا چاہتا ہے کہ بچے اسکول میں وقفہ کے وقت کھانا کھاتے ہیں، تو کیا عربی کی دعائیں ہندی میں شائع ہوسکتی ہیں، جس سے بچے اور ان کے قرابت والے ڈائری سے فائدہ اٹھاسکیں قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث کی دعائیں خواہ وہ کھانا کھانے سے پہلے یا کھانا کھانے کے بعد سے متعلق ہوں، عربی کے علاوہ کسی اور زبان کی اسپیلنگ میں لکھنے یا شائع کرنے کی اجازت نہیں؛ البتہ عربی رسم الخط میں لکھ کر ان کا ترجمہ اور تشریح کسی بھی زبان میں کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۱، جدید ڈابھیل ۳/۵۱۲)

وفي الكافي إن اعتاد القرآن بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع، فإن فعل آية أو آيتين لا فإن كتب القرآن و تفسير كل حرف وترجمته جاز الخ (شامي، كتاب الصلوة، مطلب في بيان المتواتر والشاذ كراچی ۱/۴۸۶، زكريا ۲/۱۸۷)

عن سعد بن عبيدة حدثني البراء بن عازب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا أخذت مضجعك، فتوضأ وضوءك للصلوة، ثم اضطجع على شقك الأيمن ثم قل: اللهم إني أسلمت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك، وألجأت ظهري إليك رغبة ورهبة إليك، ولاملجأ ولامنجأ منك إلا إليك، آمنت بكتابك الذي أنزلت، وبنبيك الذي أرسلت، واجعلهن من آخر كلامك، فإن مت من ليلتك مت وأنت على الفطرة، قال فرددتهن لاستذكرهن، فقلت آمنت برسولك الذي أرسلت، قال قل: آمنت بنبيك الذي أرسلت. (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب مايقول عند النوم وآخذ المضجع، النسخة الهندية ۲/۳۴۸، بيت الأفكار رقم: ۲۷۱۰، صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب فضل من بات على الوضوء، النسخة الهندية ۱/۳۸، رقم: ۲۴۷، ۶۶۶، ف: ۶۳۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۹ھ

حدیث متواتر کا انکار

سوال[۱۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان نے حدیث متواتر کا انکار کیا اور اس وقت وہ غصہ میں تھا، پھر دو چار گھنٹے بعد ایمان لایا، تو اس کو دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: صغیر احمد مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی حدیث متواتر کا انکار کیا ہے تو ایمان سلب ہو چکا ہے اور بیوی کا نکاح بھی ختم ہو چکا ہے؛ لہٰذا دوبارہ تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہوگا۔

ومن أنكر المتواتر فقد كفر الخ . (فتاوی عالمگیری، کتاب السیر، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر انواع، زكريا قديم ۲/ ۲٦٥، جديد ۲/ ۲۷۷، شامي، زكريا ٦/ ۳٥۷، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في منكر الاجماع، كراچي ٤/ ۲۲۳، زكريا ٦/ ۳٥٦)

مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح وأولاده أولاد زنا وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة و تجديد النكاح الخ (الدر المختار، کتاب الجهاد، باب المرتد زكريا ٦/ ۳۹۰، کراچی ٤/ ۲٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳۸/۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۸ھ

اللہ کے مقابلہ میں سرکار دوعالم ﷺ کا علم کتنا ہے؟

سوال [۱۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ رب العزت کے مقابلہ میں سرکار دوعالم ﷺ کا علم اتنا ہے جتنا سمندر میں سے چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے لے اور سرکار دوعالم ﷺ کے مقابلہ میں تمام مخلوق کا علم صرف اتنا ہے جتنا سمندر میں سے چڑیا چونچ میں پانی لے لے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو حدیث ہے یا کسی امام یا بزرگ کا قول ہے؟

المستفتی: محمد قاسم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں تو بلفظہ کوئی حدیث ذہن میں نہیں ہے؛ البتہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں بلفظہ حدیث شریف موجود ہے، حضرت ابن عباسؓ کی طویل روایت کا ایک مختصر ٹکڑا یہ ہے۔

وجاء عصفور حتى وقع على حرف السفينة، ثم نقر في البحر، فقال له الخضر: ما نقص علمي وعلمك من علم الله إلا مثل ما نقص هذا العصفور من البحر. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل - باب من فضائل الخضر، النسخة الهندية ٢/٢٦٩، بيت الأفكار رقم: ٢٣٨٠، سنن الترمذي، أبواب التفسير، باب من سورة الكهف، النسخة الهندية ٢/١٤٤، دار السلام رقم: ٣١٣٩)

اور سرکار دوعالم ﷺ کے علم کے مقابلہ میں دیگر تمام مخلوق کے علم کی نسبت جو سوال نامہ میں مذکور ہے کسی صحیح حدیث میں بلفظہ بندہ کی نظر سے نہیں گذری؛ البتہ **اعطيت علم الأولين والآخرين** کے اصول سے مذکورہ نسبت معلوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۰۷/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۱۸ھ

إذا قاتل أحدکم......علی صورته میں ہ ضمیر کا مرجع

سوال [۱۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عن أبي هريرةؓ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قاتل أحدكم، فليجتنب الوجه، فإن الله خلق آدم على صورته میں ہ ضمیر کا مرجع اللہ ہے یا آدم علیہ السلام اور ہر صورت میں کیا مطلب بیان کیا گیا ہے، محدثین نے کیا خامہ فرسائی کی ہے۔

المستفتی: لطافت حسین مدرس مدرسہ امداد الغرباء پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورته کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں بہت سارے اقوال منقول ہیں، ان میں سے دو صورتیں زیادہ صحیح اور معتبر ہیں۔

(۱) آدم علیہ السلام مرجع ہیں؛ اس لئے کہ وہی اقرب ہے کہ اول الأمر میں حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالی نے ساٹھ ہاتھ لمبے کامل الخلقت خوبصورت نہج پر بنایا ہے۔

(قوله) **على صورته أي على صورة آدم عليه السلام لأنه أقرب أي خلقه في أول الأمر بشرا سويا كامل الخلقة طويلا ستين ذراعا.** (عمدة القاري شرح بخارى، كتاب الإستيذان، باب بدء السلام تحت رقم الحديث: ٦٢٢٧، دار ايحياء التراث العربي ٢٢٩/٢٢، زكرياه ٣٤٣/١)

(۲) مورد حدیث یہ ہے کہ ایک شخص اپنے غلام کو چہرے پر طمانچہ مار رہا تھا، اسی وقت وہاں سے حضور ﷺ کا گذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے اس کی صورت پر پیدا فرمایا ہے؛ لہٰذا چہرے سے احتراز کیا کرو۔ اس صورت میں ضمیر کا مرجع عبد مضروب ہے۔

أنه صلى الله عليه وسلم مر برجل يضرب عبده في وجهه لطمافزجره

عن ذلک وقال: خلق اللّٰہ آدم علی صورته، فالهاء کنایته عن المضروب وجهه.

(عمدة القاري، دار احیاء التراث العربي ۲۲/۲۲۹، رقم:۶۲۲۷، زکریا ۱۵/۳٤٦)

باقی دوسری توجیہات کرکے جو اشکالات کرتے ہیں وہ ہمارے نزدیک مخدوش ہیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۴۲)

جنت میں داخلہ قبل الحساب ہوگا یا بعد الحساب؟

سوال [۱۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حساب وکتاب کرکے لوگوں کو جہنم یا جنت میں داخل کرے گا؛ جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے مرنے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ اس کو جنت یا جہنم میں داخلہ کا حکم فرمادیتا ہے؛ جیسا کہ یحیٰ ابن اکثم محدثؒ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، جس کو حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نے فضائل ذکر عکسی کے صفحہ ۸۹/ پر نقل کیا ہے؛ لہٰذا آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کو مرنے کے فوراً بعد جنت یا جہنم میں داخل کردیا جاتا ہے یا پھر حساب وکتاب کے بعد داخلہ ہوگا؟

المستفتی: محمد صابر قاسمی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یحیٰ بن اکثمؒ کے واقعہ کو دوبارہ پڑھ کر دیکھ لیجئے کہ جس ٹکڑے میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد مجھے جنت میں داخلہ کا ارشاد فرمایا: یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں؛ بلکہ خود یحیٰ بن اکثمؒ کے الفاظ ہیں؛ اس لئے حدیث کا حدیث سے معارضہ کی کوئی بات یہاں موجود نہیں ہے۔

نیز جنت میں داخلہ کا ارشاد فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کی فہرست میں میرا نام بھی درج فرما دیا ہے، اب امید ہے کہ آپ کا شبہ دور ہو گیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱/ ۱۴۱۸ھ

مال حرام کھانے والے کی دعا قبول نہ ہونے والی حدیث کا مأخذ

سوال [۱۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسا کرتا پہنے ہوئے ہے جس کی قیمت دس درہم ہے، اس میں نو درہم حلال کی کمائی کے ہیں اور ایک درہم حرام کی کمائی کا ہے، تو جب تک کوئی شخص ایسا کرتا پہنے رہے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، یہ حدیث شریف حدیث کی کون سی کتاب سے ماخوذ ہے تحریر فرمائیے۔

المستفتی: محمد احمد فیض گنج مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں اتنا تو آیا ہے کہ کھانے اور پہننے کی اشیاء میں حرام چیز ہو تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، عبادت قبول نہیں ہوتی۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه: قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: …… ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر، يمد يديه إلى السماء، يارب، يارب، ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأن يستجاب لذلک؟ (صحیح مسلم، كتاب الزكوة، باب بيان ان اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، النسخة الهندية ۱/ ۳۲۶، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۵، سنن الترمذي، أبواب التفسير، باب ومن سورة البقرة، النسخة الهندية

۲/۱۲۸، دار السلام رقم:۲۹۸۹، مسند دارمي، دار المغني ۷۸٦/۳، رقم: ۲۷۵۹، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۱۹/٥، رقم:۸۸۳۹)

عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايعجبنک رحب الذراعين يسفک الدماء، فإن له عند الله قاتلا لايموت، ولايعجبنک امرؤ کسب مالا من حرام فإنه إن أنفقه أو تصدق به لم يقبل منه. (مسند أبي داؤد الطيالسي، دار الكتب العلمية بيروت ۳٤٥/۱، رقم:۳۰۸، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۰۷/۱۰، رقم: ۱۰۱۱۱)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من جمع مالا حراما ثم تصدق به لم يكن له فيه أجر، وكان أصره عليه. (صحيح ابن حبان، ذكر البيان بأن المال إذا لم يكن بطيب آخذ من حله لم يؤجر المتصدق به عليه، مكتبه دار الفكر ۱٥۱/٥، رقم:۳۳٥٦)

مگر کرتہ کے بارے میں کوئی حدیث بلفظہ نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۷۷/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۸ھ

چار کروڑ نیکیوں کی دعا حدیث سے ثابت ہے

سوال [۱۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا حدیث کی کسی معتبر کتاب میں کوئی ایسی روایت ہے، جس میں کسی عمل پر کروڑوں نیکیاں ملنے کا ذکر ہو، اگر ہو تو حدیث شریف مع حوالہ تحریر فرما کر عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ جس شخص نے دس مرتبہ اشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له إلٰها واحدا أحدا

صمدا لم يتخد صاحبة ولا ولدا، ولم يكن له كفوا أحد پڑھا اللہ رب العزت اس کے نامۂ اعمال میں چار کروڑ نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ اور المعجم الکبیر اور عمل الیوم واللیلۃ میں چالیس ہزار ثواب لکھا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

عن تميم الداري رضـ، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من قال: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له إلها واحدا أحدا صمدا لم يتخذ صاحبة ولا ولدا ولم يكن له كفوا أحد عشر مرات كتب الله له أربعين ألف ألف حسنة. (ترمذي شريف، كتاب الدعوات، باب بلاترجمه، ۲/ ۱۸۵، دار السلام رقم: ۳٤۷۳)

عن تميم الداري رضـ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :من شهد أن لا إله الا الله أحدا صمدا لم يتخذ صاحبة، ولاولدا ولم يكن له كفوا احد عشر مرات كتب الله له أربعين ألف حسنة. (المعجم الكبير للطبراني ۲/ ۱۲۷۸، عمل اليوم والليلة ۱/ ۱۲۰، رقم:۱۳٦)

عن تميم الداري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قال: لاإله إلاالله واحدا أحدا صمدا لم يتخذ صاحبة ولاولدا ولم يكن له كفوا أحد عشر مرات كتبت له أربعون ألف حسنة. (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ۱۰۳، رقم: ۱۷۰۷٦، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲/ ۵۷، رقم: ۱۲۷۸، عمل اليوم والليلة لابن أبي سني، مؤسهه العلوم القرآن ۱/ ۱۲۰، رقم:۱۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد غسل کا حدیث سے ثبوت

سوال [۱۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ حضرت مولانا طارق جمیل صاحب جو پاکستان کے بڑے عالموں میں سے ہیں ان کی ایک تقریر میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا جب انتقال ہونے لگا، انہوں نے اپنی خادمہ کو بلاکر فرمایا میرے لئے پانی تیار کرو مجھے غسل کرادو، مجھے کپڑے پہنادو، پھر چارپائی پر قبلہ رو ہوکر لیٹ گئیں اور فرمایا میں مررہی ہوں، میرا غسل ہوچکا ہے، خبردار میرے جسم کو کوئی نہ دیکھے بس یہی میرا غسل ہے، یہ کہہ کر انتقال فرماگئیں، حضرت علیؓ باہر گئے ہوئے تھے، واپس آئے، تو خادمہ نے قصہ سنایا، تو حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا۔ معلوم یہ کرنا ہے، کیا روایت سے یہ واقعہ ثابت ہے؟ کیا حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد غسل نہیں دیا گیا؟

(۲) جس روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو غسل دیا تھا، کیا وہ صحیح ہے؟ کیا اب بھی کوئی اس روایت کو مستدل بنا کر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت فاطمہؓ کی وفات اور غسل سے متعلق جو سوال نامہ میں ذکر ہے، اس کا پہلا حصہ صحیح ہے کہ انہوں نے وفات سے پہلے باضابطہ غسل فرمایا اور نیا کپڑا پہنا اور یہ کہہ کر لیٹ گئیں کہ اب میری روح قبض ہونے والی ہے، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اس کے بعد روایت کا اگلا حصہ کہ ان کی وفات کے بعد ان کے بدن کو کوئی نہ چھوئے اور بغیر غسل کے ان کو اسی حالت میں دفن کیا گیا ہے درست نہیں یہ ایک موضوع روایت کا ٹکڑا ہے، جس کا اعتبار کرنا درست نہیں ہے اور صحیح یہی ہے کہ انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت علیؓ کو غسل دینے کی وصیت فرمائی ہے اور یہ کہ اس موقع پر کوئی دوسرا نہ آئے؛ چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے ان کو غسل دیا، اس دوران جب حضرت عائشہؓ نے اندر آنا چاہا، تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے ان کو منع فرمادیا، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے سوال کیا کہ امہات المؤمنین کو اندر آنے سے کیوں منع کیا جارہا ہے، تو جواب دیا گیا کہ حضرت فاطمہؓ کی وصیت یہی ہے؛ چنانچہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جیسی ان کی وصیت ہے اسی پر عمل کیا جائے اور غسل نہ دینے کی جو بات کہی گئی ہے، اس کو امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ ۲/۲۵۰ میں نقل کر کے ضعیف قرار دیا ہے اور مسند امام احمد ۶/۴۶۱ میں بھی تفصیلی روایت موجود ہے، مگر اس میں بھی وفات کے بعد غسل نہ دینے کا ذکر نہیں ہے، اور سنن کبری بیہقی ۳/۳۹۶ میں یہی نقل فرمایا ہے کہ وفات کے بعد حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق ان کو غسل دیا ہے اور اسد الغابہ میں ۶/۲۲۶ پر کئی حدیثیں نقل کرنے کے بعد یہی لکھا ہے۔

والصحیح أن علیا واسماء غسلاھا اس لئے ایسا بیان کرنا درست نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو وفات کے بعد غسل نہیں دیا گیا، اس میں دونوں سوالوں کا جواب ایک ساتھ آ گیا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۶ھ

چند حدیثوں کے مصداق کی تعیین

سوال [۱۱۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نیچے لکھی ہوئی حدیثوں کے بارے میں بتائیں کہ یہ کس جماعت کی طرف اشارہ کرتی ہیں؟

حدیث نمبر ۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اخیر زمانہ میں نوعمر اور کم سمجھ لوگوں کی ایک جماعت نکلے گی، باتیں تو بظاہر اچھی کہیں گے؛ لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، پس تم انہیں جہاں پانا قتل کر دینا کہ قیامت

کے دن ان کے قاتل کے لئے بڑا اجر وثواب ہے۔ بخاری شریف، مشکوۃ شریف، ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے۔

کیا واقعی ہر فرقہ کی حدیث الگ الگ ہوتی ہے یا ایک ہی ہوتی ہے، جیسے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث وغیرہ۔

حدیث نمبر ۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مشکوۃ شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں اختلاف وتفریق کا واقع ہونا مقدر بن چکا ہے، پس اس سلسلہ میں ایک گروہ نکلے گا، جس کی باتیں بظاہر دل فریب وخوشنما ہوں گی؛ لیکن کردار گمراہ کن اور خراب ہوگا، وہ قرآن پڑھیں گے؛ لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر سے شکار نکل جاتا ہے، پھر دین کی طرف واپس لوٹنا انہیں نصیب نہیں ہوگا، یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے، وہ اپنی طبیعت اور شرشت کے لحاظ سے بدترین مخلوق ہوں گے، وہ لوگوں کو قرآن اور دین کی طرف بلائیں گے؛ حالانکہ دین سے ان کا کچھ بھی تعلق نہ ہوگا، جو ان سے قتال کرے گا، وہ خدا کا مقرب ترین بندہ ہوگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ان کی خاص پہچان کیا ہوگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا سر منڈانا۔

المستفتی: محمد زکی انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ بالا حدیث شریف سے فرقہ خارجیہ مراد ہے اور فرقہ خارجیہ جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا تھا، حدیث شریف میں وہی مراد ہے۔ بخاری، ترمذی، مسلم، مشکوۃ اور اسی طرح حدیث کی اور بھی جتنی عربی کتابیں ہیں، سب ایک ہی ہوتی ہیں کسی فرقہ کی الگ الگ نہیں ہوتی؛ البتہ ان کا ترجمہ جو الگ الگ فرقوں نے کیا ہے اس میں کچھ فرق ہوسکتا ہے اور فرقہ خارجیہ جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے،

وہ اس حدیث شریف میں موجود ہے۔

قلت لسهل بن حنيف: هل سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: في الخوارج شيئًا؟ قال: سمعته يقول، وأهوى بيده قبل العراق: يخرج منه قوم يقرؤن القرآن لايجاوز تراقيهم يمرقون من الإسلام مروق السهم من الرمية. (صحيح البخاري، باب من ترك قتال الخوارج للتألف وأن لا ينفر الناس عنه، النسخة الهندية۲/۱۰۲۵، رقم: ٦٦٦٦، ف:٦٩٣٤)

قال علي رضی اللہ عنہ: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سيخرج قوم في آخر الزمان، حداث الأسنان، سفهاء الأحلام، يقولون: من خير قول البرية: لا يجاوز إيمانهم حناجرهم يمرقون من الدين، كما يمرق السهم من الرمية، فأينما لقيتموهم،فاقتلوهم فإن في قتلهم أجرا لمن قتلهم يوم القيامة. (صحيح البخاري، باب قتل الخوارج والملحدين بعد اقامة الحجة عليهم ۲/۱۰۲٤، رقم: ٦٦٦٢، ف ٦٩٣٠، صحيح مسلم، باب التحريض على قتل الخوارج) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۲۹/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۱۶ھ

کیا دونوں ہاتھوں سے لینے دینے کے متعلق حدیث ہے؟

سوال [۱۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں طلبہ کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ اپنے بڑوں کو کوئی چیز دو یا اپنے بڑوں سے کوئی چیز لو، تو دونوں ہاتھوں سے دو اور دونوں ہاتھوں سے لو، ہم نے اپنے اساتذۂ کرام کو بھی دیکھا ہے کہ جب وہ اپنے سے بڑوں کو کوئی چیز دیتے یا لیتے ہیں، تو دونوں ہاتھوں سے دیتے اور لیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ہمارا یہ عمل احادیث کے خلاف تو نہیں ہے

یا صرف داہنے ہاتھ ہی سے دینا لینا چاہئے؟

زید عالم کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں سے لینا دینا یہ حدیث سے کہیں ثابت نہیں ہے، لوگوں نے رواج بنالیا ہے۔

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں ہاتھوں سے لینے دینے کے متعلق کوئی حدیث ہم کو نہیں ملی، ہاں البتہ دائیں ہاتھ سے لینا دینا مسنون ہے اور یہی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليأكل أحدكم بيمينه وليشرب بيمينه وليأخذ بيمينه وليعط بيمينه، فإن الشيطان يأكل بشماله ويشرب بشماله ويعطى بشماله ويأخذ بشماله. (سنن ابن ماجه، باب الأكل باليمين، النسخة الهندية ۲/۲۳۵، دار السلام رقم: ۳۲۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۸۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۶ھ

ازواج مطہرات سے متعلق حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حدیث کے بارے میں تحقیق مقصود ہے کہ کیا واقعی وہ حدیث صحیح یا ضعیف یا موضوع ہے؟ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے موقع پر ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے، وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گی، تمام ازواج مطہرات نے اپنے ہاتھ ناپے تو حضرت سودہؓ کے ہاتھ لمبے نکلے، جس سے تمام ازواج مطہرات سمجھ گئیں کہ حضرت سودہؓ کا

وصال سب سے پہلے ہوگا؛ لیکن اس کے برخلاف حضرت زینبؓ کا انتقال سب سے پہلے ہوا، اس نتیجہ میں حضرت عائشہؓ نے مذکورہ بالا حدیث کا مطلب بیان کیا، طول ید سے مراد فیاضی وسخاوت ہے اور اس وصف میں حضرت زینبؓ ممتاز تھیں، اس حدیث کے بارے میں اپنی تحقیق باحوالہ نمبر تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالناصر خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حدیث شریف سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ بخاری، مسلم کی روایت ہے؛ لیکن متن کے اعتبار سے بظاہر کچھ اختلاف ہے کہ بخاری کی عبارت سے بظاہر حضرت سودہؓ کا انتقال سب سے پہلے معلوم ہوتا ہے اور مسلم کی روایت سے حضرت زینبؓ کا انتقال پہلے معلوم ہوتا ہے، تو شراح ومحشی حضرت نے حضرات امام بخاری کی روایت میں توجیہ کرکے فرمایا ہے کہ حضرت زینبؓ کا انتقال سب سے پہلے ہوا ہے اور زیادہ سخی بھی وہی تھیں اور ہاتھ لمبے ہونے سے مراد بھی سخاوت ہی ہے اور پیمائش کے اعتبار سے حضرت سودہؓ کے ہاتھ لمبے تھے۔

عن عائشةؓ، أن بعض أزواج النبي صلى الله عليه وسلم قلن للنبي صلى الله عليه وسلم: أيّنا أسرع بک لحوقا، قال: أطولكن يدا فأخذوا قصبة يذرعونها، فكانت سودة أطولهن يدًا، فعلمنا بعد أنما كانت طول يدها الصدقة وكانت أسرعنا لحوقا به صلى الله عليه وسلم وكانت تحب الصدقة. (بخاری شریف، باب فضل صدقة الشحيح الصحيح، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۱ رقم:۱۴۰۳، ف ۱۴۲۰)

وتحت هامشه هذا خلاف المعروف عند أهل العلم لاتفاق أهل السير على أنها زينب الخ (حاشیه بخاري ۱/ ۱۹۱)

عن عائشة أم المؤمنين قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

أسرعكن لحاقا بي أطولكن يدًا، قالت: فكن يتطاولن أتهن أطول يدًا، قالت: فكانت اطولنا يدا زينب لأنها كانت تعمل بيدها وتصدق. (صحيح مسلم، باب من فضائل زينب ام المؤمنين رضى الله عنها، النسخة الهندية ۲۹۱/۲، بيت الأفكار رقم: ۲۴۵۲)

و تحته في النووي أن المراد بطول اليد طول اليد الحقيقة وهي الجارحة، فكن يذرعن أيديهن بقصبة فكانت سودة أطولهن جارحة، وكانت زينب أطولهن يدا في الصدقة وفعل الخير فماتت زينب أولهن، فعلموا أن المراد طول اليد في الصدقة و الجود الخ (نووي على هامش مسلم۷/۱۹۱/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۰۳)

هذا الكلب علمنا السنة کی تشریح

سوال [۱۱۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کئی روز سے ایک عبارت میں ذہن الجھا ہوا ہے، **الصیانۃ** جو سابقہ رسالہ ہے، اس میں اوقات الصلوۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، اس میں ایک عبارت پر بار بار مجھے رکنا پڑا، میں عبارت نقل کرتا ہوں اس میں خط کشیدہ عبارت کا مطلب کیا ہے؟ یہ واضح فرمادیں، ایک صحابیؓ کے منھ سے یہ الفاظ نکلیں نعوذ باللہ من ذلک عجیب محسوس ہوتا ہے یہاں **الکلب** سے کیا مراد ہے، اس کی توضیح فرمادیں؛ تاکہ تمام خلجان ختم ہوجائے، رسالہ کسی جگہ رکھ دیا مل نہیں پایا اس کی یہ عبارت مجھے پریشان کررہی ہے۔ **هذا الكلب علمنا السنة** حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ یہ کتا مجھے سنت سکھا رہا ہے، یہ کتا کہنا کیسا ہے، اس کی کیا توجیہ وتاویل ہوگی؟

المستفتی: محمد خبیب کاسگنج ایٹہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوری حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ عصر کا مسنون اور افضل وقت کچھ تاخیر کرنے میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ گرمیوں کے زمانہ میں عصر کی نماز میں بالقصد کچھ تاخیر فرمایا کرتے تھے، اس کی وجہ یہی ہے کہ گرمیوں کے زمانہ میں حضرت سید الکونین علیہ الصلوۃ والسلام تاخیر فرمایا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اتنی مقدار تاخیر کرتے تھے، جتنی آنحضرت علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ روزانہ مسجد میں خود نماز پڑھایا کرتے تھے اور جس مؤذن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بار بار آکر توجہ دلائی ہے، وہ خارجی ذہن کا آدمی تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل اس شخص کو پہلے سے معلوم ہے کہ تاخیر کرکے نماز پڑھائیں گے، اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آکر اصرار کرنے لگا کہ آیئے عصر کی نماز پڑھا دیجئے؛ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو توجہ دلانے کے لئے سخت الفاظ کے ساتھ اس پر نکیر فرمائی کہ یہ شخص سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہم سے زیادہ یہ جانتا ہے اور ہمیں آکر کے سنت سکھا رہا ہے اور کتے کی طرح بار بار بھونک رہا ہے اور وہاں پر موجود بعض لوگ بھی اس شخص کی ذہنیت سے واقف تھے اور بعض لوگ جو واقف نہیں تھے، ان کو واقف کرانے کے لئے ”ہذا الکلب“ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یہ کسی اچھے آدمی کے لئے استعمال نہیں فرمائے، پوری حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن زياد بن عبد الله النخعي رضـ، قال: كنا جلوسا مع علي في المسجد الأعظم، والكوفة يومئذ أخصاص، فجاء ه المؤذن، فقال: الصلوة يا أمير المؤمنين! للعصر، فقال: اجلس فجلس، ثم عاد فقال: ذالک، فقال علي رضي الله عنه ”هذا الكلب“ يعلمنا بالسنة“ فقام علي رضي الله عنه، فصلى بنا العصر، ثم انصرفنا، فرجعنا إلى المكان الذي كنا فيه جلوسا فجثونا للركب لنزول الشمس للمغيب فتراها. (دار قطنی قدیم ۱/ ۹۳، دار الکتب

العلمية بيروت، ۱/ ۲۶۰، رقم: ۹۷۷، المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة، قديم جديد۱/ ۳۰۵، مكتبة نزار مصطفیٰ الباز ۱/ ۲۸۶، رقم: ۶۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۴۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۱۷ھ

حضرت آدمؑ کا حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنے والی حدیث کا مأخذ

سوال [۱۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا حضرت آدمؑ نے حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگی تھی یا نہیں یہ کس حدیث میں ہے؟

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت آدم علیہ السلام کا حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب! اسألک بحق محمد لما غفرت لي، فقال الله تعالى: يا آدم وكيف عرفت محمدا ولم أخلقه؟ قال: يارب! لأنک لما خلقتني بيدک ونفخت في من روحک رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا: لاإله إلا الله، محمد رسول الله، فعلمت أنک لم تضف إلي اسمک إلا أحب الخلق إليک، فقال الله عزوجل: صدقت يا آدم! إنه لأحب الخلق إلي أدعني بحقه، فقد غفرت لک ولولامحمد ما خلقتک.

(المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب تواريخ المتقدمين قديم ۲/ ۶۷۲، مكتبة نزار مصطفیٰ الباز جديد ۴/ ۱۵۸۳، رقم: ۴۲۲۸، كنزالعمال بيروت ۱۱/ ۲۰۶)

عن عمر بن الخطابؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لما أذنب آدم الذي أذنبه رفع رأسه إلى العرش، فقال: أسألک بحق محمد

إلا غفرت لي، فأوحى الله إليه؛ وما محمد؟ ومن محمد؟ فقال: تبارك اسمك، لما خلقتني رفعت رأسي إلى عرشك، فإذا فيه مكتوب لاإله إلا الله، محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم عندك قدرا فمن جعلت اسمه مع اسمك. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٥/٣٦، رقم: ٦٥٠٢، المعجم الصغير ٢/١٨٢، رقم: ٩٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

"الماء من الماء" والی حدیث شریف منسوخ ہے

سوال [۷۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تجرید البخاری جلد اول کتاب الوضوء بیان مسئلہ ۱۳۸/ پر تحریر ہے کہ حضرت زید ابن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص جماع کرے اوراس کو انزال نہ ہو منی نہ نکلے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ حضرت عثمان ابن عفانؓ نے فرمایا کہ پیشاب کے مقام کو دھوکر وضو کرے، جس طرح نماز کے واسطے وضو کیا جاتا ہے، اس کے بعد یہ فرمایا کہ میں نے یہ حضور ﷺ سے سنا تھا، اس کے بعد میں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور ابی ا بن کعب سے دریافت کیا، ان حضرات نے بھی یہی جواب دیا اور مسئلہ ۱۳۹/ پر بھی ایک انصاری صحابیؓ کو اس طرح فرمایا کہ جاؤ صحبت کرو اور انزال سے پہلے جدا ہو جاؤ یا انزال بالکل نہ ہو، تو غسل کرنا واجب نہیں ہے، صرف وضو کرنا واجب ہوگا۔

دوسری جگہ بہشتی زیور میں اور اپنی نمازیں درست کیجئے (معتبر مولانا اشفاق احمد قاسمی) جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے کے بیان میں مسئلہ ۳/ میں لکھا ہے کہ جب مرد کی سپاری اندر چلی جائے اور چھپ جائے تو بھی غسل واجب ہو جاتا ہے، چاہے منی نکلے یا نہ نکلے، مرد کی سپاری آگے کی راہ میں گئی ہو تو بھی غسل واجب ہے چاہے کچھ بھی نہ نکلا ہو اور اگر پیچھے کی

راہ میں گئی ہوتو تب بھی غسل واجب ہے، تجرید البخاری اور بہشتی زیور کے مسئلہ میں جو فرق ہے اس کی وضاحت مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد یونس پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بہت زیادہ مشہور حدیث ہے، طحاوی شریف ۱/۳۲ پر بلفظہ موجود ہے، حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے سب کے درمیان شہرت کا درجہ رکھتی ہے، مگر یہ حدیث شریف منسوخ ہے۔ نیز اس کا احتلام کے حق میں حکم اب بھی باقی ہے بہشتی زیور میں جو لکھا ہے وہ آخری حکم ہے، پوری بحث طحاوی شریف ۱/۳۲ تا ۱/۳۷ میں موجود ہے۔ نیز خود حضرت عثمانؓ کی دوسری روایت میں وجوب غسل کا حکم موجود ہے۔

عن سعید المسیب أن عمر بن خطابؓ، و عثمان بن عفانؓ، و عائشة زوج النبي صلی اللہ علیه وسلم کانوا یقولون: إذا مس الختان الختان، فقد وجب الغسل. (طحاوي شریف، النسخة الهندیة ۱/۳۵، رقم: ۳۳۲، معرفة السنن والآثار، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۴۶۷، رقم: ۱۳۹۳، السنن الکبری للبیهقي، دار الفکر ۱/۲۵۷، رقم: ۷۷۹، شرح الزرقاني، مکتبه عباس أحمد الباز ۱/۱۹۵، رقم: ۱۰۴، مؤطا مالك، واجب الغسل إذا التقیٰ الختانان ۱/۱۶، رقم: ۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۱۸)

حضور ﷺ کا والدین کے لئے استغفار کی اجازت طلب کرنا

سوال [۱۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حسب ذیل استفتاء ارسال خدمت ہے براہ کرم جواب سے مشرف فرمائیں۔
صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے والدین کی استغفار کے لئے

اللہ رب العزت سے اجازت طلب فرمائی تھی، مگر اجازت نہیں ملی تب آپ نے زیارت کے لئے درخواست فرمائی جو منظور کرلی گئی؟

المستفتی: مولانا اسحٰق سنبھلی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صحیح مسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے وہ مسلم شریف کے ہندی نسخہ ۱/۳۱۴ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسندوں کے ساتھ مروی ہے، مگر مسلم کی اس روایت کے آگے پیچھے کسی آیت کا شان نزول مذکور نہیں ہے؛ البتہ اس حدیث شریف کو حضرات مفسرین (سورہ توبہ آیت:۱۱۳) **ماکان لنبي والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولوکانوا أولی قربی الآیہ** کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں:

علامہ ابن کثیر دمشقی نے مختصر تفسیر ابن کثیر ۲/۳۷۳ اور علاء الدین بغدادی نے تفسیر خازن ۲/۲۷۰ اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر ۱۶/۲۰۸ میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابواء میں اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر کھڑے ہوکر اللہ سے دعائیں مانگیں اور استغفار کی اجازت طلب کی تو اس کی ممانعت ہوئی، پھر زیارت کی اجازت مانگی، تو اللہ نے اس کی اجازت دیدی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

قال أبوهريرة وبريدة: لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم مكة إلى قبر أمه آمنة ووقف حتى حميت الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها، فنزلت ماكان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا اللمشركين الآيه (تفسیر خازن ۲/ ۲۷۰)

اس مفہوم کی لمبی لمبی عبارتیں تفسیر کی کتابوں میں موجود ہیں۔ نیز بخاری شریف میں پانچ مقامات پر اس آیت کریمہ کا شان نزول ابوطالب کے لئے دعا اور استغفار کے موقع کو بتایا گیا ہے۔ (بخاری شریف ۱/۱۸۱، رقم:۱۳۴۴، ف ۱۳۶۰، ۱/۵۴۸، رقم: ۳۷۴۶، ف: ۳۸۸۴، ۲/۶۷۵ رقم:۴۴۸۸، ف:۴۶۷۵، ۲/۷۰۳، رقم:۴۵۸۶، ف:۴۷۷۲)

نیز ابوطالب کے بارے میں بخاری ۲/۳۰۷۲، رقم: ۴۵۸۶، ف: ۴۷۷۲/۲:میں انک لاتهدي من احببت الآیة کے شان نزول کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۱۰۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۱۱ھ

”الاسلام یعلو و لا یعلی“ والی حدیث کس کتاب میں ہے؟

سوال [۱۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ”**الإسلام یعلو ولا یعلیٰ علیه**“ اس حدیث شریف کو کتب حدیث میں تلاش کریں؟

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: یہ حدیث ”الإسلام یعلو ولا یعلي“ کے الفاظ کے ساتھ درج ذیل کتب احادیث میں موجود ہیں۔

(۱) ”**الإسلام یعلو ولا یعلی**“ السنن الکبری للبیهقي، باب من صار مسلما بالإسلام أبویه، دار الفکر ۲۳۳/۹، رقم: ۱۲۳۹۴.

(۲) **سنن الدار قطني، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷۷/۳، رقم: ۳۶۲۰، باب المهر.**

(۳) **کنز العمال ۴۹/۱، رقم: /۲۴۲.**

(۴) **بخاری شریف، النسخة الهندیة ۱/ ۱۸۰، تحت باب /۷۹.**

(۵) **الزیلعي في نصب الرایة، کراچي ۲۱۳/۳.**

(۶) **معرفة السنن والأثار، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۴۳/۱۰، رقم:**

۱۳۹۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

اصحابی کالنجوم کے ہم معنی حدیث

سوال [۱۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''**أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم**'' کے ہم معنی اگر کوئی حدیث شریف ہو، تو اس کو بحوالہ نقل فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: **أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم** کے ہم معنی حدیث شریف ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة و اسحاق بن إبراهيم و عبد الله بن عمرو ابن أبان كلهم عن حسين قال أبوبكر ناحسين بن علي الجعفي عن مجمع بن يحي عن سعيد ابن أبي بردة عن أبي بريدة عن أبيه قال: صلينا المغرب مع رسول لله صلى الله عليه وسلم ثم قلنا: لوجلسنا حتى نصلي معه العشاء قال: فجلسنا فخرج علينا فقال: مازلتم ههنا قلنا: يا رسول الله! صلينا معك المغرب، ثم قلنا: نجلس حتى نصلي معك العشاء قال: أحسنتم، أو أصبتم قال: فرفع رأسه إلى السماء فقال: النجوم أمنة للسماء فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ماتوعد وأنا أمنة لأصحابي فإذا ذهبت أتى أصحابي ما يوعدون وأصحابي أمنة لأمتي فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي مايوعدون.

(صحيح مسلم، كتاب الفضائل الصحابة، باب بيان أن بقاء النبي صلى الله عليه وسلم أمان لأصحابه، النسخة الهندية ۲/۳۰۸، بيت الأفكار رقم: ۲۵۳۱، مسند أحمد بن حنبل

٤/٣٩٩، رقم: ١٩٧٩٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٨/١٠٤، رقم:٣١٠٢، مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٨/٣٠٠، رقم: ٣٣٠٧٣، كنز العمال ١١/٢٤٢، رقم:٣٢٤٧٦، صحيح ابن حبان، ذكر البيان بأن الله جل و علا جعل صفيه صلى الله عليه وسلم أمنة أصحابه وأصحابه أمنة أمته، دار الفكر ٦/٣٨٢، رقم: ٧٢٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

حدیث ”سيدة نساء أهل الجنة فاطمه“ کی تحقیق

سوال [۱۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید یہ کہتا ہے کہ **سيدة نساء أهل الجنة فاطمہؓ** و **سيدا شباب أهل الجنة** جیسی احادیث موضوع ہیں، مزید یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ کی اور بھی لڑکیاں تھیں، ان کی اولادیں تھیں علیؓ فاطمہ حسن اور حسین کے متعلق ہی احادیث ہیں۔ مذکورہ احادیث کن کتب میں ہیں؟

المستفتی: ثناء الرحمٰن نیپال روڈ، دھار چوسہ، ہتھورا گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ”**سيدة نساء أهل الجنة فاطمة وسيدا شباب أهل الجنة**“ جیسی احادیث موضوع نہیں ہیں؛ بلکہ امام ترمذی نے تو دوسرے ٹکڑے کو جہاں نقل فرمایا ہے وہاں اس پر کوئی کلام نہیں کیا ہے؛ لیکن جہاں دونوں ٹکڑوں والی حدیث کو نقل فرمایا ہے وہاں ترمذی نے اس پر کلام کیا ہے۔

هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه لانعرفه إلا من حديث اسرائيل (ترمذی ۲/۲۱۸، مشکوۃ شریف ۲/۵۷۰)

لیکن موضوع نہیں ہے ان احادیث کے لئے **أن الحسن و الحسين سيدا**

شباب أهل الجنة، وأن فاطمة سيدة نساء أهل الجنة.(مسند أحمد بن حنبل ٥/٣٩١، رقم: ٢٣٧١٨، قال المحشي اسناده صحيح، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٣/١٠٢، رقم: ٨٨٥، السنن الكبرى للنسائى ٧/٣٦٨، رقم: ٨٢٤٠، ٧/٤٥٥، رقم: ٨٤٦١، ٨٤٦٢، ١٠/٤٢٩، رقم: ١١٩٤٩، المعجم الكبير للطبرانيي، دار احياء التراث العربي ٢٢/٤٠٢، رقم: ١٠٠٥، رواه أحمد وأبو يعلي ورجالهما رجال الصحيح مجمع الزوائد ٩/٢٠١، رقم: ١٥١٨٧)

مذکورہ بالا حدیث کی طرف رجوع کریں۔ نیز حضور ﷺ کی جتنی بھی لڑکیاں تھیں اوران سے جتنی بھی اولادیں تھیں، احادیث میں سبھی کا تذکرہ ہے، صرف حضرت علیؓ وفاطمہؓ حسنؓ وحسینؓ کا ہی نہیں۔ (دیکھئے سیرۃ المصطفیٰ ۳/۳۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/جمادی الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۱۵ھ

ڈوبتے سورج کے واپس آنے سے متعلق روایت کی تحقیق

سوال [۱۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ کے لئے بطور معجزہ سورج غروب ہوکر واپس نکل آیا تھا، کیا یہ بات روایت سے ثابت ہے، اگر روایت سے ثابت ہے، تو وہ روایت کس کتاب میں ہے، بحوالہ جواب دیں؟ نیز روایت کیسی ہے؟

المستفتی: محمد مدرسہ قاسم العلوم محلّہ نل پورہ، بہیڑی بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نبی کریم ﷺ کے لئے بطور معجزہ سورج کا غروب ہوکر پھر واپس اتنی اونچائی پر نکل آنا جتنی اونچائی پر ہونے میں عصر کی نماز پڑھی جاتی ہے، یہ

بات صحیح ہے اور صحیح حدیث شریف سے اس کا ثبوت موجود ہے اور علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم جوزی ان دونوں استاذ شاگرد نے اس حدیث شریف کو کمزور قرار دینے کی کوشش کی ہے، مگر ان دونوں کی بات پر متقدمین ومتأخرین محدثین نے اتفاق نہیں کیا ہے؛ بلکہ ان کی بات کو غلط قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ یہ حدیث شریف صحیح ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا الحسين ابن اسحق التستري ثنا عثمان بن إلى شيبة ح وحدثنا عبيد بن غنام ثنا ابو بكر ابن أبي شيبة، قالا: ثنا عبيد الله بن موسىٰ عن فضيل بن مرزوق عن ابراهيم بن الحسن عن فاطمة بنت حسين عن أسما بنت عميسؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوحى إليه ورأسه في حجر علي فلم يصل العصر حتى غربت الشمس، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألهم إن عليا كان في طاعتک وطاعة رسولک، فاردد عليه الشمس، قالت: اسماء فرأيتها غربت ورأيتها طلعت بعد ماغابت. و في رواية فرد عليه الشمس حتى صلى العصر قالت: فرأيت الشمس طلعت بعد ما غابت حين ردت حتى صلى العصر. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۲۴/ ۱۵۲، رقم: ۳۹۱، ۳۹۰)

قال في المجمع: رواه كله الطبرانى بأسانيد ورجال أحدها رجال الصحيح غير ابراهيم بن حسن وهو ثقه وثقه ابن حبان. (مجمع الزوائد ۸/۲۹۷، المعجم الكبير ۲۴/۴۸۹، عمدة القارى، كتاب فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ احلت لكم الغنائم، دار احياء التراث العربي ۱۵/۴۳، رقم: ۳۱۲۴، فتح الباري، كتاب فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ احلت لكم الغنائم، دار الفكر ۶/۲۵۶، رقم: ۳۱۲۴، اشرفية ديوبند ۶/۲۷۳، الخصائص الكبرى ۲/۱۳۷، شرح زرقانى ۶/۴۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۵۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۹ھ

سبحان ربک رب العزت عما یصفون الخ کی فضیلت سے متعلق روایت

سوال [۱۱۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کتاب میں میں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا ثواب بہت بڑی ترازو میں تلے یعنی بہت زیادہ مقدار میں ہو کہ بڑی ترازو میں تو معمولی چیز اس کے پاسنگ میں آجائے گی، اس کو چاہئے کہ مجلس کے ختم پر یہ دعاء پڑھے "سبحان ربک رب العزب عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین".

المستفتی: ڈاکٹر فاروق قصبہ سیانہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس دعا کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے اسی دعا کا پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے؛ لیکن ختم مجلس کے موقعہ پر پڑھنے کی بات ہم کو نہیں ملی۔ ہاں البتہ نماز سے فراغت کے بعد پڑھنے کی بات ہم کو ملی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللّٰہ بن زید بن ارقم عن أبیہ، عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال: في من قال: في دبر کل صلاۃ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العلمین، فقد اکتال بالجریب الأوفي من الأجر. (المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۵/۲۱۱، رقم: ۵۱۲۴)

عن الأصبغ بن نباتۃ قال: قال علی: من سرہ أن یکتال بالمکیال الأوفی

فلیقل عند فروغه من صلاته سبحان ربک رب العزة عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمد لله رب العلمین. [الصافات: ۱۸۱] (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۲/۲۳٦، رقم: ۳۱۹٦)

لیکن ختم مجلس کے بعد کی دعاء دوسرے الفاظ کے ساتھ ملی ہے، وہ الفاظ یہ ہیں:

سبحانک اللّٰهم وبحمدک أشهد أن لاإله إلا أنت أستغفرک وأتوب الیک.

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي هریرة رضی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من جلس في مجلس فکثر فیه لغطه، فقال: قبل أن یقوم من مجلسه سبحانک اللّٰهم وبحمدک أشهد أن لاإله إلا أنت استغفرک وأتوب إلیک إلا غفرله ما کان في مجلسه ذلک. (سنن الترمذي، کتاب الدعوات، باب مایقول إذا قام من مجلسه، النسخة الهندیة ۲/۱۸۱، دار السلام رقم:۳٤۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳٦/۷۵۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱۵ھ

چہرۂ انور کی روشنی میں سوئی میں دھاگہ ڈالنے والی روایت کی تحقیق

سوال [۱۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث شریف سے ثابت ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ میرے حجرے میں تشریف فرما ہوتے تو رات کے اندھیرے میں میں سوئی میں ڈورا ڈال لیا کرتی تھی چراغ کے بغیر۔

المستفتی: محمد ناظم مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خصائص کبریٰ میں ابن عساکر کے حوالہ سے حضرت صدیقہ کی ایک روایت موجود ہے اگرچہ یہ روایت زیادہ قوی اور مضبوط نہیں ہے، جس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ ایک مرتبہ حجرہ میں میرے ہاتھ سے سوئی گرگئی میں تلاش کر رہی تھی؛ لیکن پا نہ سکی پھر آپ حجرہ میں داخل ہوئے تو آپ کے چہرۂ انور سے کمرہ روشن ہوگیا، جس سے مجھ کو اپنی گمشدہ سوئی مل گئی یہ آپ کا معجزہ تھا۔

أخرج ابن عساكر عن عائشة رضـ قالت: كنت اخيط في السحر فسقطت مني فطلبتها فلم أقدر عليها، فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم تبينت الإبرة بشعاع نور وجهه فأخبرته، فقال: يا حميرة! الويل، ثم الويل ثلاثا لمن حرم النظر إلى وجهي. (خصائص كبرى ١/٦٢، ١/٦٣، كنز العمال، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/١٩٣، كنز العمال على هامش منسد أحمد ٣/٩٢، رقم: ٣٥٤٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۷۶)	۱۴۱۹/۳/۲۳ھ

مٹی ڈالتے وقت آیت پڑھنے والی حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مٹی دیتے وقت جو آیت پڑھتے ہیں "**منها خلقنا كم الخ**" مظاہر حق میں لکھا ہے کہ ضعیف حدیث سے ثابت ہے، وہ حدیث درج فرمائیں نیز کتاب کا حوالہ بھی دیں؟

المستفتی: محمد ابوالکلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مظاہر حق میں جو حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ صحیح ہے،

مسند احمد میں وہ حدیث موجود ہے، علامہ ہیثمیؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

عن إبي أمامةؓ، قال: لما وضعت أم كلثوم بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ الحديث راوه أحمد واسناده ضعيف. (مسند أحمد ٥/٢٥٤، رقم: ٢٢٥٤٠، المستدرك، كتاب التفسير، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ٤/١٢٨٩، رقم: ٢٤٣٣، السنن الكبرى للبيهقي، باب الإذخر للقبور وسد الفروج، دار الفكر ٥/٢٨٢، رقم: ٦٨٢٥، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٣/٤٣، رقم: ٤٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۴ھ

کیا حضور ﷺ کا شیطان آپ کا فرماں بردار ہو گیا تھا؟

سوال [۱۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث میں جو یہ بات مذکور ہے کہ دنیا میں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے حتی کہ خود نبی ﷺ کے ساتھ بھی شیطان تھا؛ لیکن آپ کا شیطان مطیع وفرماں بردار ہو گیا تھا؟ یہ حدیث کن الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور حدیث کی کس کس کتاب میں مذکور ہے؟

المستفتی: مفتی نعمت اللہ عباسی جنرل اسٹور چوک گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ روایت حدیث شریف کی معتبر کتابوں میں مروی ہے، ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے، حدیث شریف کے الفاظ پوری سند کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا عبد الرحمن بن مهدي عن سفيان

عن منصور عن سالم بن أبي الجعد عن أبيه عن ابن مسعودؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مامنكم من أحد إلاوقد وكل اللهبه قرينه من الجن قالوا: وإياک؟ يا رسول الله! صلى الله عليه وسلم: قال: وإياي إلا أن الله أعانني عليه فأسلم فلايأمرني إلا بخير. (صحيح مسلم، كتاب الجنة والنار، باب تحريش الشيطان ولعبته سراياه لفتنة الناس وأن مع كل انسان قرينا، النسخة الهندية ۲/۳۷٦، بيت الأفكار رقم: ۲۸۱٤، مسند أحمد ۱/٤۰۱، رقم: ۳۸۰۲، ۱/۳۸٥، رقم: ۳٦٤۸، ۱/۳۹۷، رقم: ۳۷۷۸، ۱/۲٥۷، رقم: ۲۳۲۳، ۱/٤٦۰، رقم:۲ ۳۳۹، ترمذي شريف، ابواب الطلاق، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۱/۲۲۲، دار السلام رقم: ۱۱۷۲، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۰/٤۲۱، رقم: ۱۰۱۷، العجم الأوسط، دار الفكر ۲/۸۱، رقم:۲٥۹۳، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٥/۲٥٤، رقم: ۱۸۷۱، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/٥٤۱، رقم: ۱۰۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۴ ۵۷۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۹ھ

دوسرے کی دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کرنا

سوال [۱۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ حدیث شریف کس کتاب میں ہے کہ سب سے برا آدمی وہ ہے، جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کرتا ہے؟

المستفتی: مولانا حکیم عبدالجلیل، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف درج ذیل ہے۔

عن أبي أمة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من شر الناس منزلةً

عند اللّٰہ یوم القیامة عبد أذهب آخرته بدنیاه. (ابن ماجة، أبواب الفتن، باب إذا التقی المسلمان بسیفهما، النسخة الهندیة ۲/ ۲۸۵، دار السلام رقم:۳۹۶۶، المعجم الکبیر للطبراني ، دار احیاء التراث العربي ۸/ ۱۲۲، رقم:۷۵۵۹، مشکوة ۲/ ۴۳۵)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشادفرمایا: کہ قیامت کے دن سب سے بدترین آدمی وہ آدمی ہوگا، جس نے دوسروں کی دنیا کے لئے اپنی آخرت کو برباد کردیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۵/۱۴۱۵ھ

دو بھائیوں میں صلح کرادینا نماز، روزہ اور صدقہ سے بہتر

سوال [۱۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہفت روزہ نداء قدوس مرادآباد مؤرخہ ۵/۱۲/۹۳ء میں پیارے نبی کے پیارے اقوال کے تحت چند باتیں تحریر تھیں، جن میں سے دوسوال مندرجہ ذیل سمجھ میں نہیں آئے آپ تحریر فرمائیں کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں؟

(۱) دو بھائیوں میں صلح صفائی کرادینا نماز، روزہ اور صدقہ سے بہتر ہے۔

(۲) اللہ کے نزدیک اس سے بڑی کوئی عبادت نہیں کہ کوئی شخص کسی مسلمان کا دل خوش کردے۔

المستفتی: مسافر قادر چشتی صابری وارثی درگاہ پیران کلیر شریف ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اس مضمون کی حدیث شریف معتبر کتب حدیث میں موجود ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضرت ابوداؤدؓ سے مروی ہے۔

عن أبي الدرداء قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ألا أخبرکم

بأفضل من درجة الصيام والصلوة والصدقة قالوا: بلى يا رسول الله! قال: اصلاح ذات البين وفساد ذات الحالقة الحديث (سنن أبي داؤد، باب في اصلاح ذات البين، النسخة الهندية ۲/۳۱۷، دار السلام رقم: ۴۹۱۹، جمع الفوائد ۲/۱۴۸)

عن أبي الدراداء رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أدلك على خير من كثير من الصلاة، والصدقة قالوا: بلى! قال: إصلاح ذات البين. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۰/۴۶، رقم: ۴۱۰۹، ومثله في الأدب المفرد، دار الكتب العلمية بيروت ۱۴۲، رقم: ۳۹۱، صحيح ابن حبان، دار الفكر ۵/۲۰۱، رقم: ۵۱۰۰)

(۲) بعینہ اس معنی کی کوئی حدیث شریف کسی صحیح روایت میں احقر کی نظر سے نہیں گزری؛ البتہ اس کے ہم معنی حدیث امام طبرانی علیہ الرحمۃ نے المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں بیان فرمائی ہے کہ فرائض کی ادائے گی کے بعد اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ایک مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن أحب الأعمال إلى الله بعد الفرائض إدخال السرور على المسلم. (المعجم الأوسط، دار الفكر ۶/۳۷، رقم: ۷۹۱۱، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۱/۷۱، رقم: ۱۱۰۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۱۴ھ

حضرت آدم علیہ السلام کا دعاء میں حضور ﷺ کا واسطہ دینا

سوال [۱۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا اور کچھ واعظوں سے سنا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال دیا گیا، تو حضرت آدمؑ برسوں حالت سجدہ میں رہے آخرکار آپ نے ایک روز سجدہ سے سر اٹھایا تو عرش اعظم پر لکھا ہوا دیکھا **لا إله إلا الله محمد رسول الله** تب آدم علیہ السلام نے جانا کہ محمد ﷺ ضرور کسی بڑی ہستی کا نام ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ محمد ﷺ کا واسطہ دے کر اپنی لغزشوں اور گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اللہ پاک نے کہا کہ تو نے سچ کہا اے آدم اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا اور میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

المستفتی: محمد فاروق، قصبہ سیانہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس حدیث شریف کو حاکم نے ”**المستدرک علی الصحیحین**“ میں نقل فرمانے کے بعد ہٰذا حدیث صحیح الاسناد کا حکم لگایا ہے گویا کہ حاکم کے نزدیک یہ حدیث شریف صحیح ہے؛ لیکن اس حدیث شریف کی سند میں ابوالحارث عبد بن مسلم الفہری ایک راوی آیا ہے، اس کو امام ذہبی اور حافظ ابن حبان وغیرہ نے واضع الحدیث کہا ہے اور اس حدیث شریف کو امام طبرانی نے ”المعجم الاوسط“ میں بھی نقل فرمایا ہے؛ لیکن اس روایت کی سند میں عبداللہ بن مسلم الفہری نہیں ہے؛ البتہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کو امام یحیٰ ابن معین اور علی بن المدینی، امام نسائی اور امام احمد وغیرہ نے واضع الحدیث تو نہیں کہا ہے؛ لیکن ضعیف کہا ہے؛ لہٰذا یہ حدیث شریف بعض محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض کے نزدیک موضوع ہے۔ (مستفاد: میزان الاعتدال ۲/۵۰۴، تہذیب التہذیب ۶/ ۱۷۹، میزان الاعتدال ۲/۹۵، تقریب التہذیب/۸۹)

حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما أذنب آدم الذي أذنبه رفع رأسه إلى العرش، فقال يا رب أسئلک بحق محمد

إلاغفرت لي، فاوحی الله إليه ومامحمد؟ ومن محمد؟ فقال تبارک اسمک لما خلقتني رفعت رأسي إلی عرشک فإذا فيه مکتوب لاإله الا الله محمد رسول الله فقلت: أنه ليس أحد أعظم عندک قدرا ممن جعلت اسمه مع اسمک فاوحیٰ الله إليه يا آدم إنه آخر النبيين من ذريتک وإن أمته آخر الأمم من ذريتک ولولا هو يا آدم ماخلقتک. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٣٦/٥، رقم: ٦٥٠٢، المعجم الصغير ١٨٢/٢، رقم: ٩٩٢، المستدرك على الصحيحين، كتاب تواريخ المتقدمين، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز جديد ١٥٨٣/٤، قديم ٦٧٢/٢، رقم: ٤٢٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۰۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱۵ھ

تاقیامت حرمین شریفین میں کافر کی حکومت قائم نہ ہوگی

سوال [۱۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حرمین شریفین میں تاقیامت کافر کی حکومت نہیں ہوگی اور نہ ہی کفر غالب آئے گا، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اس کا حوالہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: ظریف احمد شہباز پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح حدیث شریف میں اتنی بات واضح ہے کہ جزیرۃ العرب میں جس میں حرمین شریفین بھی ہے، ایمان والے شیطان کی عبادت انشاء اللہ قیامت تک نہیں کریں گے اور شیطان بھی اس بات سے ناامید ہوچکا ہے کہ جزیرۃ العرب کے لوگوں کو کفر اور بتوں کی عبادت پر آمادہ کرے؛ ہاں البتہ مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے میں کامیاب رہے گا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن جابرؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب؛ ولكن في التحريش بينهم.

(صحيح مسلم، كتاب صفة المنافقين، باب تحريش الشيطان و بعثه سراياه لفتنة الناس وأن مع كل انسان قرينا، النسخة الهندية ۲/۳۷۶، بيت الأفكار رقم: ۲۸۱۲، صحيح ابن حبان، باب ماجاء في الفتن، دار الفكر ۵/۴۲۴، رقم: ۵۹۵۰)

اس حدیث شریف کے ذیل میں شرح کرتے ہوئے بعض محدثین نے یہ تشریح بھی کی ہے کہ جزیرۃ العرب میں کفروشرک اور بتوں کی عبادت سے شیطان ناامید ہوچکا ہے، کلمہ کفر کی بلندی اور کفر کی حکومت قائم ہونے سے بھی شیطان ناامید ہوچکا ہے، سائل نے جو سوال میں لکھا ہے، اس کے مطابق صریح حدیث شریف تو نہیں ملی؛ لیکن اس حدیث شریف کی تشریح میں سوال کے مطابق عبارت موجود ہے۔

يعني ان الشيطان أيس من أن يتحول أهل الجريرة إلى الشرك وعبادة الأصنام ومن أن تظهر فيها كلمة الكفر ويستولى عليها الكفار، وقد وقع كما أخبر النبي صلى الله عليه وسلم. (تكمله فتح الملهم، اشرفية ديو بند ۶/۱۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۴۶/۳۸)

زبانی عبادت کا ثواب مردے کو بخشنے کا ثبوت حدیث شریف سے

سوال [۱۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبانی عبادت جیسے تلاوت کلام پاک کا ثواب کسی مردے کو بخشا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا ممانعت ہے؟ چند احادیث تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عبدالحفیظ قاسمی، لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمہور اہل سنت کے نزدیک زبانی عبادت کا ثواب بھی مردے کو بخشا جاسکتا ہے، جس طرح مالی اور بدنی عبادت کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔

عن معقل بن يسارؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرء وا يٰسٓ على موتاكم. (ابو داؤد، كتاب الجنائز، باب القراء ة عند الميت، النسخة الهندية ٢/٤٤٥، دار السلام رقم: ٣١٢١، ابن ماجه، ابواب الجنائز، باب ما جاء في مايقال عند المريض إذا حضر، النسخة الهندية ١٠٤، دار السلام رقم: ١٤٤٨، مسند أبي داؤد الطيالسي، دار الكتب العلمية بيروت ١/٤٩٨، رقم: ٩٧٣، السنن الكبرى للنسائي ٩/٣٩٤، رقم: ١٠٨٤٦، صحيح ابن حبان، فصل في المحتضر، دار الفكر ٤/٣ رقم: ٢٩٩٨، المعجم الكبير للطبراني ٢٠/٢١٩، رقم: ٥١٠، المستدرك، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ٢/٧٨٧، رقم: ٢٠٧٤، مسند أحمد بن حنبل ٥/٢٦، رقم:٢٠٥٦٧، ٥/٢٧، رقم: ٢٠٥٨٠)

عن عليؓ مرفوعا من مر على المقابر فقرأ فيها إحدى عشرة مرة قل هو الله احد ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعد دالأموات. (كنز العمال ٨/جزء ٥/٢٧٦، رقم: ٤٢٥٨٩، جامع الأحاديث ٢١/٤٣٩، رقم:٢٣٩٦١، شرح الصدور ٢١٠)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الكتاب، و قل هو الله أحد، والهكم التكاثر، ثم قال: اللّٰهم إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالى. (شرح الصدور ٢١٠)

الأحاديث التي ذكرها وهي وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدل على أن لذلك أصلا وبأن المسلمين مازالوا في كل عصر يجتمعون ويقرؤن لموتاهم

من غیر نکیر فکان ذلک إجماعا. (شرح الصدور ۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۷۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۸ھ

نمازی کے سامنے سے گزرنے والے پرسخت وعید والی حدیث

سوال [۱۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سوائے مکہ اور حرم شریف کے نمازی کے سامنے سے گزرنے پر حضور ﷺ نے سخت تاکید فرمائی ہے، اس کے متعلق ایک حدیث کا حوالہ دیں؟

المستفتی: محمد عزرائیل مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرم شریف کے علاوہ جس حدیث شریف میں نمازی کے سامنے سے گذرنے والے پرسخت وعید آئی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

عن یسر بن سعید أن زید بن خالد أرسله إلى أبي جهيم ليسأله فإذا سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم في المار بين يدى المصلى فقال أبوجهيم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لو يعلم المار بين يدى المصلى فماذا عليه لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه"

(صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب اثم المار بين يدى المصلى، النسخة الهندية ۷۳/۱، رقم: ۵۰٤، ف ۵۱۰، مشكوة شريف ۷٤/۱)

اور وہ حدیث جس میں حرم شریف میں گذرنے کی اجازت ہے وہ حدیث یہ ہے:

عن المطلب بن أبي وداعة رضـ قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فرغ من سعيه جاء حتى يحاذي بالركن فصلى ركعتين في حاشية المطاف وليس بينه وبين الطواف أحد بعد قال ابن ماجه: هذا بمكة

خاصۃ. (سنن ابن ماجہ، باب الرکعتین بعد الطواف، النسخۃ الهندیۃ ۲/۲ ۱۲۱، دارالسلام رقم:۲۹۵۸، نسائی شریف، باب الرخصۃ في المرور بین یدی المصلي ۲/۱/۳۱، دار السلام رقم: ۲۹۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۶۴)

دوحدیثوں کی تحقیق

سوال [۱۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مظاہر حق شرح مشکوۃ ۴/۶۵۴ میں مندرجہ ذیل دوحدیثیں حاکم طبرانی دار قطنی کے حوالہ سے لکھی ہیں آپ سے گذارش ہے کہ دارقطنی کا حوالہ مع صفحہ وسطر ومطبع تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱: عن عویمر بن ساعدہ أنہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن اللہ اختار لي أصحابًا، فجعل لي منهم وزراء وأنصارا وأصهارا، فمن سبهم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس أجمعین ولایقبل اللہ منہ صرفا ولاعدلا.

حدیث نمبر ۲: وعن علی عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: سیأتي من بعدي قوم یقال لهم الرفضۃ فإن أدرکتهم فاقتلهم فإنهم مشرکون قال: قلت: یارسول اللہ! ماالعلامۃ فیهم، قال: یفرطونک بمالیس فیک ویطعنون علی السلف.

المستفتی: اشرف حسین بلاسپور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی حدیث شریف عویم بن ساعدہ سے امام

طبرانی کی المعجم الکبیر میں موجود ہے اور امام بیہقی نے مجمع الزوائد میں بھی نقل فرمائی ہے اور امام حاکم شہید نے مستدرک حاکم میں سند صحیح کے ساتھ نقل فرمائی ہے، مستدرک حاکم کی سند میں اور طبرانی کی سند میں ابتدائی راویوں میں کچھ فرق ہے؛ چونکہ مستدرک حاکم کی سند زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے؛ اس لئے اسی سند کے ساتھ حدیث شریف نقل کی جارہی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا علی بن حمشاد العدل، ثنا بشر بن موسی ثنا الحمیدي، ثنا محمد بن طلحة التیمي حدثني عبد الرحمن بن سالم بن عتبة بن عویم بن ساعدة عن أبیه عن جده عن عویم بن ساعدة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: إن الله تبارک وتعالی اختارني واختاربي أصحابا، فجعل لي منهم وزراء وأنصارا وأصهارا، فمن سبهم فعلیه لعنة الله والملائکة والناس أجمعین لایقبل منه یوم القیامة صرف ولاعدل. (مستدرک حاکم قدیم ۳/ ۷۳۲، مکتبة نزار مصطفیٰ الباز ۶/ ۲۳۷۷، رقم: ۶۶۵۵، المعجم الکبیر للطبراني، دار احیاء التراث العربي ۱۷/ ۱۴۰، رقم: ۳۴۹، المعجم الأوسط، دار الفکر ۱/ ۱۴۲ رقم: ۴۵۶، مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۷)

دوسری روایت کنز العمال میں معمولی الفاظ کے فرق کے ساتھ مکمل موجود ہے اور صاحب کنز العمال نے ابن ابي عاصم کی کتاب السنة اور ابن شاہین کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے؛ لیکن حدیث شریف کی سند نقل نہیں فرمائی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن علیؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: سیأتي بعدي قوم لهم نبز یقال لهم الرافضة: إن لقیتهم فاقتلهم فإنهم مشرکون قلت: یا نبي الله! ما العلامة فیهم، قال: یفرطونک بما لیس فیک ویطعنون علی أصحابي ویشتمونهم. (کنز العمال ۱۱/ ۱۴۵، رقم: ۳۱۶۳۰)

اوراسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث المعجم الکبیر میں بھی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يكون قوم في آخر الزمان يسمون الرافضة يرفضون الإسلام ويلفظونه فاقتلوهم فإنهم مشركون. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ١٢/٢٤٢، رقم: ١٢٩٩٧)

دارقطنی شریف میں تلاش بسیار کے باوجود احقر کی نگاہ سے یہ حدیث شریف نہیں گزری۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۲۹۶/۲۷ھ

۵۶/ اعتراضات کتاب کی دو حدیثوں کے حوالہ پر اعتراض

سوال [۱۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی کتاب ''۵۶/ اعتراضات کے جوابات کے صفحہ ۸۲/ پر حضرت جابر ابن عبد اللہؓ سے جو مرفوع حدیث **إلا وراء الامام** والی مؤطا امام مالک ۲۹/ کے حوالے سے لکھی ہے، یہ حدیث اس کتاب میں موقوفا ہے، آپ نے اس کو مرفوعا کیوں تحریر کردیا، اسی طرح زیر ناف ہاتھ باندھنے کے متعلق جو آپ کا پمفلٹ ہے، اس میں لکھا ہے کہ تین صفتیں نبوت کی صفات میں سے ہیں اور تیسری چیز **وضع اليد اليمنى على اليسرى فى الصلاة تحت السرة** لکھی ہے اور تحفۃ الاحوذي ۲/ ۹۷ کا حوالہ بطور دلیل دیا ہے؛ جبکہ اس کتاب میں یہ روایت لکھ کر اس کا ضعف اور خرابی بتائی ہے؛ لیکن آپ نے اس بات کو ظاہر نہیں فرمایا؛ تاکہ اپنی دلیل بنالیں، اگر یہ بات بیان کردیتے تو آپ کا مقصد پورا نہ ہوتا اور یہ آپ کے

خلاف دلیل ہو جاتی بظاہر یہ کتمان علم ہے جو سخت گناہ ہے آپ ان دونوں باتوں کی حقیقت سے مختصراً واقف فرمادیں؛ تا کہ اعتراض رفع ہو جائے اور حق واضح ہو جائے؟

المستفتی: محمد دلشاد سرائے ترین سنبھل (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حضرت جابرؓ کی روایت جو **الا وراء الإمام** کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے، اس کے بارے میں احقر نے دو کتابوں کے حوالہ نقل کئے ہیں۔ (۱) مؤطا امام مالک (۲) طحاوی شریف، یہ روایت طحاوی شریف میں مرفوعاً مروی ہے، اس کی تائید میں مؤطا امام مالک کا حوالہ پیش کر دیا گیا ہے؛ اگر چہ مؤطا میں حدیث مرفوعًا نہی ہے؛ لیکن مؤطا کی روایت سند کے اعتبار سے صحیح اور قوی ہے، جو طحاوی کی روایت کے لئے مؤید بنتی ہے؛ اس لئے مؤطا مالک کا حوالہ ساتھ میں دیا ہے اور اس طرح تائید میں پیش کرنا محدثین کے نزدیک درست ہے، جو اہل علم کی نظر سے مخفی نہیں ہے۔ نیز حضرت جابرؓ کی روایت کے ہم معنی حدیث مرفوع صحیح سند کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

عن جابرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة، اسناده صحيح. (المصنف لإبن أبي شيبة، المؤسسه علوم القرآن بيروت ۳/۲۸۲، رقم: ۳۸۲۳، طحاوی شریف ۱/۲۸۱، رقم: ۱۲۵۹)

(۲) تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے متعلق جناب والا نے یہ جو فرمایا ہے کہ روایت کا ضعف اور خرابی جو تحفۃ الاحوذی میں بیان کی گئی ہے، اس کو ظاہر نہیں کیا ہے، آنجناب کی یہ بات درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہم نے ساری روایات کو نقل کرنے کے بعد آخر میں صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ ان میں سے بعض روایات متکلم فیہ ہیں، اس طرح صاف الفاظ سے واضح کرنے کے بعد چھپانا اور ظاہر نہ کرنا کہاں سے ثابت ہوا، اس میں کتمان علم کہاں سے لازم آیا شاید جناب والا کی نظر آخر کی تشریح پر نہیں پڑی ہوگی؛ اس لئے گذارش ہے کہ اسے دوبارہ دیکھ لیں۔ نیز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق صحیح مرفوع متصل عالی سند

کے ساتھ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے، اس کو بھی آنجناب نے حدیث نمبر ۱ میں دیکھ لیا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۱۱۴۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۶ھ

''کنت نبیا وآدم بین الماء والطین'' حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کتاب ''انوار ہدایت'' کا مطالعہ ذاتی طور پر بھی کررہا ہوں اور مسجد میں باقاعدہ روزانہ مصلیوں کو بھی سنارہا ہوں اور جمعہ کے خطبہ میں بھی سنائی جاتی ہے۔ اللہ تعالی آپ کی اس کتاب کو قبولیت عطا فرمائے اور عوام وخواص کے لئے مفید فرمائے۔

سبب تالیف میں ص: ۳۰/ پر آپ کے یہ جملے ''تو پھر قرآن وحدیث کی صحیح روایات کو چھوڑ کر غلط سلط اناپ شناپ ضعیف وموضوع روایات بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے، ......بعض دفعہ تو طبیعت یہ چاہتی ہے کہ دوران تقریر ٹوک دیا جائے، ص: ۷/ پر مفتی محمد سلمان صاحب کے تأثرات میں بھی یہ بات ہے کہ جو لوگ سامعین کی خوشنودی اپنی شہرت اور دنیوی مفادات کے لئے رطب ویابس مضامین ضعیف وموضوع روایات کا سہارا لیتے ہیں اور امت میں کمزور اور غلط سلط بے اصل باتیں رائج کردیتے ہیں الخ

ایسے ہی تبلیغی دعوت کے عنوان میں ۳۷۳/ پر **ادع الی سبیل ربک بالحکمة** کے تحت لکھا ہے، اس میں حکمت سے مراد قرآن وسنت ہیں؛ اس لئے داعی کے اوپر لازم ہے کہ جب متکلم بن کر بات کرے تو صرف قرآن وسنت کو پیش نظر رکھ کر بات کرے اور غلط سلط موضوع اور ضعیف روایت سے کام نہ لے، اس سے بہت بڑا نقصان یہ ہوجاتا ہے کہ ان غلط سلط موضوع اور کمزور باتوں کو عام مسلمان اپنا دین سمجھ بیٹھتے ہیں۔

میں صرف اپنی اصلاح کے لئے کچھ عرض کرر ہاہوں نہ میں اس قابل ہوں کہ روایات پر جرح بحث کروں۔ ص:۳۶/ پر مسند امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے روایات نقل کی ہے، اسی طرح شرح زرقانی کے حوالہ سے اگلے صفحہ پر روایت نقل کی ہے، پہلی روایت میں ہے کہ مجھے خاتم النبین کا منصب اس وقت عطا کیا گیا؛ جبکہ حضرت آدمؑ اپنے مٹی کے پتلے میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ ٹکڑا ”کنت نبیا و آدم بین الماء والطین. اوردوسری روایت” آدم بین الروح والجسد“

ان دونوں روایتوں سے ملتا جلتا ہے، پہلی روایت علامہ طاہر پٹنی نے تذکرۃ الموضوعات میں اوردوسری روایت ترمذی میں لکھنے کے بعد علامہ امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح اورغریب ہے، ہم اس حدیث کواس سند کے سوا کسی دوسری سند سے نہیں جانتے۔

اگلے ص:۳۷/ کی روایت دلائل النبوۃ اورالمواھب الدنیة میں نقل کی گئی ہے، کہ ان کتابوں کے مستند اور معتبر ہونے کے بارے میں آپ ہی اچھی طرح جانتے ہیں۔

قوم بنی اسرائیل انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں افراط وتفریط میں پڑ کر گمراہ ہوئیں اور آج بھی انبیاء اولیاء کے بارے میں غلط سلط عقیدے قائم کرر کھے ہیں اورگمراہی کا حال عیاں ہے، جو کچھ میں نے لکھا ہے کسی دوسری کتاب کے مطالعہ کی بنیاد پر ہی لکھا ہے، میرا حال تو میری تحریر ہی سے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ اصل غرض اصلاح ہے نہ کہ بحث، آپ کی کتاب مجھے بہت پسند آئی مسجدوں محلوں میں عام لوگ اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

المستفتی: عطاءالحق جٹیا رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب نے ”انوار ہدایت ص:۳۶“ میں نبی کریم ﷺ کے منصب نبوت والی حدیث شریف پر شکوک وشبہات کا اظہار فرمایا، یہ حدیث شریف مسند امام احمد بن حنبل میں تین سندوں کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے، دوسندیں مسند امام احمد بن حنبل نسخۂ قدیم ۴/۱۲۷، اور تیسری سند۴/ ۱۲۸ پر موجود ہے اور مطبع

القاہرہ مع التخریج ۱۳/۲۸۱ پرحدیث: ۱۷۰۸۵، ۱۷۰۸۶/اور ۱۷۰۹۲/پر موجود ہیں، اور پہلی دونوں سندوں کے بارے میں حضرات محدثین کے الفاظ یہ ہیں ’’اسنادہ صحیح‘‘ (مسند امام احمد ۱۳/۲۸۱)

اور یہی حدیث شریف ’’ المعجم الکبیر، لطبرانی، دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۵۲/۱۸، ۲۵۳، رقم: ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱‘‘ میں بھی موجود ہے اس میں سند کے بارے میں ’’رجالہ رجال الصحیح‘‘ کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح اس کے ہم معنی حدیث مستدرک حاکم میں ہے، جس کے بارے میں حاکم فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح الاسناد شاهد للأول، وقال الذهبي: صحيح.

(المستدرك، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت، كتاب تواريخ المتقدمين، مكتبة نزار مصفطىٰ الباز بيروت ٤/١٥٦٥، رقم: ٤١٧٥) کے الفاظ ہیں۔

اور اسی طرح یہ حدیث صحیح ابن حبان اور شعب الایمان اور مسند بزار میں صحیح سندوں کے ساتھ موجود ہے، صحیح ابن حبان ۶/۸۳، رقم: ۶۴۱۳ مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم ۱۰/۱۳۵، رقم: ۴۱۹۹، شعب الایمان ۲/۱۳۴، رقم: ۱۳۸۵۔

تو مجھے حیرت ہے کہ اس صحیح روایت پر آنجناب کو اشکال کیوں ہوا، نیز اس کی تائید میں ترمذی شریف کی وہ حدیث شریف بھی ہوسکتی ہے، جو صحیح سند کے ساتھ امام ترمذیؒ نے مناقب کے تحت ۲/۲۰۲/میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے نقل فرمائی ہے، جس کو آنجناب نے بھی اپنی تحریر میں لکھا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ علامہ طاہر پٹنی وغیرہ نے اس روایت کو تو موضوعات میں نقل نہیں فرمایا تو پھر اشکال کیوں ہوا؟ ہم نے تو موضوع روایت نقل نہیں کی ہے اور علامہ طاہر پٹنی نے موضوعات کے اندر جن الفاظ کی روایت کو موضوع کہا ہے، اس کو ہم نے نقل نہیں کیا ہے، تو پھر الٹا اشکال کیوں ہوا؟ شاید آنجناب یہ سمجھتے ہوں گے کہ اگر کسی روایت کے الفاظ سند موضوع کے ساتھ ثابت ہوں تو اس مضمون کی صحیح روایت بھی آنجناب کے خیال میں موضوع ہے، ایسا خیال صحیح نہیں ہے، جو علماء فن حدیث اور رجال حدیث پر متجر اور تجربہ رکھتے ہیں وہ ایسا خیال نہیں کر سکتے۔

نیز آنجناب نے اس پر بھی اشکال کیا کہ ”دلائل النبوۃ “اور” المواھب ‘‘کا حوالہ کیوں پیش کیا گیا؟ ان کتابوں کے اندر ساری باتیں غلط نہیں ہوتیں، بہت سی باتیں صحیح بھی ہوتی ہیں، نبی کریم ﷺ جس دن مدینہ تشریف لائے ہر شئ میں نور ہی نور نظر آرہا تھا اور جس دن وفات فرمائی ہر شئ میں ظلمت ہی ظلمت نظر آرہی تھی، یہ حدیث شریف صحیح سند کے ساتھ ترمذی شریف میں مروی ہے، یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ جس حدیث کو غریب کہا جاتا ہے، وہ حدیث ضعیف نہیں ہوتی، جس جگہ امام ترمذیؒ حدیث صحیح غریب فرماتے ہیں تو وہ حدیث غریب ہونے کے ساتھ صحیح بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أنس بن مالکؓ قال: لما کان الیوم الذي دخل فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم المدینة أضاء منها کل شئ فلما کان الیوم الذی مات فیه أظلم منها کل شئ وما نفضنا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم الأیدی وإنا لفي دفنه حتی أنکرنا قلوبنا، هذا حدیث صحیح غریب. (ترمذی شریف، ابواب المناقب، باب ماجاء في فضل النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، النسخة الهندية ۲/۲۰۳، دار السلام رقم: ۳۶۱۸)

بہرحال احقر نے ”انوار ہدایت“ میں کوشش کی ہے کہ صحیح باتیں آجائیں اور واعظین اس سے استفادہ کرکے اپنی تقریروں میں بیانات کریں تاکہ قوم کے سامنے گڑھی ہوئی باتیں نہ آئیں۔ نیز احقر بھی ایک انسان ہے اور ہر انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں، احقر اس لئے یہ دعویٰ نہیں کرسکتا ہے کہ ساری باتیں صحیح لکھی گئی ہیں، بہرحال آنجناب کی توجہ فرمائی کا بہت بہت شکریہ، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۵۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲ھ

حضور ﷺ تشریف نہ لاتے پھر بھی دنیا قائم ہوتی کہنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید دیندار شخص ہے باشرع ہے کبھی کبھی امام کی غیر موجودگی میں نماز بھی پڑھا دیتا ہے، ایک مرتبہ چند حضرات بیٹھے ہوئے تھے موصوف نے ان حضرات کی موجودگی میں کہا کہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا میں تشریف نہ لاتے تو دنیا کا وجود پھر بھی قائم ہوتا موصوف کا یہ کہنا عندالشرع کیسا ہے؟ بحوالہ کتاب جواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: شفیع احمد، شہپور، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک حدیث لوگوں میں معروف ومشہور ہے ''لولاک لما خلقت الأفلاک'' اور'' لولاک لما خلقت الدنیا'' (اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کو پیدا نہ فرماتے) اس حدیث کو محدثین کرام نے موضوع اور گڑھی ہوئی بتایا ہے، یعنی اس کی کوئی بنیاد نہیں؛ بلکہ من گھڑت ہے، تو ممکن ہے کہ مذکورہ حدیث پاک سے متعلق محدثین کرام کی ایسی گفتگو کی بناپر زید نے سوال نامہ میں درج الفاظ کہے ہوں؛ لہٰذا ایسی صورت میں زید پر کوئی ملامت نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی اس قسم کی گفتگو سے محتاط رہنا چاہئے، حدیث شریف کے حوالے ملاحظہ ہوں:

المستدرک للحاکم مع تعلیق الذهبي قدیم ۲/۶۱۵، رقم: ۴۲۲۷، فوائد المجموعه للشوکاني قدیم ۱۱۶، جدید ۱/۳۲۶، موضوعات لابن الجوزي ۱/۲۸۹، تذکرة الموضوعات للفتنی ۱/۸۶، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة ۱/۲۹۵، رقم: ۳۸۵، الأثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة ۱/۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۶۷/۳۹)	۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے سے قبل دس سالہ بچی کو زندہ درگور کرنا

سوال [۱۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ نے بعض مقررین حضرات کو حضرت عمرؓ کے تعلق سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے اسلام لانے سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں ایک دس سالہ بچی کو زندہ درگور کیا تھا۔ نیز مضمون بالا کی توثیق ایک بڑے عالم اور مبلغ دین کی مختصر سوانح بنام ''تذکرہ مولانا سعید احمد خانصاحب'' (امیر جماعت تبلیغ مدینہ منورہ) کے ایک بیان سے بھی ہوتی ہے، جو صفحہ نمبر ۲۸/ پر تحریر ہے، اس سلسلہ میں تذکرہ کے مرتب صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر رجوع کیا گیا؛ لیکن وہاں سے کوئی شافی اور اطمینان بخش جواب نہیں ملا، جواب طلب امر یہ ہے کہ آیا اس واقعہ کا تاریخ اسلامی سے کوئی ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ اگر ملتا ہے، تو برائے کرم مہربانی مع حوالۂ کتاب جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولوی شکیل احمد، مدرس مدرسہ حیات العلوم سونوری، مرتضیٰ پور، اکولہ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے از خود اسلام سے پہلے کسی بچی کو زندہ درگور کرنے کی کوئی روایت ہم کو نہیں ملی، ہاں البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مل گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تشریف لا کر فرمانے لگے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ بارہ یا تیرہ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہر ایک بچی کی طرف سے ایک ایک غلام آزاد کردو، اس پر حضرت قیسؓ نے فرمایا کہ میرے پاس غلام تو نہیں البتہ اونٹ ہیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایک بچی کی جانب سے ایک ایک اونٹ صدقہ کردو۔ شاید مولانا سعید احمد خان صاحب نے اپنے بیان میں

حضرت عمر ﷺ کے حوالہ سے روایت نقل فرمائی ہو، جس سے سننے والے نے خود حضرت عمر ﷺ کو زندہ درگور کرنے والے سمجھ لیا ہو۔

نیز کسی کے بیانات نقل کرنے والے سے نقل میں غلطیاں خوب ہوا کرتی ہیں، حقیقت میں بیان کچھ ہوتا ہے اور سننے والے اور نقل کرنے والے کچھ اور نقل کردیتے ہیں؛ اس لئے ایسی چیزوں کی اصل تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ ہو:

سمعت عمر بن الخطابؓ يقول: وسئل عن قوله [وإذا الموؤدة سئلت] قال: جاء قيس بن عاصم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إني وأدت ثماني بنات لي في الجاهلية قال: إعتق عن كل واحدة منها رقبة، قلت: إني صاحب إبل قال: أهد إن شئت عن كل واحدة منهن بدنة.

(المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۳۳۷/۱۸، رقم:۸۶۳، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم بيروت ۳۵۵/۱، رقم: ۲۳۸)

عن خليفة بن حصين أن قيس بن عاصم قال: للنبي صلى الله عليه وسلم إني وأدت في الجاهلية إثنى عشرة بنتا أوثلاثة عشر بنتا، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: إعتق عن كل واحدة منهن نسمة. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت ۳۳۸/۱۸، رقم: ۸۶۸، السنن الكبرى للبيهقي، باب ماجاء في الكفارة في الجنين وغير ذالك، دار الفكر بيروت ۲۰۲/۸، رقم: ۱۶۴۲۴، معرفة السنن والآثار ۱۶۸/۱۲، رقم: ۱۶۳۴۹، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳۴/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۸۱/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۷ھ

پیر و جمعرات کے روز خدمت اقدس ﷺ میں اعمال پیش کئے جانے کی تحقیق

سوال [۱۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیر و جمعرات کو امت کے اعمال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں، یہ کوئی روایت ہے؟ اگر ہے تو کون سی کتاب میں کس باب میں امید کہ حضرت والا شریعت مطہرہ کی روشنی میں خادم کی تشفی فرمائیں گے۔

المستفتی: نور العابدین، نولگڑھ را جستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیر و جمعرات کو اعمال پیش کئے جانے کی روایت حدیث کی کتابوں میں موجود ہے؛ لیکن اللہ کے دربار میں پیش ہونے کی روایت ہے، حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہونے کی روایت احقر کو کہیں نہیں ملی۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس، فأحب أن يعرض عملي وأنا صائم. (ترمذي مع العرف الشذي، باب ماجاء في صوم يوم الاثنين والخميس، النسخة الهندية ١/١٥٧، دار السلام رقم:٧٤٧)

عن أبي صالح، سمع أباهريرة، رفعه مرة قال: تعرض الأعمال في كل يوم خميس وإثنين، فيغفر الله عزوجل في ذلک اليوم الحديث (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن الشفاء والتهاجر، النسخة الهندية ٢/٣١٧، بيت الأفكار رقم: ٢٥٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۲۶/۲۹)

فإذا كانت غداة الفطر بعث الله الملائكة

والی حدیث موضوع ہے یاضعیف

سوال [۱۱۳۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فضائل رمضان کے اخیر میں ایک طویل حدیث لکھی ہے، جس میں ہے بھی یہ کہ **فإذا كانت غداة الفطر بعث الله الملائكة** ......اور جب عید کی صبح ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں، راستوں کے سروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد ﷺ کی امت اس کریم رب کی درگاہ کی طرف چلو...... پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں، تو حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ اے فرشتوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی اور بندوں سے خطاب فرماکر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو مجھ سے مانگو میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم آج کے دن اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کروگے عطا کروں گا، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے یاضعیف، اگر ضعیف ہے تو پھر اس میں جو مانگنے کو کہا جارہا ہے، وہ مانگنا عید کی نماز کے بعد ہے یا خطبہ کے بعد؟ اسی طرح وہ مانگنا انفراداً ہے یا اجتماعاً؟

المستفتی: مولوی عبدالماجد، مبارک مسجد مبارک نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیخ نے فضائل رمضان کے آخر میں عید میں جانے کے فضائل سے متعلق اور فرشتوں کے دعائیں کرنے سے متعلق جو حدیث نقل فرمائی ہے، وہ امام ابوبکر بیہقی کی شعب الایمان کی روایت ہے اور پھر شعب الایمان سے امام زکی الدین منذری نے

الترغیب والترہیب میں بھی نقل فرمائی ہے اور شیخ علی متقی نے کنز العمال میں بھی نقل فرمائی ہے۔ ذیل کے حوالوں میں یہ حدیث شریف مل سکتی ہے۔

شعب الإيمان للبيهقي، دار الكتب اللعلمية بيروت ۳/۳۳۵، رقم: ۳۶۹۵، الترغيب والترهيب ۲/۶۰، رقم:۲۳، كنز العمال ۸/۲۶۷.

مگر یہ حدیث شریف بعض راویوں کی کمزوری کی بنا پر ضعیف ہے اور موضوع ہونا ہم کو معلوم نہیں اور اس میں مانگنے کی جو بات آئی ہے، نماز کے بعد یا خطبہ سے پہلے حدیث میں کوئی قید نہیں ہے؛ البتہ جمعکم کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع دعا ہے اور عید میں اجتماعی دعاء خطبہ سے پہلے نماز کے بعد ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۰۸/۳۶)	۱۴۲۳/۲/۹ھ

یوم عاشوراء میں پیش آنے والی مشہور باتوں کی تحقیق

سوال [۱۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یوم عاشوراء کے متعلق لوگوں میں بہت سی باتیں مشہور ہیں کہ اسی دن فرعون غرق ہوا اور اسی دن سفینہ نوح علیہ السلام جودی پہاڑ پر آرکی اور اسی یوم عاشوراء کو حضرت یونسؑ بطن سمک سے باہر نکل آئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ روایات کہاں تک صحیح ہیں، اگر صحیح ہیں تو کتنا حصہ صحیح اور کتنا غیر معتبر ہے؟ بحوالہ کتب مفصل ومدلل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

المستفتی: مولانا رضوان الدین، مدرسہ اشاعت العلوم اکل کواں مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں اسی یوم عاشوراء کو فرعون بحر قلزم کے شمالی حصہ جو نہر سویز سے موسوم ہے، اس میں غرق ہوا، اسی روز نوح علیہ السلام کی کشتی جبل جودی

پرآکررکی ہےاوراسی روزحضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر نکل کرآئے ان باتوں کاثبوت معتبر کتابوں سے ملتا ہے۔(ایضاح الطحاوی ۳/۲۳۶)

لأن الله تعالى أكرم فيه عشرة من الأنبياء عليهم الصلوة والسلام بعشر كرامات، الأول: موسىٰ عليه السلام، فإنه نصر فيه، وفلق له البحر وغرق فرعون وجنوده، والثاني: نوح عليه السلام استوت سفينته على الجودي فيه، والثالث: يونس عليه السلام أنجى فيه من بطن الحوت فيه.

(عمدة القاري شرح بخاري قديم، كتاب الصوم، باب يوم عاشوراء، دار احياء التراث العربي ١١/ ١١٧، جديد زكريا ٨/ ٢٣٣، أوجز المسالك قديم كتاب الصيام، باب يوم عاشوراء ٣/ ٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۶۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۷ھ

کیافرائض کے بعدسر پکڑ کر "یا قوی، یانور" پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟

سوال [۱۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض نماز کا سلام پھیر کر جو سر پر ہاتھ رکھ کر گیارہ مرتبہ یاقوی اور گیارہ مرتبہ یانور پڑھتے ہیں اور پھر انگلیوں پر پھونک مار کر آنکھوں پر پھیر لیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کیا حدیث میں آپ ﷺ کا یا صحابہ رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل یا قول ملتا ہے یا یونہی یہ عوام میں مشہور ہے؟

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سلام پھیرنے کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنا حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا؛ البتہ المعجم الاوسط میں ایک حدیث شریف موجود

ہے کہ سلام کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر حضور ﷺ نے دعا پڑھی اور ’’یــاقوي‘‘ یا ’’یــا نور‘‘ وغیرہ پڑھنا کسی حدیث میں نہیں ملا؛ البتہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور میں بطور علاج اس عمل کو لکھا ہے کہ سلام کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر ’’یاقوی‘‘ گیارہ مرتبہ پڑھنے سے دماغ میں قوت آتی ہے اور گیارہ مرتبہ ’’یانور‘‘ پڑھ کر انگلیوں پر پھونک مار کر آنکھوں پر پھیر لینے سے آنکھوں کی روشنی بڑھتی ہے، یہ طب اور تجربہ کے اعتبار سے اچھا عمل ہے۔

عن أنسؓ كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى وفرغ مسح بيمينه على رأسه وقال: بسم الله الذي لاإله إلا هو الرحمن الرحيم اللهم أذهب عني الهم و الحزن. (المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۲/۲۵۱، رقم:۳۱۷۸)

عن أنس بن مالك قال: قال رسول لله صلى الله عليه وسلم: إذاقضى صلاته مسح جبهته بيده اليمنى، ثم قال نشهد أن لاإله إلا الله الرحمن الرحيم اللهم أذهب عني الغم والحزن. (عمل اليوم والليلة لإبن سنی ۱۰۱، رقم: ۱۱۲، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۲/۵۷، رقم: ۲۴۹۹، سعايه ۲/۲۵۹، بهشتی زيور حصه نهم ۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر المظفر ۱۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

نماز سے فراغت کے بعد ہاتھ رکھ کر سر پر ’’یا قوی‘‘ پڑھنے سے متعلق حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ فرض نماز کے فوراً بعد اپنا سیدھا ہاتھ سر پر رکھ کر کچھ پڑھتے ہیں، میں نے ان سے معلوم کیا، کیا پڑھتے ہو تو بتایا یا قوی پڑھتا ہوں، میں نے معلوم کیا کہ آپ نے کہاں سے سیکھا ہے، تو کہتے ہیں کہ برزگان دین سے سنا ہے، کیا واقعی یہ فعل اللہ کے رسول ﷺ کا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر فاروق، قصبہ سیانہ، بی آئی ایم ایس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز سے فراغت کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دعاء پڑھنے سے متعلق ایک حدیث شریف حضرت امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نقل فرمائی ہے؛ لیکن اس میں یاقوی کے الفاظ نہیں ہیں؛ بلکہ دعاء کے الفاظ یہ ہیں:

بسم اللّٰہ الذي لا إلٰہ إلا ہو الرحمن الرحیم، الحمد للّٰہ الذي أذہب عني الہم والحزن.

یاقوی پڑھنے کی روایت ہم کو نہیں ملی۔ حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا بکر قال حدثنا عبد اللّٰہ بن صالح قال حدثنا کثیر بن مسلم الیشکري عن أنس بن مالک أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا صلی وفرغ من صلاتہ مسح یمینہ علی رأسہ قال: بسم اللّٰہ الذي لا إلٰہ إلا ہو الرحمن الرحیم، اللّٰہم أذہب عني الہم و الحزن الخ. (المعجم الأوسط، دار الفکر بیروت ۲/۲۵۱، رقم: ۳۱۷۸)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا قضی صلاتہ مسح جبہتہ الیمنی ثم یقول: بسم اللّٰہ الذي لا إلٰہ إلا ہو الرحمن الرحیم، اللّٰہم أذہب عني الغم والحزن. (المعجم الأوسط، دار الفکر بیروت ۲/۵۷، رقم: ۲۴۹۹، عمل الیوم واللیلۃ لإبن سني ۱/۱۰۱، رقم: ۱۱۲، باب مایقول في دبر صلاۃ الصبح) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۰۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱۴ھ

میت کے ساتھ ہمزاد کے مدفون ہونے والی حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میت کو دفن کرتے وقت فقہ کی کتابوں میں یہ مذکور ہے، کہ ہر شخص تین مرتبہ اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈال دے اور پہلی مرتبہ ڈالتے وقت کہے **منہا خلقناکم** دوسری مرتبہ **فیھا نعیدکم** اور تیسری مرتبہ **ومنھا نخرجکم تارۃ اخری** ہے۔ یہ تفصیل حدیث کی کسی کتاب میں اور کس حدیث میں مذکور ہے اور کیا حدیث میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ اگر اس کو پڑھ کر مٹی دی جائے تو اس کی وجہ سے مرنے والے کا ہمزاد اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا ہے؟

المستفتی: مفتی نعمت اللہ عباسی، جنرل اسٹور، چوک گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی ایک روایت میں مستقلا یہ دعاء پڑھ کر مٹی ڈالنا تو منقول نہیں؛ البتہ حدیث شریف کی الگ الگ کتابوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے؛ چنانچہ دونوں کا مقصود ایک ہی ہے اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ اس کو پڑھ کر مٹی دیجائے تو مرنے والے کا ہمزاد اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا ہے، یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ”صلى على جنازة، ثم أتى قبر الميت، فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثاً. (ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في حثو التراب في القبر، النسخة الهندية ١١٢، دار السلام رقم:١٥٦٥، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ٣٠٨/٣، رقم: ٤٦٧٣، مشكوة شريف١٤٩)

عن أبي امامة قال: لما وضعت ام كلثوم ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: منها خلقناكم، فيها نعيد كم، ومنها نخرجكم تارة اخرى. [طه الأية:٥٥]

قال ثم لاأدري أقال بسم الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله أم لا؟ فلما بني عليها لحدها طفق يطرح لهم الجبوب ويقول: سدوا خلال اللبن، ثم قال أما ان هذا ليس بشيئ ولكنه بطيب بنفس الحي. (مسند احمد ٢٥٤/٥،

رقم: ۲۲۵٤٠، المستدرك كتاب التفسير، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ١٢٨٩/٤، رقم: ٣٤٣٣، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٤٣/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۸۴/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۹ھ

حدیث ”مسجد میں خارج کردہ ریح فرشتہ منہ میں لے کر مسجد سے باہر جاتا ہے“ کی تحقیق

سوال [۱۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عوام میں مشہور ہے کہ حدیث میں ہے، جب کوئی شخص مسجد کے اندر ریاح خارج کرتا ہے، تو ایک فرشتہ اس ریاح کو منہ میں لے کر مسجد کے باہر جاتا ہے اور پھر فرشتہ کا انتقال ہوجاتا ہے، تو کیا ذخیرۂ احادیث میں اس طرح کی کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ یا شریعت میں اس طرح کی کوئی بات ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں ریاح خارج کرنے سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس کی صراحت تو حدیث وفقہ میں موجود ہے۔

عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أكل من هذه البقلة الثوم وقال مرة من أكل البصل والثوم والكراث فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذي مما يتأذي منه بنو آدم. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهى من أكل ثوما أوبصلا أو كراثا أو نحوها، النسخة الهندية ٢٠٩/١، بيبت الأفكار رقم: ٥٦٤)

يكره اخراج الريح في المسجد و إن لم يكن فيه أحد لحديث أن

الملائكة تتأذي مما يتأذي فيه بنو آدم. (الموسوعة الفقهية ۲۳/ ۲۰۱، الفقه على المذاهب الأربعة ۱/ ۲۵۹)

لیکن ایسی کوئی معتبر حدیث ہم کو نہیں ملی ہے، جس میں یہ لکھا ہو کہ ریح خارج کرنے سے اس ریح کو ایک فرشتہ منہ میں لے کر مسجد سے باہر جاتا ہے، پھر اس فرشتہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۵۴/۳۶)	۱۸/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

ابو بزبزہ کے قول کی تحقیق

سوال [۱۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خدمت اقدس میں عرض ہے کہ ہمارے مدرسہ کے علیا درجہ کے استاذ جو مدرسہ شاہی کے سند یافتہ ہیں، (نام نہیں لکھ رہا ہوں؛ کیونکہ نام ظاہر نہ کرنے کی تاکید کی ہے) مولوی موصوف نے کہا کہ ایضاح الطحاوی ۱/ ۳۲۹ مذہب ۵/ میں علامہ حافظ ابن بزبزہ نے کہا ہے کہ اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے اور حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی کی درس ترمذی ۱/ ۳۸۴ میں ہے کہ ابن بزبزہ کا مسلک یہ ہے کہ تیمّم میں چار ضربیں ہوں گی، ان دونوں قولوں میں تضاد ہے؛ اس لئے مولوی موصوف نے کہا میرا سہارا لے کر، آپ سے حوالہ طلب کیا ہے، امید کہ حضرت والا مولوی موصوف کو تشفی بخش جواب سے نوازیں گے؟

المستفتی: مفتی حفیظ الرحمٰن، دارالعلوم کنتھاریہ گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایضاح الطحاوی میں حافظ ابن بزبزہ کا جو قول نقل کیا گیا ہے، وہی صحیح ہے کہ ابن بزبزہ نے یہی کہا ہے، اس قول نمبر ۵/ کی کوئی اصل نہیں ہے،

درس ترمذی میں اس کو ابن بزبزہ کا جو مسلک قرار دیا گیا ہیں اس بارے میں احقر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ملاحظہ فرمایئے: عینی شرح بخاری اور معارف السنن کی عبارت۔

قالت طائفة من العلماء: يضرب أربع ضربات ضربتان للوجه وضربتان لليدين، وقال ابن بزبزه: ينفخ وليس له أصل من السنة الخ.

(عمدة القاري، كتاب التيمم، باب التيمم هل ينفخ فيهما تحت الحديث ۲۰۹، مكتبه زكريا ۳/۲۰۹، دار احياء التراث العربي ۴/۱۱۹-۴/۱۹، معارف السنن، كتاب الطهارة، باب ماجاء في التيمم، مكتبه اشرفي ديوبند ۱/۴۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۹ھ

محدثین فقہاء اور اہل ادب کے نزدیک اشتمال صماء کی صورت

سوال [۱۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشتمال صماء کی تشریح کیا ہے؟ ائمہ محدثین کے نزدیک اور اہل ادب کے نزدیک کس طرح ہے؟

المستفتی: مدرسہ امداد الغربا بیرنگر بیسہر یاپورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) ائمہ محدثین کے نزدیک اشتمال صماء کی مشہور صورت یہ ہے، کہ ایک کپڑا پورے بدن پر اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ ہاتھ پیر باہر نکالنے کے لئے کوئی سوراخ باقی نہ رہے۔

(۲) ائمہ فقہاء کے یہاں ایک کپڑے کو سرتا پیر لپیٹ لیا جائے اور نیچے دوسرا کپڑا نہ ہو اور ایک جانب سے اٹھا کر مونڈھے پر ڈال دیا جائے، جس سے ستر کھل جائے۔

(۳) اہل ادب کے یہاں پورے بدن پر شامل ہونے کی وجہ سے اشتمال کہتے ہیں اور ہاتھ پیر نکالنے کے لئے سوراخ نہ ہونے کی وجہ سے صماء کہتے ہیں۔

اشتمال الصماء بالمد وهو أن يتجلل الرجل بثوبه ولايرفع منه جانبا وإنما قيل لها صماء لأنه يسد على يديه ورجليه المنافذ كلها كالصخرة الصماء التى ليس فيها خرق ولاصدع والفقهاء يقولون هو أن يتغطي بثوب واحد ليس عليه غيره ثم يرفعه من أحد جانبيه، فيضعه على منكبه فتكشف عورته الخ (عمدة القاري شرح بخاري، كتاب اللباس،باب اشتمال الصماء ٣/٢، دار احياء التراث العربي ٣/٢٢، زكريا ٣١/١٥، هكذا في المرقات، كتاب اللباس الفصل الأول، مكتبه امداديه ملتان ٢٣٩/٨، بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبسة الصماء، سهارن پور ٥٢/٥، دار البشائر الإسلامية بيروت١٢ /١٠٧، اشعة اللمعات ٥٣٨/٣، عوليات ١٣٣/٢، حاشيه ترمذي، كتاب اللباس، باب ماجاء في النهي عن اشتمال الصماء ٣٠٦/١، نووي: كتاب اللباس، باب النهي عن اشتمال الصماء ١٩٨/٢، حاشيه ابو داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الصماء، حاشيه:٣ /٢/ ٥٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۳۷)

قربانی کے جانور سے متعلق ایک حدیث کی وضاحت

سوال [۱۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فضائل قربانی کے سلسلہ میں ایک حدیث کا ٹکڑا ہے " **وإنه ليأتي يوم القيامة بقرونها وأشعارها وأظلافها**" اس کی تفسیر شروحات میں اس طرح ہے:

وإنه ليأتي يوم القيامة كما كان في الدنيا من غير نقصان شيئ منه ليكون بكل عضو منه أجر ويصير مركبه على الصراط. (مرقاة المفاتيح ٣١٢/٣، تحفة الأحوذي ٥١/٥، مظاهر حق ٣٠٦/٢)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا جانور پل صراط پر سواری بنے گا؛ لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب کے خطبات میں ہے کہ ''یہ انتہائی درجہ کی ضعیف حدیث ہے، ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں، اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہے'' (اصلاحی خطبات ۱۴۶/۲، ۱۳۲/۲)

اس سلسلہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے اور ان شراح حدیث ملا علی قاریؒ وغیرہ نے جس طرح تشریح کی ہے اسی طرح بیان کیا جا سکتا ہے یا نہیں، بندہ کو حضور والا کی تحقیق پر کامل اعتماد ہے، اور آپ کی کتابوں سے استفادہ بھی کرتا رہتا ہے؛ اس لئے بالتفصیل محقق جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: فیاض احمد قاسمی بھیونڈی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے اصلاحی خطبات (۱۴۶/۲) میں جو لکھا ہے کہ قربانی کا جانور پل صراط کے لئے سواری بنے گا، یہ انتہائی درجہ کی ضعیف حدیث ہے، جس کو انہوں نے کمزور روایت سے تعبیر فرمایا ہے، اس کے الفاظ ''**سمنوا ضحایاکم فإنها علی الصراط مطایاکم**'' ہیں یہ انتہائی درجہ کی ضعیف روایت ہے، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی بات اپنی جگہ صحیح اور درست ہے؛ لیکن آنجناب نے مرقاۃ، تحفۃ الأحوذی اور مظاہر حق کے حوالہ سے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں، ان الفاظ کے ساتھ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں کوئی روایت دستیاب نہیں ہوسکی؛ ہاں البتہ یہ بات ضروری ہے کہ ملا علی قاری نے ان الفاظ کو زین العرب کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے، پھر ملا علی قاری کے حوالہ سے صاحب تحفۃ الأحوذی نے بھی ان الفاظ کو نقل فرمایا ہے؛ لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی ان الفاظ کے ساتھ حدیث ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے؛ بلکہ صرف ''قال زین العرب'' کے ذریعہ ان کا قول نقل فرمایا ہے؛ اس لئے ان الفاظ کے ساتھ حدیث شریف مروی ہونے کا شبہ نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ صرف زین العرب کا قول ہے، حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی

نے نہ ہی ان الفاظ کے ساتھ حدیث ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ان الفاظ پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے؛ بلکہ صرف ''سمنوا ضحایاکم فإنها علی الصراط مطایاکم'' کے الفاظ کو انتہائی درجہ کی ضعیف حدیث ہونے کو لکھا ہے، اب رہی یہ بات کہ ملا علی قاری اور صاحب تحفۃ الاحوذی وغیرہ کی طرح ان الفاظ کے ساتھ عوام وخواص میں بیان کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ تو اس کے بارے میں اس بات کا دھیان رکھنا ضروری ہے کہ حدیث اور روایات کہہ کر بیان کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ زین العرب کی طرف منسوب کرکے بیان کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ملا علی قاری اور صاحب تحفۃ الأحوذی کی طرف منسوب کرکے بیان کیا جاسکتا ہے، حدیث کہہ کر بیان کرنا درست نہ ہوگا۔

عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، النسخة الهندية ۱/۴۹۱، رقم: ۳۳۴۲، ف: ۳۴۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۶۹/۳۸)	۱۴۲۹/۴/۵ھ

''لاغيبة لفاسق ولامجاهر'' کی وضاحت

سوال [۱۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ظالم مجاہر کی غیبت کا جواز کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ شافعی میں ہے، تو حضرت ابن عمرؓ نے حجاج بن ابی یوسف کی غیبت سے سختی کے ساتھ کیوں منع فرمایا جیسا کہ علامہ تقی صاحب کی اصلاحی خطبات میں ہے؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت مفتی تقی صاحب عثمانی مدظلہم نے حدیث

''لاغیبة لفاسق ولامجاهر'' جامع الاصول ۴۵۰/۸ کے حوالہ سے اصلاحی خطبات ۹۰/۴ میں نقل فرما کر بڑی عمدہ وضاحت فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ''فاسق کی غیبت'' غیبت نہیں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو شخص علانیہ فسق وفجور میں مبتلا ہو اس کی جو چاہو غیبت کرتے رہو وہ جائز ہے؛ بلکہ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص علانیہ فسق وفجور میں مبتلا ہے، تو جس برائی میں وہ علانیہ مبتلا ہے اس برائی کا تذکرہ اس کے پس پشت کرنے میں حرج نہیں ہے: کیونکہ اس برائی کے تذکرہ کا اسے علم ہو تو ناگواری نہ ہوگی؛ اس لئے کہ وہ خود ہی اس برائی کو کھلم کھلا کرتا ہے؛ لہٰذا یہ غیبت میں داخل نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص کھلے عام شراب پیتا ہے، اب اگر کوئی اس کے پس پشت یہ کہے کہ وہ شراب پیتا ہے، تو اس شخص کو علم ہونے پر ناگواری نہ ہوگی جیسا کہ علامہ نوویؒ نے فرمایا۔

الخامس أن يكون مجاهرا لفسقه أو بدعته كالخمر ومصادرة الناس وجباية المكوس، وتؤتي الأمور الباطلة، فيجوز ذكره بما يجاهر به ولايجوز بغيره إلا بسبب آخر. (الشرح للنووي على المسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب تحريم الغيبة ۳۲۲/۲)

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو حجاج بن یوسف کی برائیاں کرنے سے روکا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص حجاج بن یوسف کی برائیاں کرر ہا تھا، ظاہر ہے کہ حجاج بن یوسف کو اس کا علم ہوسکتا تھا، جس سے برائی کرنے والے کی جان کا خطرہ تھا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ . [سورة البقرة آيت: ۱۹۵]

کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، اس وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو منع فرمایا؛ کیونکہ شریعت میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا بھی جائز نہیں ہے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں وہ حدیث شریف بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ظالم اور جابر بادشاہ کی بھی مخالفت وبغاوت جائز نہیں ہے اور یہ شخص جو برائی کرر ہا تھا

ظالم اور جابر بادشاہ کی مخالفت وبغاوت ہے؛ اس لئے بھی حضرت ابن عمرؓ نے اس شخص کو منع فرمایا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۶/ ۱۴۲۰ھ

صحیح بخاری کی ایک حدیث کی تشریح

سوال [۱۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو وقتوں کی نماز اور دو طرح کے لباس اور دو طرح کی خرید وفروخت کی نجی تجارت منع ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں ’’دو وقتوں کی نماز، غروب آفتاب، طلوع آفتاب، دو طرح کے لباس اشتمال صماء، احتباء، دو طرح کی تجارت منابذہ، ملامسہ اس کی تفصیل واضح فرمادیں؟

المستفتی: احمد سلیم شاہی ہیلتھ کلینک نئی بستی علی گڑھ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو وقتوں کی نماز سے یعنی نماز فجر کے بعد سے طلوع شمس تک کے درمیان اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب شمش تک کے درمیان کسی قسم کی نفل نماز پڑھنے سے منع فرمادیا ہے اور دو قسم کی خرید وفروخت سے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ مراد ہے، جو زمانہ جاہلیت میں تھیں اور اب اس قسم کی خرید وفروخت کا رواج نہیں۔

اور ملامسہ کا مطلب یہ ہے کہ رات یا دن میں خریدار بیچنے والے کے کپڑے کو چھولے تو اب لینا لازم ہو جائے گا، چاہے پلٹ کر نہ دیکھا ہو اور منابذہ کا مطلب یہ ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کی طرف سامان پھینک دے، تو محض اس فعل کی وجہ سے عقد منعقد ہو جاتا ہے اور دو قسم کے لباسوں سے اشتمال صماء اور احتباء مراد ہے اور اشتمال صماء سے مراد

یہ ہے کہ چادر کے ایک کنارہ کو ایک جانب سے لاکر دوسرے مونڈھے پر ڈال دیا جائے، دوسری جانب سے لاکر مخالف مونڈھے پر ڈال دیا جائے، ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے ہاتھوں کی حرکت صحیح طریقے پر نہیں ہو پاتی اور احتباء سے مراد ایک لنگی میں اس طرح بیٹھا جائے کہ زانو کو کھڑا کر دیا جائے اور سرین زمین پر ٹیک دی جائے، لنگی کا اگلا حصہ سامنے کی طرف سے زمین کی طرف لٹکا دیا جائے کہ اگر زمین سے ذرا بھی اٹھ جائے تو فوراً بے پردگی لازم آتی ہے؛ اس لئے اس سے منع فرمایا۔

تفصیلی حدیث ملاحظہ فرمائیں:

أن أبا سعید الخدريؓ قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم: عن لبستین، وعن بیعتین، نهی عن الملامسة، والمنابذة في البیع، والملامسة لمس الرجل ثوب الأخر بیده باللیل والنهار، ولا یقلبه إلا بذلک، والمنابذة أن ینبذ الرجل إلی الرجل بثوبه وینبذ الأخر ثوبه، و یکون ذلک بیعهما عن غیر نظر ولاتراض واللبستان اشتمال الصماء، والصماء: أن یجعل ثوبه علی أحد عاتقیه فیبدو أحد شقیه لیس علیه ثوب واللبسة الأخری احتباء ہ بثوبه وهو جالس لیس علی فرجه منه شئ. (بخاري شریف ۱/ ۸۲، رقم: ۵۷۶، ف:۵۸٤، کتاب مواقیت الصلوة، باب الصلوة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ۲/ ۸٦۵، رقم: ۵۵۹۱، کتاب اللباس، باب اشتمال الصماء) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷٦۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۴ھ

”إذا كذب العبد تباعد عنه الملائكة میلا“

سوال [۱۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ حدیث ’’**إذا کذب العبد تباعد عنه الملائکة میلا من نتن ماجاء به الخ**‘‘ صحیح ہے یا موضوع، اگر جواب اثبات میں ہے،تو جھوٹ کی بد بو سے فرشتے کے بھاگنے سے کیا مراد ہے؟ جبکہ ایک میل کے اندر اندر کوئی نہ کوئی جھوٹ بولتا ہی ہے؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ حدیث شریف موضوع نہیں ہے۔ سنن ترمذی، باب ماجاء فی الصدق والکذب ۲/۱۸، رقم: ۱۹۷۲ میں موجود ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے اور یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ میل بھر کے اندر اندر کوئی نہ کوئی جھوٹ بولتا ہی ہے، یہ فرشتوں کو اپنے اوپر قیاس کرنے کی بنیاد پر ہے؛ اس لئے اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ فرشتے مخلوقات فلکیہ میں سے ہیں اوپر سے آتے ہیں اور اوپر ہی کی جانب چلے جاتے ہیں؛ لہٰذا جب وہ دور ہوں گے تو اوپر ہی کی جانب دور ہوں گے جہاں کسی انسان کی آبادی نہیں؛ لہٰذا جو جھوٹ بول رہا ہے، اس سے وہ فرشتے دور ہوں گے دوسروں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۵ھ

صلوۃ الاستسقاء سے قبل تین روزے رکھنے سے متعلق ایک اثر

سوال [۱۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہشتی زیور حصہ ۱۱/ص: ۳۸/ استسقاء کے بیان میں مصنف موصوفؒ فرماتے ہیں کہ صلوۃ استسقاء سے قبل تین روزے رکھنا مستحب ہے، بندے نے صحاح ستہ کی کتابوں میں حدیث کافی تلاش کی مگر دستیاب نہ ہوسکی ،صلوۃ استسقاء کے سلسلہ میں کافی حدیثیں

موجود ہیں، مگر روزے والی حدیث نہیں مل سکی حضرت سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اگر حدیث پاک میں روزں کا ثبوت ہے، تو مہربانی فرما کر بندہ کی تشنگئ علم کو پورا فرمائیں؟

المستفتی: قیصر حسین رضوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ رکھنے کی روایت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اثر ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ امت کے اکثر علماء کے نزدیک خلفاء راشدین میں شامل ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا:

عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ. (ابوداؤد شريف، كتاب السنة في لزوم السنة ٢/٦٣٥، ، النسخة الهندية، دار السلام رقم: ٤٦٠٧، ترمذي شريف، كتاب العلم، باب الاخذ بالسنة، النسخة الهندية ٢/٩٦، دار السلام رقم: ٢٦٧٦)

اسی لئے بعد کے علماء نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم نامہ کے مطابق صلوۃ الاستسقاء کے آداب میں روزہ کو بھی لکھا ہے، روزہ کی روایت جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اثر ہے، مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن برقانؓ، قال: كتب عمر بن عبد العزيز إلى ميمون بن مهران اني كتبت إلى أهل الامصار أن يخرجوا يوم كذا من شهر كذا ليستسقوا ومن استطاع أن يصوم ويتصدق فليفعل. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٣/٨٧، رقم: ٤٩٠٣)

اب رہی یہ بات کہ براہ راست کوئی مرفوع روایت روزہ کے بارے میں ہے یا نہیں تو احقر کی نظر سے نہیں گذری۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۲۸ ۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۳ھ

حدیث کے الفاظ ’’ أن تشیر بأصبع‘‘ سے کیا مراد ہے؟

سوال [۱۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مشکوۃ شریف کی کتاب الدعوات الفصل الثالث میں مذکور حدیث شریف میں جو دعاء کا ادب اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اس میں ’’ **والاستغفار أن تشیر بأصبع واحدۃ**‘‘ سے کیا مراد ہے؟ کیا مطلق نفس کو سب وملامت کرنا مراد ہے یا جو تشہد میں انگلی اٹھاتے ہیں وہ مراد ہے، حدیث کے آخر میں ابوداؤد کا حوالہ ہے اور ابوداؤد کے حاشیہ میں تحریر کردہ بات فہم میں نہ آسکی؟

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنن ابی داؤد، ابواب الوتر، باب الدعاء، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۰۹، دارالسلام رقم: ۱۴۸۹، جسے صاحب مشکوۃ نے نقل کیا ہے اس میں **أن تشیر بأصبع واحدۃ** سے مراد مطلقا نفس وشیطان کو سب وشتم کرنا ہے اور یہ خارج صلوۃ میں ہے اور تشہد میں جو انگلی اٹھائی جاتی ہے، وہ داخل صلوۃ ہوتی ہے، وہ یہاں مراد نہیں اور یہاں جو انگلی اٹھانے کی بات ہے وہ خارج صلوۃ دعاء کے موقع پر اپنے نفس کو ملامت کرنے کے لئے ہے۔

والاستغفار أن تشیر بأصبع واحدۃ قال الطیبي رحمۃ اللّٰہ أدب الاستغفار الإشارۃ بالسبابۃ سبا للنفس الأمارۃ والشیطان والتعوذ منھا.
(المرقاۃ، کتاب الدعوات، الفصل الثالث، مکتبۃ امدایہ ملتان ۵/۴٦)

الإشارۃ بالسبابۃ سبا للنفس الأمارۃ والشیطان والتعوذ منھا أدب الاستغفار وقیدہ بواحدۃ لأنہ یکرہ الإشارۃ بالإصبعین. (بذل المجھود، ابواب الوتر، باب الدعاء قدیم ۲/۳۵۲، جدید، دار البشائر الإسلامیۃ بیروت ۷/۳۳۹،

وکذا في هامش المشکوة، کتاب الدعوات، الفصل الثالث /۱۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۳۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۲۵/۱۴۲۵ھ

حدیث ’’تنکح المرأة لأربع الخ‘‘ کا صحیح مفہوم

سوال [۱۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو عالم زید اور عمرو نے ایک حدیث کا مطلب الگ الگ بیان فرمایا تفسیر ذیل میں تحریر ہے۔ مشکوۃ شریف میں حدیث ہے۔

تنکح المرأة لأربع لما لها و لحسبها و لجمالها و لدینها فاظفر بذات الدین تربت یداک. (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین ۱/۴۷۴، النسخة الهندیة، بیت الأفکار رقم: ۱۴۶۶، صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب الأکفاء في الدین، النسخة الهندیة ۲/۷۶۲، رقم: ۴۸۹۹، ف: ۵۰۹۰)

زید نے مفہوم بیان کیا ہے کہ نکاح میں مذکور فی الحدیث چاروں چیزیں دیکھنا جائز ہے؛ البتہ غلبہ دین کو دے، مقصد زید کا یہ ہے کہ مال حسب ونسب اور جمال دیکھنا مذموم نہیں ہے، گویا کہ زید کا چاروں چیزوں کا اثبات ہے، عمرو نے حدیث کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ لوگ مال اور حسب، جمال کو اور دین کو دیکھتے ہیں؛ حالانکہ دین ہی کو دیکھنا چاہئے گویا کہ پہلی تین چیزیں نکاح میں دیکھنا مذموم شئ ہے، صرف دینداری ہی دیکھئے، دونوں عالموں میں سے کس کا قول صحیح ہے، نکاح کے لئے چاروں چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں یا صرف دینداری ہی؟

المستفتی: حاجی عبدالحفیظ شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف اپنی جگہ صحیح ہے، مگر حدیث میں

ساتھ میں یہ لفظ **فاظفر بذات الدین** بھی آیا ہے، یعنی دینداری کی صفت زیادہ اہم ہے؛ لہٰذا زیادہ تر اسی کو پیش نظر رکھنا چاہئے شاید عمرو نے دینداری کی ترجیح کو بتلایا ہوگا، تو ایسی صورت میں دونوں کی باتوں میں تعارض نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۷ ۵۴۸۷)

حدیث قیامت کے دن سورج سوا نیزے پر ہوگا کا صحیح مطلب

سوال [۱۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ آفتاب سوا نیزے پر آجائے گا، اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟ نیزہ کی مقدار کیا ہوگی؟ لمبائی کتنی ہوگی؟

المستفتی: محمد ساجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روز قیامت سورج کو انسانوں سے قریب کردیا جائے گا، جس کی وجہ سے ہر شخص اپنی اپنی بداعمالیوں کے سبب پسینہ میں غرق آب ہوگا، یہ قرب حدیث شریف کے بیان کے مطابق ایک میل یا دومیل شرعی ہے، جس کی مقدار تین کلومیٹر کے قریب ہے، باقی نیزہ کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں اور حدیث شریف میں میل سے مسافت مراد ہونا ہی راجح ہے، جس کی مقدار تین کلومیٹر کے قریب ہے۔

إذا كان يوم القيٰمة ادنيت الشمس من العباد حتى يكون قدر ميل أو ثنتين. (سنن الترمذي، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص، النسخة الهندية ٢/٦٨، دار السلام رقم: ٢٤٢١، مسند أحمد بن حنبل ٦/٣، رقم: ٢٤٣١٤، صحيح ابن حبان ذكر القدر الذي تدنوا شمس من الناس يوم القيامة ٦/٤٠٤، رقم: ٧٣٣٩)

حدثني المقداد بن الأسود، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: تدني الشمس يوم القيامة من الخلق حتى تكون منهم كمقدار ميل، قال سليم بن عامر: فوالله ماأدري مايعني بالميل أمسافة الأرض أم الميل الذي يكحل به العين قال: فيكون الناس على قدر أعمالهم في العرق. (صحيح مسلم، باب في صفة يوم القيامة اعاننا الله على أهوالها، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٤، بيت الأفكار رقم: ٢٨٦٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ٢٠/ ٢٥٥، رقم: ٦٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۸۸)

حدیث "عضوه بهن أبيه" کا صحیح ترجمہ

سوال [۱۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مندرجہ ذیل اقتباس میں ذکر کردہ حدیث شریف کا واضح ترجمہ حضرات مفتیان کرام کے نزدیک کیا ہے؟ ''آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: **"دعوها انها منتنة"** (ان جاہلی نعروں کو چھوڑ دو یہ گندی اور بدبودار چیزیں ہیں) رسول اللہ ﷺ کو ان جاہلی نسبتوں اور ان کے نام پر اپیل کرنے اور ان کی دہائی دینے سے ایسی نفرت تھی کہ آپ نے ان سے کام لینے والوں کی ہر طرح سے ہمت شکنی اور توہین وتذلیل کی ہدایت فرمائی اور باوجود اس کے آپ کسی بڑے بڑے دشمن کے لئے بھی درشت اور نا ملائم لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے، آپ ﷺ نے سخت ترین الفاظ استعمال کرنے کی اجازت دی اور اس میں مطلق رعایت کرنے اور اشارہ کنایہ سے کام لینے سے بھی منع فرمایا۔

ملاحظہ ہو مشکوۃ جلد دوم **الفصل الثانی باب المفاخر والعصبية.**

''لسانی تہذیب وجاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق'' ص: ۲۲/ حضرت مولانا ابوالحسن

علی میاں ندویؒ کے کتابچہ کا بعینہ یہ عکس ہے، حضرت ندویؒ نے مشکوۃ شریف کے حوالہ سے حدیث مذکور نقل کی ہے، جس میں حضرت ندویؒ کی تحریر کے بموجب حضور اکرم ﷺ نے جاہلیت وتعصب سے کام لینے والوں کی ہر طرح سے ہمت شکنی اور توہین وتذلیل کی ہدایت فرمائی اور آپ ﷺ نے ماکان فحاش ولابذي ہونے کے باوجود سخت ترین الفاظ ''فاعضوه بهن أبيه'' صاف صاف استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور بقول حضرت ندویؒ اس میں مطلق رعایت کرنے اور اشارہ وکنایہ سے بھی کام لینے سے منع فرمادیا، مگر خود حضرت ندویؒ نے بھی اس حدیث شریف کا صاف صاف ترجمہ نہیں کیا، جس سے حدیث پاک سے سخت ترین الفاظ مذکور سمجھ میں آتے، امید ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ہدایت ''ولاتکنوا'' کے مطابق جناب کے مؤقر دارالافتاء سے اس حدیث شریف کا واضح اور نہایت صاف صاف ترجمہ کیا جائے گا؛ تاکہ مسلمانوں کو یہ حدیث شریف پہونچا کر تعصب وجاہلیت سے روکا جاسکے، یہ بھی واضح ہو کہ صرف اور صرف ترجمہ مطلوب ہے، تشریح مطلقاً نہیں اور صاف صاف ترجمہ اس لئے دریافت کیا گیا کہ ایک بڑی جماعت نے اس حدیث شریف کا مطلقاً انکار کردیا ہے؟

المستفتی: محمد عبداللہ الہ آبادی ندوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوال نامہ میں مذکورہ حدیث شریف کے صاف ترجمہ کا مطالبہ فرمایا ہے، تو صاف ترجمہ سے پہلے الفاظ کی نشاندہی کی جاتی ہے، اس کے بعد حدیث شریف کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ''عزی'' کے معنی نسبت کرنے کے ہیں اور ''تعزی'' کے معنی باپ دادا کے نسبت سے فخر کرنے کے ہیں اور ''عض'' کے معنی دانت یا زبان سے کاٹنے کے ہیں اور ''ھن'' کے معنی عضو تناسل اور شرمگاہ کے ہیں، یہ لفظ اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہے، جو اضافت کے بغیر استعمال نہیں ہوتا، ''ھن أبیه'' کے معنی اس کے باپ

کے عضوء تناسل کے ہیں، یعنی اس کو اس کے باپ کے عضوء تناسل سے کاٹ دو ’’ولا تکنوا‘‘ کے معنی کنایہ سے کام مت لو؛ بلکہ صراحت سے کہو کہ تمہارے باپ دادا بدکار، زناکار، شرابی تھے، ان کے نسب سے کیا فخر کرتے ہو، اب حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جو شخص زمانہ جاہلیت کے باپ دادا کے حسب ونسب سے فخر کرے، تو اس کو اس کے باپ کے عضو تناسل سے کاٹ دو اور اس میں کنایہ سے کام مت لو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۳ھ

حدیث میں لفظ سہام کا مفہوم

سوال [۱۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فضائل صدقات ۲/ ۲۹۳/ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت **وابراهیم الذی وفی**. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے کل تیس سہام ہیں، جن میں سے دس سورۂ براءت **ان الله اشتری الخ** میں اور دس سورۂ احزاب **ان المسلمین والمسلمات** میں اور چھ سورۂ مؤمنون کی ابتدائی آیات میں اور سات سورۂ معارج میں **والذین یصدقون الخ** میں بیان کئے گئے ہیں، حضرت ابراہیم نے ان تیس سہاموں کو پورا کیا جو کوئی بھی ان تیس سہاموں میں سے کسی ایک کے ساتھ اللہ کے یہاں جائے گا، تو وہ ایک سہام کے ساتھ اللہ کے یہاں جائے گا، اس میں معلوم یہ کرنا ہے کہ یہاں پر سہام سے اسلام کی کون سی اصطلاح مراد ہے، وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: انعام الحق، نگینہ بجنوری (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فضائل صدقات میں مسئولہ روایت درمنثور

قدیم۲/۱۲۹، جدید دارالکتب العلمیہ ۶/۱۶۸، سورۂ النجم آیت: ۳۷، سے نقل کی گئی ہے اورعلامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطیؒ نے درمنثور میں یہ روایت حاکم مستدرک ۲/۵۱۱، رقم:۳۷۵۳، سے باری تعالی کے فرمان '' وابراھیم الذي وفی'' کی تفسیر کے تحت نقل فرمائی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں

واخرج ابن مردویہ عن بن عباس في قولہ'' وابراھیم الذي وفّٰی'' قال وفّٰی سھام الاسلام کلھا ولم یوفیھا أحد غیرہ وھی ثلاثون سھما منھا عشرۃ فی براءۃ'' ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم'' الآیات کلھا و عشرۃ في الاحزاب '' ان المسلمین والمسلمات'' الأیات کلھا وستۃ في قد افلح المؤمنون منااولھا الأیات کلھا وأربع في سأل سائل ''والذین یصدقون بیوم الدین والذین من عذاب ربھم مشفقون''الآیات کلھا فذلک ثلثون سھما، فمن وافی اللہ بسھم منھا فقد وافاہ بسھم من سھام الاسلام ولم یوافہ بسھام الاسلام کلھا إلا ابراھیمؑ قال اللہ وابراھیم الذی وفی. (در منثور قدیم ۶/۱۲۹، جدید ۶/۱۸۶، سورۃ النجم آیت:۳۷، مستدرك حاكم، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ۲/۵۱۱، رقم: ۳۷۵۳، روح المعاني ۱۵/۱۰۰، جمل ۷/۲۳۱، تفسير خازن /۱۹۹، ابن كثير ۸/۱۱۹)

یہاں پرسہام سے شعب اسلام، شعائر اسلام، احکام اسلام مراد ہیں اوران میں سے یقیناً ہرایک شعبہ ایسا ہے کہ جواپنے اندرتمام شریعت کوسمیٹے ہوئے ہے؛ چنانچہ اگرکوئی شخص صحیح طور پران شعبوں اورسہاموں میں سے کسی ایک پرہی دوسرے سہاموں کی عملاً یاقولاً مخالفت کئے بغیرعمل پیراہوجائے،تو ایک ہی سہام اس کی نجات کے لئے کافی ہوجائے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آقائے نامدارعلیہ الصلوۃ والسلام نے ارشادفرمایا:

الإیمان بضع وستون شعبۃ: والحیاء شعبۃ من الإیمان. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان ۱/۶، رقم: ۹، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب شعب الإيمان، النسخة الهندية ۱/۴۷، بيت الأفكار رقم:۳۵، مشكوة شريف ۱۲/)

کہ ایمان کے کچھ اوپر ساٹھ شعبے ہیں اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے؛ چنانچہ حیاء ایمان کا ایسا شعبہ ہے کہ جس کو اختیار کر کے بآسانی تمام شریعت پر عامل بنا جا سکتا ہے؛ اس لئے کہ جس شخص کے اندر حیاء ایمانی ہوگی، وہ کبھی نماز نہیں چھوڑ سکتا، زکوۃ فرض ہونے پر ادائیگی سے گریز نہیں کرسکتا، روزہ ترک نہیں کرسکتا، حج فرض ہونے پر ٹال مٹول نہیں کرسکتا، نیز بدکاری فحاشی منکرات ومعاصی کا قصداً اس سے صدور نہیں ہوسکتا، غرض کہ ایسا شخص حیاء ایمانی کی وجہ سے جملہ منکرات ومعاصی سے بچ کر اور اوامر پر عمل کر کے صرف ایمان کے ایک شعبہ حیاء کی وجہ سے جنت میں پہونچ جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۴/۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۳/۱۴۲۲ھ

”وقال ابن نمیر ملان“ کی وضاحت

سوال [۱۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ درج ذیل مسئلہ کے بارے میں میری رہنمائی فرمادیں۔ جزاکم اللہ.

مسلم شریف جلد اول میں ص: ۳۲۷/ پر ایک روایت ہے، یعنی **باب الحث علی النفقة وتبشير المنفق بالخلف** کی پہلی روایت اس کے آخر میں ہے، **وقال ابن نمير ملان**. اس کا مطلب تحریر فرمادیں اور خاص طور پر قال کا فاعل کون ہے اور ابن نمیر سے کون مراد ہے؟ واضح رہے کہ ملا علی قاریؒ نے ابن نمیر کی وضاحت عبد اللہ سے کی ہے۔ نیز اگر ہوسکے تو یہ بھی بتادیں کہ کیا عبد اللہ بن نمیر بھی امام مسلمؒ کے استاذ ہیں؟

المستفتی: محمد یامین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب نے صحیح مسلم، **باب الحث علی**

النفقة و تبشير المنفق بالخلف، النسخة الهندية ۱/۳۲۲، بيت الأفكار رقم: ۹۳۳/ کی پہلی حدیث شریف سے متعلق معلوم فرمائیے ہیں، پہلی حدیث کی سند میں امام مسلم کے دو استاذ ہیں۔

(۱) زہیر بن حرب (۲) محمد بن عبد اللہ بن نمیر۔ ان دونوں سے مشترکہ طور پر حضرت ابوہریرۃؓ کی زیر بحث حدیث مروی ہے؛ لیکن امام مسلم کے استاذ زہیر بن حرب نے **يمين الله ملأى** کے الفاظ نقل فرمائے ہیں اور محمد بن عبد اللہ بن نمیر کی روایت میں **يمين الله ملآن** کے الفاظ ہیں اور امام مسلم نے زہیر بن حرب کے الفاظ کو پہلے نقل فرمایا ہے اور بعد میں محمد بن عبد اللہ ابن نمیر کے الفاظ سے فرق بیان فرمایا ہے، اب آں جناب کا اصل سوال یہ ہے کہ ابن نمیر سے محمد بن عبد اللہ بن نمیر مراد ہیں یا عبد اللہ ابن نمیر مراد ہیں؛ کیونکہ محمد بن عبد اللہ بن نمیر امام مسلم کے استاذ ہیں اور عبد اللہ ابن نمیر امام مسلم کے استاذ نہیں ہیں۔

نیز امام بخاری کے بھی استاذ نہیں ہیں؛ اس لئے کہ عبد اللہ بن نمیر کی وفات امام مسلم کی پیدائش سے ایک قول کے مطابق چار سال پہلے اور دوسرے قول کے مطابق سات سال پہلے ہوئی؛ کیونکہ عبد اللہ بن نمیر کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی اور امام مسلم کی پیدائش ایک قول کے مطابق ۲۰۳ھ میں اور دوسرے قول کے مطابق ۲۰۶ھ میں ہوئی۔ نیز امام بخاریؒ کی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی ہے؛ لہٰذا عبد اللہ بن نمیر کی وفات کے وقت امام بخاری کی عمر صرف پانچ سال تھی؛ اس لئے عبد اللہ بن نمیر امام بخاری و مسلم کے استاذ کسی طرح نہیں بن سکتے اور محمد بن عبد اللہ ابن نمیر کی وفات ۲۳۴ھ میں ہوئی ہے اور یہی امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ و امام ابن ماجہؒ کے استاذ ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم کی روایت میں قال ابن نمیر فرمایا ہے، اس لفظ سے ناظرین کا ذہن عبد اللہ بن نمیر کی طرف سبقت کرے گا تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرات محدثین کے یہاں حفاظ حدیث میں سے مشہور ترین محدث کو کبھی دادا، پردادا کی طرف بھی

منسوب کردیتے ہیں، زمانے کے اعتبار سے وہی کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ امام ابن شہاب زہری کو ان کے باپ کے پردادا کی طرف منسوب کرکے یاد کیا جاتا ہے، ان کا نسب نامہ اس طرح ہے ''محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری'' ان کی کنیت ابوبکر ہے اور محدثین زیادہ تر ابن شہاب زہری کے نام سے یاد کرتے ہیں، اسی طرح امام احمد بن حنبل کا حال ہے ان کے باپ کا نام نہ آتا ہے اور نہ ہی لوگ جانتے ہیں حنبل تو امام احمد کے دادا ہیں، ان کے باپ کا نام محمد ہے ان کا نام نسبت کے ساتھ اس طرح ہے ''احمد بن محمد بن حنبل بن حلال بن اسد الشیبانی المروزی'' ان کی کنیت ابوعبد اللہ ہے، اسی طرح محمد بن نمیر کا بھی حال ہے جب امام بخاری و مسلم وغیرہ کے استاذ ابن نمیر بولا جائے تو محمد بن عبد اللہ بن نمیر ہی مراد ہوتے ہیں اور حلقۂ محدثین میں یہی معروف و مشہور ہے؛ اس لئے کہ تمام محدثین کو معلوم ہے کہ امام بخاری و مسلم کے استاذ عبد اللہ بن نمیر نہیں ہیں؛ لہٰذا یہ حضرات جب اپنے استاذ کی جگہ ابن نمیر بولیں گے، تو محمد بن عبد اللہ بن نمیر ہی مراد ہوں گے۔ اب رہی آنجناب کی آخری بات کہ ملا علی قاریؒ نے ابن نمیر کی وضاحت عبد اللہ سے کی ہے وہ احقر نے نہیں دیکھا۔ نیز اگر عبد اللہ کو امام مسلم کے استاذ ثابت کرنے کے لئے عبد اللہ بن نمیر سے وضاحت فرمائی ہے تو وہاں پر مسامحت ہوئی ہے آنجناب خود دیکھ لیں۔ (تہذیب التہذیب ۷/۲۶۵، ۲۶۶، ۴/۵۱۶، تقریب التہذیب ۶۰۹۳، ۳۶۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: /)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۳/۱۴۲۶ھ

ترمذی شریف میں '' من غیر وجه'' کا مطلب

سوال [۱۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوکر آپ کو دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں،

آپ نے ایضاح الطحاوی لکھ کر ملت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا ہے اور ایضاح الطحاوی پڑھ کر آپ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کا گرویدہ بنالیا ہے، دل سے آپ کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں آپ کی خدمت میں درخواست ہے کہ خدارا اس کام کو ادھورا نہ چھوڑیں مکمل فرمائیں؛ کیونکہ آپ کو تو معلوم ہے کہ ہمارے یہاں کس قدر افراد کی قلت اور علمی انحطاط کا زمانہ آگیا ہے، آپ اس کو پورا فرما کر اپنے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں اللہ تعالی سے آپ کے لئے خصوصی دعائیں کروں گا۔ انشاء اللہ

حضرت ایک دو مشورے بھی عنایت فرمائیں، میں ایک ادنی طالب علم ہوں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ علم کلام سے مجھے دل چسپی ہے، اس کے حصول کے لئے میں کیا کروں؟ کون سی کتابیں پڑھوں؟ یا کوئی اور طریقہ ہو، تو وہ بھی ارشاد فرمائیں، اس طرح عربی ادب کے لئے بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ترمذی شریف میں اکثر لفظ ''من غیر وجه'' آتا ہے، اس کا کیا مطلب ہوتا ہے کہ کیا سند میں اختلاف یا متن میں یا دونوں میں، اس لفظ کو کسی نے بھی واضح نہیں کیا میں نے اپنے طور پر دیکھا تو متن وسند میں اختلاف پایا؛ لیکن حقیقت تک نہ پہونچ سکا، آپ سے درخواست ہے کہ کچھ ارشاد فرمائیں؟

المستفتی: محمد اسحاق پاکستان، مدرسۃ الخیر E-35 بلاک 8 نزد بیت المکرّم گلشن اقبال، کراچی پاکستان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ حضرات کی دعاء سے ایضاح الطحاوی کا سلسلہ تین جلدوں میں طحاوی جلد اول کے اختتام تک پہونچا ہوا تھا، اس کے بعد طحاوی شریف جلد ثانی پر چار پانچ سال پہلے کام شروع ہو چکا تھا؛ لیکن شاید اللہ تعالی کو اس درمیان میں اس کام کی تکمیل منظور نہ تھی، وہ کام چھوڑ کر فتاوی شامی پر تقریرات رافعی کی تعلیق کا کام ہوا، اس کے بعد بخاری شریف پر تعلیق کا کام ہوا، اللہ کے فضل سے ہندوستان کے مختلف مکتبوں

میں کتابیں شائع ہوگئی ہیں، پھر انوار ہدایت کے نام سے ایک کتاب اللہ نے تیار فرمادی، پھر غیر مقلدین کے ۵۶/اعتراضات، انوارنبوت کے نام سے ایک کتاب اللہ نے تیار فرمادی، مگر ایضاح الطحاوی کا سلسلہ پانچ چھ سال سے رکا ہوا ہے۔ انشاء اللہ آگے کام کرنے کا ارادہ ہے، مگر اللہ کی توفیق اور اس کی مدد کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا، اللہ سے دعا فرمائیں کہ سیاہ کار کے ہاتھوں سے اللہ پاک یہ کام تکمیل کو پہونچادے، اس کے بعد آنجناب نے تین باتیں معلوم کیں۔

(۱) علم کلام سے دل چسپی ہے اور کون سی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

(۲) علم ادب سے دل چسپی ہے کون کون سی کتابیں دیکھی جائیں، برادر عزیز کسی فن سے دل چسپی کا مدار مخصوص کتاب سے نہیں ہے؛ بلکہ فن سے تعلق اور ذوق سے ہے، جب کسی عالم کو جس کسی فن کے ساتھ دل چسپی ہوتی ہے، تو وہ اس فن کے میدان میں سرگرداں رہتا ہے اور منجانب اللہ اس کے لئے اس فن کے نوادرات مہیا ہونے لگتے ہیں؛ اس لئے کہ فن کا مدار کسی خاص کتاب پر نہیں ہے اور علم کلام کی بنیادی کتابوں میں امام طحاوی کی ''عقیدۃ الطحاوی'' کی شرح ہے جو اس وقت عرب دنیا میں مقبول ترین کتاب ہے اور عرب دنیا میں شیخ ابن تیمیہ کی الاسماء والصفات کے نام سے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے جو بڑی حیثیت رکھتی ہے، نیز العقیدۃ الواسطیہ بھی بہت مقبول ہے؛ لیکن ان کتابوں کے مطالعہ میں اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ شیخ ابن تیمیہ کے مزاج میں آزادی ہے اور وہ غیر مقلدوں کے پیشوا کا درجہ رکھتے ہیں؛ اس لئے ان کی کتاب پڑھ کر ان سے متاثر نہیں ہونا چاہئے اور علم ادب میں بنیادی اور ابتدائی کتابیں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کی کتابیں بڑی اچھی ہیں اور اسالیب الانشاء، المختارات العربیہ، کلیلہ دمنہ، کامل کیلانی کا سیٹ، رجال من التاریخ، منتخب التعبیرات، مولانا نور عالم خلیل امینی کا اشراقہ، نیز تاریخ وسیر سے متعلق ادبی کتابوں مثلاً عبقریات وغیرہ کا مطالعہ مفید ترین ہے۔

تیسری بات یہ معلوم کی گئی کہ ترمذی شریف میں لفظ من غیر وجہ سے کیا مراد ہے، امام ترمذیؒ نے یہ لفظ سیکڑوں مقامات پر ذکر فرمایا ہے اور شراح حضرات نے اس لفظ کی تشریح سے متعلق کوئی تعارض نہیں کیا ہے؛ لیکن آنجناب نے اختلاف متن واختلاف سند کی طرف توجہ دلائی ہے، مگر بات ایسی نہیں ہے؛ بلکہ جہاں جہاں من غیر وجہٍ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہاں اس عبارت کی گزشتہ وآئندہ سطور پر غور کرنے کی ضرورت ہے، امام ترمذیؒ نے جتنی مرتبہ من غیر وجہٍ کا لفظ استعمال کیا ہے، ان سے نوے فیصد مقامات سند کی تائید سے متعلق ہیں کہ اس سے پہلے جو روایت گزری ہے، وہ روایت اور بھی متعدد طرق سے مروی ہے؛ اس لئے کہ امام ترمذیؒ اس لفظ سے پہلے اس حدیث شریف کو حدیث حسن صحیح کے الفاظ یا صحت کے لئے کسی اور الفاظ سے تائید فرماتے ہیں یا اس کے بعد **هذا أصح من حديث فلان** یا اس سے پہلے یا بعد میں **وهو أصح** کے الفاظ لاتے ہیں، تو جہاں جہاں امام ترمذیؒ ایسے مقامات میں من غیر وجہٍ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، وہاں پر تعدد سند کو بیان کر کے ماقبل کی سند کی توثیق فرماتے ہیں اور چند مقامات ایسے بھی ہیں جن میں ان الفاظ کے ذریعہ سے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ ماقبل کی سند کے علاوہ دوسری سند سے بھی حدیث مذکور مروی ہے، مگر اس کے متن میں دیگر طرق سے اضافہ یا اختصار ثابت کرنا یا دوسرے واضح الفاظ کے ساتھ پہلے متن کی وضاحت اور توثیق کرنا مقصود ہوتا ہے، یہی دو باتیں ترمذی کے ان مقامات میں ملیں گی، جہاں من غیر وجہٍ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور جہاں جہاں سند کی تائید وتوثیق کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں وہاں پر اکثر وبیشتر حدیث شریف حدیث لغیرہ ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۶۳/۳۷)

"یکفیہ من ذلک رأس الجوزاء" کی تشریح

سوال [۱۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باب فیمن قال لامرأته أنت طالق عدد النجوم. (مصنف ابن ابی شیبہ)

سئل ابن عباس فیمن قال لامرأته أنت طالق عدد النجوم، فقال یکفیه من ذالک رأس الجوزاء.

روایت کے آخری خط کشیدہ جملہ کا مطلب مطلوب ہے۔ زحمت فرمائی کا شکریہ!

المستفتی: نسیم احمد غازی مظاہری، سرائے پختہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ حدیث شریف مصنف ابن ابی شیبہ کے اس نسخہ میں جس پر شیخ عوامہ نے کام کیا ہے، حدیث: ۱۸۱۱۲، اور مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بیروت ۳۹۶/۶، رقم: ۱۱۳۴۷/ پر موجود ہے۔

اس حدیث شریف کی لائن کھینچی ہوئی عبارت جس میں "رأس الجوزاء" کا لفظ موجود ہے اس بارے میں عرض یہ ہے کہ احقر کے پاس لغات حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں دو کتابیں ہیں، "النهایة في غریب الحدیث" اور علامہ طاہر پٹنی کی "مجمع بجار الأنوار" ان دونوں میں صرف لفظ "الجوز" کی تشریح موجود ہے اور اس کا صیغہ صفت الف ممدودہ کے ساتھ "الجوزاء" کے بارے میں حدیث کی کسی کتاب میں احقر کو واضح تشریح نہیں ملی؛ البتہ عربی لغات میں "الجوزاء" کی تشریح موجود ہے، اس کی مناسبت سے احقر کو تین باتیں سمجھ میں آئی ہیں، ممکن ہے غلط سمجھی گئی ہوں؛ اس لئے حضرت والا کی خدمت میں بطور سبق سنانے کے وہ باتیں پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) دار قطنی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہی روایت دو سندوں کے ساتھ

مروی ہے، حدیث: ۳۹۰۲، ۳۹۰۳/ ۳۹ /اس میں ''عدد النجوم'' کے بعد اگلی عبارت **أخطأ السنة وحرمت علیه امرأته** کے الفاظ ہیں اور النہایۃ اور مجمع میں الجوز کی تشریح میں سر کٹی ہوئی کالی بکری کا مفہوم مراد لیا گیا ہے؛ لہٰذا ان تمام عبارات سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ جملہ ملامتیہ ہے، یعنی ایسے شخص کے لئے بیوی حرام ہونے کے ساتھ سر کٹی ہوئی کالی بکری کافی اور زیادہ مناسب ہے۔

(۲) ''**الجوزاء**'' آسمان کے تیسرے برج کا نام ہیں اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شاید اس برج میں تین زاویہ ہوں اور یہاں اس سے تین کا عدد مراد لیا گیا ہو یعنی اس کے لئے تین طلاق ہی کافی تھیں۔

(۳) ''**الجوزاء**'' ایسی کالی بکری کے لئے بولا جاتا ہے جس کے وسط پر سفیدی ہو اور عام طور پر جن بکریوں کے وسط پر سفیدی ہوتی ہے ان سفیدیوں کے عام طور پر تین زاویہ ہوتے ہیں؛ لہٰذا ممکن ہے کہ اس سے تین کا عدد مراد لیا گیا ہو کہ اس کے لئے تین ہی کافی تھیں ان تینوں میں سے پہلا مطلب احقر کو زیادہ اقرب معلوم ہوتا اور یہی تین مطلب سمجھ میں آئے ہیں، اب حضرت والا سے گذارش ہے کہ اگر ان تینوں کے علاوہ کوئی چوتھا مطلب سمجھ میں آئے تو احقر کو مطلع فرمائیں۔ نوازش ہوگی اور ممکن ہے کہ احقر نے جو تین مطلب سمجھے ہیں وہ تینوں ہی غلط ہوں؛ اس لئے حضرت والا سے اصلاح کی گذارش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۶۰)

''إذا سفرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور'' کا صحیح مطلب

سوال [۱۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعدہ عرض یہ ہے کہ انفاس العارفین میں سراج الہند حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب محدث دہلیؒ نے یہ حدیث پاک نقل کی ہے”إذ سفرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور“ بہت سے اہل علم نے اس کو حدیث تسلیم نہیں کیا؛ بلکہ شاہ صاحب کا قول تسلیم کیا، کیا یہ حدیث پاک کے الفاظ ہیں یا شاہ صاحب کے؟ اگر یہ حدیث پاک ہیں، تو اس کی اسناد قوی ہے یا ضعیف؟ کہاں سے روایت کی ہے اور کس سے روایت مروی ہے؟ ارشاد فرمایئے:

المستفتی: انتخاب عارف صدیقی، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کو امام اسماعیل بن محمد عبدالہادی الجراحی العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ نے ابن کمال پاشا کے اربعین کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں نہ کوئی گفتگو کی، نہ یہ لکھا کہ یہ حدیث ہے اور نہ یہ لکھا کہ یہ کسی کا مقولہ ہے؟ کشف الخفا للعجلونی ۵/۷ میں یہ عبارت موجود ہے، اور حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدرؒ نے تسکین الصدور میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سے سوال کیا گیا کہ یہ حدیث ہے یا نہیں؟ اور اس کا معنی کیا ہے؟ تو اس پر حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنویؒ نے یہ جواب لکھا کہ یہ حدیث نہیں؛ بلکہ کسی کا مقولہ ہے اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ نہ کرو غلطی کھا جاؤ گے؛ بلکہ ان حضرات کی تقلید کرو، جو ان قبروں میں آرام فرماں ہیں اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کو تسلیم کرو، یہی مطلب ہے” فاستعينوا من أصحاب القبور“ کا، اور ایک دوسرا مطلب یہ بیان فرمایا کہ جب تم امور دنیا میں حیران اور پریشان ہو کر تنگی میں مبتلا ہو جاؤ، تو اہل قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو کہ انہوں نے دنیا کو کس طرح ترک کر دیا ہے اور آخرت کو چل بسے آخر ہم کو دنیا سے اسی طرح جانا ہے، جس سے پریشانی اور الجھن کم ہو جائے گی یہ ہے ”فاستعينوا من أصحاب القبور“ کا مطلب اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اہل قبور سے حقیقی مدد مانگی

جائے؛ بلکہ اہل قبور کے حالات کو دیکھ کر عبرت حاصل کر کے اپنی پریشانی کو ہلکا کرنا ہے اور اسی کی طرح خود انفاس العارفین ۲۸۸/ میں عبارت موجود ہے کہ یہاں استعانت سے مراد مردوں کے حالات کو یاد کر کے عبرت پکڑنا ہے، جو دنیوی امور سے توجہ ہٹا کر پریشانی روزگار کو کم کر دیتا ہے، اور سوال نامہ میں اس بات کو پھر زور دے کر پوچھا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں کتب احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود ان الفاظ کے ساتھ یہ عبارت دست یاب نہ ہوسکی؛ بلکہ صرف کشف الخفاء کے حوالہ سے اتنی بات ملی جو اوپر لکھی گئی اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے حدیث ہونے کا انکار کیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۷۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۲/۲۹ھ

(۹) باب مایتعلق بالأحادیث الضعیفة والموضوعة

دوحدیثوں کی تحقیق اور غلط حدیث بیان کرنا

سوال [۱۱۶۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مندرجہ ذیل احادیث الگ الگ ٹائم پر نظر سے گذریں، دونوں احادیث متضاد ہیں؛ جبکہ یہ بات قطعانا قابل فہم ہے کہ حضور ﷺ کے قول میں اتنابڑا تضاد پایاجائے، برائے مہربانی تشریح فرمائیں کہ دونوں احادیث میں سے کون سی حدیث صحیح ہے؟

(۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جوشخص رات کی مشقت جھیلنے سے ڈرتا ہو کہ راتوں کو جاگنے اورعبادت میں مشغول رہنے سے قاصر ہو، یا بخل کی وجہ سے مال خرچ کرنا دشوار ہو، یابزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ ہوتی ہو،اس کو چاہئے کہ **سبحان اللّٰہ و بحمدہ** کثرت سے پڑھا کرے، کہ اللہ کے نزدیک یہ کام پہاڑ کے بقدر سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ (بحوالہ تبلیغی نصاب فضائل ذکر ص:۱۴۲، از شیخ الحدیث)

دوسری حدیث دو خصلتیں کسی ایماندار آدمی میں جمع نہیں ہوسکتی: ایک بخل، دوسرا بد خلقی یعنی جس شخص میں دونوں عادتیں ہوں وہ ایماندار نہیں ہوسکتا ہے۔

(۲) یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ غلط احادیث بیان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: بشیراحمد لوہاری، سرائے نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عن أبي سعید الخدري قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: خصلتان لاتجتمعان في مؤمن من البخل وسوء الخلق.

(ترمذی شریف، باب ماجاء في البخل، النسخة الهندية ۲/ ۱۸، دار السلام رقم: ۱۹۶۲)

بخل و بدخلقی کے دو درجے ہیں: ایک درجہ یہ ہوتا ہے کہ انتہائی درجہ کا بخل و بدخلقی، جو کبھی جدا نہیں ہوتی ہے اور اس درجہ کا بخل و بدخلقی مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتی اور ترمذی شریف کی مذکورہ حدیث شریف میں اسی بخل و بدخلقی کو بیان کیا گیا ہے، دوسرا درجہ یہ ہوتا ہے کہ انتہائی درجہ کا نہ ہو کبھی ہوتی ہو اور کبھی زائل ہو جاتی ہو، وہ مؤمن کے اندر جمع ہوسکتی ہے۔ اس درجہ کا بخل و بدخلقی ایمان کے منافی نہیں ہوتی، حاشیہ ترمذی شریف ۱۸/۲، اور فضائل تبلیغ میں جس بخل و بدخلقی کا ذکر ہے، وہ یہی دوسرے درجہ کا بخل و بدخلقی ہے نہ کہ اول درجہ کا اس لئے کوئی تردد کی بات نہیں ہے۔

(۲) غلط احادیث سے آپ کی مراد کیا ہے؟ موضوع حدیث ہے یا ضعیف، اگر موضوع حدیث مراد ہے، تو آپ کا غلط کہنا درست ہے اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ موضوع حدیث بیان نہیں کرتے اور اگر غلط حدیث سے آپ کی مراد ضعیف حدیث ہے، تو آپ کا یہ سمجھنا ہی غلط ہے؛ کیونکہ ضعیف حدیث فی نفسہ غلط نہیں ہوتی، صرف اس حدیث شریف کی سند میں رواۃ میں سے کسی راوی کے اعلیٰ پیمانہ پر نہ ہونے کی وجہ سے سند کے اعتبار سے ضعیف کہا جاتا ہے کہ نہ کہ متن کے اعتبار سے اور اس طرح ضعیف احادیث بیان کرنا جائز اور درست صحاح ستہ کے اندر بھی ضعیف احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں؛ البتہ موضوع احادیث بالکل کالعدم ہیں۔

نیز کنز العمال، مسند بزار، مصنف عبد الرزاق، معجمات ثلثہ للطبرانی، سیوطیؒ کی شرح الصدور، شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی ما ثبت بالسنۃ، بیہقی شریف، دارمی شریف، دارقطنی شریف، وغیرہ وغیرہ احادیث کی بڑی بڑی کتابوں کے اندر ضعیف احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اور فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کا بیان کرنا تمام علماء حدیث کے نزدیک جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۱۳/۲۵)

’’اطلبوا العلم ولو بالصین‘‘ حدیث ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۶۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید دنیوی تعلیم پر زور دیتے ہوئے حدیث مذکورہ پیش کرتا ہے ’’**اطلبوا العلم ولو بالصین**‘‘ اور کہتا ہے؛ چونکہ اس زمانہ میں ملک چین دنیوی تعلیم کا مرکز تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا اگر چہ چین جانا پڑے، پھر بھی علم حاصل کرو، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ حدیث واقعی ہے اور اگر حدیث ہے تو کیا اس حدیث کا یہی مطلب ہے، جو زید نے بیان کیا اگر یہ نہیں ہے، تو پھر صحیح مطلب واضح فرمائیں؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث ’’ **اطلبوا العلم ولو بالصین**‘‘ بہت زیادہ ضعیف ہے؛ بلکہ بعض نے موضوع اور باطل قرار دیا ہے؛ چنانچہ ابن حبانؒ نے باطل اور ابن جوزیؒ نے موضوع اور علامہ سخاویؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (المقاصد الحسنہ ۸۵، رقم: ۱۲۵، اللآمی المصنوعہ قدیم ۱۱٤، جدید ۱/۱۷۵، فوائد المجموعہ في احادیث الموضوعہ۹٦) البتہ **السراج المنیر** میں حسن لغیرہ کہا گیا ہے۔ (السراج المنیر ۲۲۷)

بہر حال یہ حدیث اگر چہ سند کے اعتبار سے ضعیف اور متکلم فیہ ہے، مگر متن اور مضمون صحیح ودرست ہے؛ لیکن لفظ ’’ صیـــن ‘‘ استعمال کر کے دنیاوی علوم کی ترغیب ہر گز مقصود نہیں ہے؛ بلکہ صرف دور کی مسافت طے کر کے اور مشقت برداشت کر کے علم حاصل کرنا پڑے تو برداشت کر کے علوم دینیہ حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اگر اس زمانہ میں چین دنیاوی علوم کا مرکز ہونے کی وجہ سے وہاں جا کر دنیاوی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دینا حدیث مذکور میں مقصود ہے تو حضرات صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سب چین کی طرف سفر کرتے اور سب دنیادار بن جاتے اور ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی حدیث شریف کا یہ مقصد ہے

اور نہ ہی حضرات صحابہ اور تابعین اور ائمہ ہدی نے ایسا سمجھا ہے؛ بلکہ حدیث مذکور اور اس کے ہم مضمون احادیث کے پیش نظر سلف صالحین نے علوم دینیہ حاصل کرنے کے لئے حجاز کا سفر کیا اور جب فقہاء صحابہ مصر، عراق، شام وغیرہ میں منتقل ہوگئے، دیگر صحابہ وتابعین نے ایک ایک حدیث نبوی حاصل کرنے کے لئے کسی نے شام کا سفر، اور کسی نے مصر وعراق کا سفر کیا ہے۔

عن أبي هريرةؓ رواية يوشک أن يضرب الناس أكباد الإبل يطلبون العلم فلايجدون أحدا أعلم من عالم المدينة. (سنن الترمذي، باب ما جاء في عالم ، النسخة الهندية ۹۷/۲، دار السلام رقم: ۲۶۸۰، السنن الكبرى للنسائي، دار الكتب العلمية بيروت ۲۶۳/٤، رقم: ٤۲۷۷، مسند احمد ابن حنبل ۲۹۹/۲، رقم: ۷۹٦۷، مشكوة شريف ۳٥/۱، السراج المنير ۲۲٦/۱)

اس لئے تمام محدثین نے علم سے علم شریعت اور علوم دینیہ مراد ہونا ثابت کیا ہے اور زید کا دعوی محض دعوی ہے، دلیل کچھ نہیں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

المراد بالعلم العلم الشرعي الذي يفيد معرفة مايجب على المكلف من أمر دينه في عبادته ومعاملاته والعلم بالله وصفاته. (فتح الباري، كتاب العلم، باب فضل العلم، دار الفكر بيروت ۱۷۰/۱، ۱٤۱/۱، اشرفية ديوبند ۱۸۸/۱)

نیز ملاعلی قاری کی مرقات میں بھی ایسی ہی عبارت ہے۔ (مرقات، كتاب العلم، بيان العلم المنتفع به، مكتبه امداديه ملتان ۲٦۹/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۲۶/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲۲ھ

”تسافروا تصحوا“ والی حدیث کیسی؟

سوال [۱۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ” تسافروا تصحوا“ ان الفاظ کے ساتھ جوحدیث شریف ہے اس کو مع حوالہ نقل فرما کرشکریہ کا موقع فرمائیے؟

المستفتی: محمد گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ درج ذیل کتب احادیث میں موجود ہے۔

عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سافروا تصحوا وتسلموا. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٥/٣٠٠، رقم: ٧٤٠٠)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سافروا تصحوا وتغنموا. (السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر بيروت ٧/١٠٢، رقم: ١٣٥٨٨)

عن أبي هريرةؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: سافروا تصحوا، واغزوا تستغنوا. (مسند احمد دارالفكر ٢/٣٨٠، رقم: ٨٩٣٢)

قال عمر سافروا تصحوا وترزقوا. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٥/١٦٨، رقم: ٩٢٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

حب الوطن من الإيمان

سوال [۱۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ذخیرۂ احادث میں ”حب الوطن من الإيمان“ یا اس طرح کے مفہوم کی کوئی روایت موجود ہے یا نہیں؟ جیسی بھی صورت ہو جواب تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد ذیشان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’حب الوطن من الإیمان‘‘ ان الفاظ کے حدیث رسول ہونے کے بارے میں وضاحت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اس کو موضوع اور گھڑی ہوئی روایت ثابت فرمایا ہے اور بعض محدثین نے اس کو کسی کا مقولہ بتایا ہے کہ یہ سرے سے حدیث ہی نہیں ہے۔

یہ تفصیل حدیث کی کتاب کشف الخفاء ۱/ ۳۰۸، رقم: ۱۱۰۰/ پر ہے اور ملا علی قاریؒ نے الموضوعات الصغری رقم: ۱۰۶، الموضوعات الکبری رقم: ۱۶۴/ پر یہ موضوع حدیث نقل فرمائی ہے۔

حدیث: ”حب الوطن من الإیمان“ لم أقف علیه. (المقاصد الحسنه ٢١٤، رقم:٣٨٥)

حب الوطن من الإیمان لم أقف علیه ومعناه صحیح. (تذکره الموضوعات للفتني ١١)

البتہ اپنے وطن سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے، جب حضور پاک ﷺ نے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر ہجرت کا راستہ اختیار فرمایا تو شہر مکہ کو مخاطب کر کے یہ الفاظ ارشاد فرمائے: جو ترمذی شریف میں موجود ہے۔ حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لمکة ما أطیبک من بلد وأحبک إلي ولولا أن قومي أخرجوني منک ماسکنت غیرک. (سنن ترمذي، باب في فضل مکة، النسخة الهندیة ٢/ ٢٣٠، دار السلام رقم:٣٩٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۵ھ

''الدنیا جیفة'' حدیث ہے یانہیں؟

سوال [۱۱۶۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''الدنیا جیفة و طالبها کلاب'' یہ حدیث ہے یامقولہ مفتی صاحب وضاحت فرما کر خدمت کا موقع دیں؟

المستفتی: محمد قاسم جھلرا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ موضوع ہے؛ البتہ اس کا مضمون ایک حدیث شریف سے ثابت ہے اور حضرت علیؓ کے ایک اثر سے بھی اس طرح کا مضمون ثابت ہوتا ہے، جو ہم ذیل میں نقل کردیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

أوصي إلی داؤد: یا داؤد! مثل الدنیا کمثل جیفة اجتمعت علیها الکلاب یجرونها أفتحب أن تکون کلبا مثلهم فتجر معهم. (کنز العمال ۳/۸۷، رقم: ٦٢١٢)

''الدنیا جیفة وطالبها کلاب'' قال الصغانيؒ: موضوع أقول: وإن کان معناه صحیحا؛ لکنه لیس بحدیث، وقال النجم: لیس لهٰذا اللفظ في المرفوع وعن أبي نعیم عن یوسف ابن اسباط قال: قال علي ابن أبي طالبؓ: الدنیا جیفة فمن أرادها فلیصبر علی مخالطة الکلاب. (کشف الخفاء ۱/۳٦۲ بیروت، رقم: ۱۳۱۳، الأحادیث الموضوعة ۲۰۱)

وقال علي بن أبي طالب "الدنیا جیفة فمن أرادها فلیصبر علی مخالطة الکلاب. (حلیة الأولیاء، وطبقات الأصفیاء ۸/۲۳۸، کنز العمال ۳/۷۱۹، رقم: ۸٥٦٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲ / ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

”السؤال ذل“ حدیث ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ”**السؤال ذل**“ أو **کما قال علیه الصلوة والسلام** صحیح ہے یا قوی یا ضعیف؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالحسیب ہربگرام، دیناج پور (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ”السؤال ذل“ بعینہ اس ہی عبارت کے ساتھ احقر کی نظر سے کوئی حدیث نہیں گذری ہے؛ البتہ اسی مضمون کی حدیث شریف دوسرے الفاظ کے ساتھ سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، مسند دارمی وغیرہ میں موجود ہے۔

عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيامة ومسألته في وجهه خموش، أو خدوش، أو كدوح. الحديث (سنن الترمذي، كتاب الزكوة، باب من تحل له الزكوة، النسخة الهندية ١/ ١٤١، دار السلام رقم: ٦٥٠، سنن أبي داؤد، كتاب الزكوة، باب من يعطي من الصدقة وحد الغني، النسخة الهندية ١/ ٢٢٩، دار السلام رقم: ١٦٢٦، مسند دارمي، دار المغني بيروت ٢/ ١٠٢٢، رقم: ١٦٨٠، المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الزكوة، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٢/ ٥٧٤، رقم: ١٤٧٩)

عن حذيفة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاينبغي للمؤمن أن يذل نفسه. (سنن ابن ماجه، ابواب الفتن، باب قوله تعالى يايها الذين آمنو عليكم أنفسكم، النسخة الهندية ٢٩٠،رقم: ٤٠١٦، سنن الترمذي، ابواب الفتن، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/ ٥١، دار السلام رقم: ٢٢٥٤، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ٢١٨، رقم: ٢٧٩٠، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت

۱۲/۸۰٤، رقم: ۱۳۵۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الأول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۶۰)

سؤر المؤمن شفاء حدیث ہے؟

سوال [۱۱٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **سؤر المؤمن شفاء** یہ حدیث ہے؟ اگر حدیث ہے تو باحوالہ تحریر کریں۔

المستفتی: سمیع الدین قاسمی، دیوان بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں؛ البتہ بعض علماء نے معنی کے اعتبار سے اس مفہوم کو صحیح کہا ہے مگر حدیث نہیں ہے اور وہ بھی پاک ہونے کے اعتبار سے ہے۔

وأما مايدور على الألسنة من قولهم سؤر المؤمن شفاء فصحيح من جهة المعنى. (موضوعات الكبير ٤٠)

وأما ما على الألسنة من أن سؤر المؤمن شفاء ففي الإفراد للدار قطني من حيث نوح بن أبي مريم عن أبي جريج عن عطاء عن ابن عباس رفعه من التواضع أن يشرب الرجل من سؤر أخيه. (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة ٢٧٠، رقم:٥٣٢)

سؤر المؤمن شفاء قال: النجم ليس بحديث نعم رواه الدار قطني في الإفراد عن ابن عباس بلفظ من التواضع أن يشرب الرجل من سؤر أخيه قال النجم: قلت ليس من هنا، فأحدث الآن في أكثر البلدان من

طلب الشرب من القهوة البنية من إنعام الامرد الذي يعد ساقيا، ويسحون ذلك زمزمة-الى-على أن هذا ليس بحديث وزعم أنه حديث أو إيهام أنه حديث كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم. (کشف الخفاء ۱/۴۰۵، رقم:۱۴۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

"علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل"

سوال [۱۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل" ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس درجہ کی ہے اس کی حیثیت واضح فرمادیں؟

المستفتی: سمیع الدین قاسمی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موضوع ہے؛ اس لئے علامہ دمیری عسقلانی اور زرکشیؒ نے اس کو بے اصل قرار دیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اولاً اس کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی پھر آخر میں فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

"علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل" قال الدميريؒ والعسقلانيؒ: لا أصل له وكذا قال الزركشيؒ وسكت عنه السيوطي. (موضوعات کبیر ۴۸)

قال السيوطيؒ في الدرر: لا أصل له وقال في المقاصد شيخنا يعني ابن حجرؒ: لا أصل له وزاد بعضهم: لايعرف في كتاب معتبر. (كشف الخفاء بيروت ۲/۶۰)

حديث: "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائل" قال شيخنا و من قبله

الدميري والزركشي: إنه لاأصل له، زاد بعضهم ولايعرف في كتاب معتبر.

(المقاصد الحسنة، دارالكتب العلمية بيروت ۳۳۲، رقم:۷۰۰، تذكرة الموضوعات للفتنى ۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:/)

"كل قليل قصير فتنة إلا علي وكل طويل أحمق إلاعمر" کیا یہ حدیث ہے؟

سوال[۱۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ " **كل قصير فتنة إلا علي وكل طويل أحمق إلا عمر** " کیا یہ فرمان رسول ﷺ ہے اگر احادیث کے ذخیرہ میں موجود ہو تو اس کا حوالہ ضرور تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد تحسین تمبا کو والان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں جو عبارت لکھی گئی ہے یہ عبارت حدیث کی کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گذری۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۴۴/۴۰)

"قوموا ليلها" حدیث کی تحقیق

سوال[۱۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو کہ عالم ہے وہ "**قوموا ليلها**" حدیث کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ بلکہ دوران تقریر یہاں تک کہا کہ اس میں ایک راوی ہے جو من گھڑت

حدیث بیان کرتے ہیں؛ اس لئے اس کے حدیث ہونے میں شک ہے، وضاحت فرمائیں کہ یہ حدیث ہے یا نہیں؟ اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے اور اس طرح امام صاحب کے انکار کرنے سے ان کی امامت میں کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟

المستفتی: فردوس احمد نعمانی، ناظم جامعہ مظفریہ جہانگیری، آسنسول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: "قوموا لیلها و صوموا نهارها" والی روایت جس کو صاحب مشکوۃ نے ابن ماجہ شریف سے نقل فرمایا ہے اس کا مدار عبد اللہ بن ابی سبرہؓ پر ہے اور اس راوی کو حفاظ حدیث اور محدثین نے متهم بالکذب قرار دیا ہے؛ اس لئے اس راوی کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ابو بكر بن عبد الله بن محمد بن أبي سبرة، و قال صالح بن أحمد بن أبيه أبو بكر بن أبي سبرة يضع الحديث...... وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ليس بشئ كان يضع الحديث ويكذب. (تهذيب التهذيب ١٠/ ٣١، رقم: الترجمة ٨٢٥٤)

ابو بكر بن عبد الله بن محمد بن أبي سبرة......قيل اسمه عبد الله، وقيل محمد، وقد ينسب إلى جده اموه بالوضع. (تقريب التهذيب ١١١٦، رقم: ٨٠٣٠)

ابو بكر بن عبد الله أبي سبرة المدني القاضي الفقيه: ضعفه البخاري وغيره، وروي عبد الله و صالح ابنا أحمد أبيها قال: كان يضع الحديث......وقال النسائي متروك......وقال ابن معين ليس حديثه بشئ–الى–عن على مرفوعا إذا كان ليلة النصف من شعبان قوموا ليلها وصوموا نهارها. (ميزان الإعتدال ٤/ ٥٠٤، رقم: ١٠٠٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱۰/۱۴۳۱ھ

کیا لولاک لما خلقت الأفلاک حدیث ہے؟

سوال [۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" اگر حدیث ہے تو کس درجہ کی حدیث ہے؟

المستفتی: سمیع الدین قاسمی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں ہے؛ بلکہ موضوع ہے، ہاں البتہ اس کے معنی حدیث ہے۔

لولاک لما خلقت الافلاک قال الصغاني: موضوع وأقول لكن معناه صحيح وإن لم يكن حديثا. (کشف الخفاء ۲/۱٤۸، الموضوعات الكبرى /۷۰، تكرة الموضوعات للمفتي۸٦، الأسرار المرفوعة في الأحاديث الموضوعة ۲۹٥، رقم:۳۸٥، الفوائد المجموعة ۳۲٦)

أتاني جبريل فقال يا محمد لولاک ماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار. (كنز العمال ۱۱/۱۹٤، رقم:۳۲۰۲۲)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أوحي الله إلي عيسى عليه السلام يا عيسى آمن بمحمد وأمر من ادركه من أمتک أن يؤمنوا به فلو لا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ماخلقت الجنة ولاالنار ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتب عليه لاإله إلا الله محمد رسول الله فسكن. (المستدرک للحاکم، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٤/۱٥۸۳، رقم:٤۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

''لولاک لما خلقت الأفلاک'' کی تحقیق

سوال [۱۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''لولاک لما خلقت الأفلاک''روایت کی کیا اصل ہے؟

المستفتی: ابوالکلام رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''لولاک لما خلقت الأفلاک'' ان الفاظ کے ساتھ کشف الخفاء میں صنعانی کے حوالہ سے نقل کرکے موضوع لکھا ہے، مگر ساتھ ہی صاحب کشف الخفاء نے لکھا ہے کہ ''ولکن معناہ صحیح'' (کشف الخفاء ۲/۱۴۸)

قال الصغاني أنه موضوع كذا في الخلاصة لكن معناه صحيح.
(الاسرار المرفوعة ١٩٤)

اورمعناہ صحیح اس لئے فرمایا کہ اس مضمون کے قریب قریب روایات ذخیرہ احادیث میں صحیح سند سے بھی مروی ہیں، حضرت امام حاکم النیشاپوری نے مستدرک میں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ایک روایت صحیح سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال: أوحى الله إلى عيسى عليه السلام يا عيسى آمن بمحمد وأمر من أدركه من أمتك أن يؤمنوا به فلولا محمد ماخلقت آدم، ولولا محمد ماخلقت الجنة، ولاالنار، ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتب عليه لاإله إلا الله محمد رسول الله فسكن. هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. (المستدرك للحاكم نسخه جديد٤/١٥٨٣، نسخه قديم ٢/٦١٥، رقم:٤٢٢٧)

اور مستدرک میں حدیث: ۴۲۲۸/حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کافی لمبی روایت نقل فرمائی ہے، اس کا آخری ٹکڑا یہ ہے۔

یاآدم لأحب الخلق إلي ادعني بحقه غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک.

اس کے بارے میں بھی مستدرک نے صحیح الاسناد کہا ہے، کنز العمال میں ایک روایت نقل کی گئی ہے الفاظ یہ ہیں۔

أتاني جبرئيل فقال: يا محمد لولاک ماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار.

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس کی ہے، مسند الفردوس دیلمی سے نقل کی گئی ہے۔ (کنز العمال ۱۱/۱۹۴، رقم: ۳۲۰۲۱)

اورعلامہ سیوطیؒ نے اللآلی المصنوعہ میں حضرت سلمان فارسیؓ کی ایک لمبی روایت نقل فرمائی ہے، اس کا آخری ٹکڑا ہے "**لولاک ما خلقت الدنيا**" اورساتھ ہی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (اللآلی المصنوعہ ۱/۲۴۹)

اب "**لولاک ما خلقت الافلاک**" اگر چہ موضوع ہے، مگراس کے قریب قریب معنی کی بعض روایات صحیح سند سے ثابت ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۶۷)	۱۴۳۰/۷/۹ھ

کیا "من زار العلماء فقد زارني" کے الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث ہے؟

سوال [۱۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ "من زار العماء فقد زارني" ان الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث ہو تو بحوالہ نقل فرمائیں؟

المستفتی: محمد آصف، پناما

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: "من زار العلماء فقد زارني" یہ ایک مشہور

مقولہ ہے جو آج کل کے واعظین بیان کرتے ہیں، مگر اس کا حدیث ہونا صحیح سند سے ثابت نہیں؛ بلکہ یہ ایک موضوع ومتکلم فیہ روایت ہے، اس میں کئی راوی متکلم فیہ اور مجروح ہیں، جس میں حفص بن عمر العدنی محدثین کے نزدیک متہم بالکذب ہے امام نسائیؒ نے اس کے متعلق لیس بثقة فرمایا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ذیل الموضوعات ۳٦/ پر اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

كذبه يحي بن يحي النيسابوري وقال البخاري: منكر الحديث.

لہٰذا مذکورہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور اس کے موضوع ہونے کی صراحت کئے بغیر اس کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل ۳٥۱، موضوعات كبير ۷۰)

من زار العلماء فكأنما زارني، ومن صافح العلماء فكأنما صافحني، ومن جالس العلماء فكأنما جالسني، ومن جالسني في الدنيا أجلس يوم القيامة، قال في الذيل: في اسناده حفص كذاب. (كشف الخفاء ۲/۲۲٥ بيروت، الأحاديث الموضوعة ۱۲۸، الموضوعات الكبير، الكمتبه المظهريه كراچى ۷۰، في اسناده كذاب، الفوائد المجموعة ۲۸٥، اللؤلؤ المرموع ۱۸۳، رقم: ٥٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

حدیث ”من عرف نفسه فقد عرف ربه“ کی تحقیق

سوال [۱۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ”**من عرف نفسه فقد عرف ربه**“ یہ حدیث ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''من عرف نفسه فقد عرف ربه'' یہ حدیث نہیں ہے شیخ ابن تیمیہؒ نے فرمایا یہ موضوع ہے، شیخ سمعانی کے مطابق یہ یحیٰ بن معاذ الرازی کا قول ہے

" من عرف نفسه فقد عرف ربه" قال ابن تيميه: موضوع وقال السمعاني: أنه لايعرف مرفوعا وإنما يحكي عن يحى بن معاذ الرازى من قوله. (موضوعات كبير ٨٦)

'' من عرف نفسه فقد عرف ربه" قال ابن تيميه: موضوع وقال النووي: قبله ليس بثابت، وقال أبو المظفر بن السمعاني: في القواطع إنه يعرف موضوعا وإنما يحكي عن يحى بن معاذ الرازي يعني من قوله. (كشف الخفاء هنداوي ٣١٢/٢، القدسى ٢٦٢/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۵۹/۳۶)

''المدرسة بيتي والمسجد بيت الله'' کی تحقیق

سوال[۱۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''المدرسة بيتي والمسجد بيت الله'' کیا یہ الفاظ حدیث کے ہیں حوالہ درکار ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۰۸/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

"المشورة أمانة" کس درجہ کی حدیث ہے؟

سوال [۱۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱)"المشورة أمانة أو كما قال عليه الصلوة والسلام" مذکورہ حدیث قوی یا صحیح یا ضعیف کیا ہے؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

(۲) مذکورہ حدیث پر عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالحسیب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلفظہ کوئی حدیث شریف نظر سے نہیں گذری؛ البتہ اس کے ہم معنی اور ہم مضمون روایت صحیح سند کے ساتھ ابوداؤد، ابن ماجہ میں موجود ہے۔

حدثنا ابن المثنه يحى ابن شعبان عن عبد الملك ابن عمر عن أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المستشار مؤتمن. (ابو داؤد، باب المشورة، النسخة الهندية ۲/۶۹۹، دار السلام رقم:۵۱۲۸، ابن ماجه، باب المستشار مؤتمن، النسخة الهندية ۲۵۸، دار السلام رقم: ۳۷۴۵، مسند دارمي، دار المغني بيروت ۳/ ۱۵۹۱، رقم:۲۴۹۳، سنن ترمذي،باب أن المستشار مؤتمن، النسخة الهندية۲/ ۱۰۹، دار السلام رقم: ۲۸۲۲)

(۲) عمل کیا جاسکتا ہے اور حدیث پاک میں حضور ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲/۲۴)

مشورہ کے بارے میں احادیث نبویہ

سوال [۱۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مشورہ کے بارے میں کوئی حدیث ہوتو بالتفصیل نقل فرمادیں کرم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشورہ کے سلسلہ میں لمبی لمبی احادیث شریفہ ہیں، آپ کے ارسال کردہ کارڈ میں نہیں آسکتیں؛ اس لئے حوالہ لکھا جارہا ہے۔

باب قول اللّٰہ وأمرہ شوری بینهم وشاورہ في الأمرو أن المشاورة قبل العزم والتبین لقوله تعالیٰ فإذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ فإذا عزم الرسول لم یکن لبشر التقدم علی اللّٰہ ورسوله وشاور النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم اصحابه یوم أحد في المقام والخروج. (بخاري شریف، کتاب الإعتصام، النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۹۵، ۲/ ۱۰۷۰، ترمذي شریف، کتاب الجهاد، النسخة الهندیة ۱۷/ ۲۰۴)

مختلف الفاظ کے ساتھ مشورہ کے مضمون کی حدیثیں مذکورہ بالا حوالہ میں تلاش فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۶/۲۴)

مشورہ سے متعلق حدیث

سوال [۱۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مشورہ والی حدیث کو بالتفصیل تحریر فرمائیں حوالہ صفحہ نمبر وآیت کے ساتھ؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشورہ کے سلسلے میں ۱۵/ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ میں آپ کے سوال کا جواب استفتاء ۹۱۶/۲۴ میں دیا جاچکا ہے، پھر ۲۹/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ میں استفتاء ۱۱۴۲/۲۴ میں ''المشورۃ أمانۃ'' والی عبارت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے معذرت

لکھ دی تھی؛ بلکہ المستشار مؤتمن والی عبارت ملی ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ کے حوالے سے جواب دیا جاچکا ہے، موجودہ سوال میں آپ نے صرف یہ سوال لکھا ہے کہ مشورہ والی حدیث کو بالتفصیل لکھا جائے، تو آپ کا مقصد اس سے کیا ہے؟ اگر نفس مشورہ کا ثبوت اور اس کی اہمیت والی حدیث مطلوب ہے، تو استفتاء ۲۴/۹۱۶ میں ۱۵/شوال ۱۴۰۸ھ میں اس کا جواب بخاری شریف، قبیل کتاب الرد علی الجہمیہ ۲/۲۹۵ کے حوالہ سے دیا گیا ہے، یہ حدیث شریف بخاری شریف میں ایک مکمل صفحہ پر ہے جواب فتوی میں اس طرح کی لمبی حدیث نقل کرنا مشکل ہے معلوم ہوا کہ آپ ماشاء اللہ شاہی کے فارغ ہیں آپ خود مذکورہ حوالے سے بخاری شریف دیکھ لیں۔ نیز ترمذی شریف کتاب الجہاد ۱/۲۰۴ بھی دیکھ لیں اور اگر مشورہ کی باتوں کو راز میں رکھنے والی حدیث شریف مطلوب ہے تو صحیح سند کے ساتھ استفتاء ۲۴/۱۱۴۲ میں لکھی جاچکی۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المستشار مؤتمن. (أبو داؤد، باب المشورة، النسخة الهندية ۲/۶۹۹، دار السلام رقم: ۵۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۶۰)

ایک واقعہ کی تحقیق

سوال [۱۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ ایک صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ حضور ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تم نے اللہ کو دیکھا ہے؟ تو جبرئیل نے جواب دیا نہیں اور جس وقت یہ بات ہو رہی تھی تو حضور ﷺ

پگڑی باندھ رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: آج جا کر دیکھنا؛ لہٰذا انہوں نے جانے کے بعد ایسا ہی کیا یعنی پردہ ہٹا کر دیکھا تو وہی دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ پگڑی باندھ رہے ہیں اوران کے کہنے کا منشاء یہ تھا کہ آپ ﷺ دنیا میں تشریف لانے سے پہلے اللہ تھے؛ کیونکہ جس طرح جبرئیلؑ نے دنیا میں دیکھا اسی طرح آسمان میں دیکھا، جواب دیں حق بات کیا ہے؟ قائل کی بات صحیح ہے یا غلط ہے؟

المستفتی: محمد اسحاق، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور نہ کسی معتبر کتاب میں موجود ہے یہ لوگوں کی من گھڑت بات ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۰ھ

اکثر لوگ اور ایک چوتھائی لوگ ایماندار ہیں حدیث ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بنام زید حضور ﷺ کے زمانے کی تاریخ؛ بلکہ حضور ﷺ کی حدیث سمجھ کر یہ بات بیان کرتا ہے، کہ حضور کے پاس تین آدمی آئے اور تینوں نے اپنا اپنا بیان ایک دوسرے کے خلاف دیا، یعنی یوں کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اکثر لوگ ایماندار ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تو نے سچ کہا، دوسرے نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ آٹھ آنے بھر لوگ ایماندار ہیں، تیسرے نے کہا کہ چار آنے بھر ایماندار ہیں اور آپ نے تینوں کی باتوں پر صَدَقْتَ فرمایا: اور آپ کے صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر آپ نے جواب دیا کہ تینوں نے اپنے اپنے دل کی کیفیت کو بیان کیا ہے؛ اس لئے میں نے ان کی تصدیق کی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمر زید پر فتوی لگاتا ہے کہ زید نے کفر کیا ہے اور اس کے پیچھے نماز درست نہیں؛ جبکہ حدیث کی تحقیق یا حوالہ دونوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں کیا عمر کا فیصلہ زید کے حق میں ٹھیک ہے؟؛ جبکہ زید کو اس بات کی ضد نہیں ہے؛ بلکہ اس نے اس حدیث کو کسی سے سنا ہے، اتفاق سے اس نے بھی بیان کر دیا تو کیا وہ کافر ہو گیا؟ جواب تحریر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد ناظر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث احقر کی نظر سے نہیں گذری؛ لیکن یہ موجب کفر نہیں ہے کسی مسلمان کو کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے؛ بلکہ عندالموت ایمان سے محروم ہونے کا بھی سخت خطرہ ہے۔

من رضي بكفر غيره (الى قوله) يتمني أن يسلب الله عنه الإيمان حين ينتقمه منه على ظلمه وايذائه الخ (شرح فقه اكبر، اشرفي بكڈپو ديوبند ٥٠)

عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لايرمي رجل رجلا بالفسوق ولايرميه بالكفر الاارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك. (صحيح البخاري، باب ماينهي من السباب واللعن، النسخة الهندية ٢/٨٩٣، ف: ٥٨١٠، رقم: ٦٠٤٥، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٩/٣٥٤، رقم: ٣٩١٩)

عن عبد الله بن دينار أنه سمع ابن عمر يقول: قال رسول الله عليه وسلم: أيما امرئ قال لأخيه: يا كافر، فقد باء بها أحدهما، إن كان كما قال وإلا رجعت عليه. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال ايمان من قال لاخيه يا كافر، النسخة الهندية ١/٥٧، دار السلام رقم: ٦٠، مسند أبي داؤد الطيالسي ٣/٣٧٥، رقم:١٩٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۳۵)

بلوغ کے بعد والدین شادی نہ کریں تو ہر حیض پر نبی کے قتل کا گناہ ہوگا؟

سوال [۱۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کی لڑکی بالغ ہوچکی ہے، حد بلوغ میں پہونچ چکی ہے، ماں باپ اس کی شادی کے لئے کوشش نہیں کرتے تو لڑکی کی جتنی ماہواری آتی ہے، ایک ایک نبی کے قتل کا گناہ ماں باپ کے حصہ میں لکھا جارہا ہے، نبی کے قتل کا گناہ لعنتوں کی بارش ہوتی ہے۔(خطبات دین پوری خطیب علامہ عبدالشکورؒ ۲/۱۳۴)

المستفتی: مشیراحمد تجویدالقرآن لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبات دین پوری کے نام سے کتاب دستیاب نہ ہوسکی اس لئے اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہے، اب رہی اس کے حوالہ سے لکھی گئی حدیث کا مضمون تو ایسے مضمون کی کوئی حدیث حدیث شریف کی کتاب میں احقر کی نظر سے نہیں گذری؛ ہاں البتہ اس طرح کا مضمون حدیث میں موجود ہے کہ بالغ ہونے کے بعد شادی کے لائق ہونے کے باجود ماں باپ اولاد کی شادی نہیں کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اولاد بدکاری کی معصیت میں مبتلا ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں اولاد کی معصیت میں ماں باپ بھی شریک ہوجائیں گے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عمر بن الخطاب وأنس بن مالکؓ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیتزوجہ، فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثما فإنما إثمہ علی أبیہ. (شعب الإیمان، باب في حقوق الأولاد و الأھلین ٦/ ٤٠١، رقم: ٨٦٦٦، مشکاۃ شریف ١/ ٢٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۲۸/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۷ھ

کیا بے نمازی عورت چار آدمیوں کو جہنم میں لے جائے گی؟

سوال [۱۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس بات کی تحقیق مقصود ہے کہ بہت مشہور ہے کہ ایک غیر نمازی عورت چار آدمیوں کو جہنم میں لے جائے گی۔ (۱) اپنے باپ (۲) اپنے شوہر (۳) اپنے بھائی (۴) اپنے بیٹے کو حضور والا سے اس بات کی تحقیق مطلوب ہے کیا اس قسم کی کوئی حدیث ہے یا کہ یہ مشہور ہی ہے، کوئی حدیث نہیں ہے؟ اگر حدیث ہے تو قوی درجہ کی یا ضعیف درجہ کی ہے تو کیا اس کو بطور ترغیب کے وعظ وتقریروں میں بیان کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: ثناء اللہ پرتاب گڈھی، متعلم دار العلوم اسلامیہ بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث احقر کی نظر سے نہیں گذری نہ صحیح حدیث شریف اور نہ ہی ضعیف۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۹)

کیا تاش کھیلنا ستر بار کعبۃ اللہ کو ڈھانا اور ستر مرتبہ ماں سے زنا کرنا جیسا ہے؟

سوال [۱۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حافظ قرآن ہیں اور امامت بھی فرماتے ہیں دوران تقریر جمعہ میں زید نے کہا صرف تاش کھیلنا بغیر شرط کے جوا نہیں ہے، یعنی صرف تاش کھیلنا ایسا ہے کہ جس نے تاش کھیلا اس نے ستر بار کعبۃ اللہ کو ڈھایا اور ستر بار ماں سے زنا کیا دریافت طلب بات یہ ہے کہ زید نے جو کہا کہاں تک درست ہے آیا ایسا کہیں روایات میں ہے یا نہیں، ہے تو کہاں ہے

اور اگر نہیں ہے تو زید نے جو تاش کے متعلق کہا ہے؛ اس کے لئے کیا حکم ہے کیا وہ تائب ہوگا یا نہیں؟ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا خورشید انور، عمر کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تاش کھیلنے کے متعلق ایسی کوئی روایت احقر کی نگاہ سے نہیں گذری، جس میں کعبۃ اللہ ڈھانے اور ماں سے ستر بار زنا کے برابر ہونے کا ذکر ہو؛ البتہ تاش کھیلنا بہر حال برا فعل ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

كره تحريما اللعب بالنرد والشطرنج، وهذا إذا لم يقامر ولم يداوم ولم يخل بواجب وإلا فحرام بالإجماع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/٣٩٥، زكريا ٩/٥٦٥، مجمع الانهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٢٢، البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه كوئٹه ٨/٢٠٧، زكريا ٨/٣٧٠-٣٦٩)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل شئ من لهو الدنيا باطل إلاثلاث. (معجم الأوسط، دار الفكر بيروت ٤/٨٩، رقم:٥٣٠٩، المستدرك، كتاب الجهاد، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٣/٩٢٩، رقم:٢٤٦٨، سنن سعيد بن منصور، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٢٠٧، رقم: ٢٤٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۷۰/۳۲)

تمام گناہ معاف کرانے والی نماز

سوال [۱۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الوداع کے دن جامع مسجد کے امام صاحب نے اپنی تقریر کے دوران بتایا کہ

عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ لیلۃ القدر میں دو رکعت نماز اس طریقہ سے ادا کرنا کہ سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے تو اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں بعد نماز جمعہ امام صاحب سے دریافت کیا کہ لیلۃ القدر کی نماز کے بارے میں جو آپ نے عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے بتلایا وہ کس کتاب میں ہے،تو بتلایا کہ وہ ''درۃ الناصحین''جس میں قرۃ العین کا ترجمہ ہے اس کے اندر موجود ہے،کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: اسرارالحق،کشن گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث شریف صحیح روایات سے معتبر کتابوں میں ہماری نظر سے نہیں گذری اور جس کتاب کا سوال نامہ میں حوالہ ہے وہ حدیث کی کتاب نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/جمادی الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۹ھ

جزامی سے بات کرتے وقت دستی پنکھے سے آڑ کرنا

سوال[۱۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلم جزامی کے کفن دفن اور غسل کا کیا نظم ہونا چاہئے؟ زید کا قول کہ حضور ﷺ نے فرمایا جزامی سے گفتگو کرتے وقت دستی پنکھے سے آڑ کرلی جائے،صحیح ہے یا غلط؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ظفیر احمد شاہ آباد رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث صحیح احقر کی نظر سے نہیں

گزری؛ بلکہ ایسی روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزامی کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلایا ہے۔

عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيد مجذوم فأدخله معه في القصعة، ثم قال: كل بسم الله ثقة بالله وتوكلا عليه. (سنن ترمذی، باب ما جاء في التأكل مع المجذوم، النسخة الهندية ۲/ ٤، دار السلام رقم: ۱۸۱۷)

لہٰذا بلاشبہ جذامی کا اللہ پر توکل کر کے کفن وغسل وغیرہ دیا جانا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۸ھ

جنبی کا غسل کے ذریعہ پاک ہونے سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب ایک حدیث کا مفہوم بتا رہے تھے کہ جب تک جنبی غسل کر کے پاک نہ ہو جائے؛ تب تک زمین وآسمان ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے کے لئے باری تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: ایس اے الاعظمی پوسٹ بکس: RIFFA ۲۸۲۰۲ بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذخیرہ حدیث میں ایسی کوئی صحیح حدیث نظر سے نہیں گزری جس میں اس کا ذکر ہو کہ جنبی جب تک غسل نہ کرے آسمان وزمین ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے کے لئے اللہ سے التجا کرتے ہوں؛ ہاں البتہ اتنا ہے کہ جس گھر میں جنبی ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں، اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ جب غسل جنابت میں اتنی تاخیر کرے کہ ایک وقت کی نماز فوت ہو جائے، اور اگر اس طرح تاخیر کرے کہ جس سے کوئی نماز فوت نہ ہو تو ممنوع نہیں ہے اور حدیث میں اس کی اجازت آئی ہے۔

عن عائشۃؓ قالت: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یجنب، ثم ینام ولا یمس ماء حتی یقوم بعد ذٰلک فیغتسل. (طحاوی، باب الجنب یرید النوم، أوالأکل، أو الشرب، أو الجماع ۱/۷۴، رقم: ۷۵۹، مسند احمد بن حنبل ۶/۴۳، رقم: ۲۴۶۶۲، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب فی الجنب ینام کھیئتہ لا یمس ماء، النسخۃ الہندیۃ ۱/۴۳، دار السلام رقم: ۵۸۱)

الذی اعتاد ترک الغسل تھاونا حتی یمر علیہ وقت صلوٰۃ، فإنہ مستخفٍ بالشرع لا أیّ جنب کان فإنہ ثبت أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یطوف علی نسائہ بغسل واحد و کان ینام باللیل وھو جنب. (مرقات، کتاب الطہارۃ، باب الغسل بیان لاتدخل الملائکۃ بیتاً فیہ صورۃ ولا کلب الخ ۱/۳۳۵، مکتبۃ امدادیہ ملتان، ۲/۴۷، فیض التقدیر ۲/۳۹۵، رقم: ۲۱۲۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۸۵)

حضور ﷺ پر عورت کوڑا ڈالتی تھی اس حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس حدیث کا کوئی ثبوت ہے کہ حضور ﷺ پر ایک عورت کوڑا ڈالا کرتی تھی، جب وہ عورت بیمار ہوئی تو آپ ﷺ اس کو دیکھنے کے لئے اس کے مکان پر گئے اس حدیث کا حوالہ درکار ہے، اسی طرح ایک بڑھیا نامہ کتاب ہے اس میں بھی حضور ﷺ کا قصہ لکھا ہے اس قصہ کی سند وصحت بیان فرمائیں؟

المستفتی: محمد اشرف قاسمی مدرس عربی کالج بنگلور کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس حدیث کا حوالہ احقر کو کسی بھی معتبر کتاب میں

نہیں مل سکا اسی طرح بڑھیا نامہ کتاب بھی معتبر نہیں اور اس کے واقعات بھی معتبر کتابوں میں نہیں ملتے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۴۵/۳۱)

کیا حضرت بلالؓ کے سیاہ پن کا ٹیکہ جنتیوں کو لگایا جائے گا؟

سوال [۱۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت بلالؓ کے سیاہ پن اور کالے پن کے ذریعہ تمام جنتی لوگوں کو ٹیکا لگایا جائے گا، یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت بلالؓ کے سیاہ پن کا ٹیکا حوروں یا جنتی لوگوں کو لگائے جانے سے متعلق کوئی روایت معتبر کتابوں میں ہم کو نہیں ملی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۰۵/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۶/۱۴۲۰ھ

حیاۃ الحیوان کی ایک حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علامہ دمیری کی کتاب حیاۃ الحیوان ص: ۳۷۹، پر لکھا ہے کہ کامل میں عبداللہ بن نافع موسیٰ بن عمر حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ

مرغوں کو بکروں کو اور گھوڑوں کو خصی مت کرو؛ جبکہ آج کل ۹۵ پرسنٹ خصی بکرے ہی کے گوشت کو پسند کرتے ہیں، اور بغیر خصی کو بہت کم، آخر کیا وجہ ہے؟

المستفتی: محمد عمیم لکھیم پور مدرسہ اسلامیہ قصبہ ککرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغا، بکرے کی ممانعت کی حدیث نہیں ملی؛ البتہ بکرے کے خصی کرنے اور خصی شدہ بکرے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے اور خصی جانور کو قربانی کے لئے بھی زیادہ پسند فرماتے تھے۔

ذبح النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجوئین. (سنن ابی دائود، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندية ٢/٣٨٦، دار السلام رقم: ٢٧٩٥، سنن ابن ماجه، ابواب الاضاحی، با ب أضاحی رسول الله، النسخة الهندية۲ص ٢٢٥، دار السلام رقم: ٣١٢٢، مشکوٰة ص: ١/١٢٨)

نیز فقہاء نے بھی جائز لکھا ہے، **ولا بأس باخصاء البهائم.** (هداية ٤/٢٧٤، کتاب الكراهية، اشرفي ديوبند ٤/٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۷۰/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۹ھ

ایک حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کھانے میں (خنزیر) سور منہ ڈال جائے؛ تو اس کے تین حصہ دفنا دیں باقی کھانا کھالیا جائے، اگر کتا کھانے میں منہ ڈال جائے؛ تو آدھا (نصف) حصہ دفنا دیں، باقی کھانا کھالیں، اگر بے نمازی کھانے کو چھولے تو اس پورے کھانے کو دفنا دیں، یہ کس حدیث

سے ثابت ہے، اور حوالہ نمبر کیا ہے، شریعت کا حکم کیا ہے، تفصیل کے ساتھ لکھیں؟

المستفتی: محمد جاوید، چاند پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث احقر کی نظر سے نہیں گزری۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۱/۲۳)

کیا درود پڑھنے والے کی سانس سے بادل اور بادل کے ہر قطرہ سے سونا پیدا ہوتا ہے؟

سوال [۱۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت انس ایک قول رسول اکرم ﷺ کا پیش کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے؛ تو اس درود پڑھنے والے کی سانس سے اللہ تعالیٰ سفید بادل پیدا کر کے اسے برسنے کا حکم دیتا ہے، جب اس بادل کا پانی زمین پر آ کر گر جاتا ہے؛ تو اس سے سونا پیدا ہوتا ہے، اس کے ہر قطرہ سے پہاڑوں میں چاندی پیدا ہوتی ہے، اگر اس بادل کا پانی کسی کافر پر پڑ جائے؛ تو اس کی برکت سے وہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ مکاشفۃ القلوب مصنف حجۃ الاسلام امام غزالی، ص: ۹۸، مطبوعہ لاہور پاکستان معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا کتب حدیث میں یہ روایت کہیں آئی ہے۔

المستفتی: محمد وکیل احمد مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح کوئی حدیث شریف کتب حدیث میں کہیں بھی احقر کی نظر سے نہیں گزری، باوجود سعی بلیغ کے دستیاب نہ ہوئی؛ ہاں البتہ مضمون

حدیث خود موضوع ہونے پر دال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۴/۱۶۷۴)

عہد نامہ میں بیان کردہ فضیلت کا ثبوت

سوال [۱۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض کتابوں میں عہد نامہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کا ثبوت حدیث کی کسی صحیح یا ضعیف کتاب میں ہے یا نہیں؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو عہد نامہ کے نام سے عوام میں مشہور ہے، اس میں جو دعائیہ کلمات مذکور ہیں، وہ فی نفسہ قرآن وحدیث کے منقول دعاؤں کے الفاظ ہیں؛ اس لئے ان الفاظ کے ساتھ دعا پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ مگر اس کے ساتھ جو حضرت جابر، حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرکے حضور اکرم ﷺ سے فضیلتوں کا ذکر ہے کسی بھی صحیح حدیث میں وہ فضیلتیں مذکور نہیں ہیں؛ اس لئے عہد نامہ کے ساتھ جو فضیلتیں لکھی گئی ہیں، ان کو اس زور وشور کے ساتھ بیان کرنے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی؛ نیز کسی ضعیف روایت میں بھی وہ فضیلتیں ہماری نظر سے نہیں گزری ہیں۔

ھٰذا من عندی ویؤیدہ ما فی الفتاویٰ الرشیدیۃ، ص: ۲۵۶. فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۶/۱۴۲۰ھ

فرائض پنجگانہ کے ترک کے گناہ سے متعلق حدیث

سوال [۱۱۹۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ درج ذیل اقتباسات قرآن وحدیث سے منقول ہیں یانہیں ان کے حوالے تحریر فرمادیں، نوازش ہوگی۔

فجر: جوشخص جان بوجھ کر فجر کی نماز چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کے چہرے سے صبح کا نور ہٹادیا جاتا ہے۔

ظہر: جوشخص ظہر کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کے رزق میں سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔

عصر: جوشخص عصر کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ اس کے جسم کی طاقت کوسلب کرلیا جاتا ہے اور وہ ہر وقت بیمار رہتا ہے۔

مغرب: جوشخص مغرب کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کی اولاد نافرمان ہوجاتی ہے۔

عشاء: جوشخص عشاء کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کو چین وسکون کی نیند نہیں آتی ہے۔

المستفتی: عبدالرشید سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچوں وقت کی نمازوں کے ترک کرنے والے کے نقصانات سے متعلق جو سوالنامہ میں ذکر کیا ہے، قرآن مقدس میں یا کسی صحیح حدیث شریف میں وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں تلاش بسیار کے باوجود ہماری نظر سے نہیں گزریں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۳۳/۴۰)

قیامت میں بےنمازیوں کوخنزیر بنادئے جانے والی حدیث کی تحقیق

سوال [۱۱۹۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قیامت کے دن بعض آدمیوں کی شکل کو بدل کرخنزیر کی شکل کا بنا دیا جائے گا، لوگ پوچھیں گے الٰہی آدمیوں کے اور جنات کے علاوہ سبھی جانورتو مٹی بنا دئے گئے یہ خنزیر کہاں سے آ گئے، جواب ملے گا یہ بےنمازی ہیں دنیا میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے؛ اس لئے خداوندکریم ان کی شکل کو بدل کرخنزیر کی شکل بنا دے گا۔ کیا یہ حدیث ہے؟

المستفتی: فضل الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی صریح حدیث ہمارے علم میں نہیں ہے جس میں بےنمازی کوخنزیر کی طرح بنا دینے کی وضاحت ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۳۰ھ

فاتحہ سے متعلق موضوع روایت

سوال [۱۱۹۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ملا علی قاری فتاوی الاوزجندی میں نقل فرماتے ہیں:

کان یوم الثالث من وفات ابراهیم ابن محمد صلی اللہ علیه وسلم جاء أبوذر عند النبي بتمرة یابسة، ولبن فیه خبز من شعر، فوضعها عند النبي صلی اللہ علیه وسلم، فقرء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الفاتحة، وسورة الإخلاص ثلث مراة إلي أن قال: رفع یدیه للدعاء ومسح بوجهه فأمر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أباذر أن یقسمها بین الناس“

استفتاء ہذا کے ذریعہ معلوم یہ کرنا ہے، یہ جو روایت ہے، اس کی اسناد قوی ہے یاضعیف؟ حضرت ملاعلی قاری قدس سرہ کے علاوہ بھی کسی محدث نے اس روایت کونقل کیا ہے یانہیں؟ ارشاد فرماکر شکریہ کاموقع دیں۔

المستفتی: انتخاب عارف صدیقی قادری، امروہہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت ملاعلی قاریؒ کی کوئی کتاب فتوی آذرجندی یاالاوزجندی کے نام سے نہیں ہے اور مذکورہ روایت حدیث کی کسی بھی معتبر کتاب میں موجودنہیں ہے، کسی واضع حدیث نے جھوٹ اور من گھڑت روایت بنا کر حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے، ایسا شخص ملعون ہے، جس نے فخر عالم سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی حدیث گھڑ کر تہمت لگائی ہے، حضرت شاہ اسحاق محدث دہلویؒ کے شاگردوں کے زمانہ میں یہ مسئلہ اٹھا ہے اور انہی الفاظ کے ساتھ حدیث کے نام سے اس عبارت کولوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا؛ چنانچہ اس زمانہ کے علماء اور مفتیان کرام سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیے گئے اور ان حضرات نے اس کے جوابات دیئے، ۱۲۶۱ھ سے ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۷/ تک ۳۲/ علماء کرام کے دستخطوں کے ساتھ اس روایت پر علماء کی تردید موجود ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۲۰ھ

(۱۰) باب الوعظ والنصیحة

عشاء کے بعد سیرت پاک کا جلسہ منعقد کرنے کا شرعی حکم

سوال[۱۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ربیع الاول کے دس دن میں اگر مساجد کے اندر آپ ﷺ کی سیرت پر نسب اور بچپن سے وفات تک خطباتی پروگرام کا سلسلہ شروع کیا جائے تو کیسا ہے؟ اور اس کی مخالفت وتنقید کرنا کیسا ہے؟ جبکہ بدعتی ان ایام میں طرح طرح کی بدعات کو انجام دیتے ہیں۔

المستفتی: ماسٹر عبد الحق، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بدعات کو مٹانے کی غرض سے ان ایام میں اس طرح سے سیرت پاک کا پروگرام کرنا بہتر اور مناسب ہے، اس کی مخالفت خواہ مخواہ کی تنقید ہے اور سیرت پاک کے ضمن میں اس بات کو بھی واضح کر دینا چاہئے کہ بارہ ربیع الاول آپ ﷺ کا یوم ولادت حتمی نہیں ہے؛ بلکہ یقینی طور پر یوم وفات ہے اور یوم وفات غم منانے کا دن ہوتا ہے خوشیاں منانے کا دن نہیں اور سیرت پاک کا پروگرام سال کے دیگر ایام میں بھی کرتے رہنا چاہئے۔

عن الحسن بن عليؓ، قال: سألت خالي هند بن أبي هالة، وكان وصافا عن حلية رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأنا أشتهي أن يصف إلى شيئا أتعلق به، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، فخما مفخّما يتلألؤ وجهه تلألؤا القمر. الحديث (شمائل ترمذي ۲، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۲۲/۱۵۵، رقم:۴۱۴، شعب الإيمان، باب في خلقه صلى الله عليه وسلم في خلفه وخُلقه ۲/۱۵۴، رقم: ۱۴۳۰، دار الكتب العلمية)

قال الشاعر: وذكرك للمشتاق خير شراب، وكل شراب دونه كسراب. (امداد الفتاوی، کتاب البدعات ۵/ ۲۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۰/۴۰)

رات میں کتنی دیر جلسے کئے جاسکتے ہیں؟

سوال [۱۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رات کو کتنی دیر تک جلسے جلوس کئے جاسکتے ہیں، کیا زمانہ نبوت میں اس طرح کے جلسے جلوس ہوتے تھے اور یہ بھی واضح فرمادیں کہ آپ ﷺ کی تقریر شب میں زیادہ سے زیادہ کتنی لمبی ہوتی تھی؟

(۲) مساجد کی تعمیر کے مقاصد تحریر کرنے کے بعد یہ بات خاص طور پر تحریر فرمائیں کہ مساجد میں اس طرح کے پروگرام کرنا جس میں تمثیلیہ مکالمے بھی پیش کئے جاتے ہیں، مختلف طرح کی شکلیں اختیار کی جاتی ہیں، تو اس طرح کے ڈرامے کرنا مساجد میں کیسا ہے اور اس طرح کے پروگرام کی فلم بنانا اور اس فلم کو دیکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبداللہ مقصود پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حدیث میں آیا ہے کہ رات میں عشاء کے بعد دنیاوی باتوں میں مشغول ہونا منع ہے؛ لیکن دینی پروگرام اور دینی کتابوں کی درس وتدریس اور دینی کتابوں کا مطالعہ بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ لہٰذا اگر مسجد میں کوئی دینی جلسہ ہو رہا ہے، تو اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ سب لوگ معمول کے مطابق فجر کی نماز باجماعت ادا کرسکیں اور آپ نے سوال

نامہ میں یہ بھی پوچھا ہے کہ آپ ﷺ کی تقریر شب میں زیادہ سے زیادہ کب تک ہوئی ہے، اس کی صاف وضاحت حدیث میں نہیں ملتی ہے؛ ہاں البتہ بعض دفعہ آپ ﷺ کی مجلس عشاء کے بعد لمبی ہوجاتی تھی جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ ہے اور بعض دفعہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کافی تاخیر سے پڑھائی ہے اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر امت کی دشواری میں پڑنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز اسی وقت پڑھایا کرتا، ہاں البتہ حضور ﷺ کی طرف سے عشاء کے بعد دینی گفتگو کی اجازت ثابت ہے اور دنیاوی قصہ کہانی میں پڑنے کی ممانعت ثابت ہے، مساجد میں حضور ﷺ کے زمانہ میں سارے دینی کام ہوتے تھے اور مسجد نبوی میں فیصلے بھی ہوتے تھے؛ البتہ یہ بات معقول ہے کہ مسجد کے اندر ڈرامے کے انداز میں کوئی پروگرام نہیں ہونا چاہئے، جس سے مسجد کی بے حرمتی کا خطرہ ہو اور مسجد کے اندر فلم بنانا قطعاً درست نہیں ہے۔

إن السمر المنهى عنه إنما هو فيها لايكون من الخير، وأما السمر بالخير فليس بمنهي؛ بل هو مرغوب. (عمدة القاري، كتاب العلم، باب السمر في العلم، مكتبه درالأحياء التراث العربي بيروت ۲/۱۷۵، زكريا۲/۲٤۷، العرف الشذيعلى هامش الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الرضعته في السمر بعد العشاء۱/٤٤)

ومما يستنبط من هذا الحديث والذي قبله: أن السمر المنهى عنه بعد العشاء إنما هو فيما لاينبغي، وكان ابن سيرين والقاسم وأصحابه يتحدثون بعد العشاء، يعني في الخير وقال مجاهد: يكره السمر بعد العشاء إلا لمصل، أومسافر، أو دارس علم. (عمدة القاري، كتاب الصلاة، قبيل باب السمر مع الضيف والأهل، مكتبه دار الأحياء التراث العربي بيروت٥/۹۷، زكريا ٤/۱۳۷)

قال مسروق: سمعت عبد الله بن مسعودؓ، يقول: قال رسول لله صلى الله عليه وسلم: أشد الناس عذابًا يوم القيامة المصورون. (مسلم شريف ۲/۲۰۱)

الجلوس في المسجد للحديث لايباح بالاتفاق؛ لأن المسجد مابني

لأمور الدنيا. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١ جديده/ ٣٧٢)

والكلام المباح: وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله. (تحته في الشامية) فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق، لأن المسجد مابني لأمور الدنيا-إلى-أما المباح فلا. قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعا، لأن أهل الصفة كانوا يلازمون المسجد وكانوا ينامون، ويتحدثون؛ ولهذا لايحل لأحد منعه. (شامي كراچي ١/ ٦٦٢، زكريا ٢/ ٤٣٦، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد)

وقال ابن عابدين في تعليقه على قول الجلابي، فقد أفاد أن المنع خاص بالمنكر من القول أما المباح فلا. (الموسوعة الفقهية الكويتيه٣٧/ ٢٠٧)

ولو أراد أن يقعد في المسجد لالغرض صحيح يكره لقوله صلى الله عليه وسلم: إنما بنيت المساجد لذكر الله. (اعلام المساجد بأحكام لساجد/ ٣٠٢)

عن سليمان بن بريدة عن أبيه......فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لاوجدت إنما بنيت المساجد لما بنيت له، قال النووي: معناه لذكر الله تعالى والصلاة، والعلم والمذاكرة في الخير ونحوها. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن نشد الضالة في المسجد ومايقوله من سمع الناشد، النسخة الهندية١/ ٢١٠، بيت الأفكار رقم: ٥٦٩) ***فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم***

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ / رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۸۳/۳۸)

پروگرام کے موقع پر اجتماعی درود پڑھنے کا شرعی حکم

سوال[۱۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کسی پروگرام کے موقع پر اجتماعا درج ذیل درود پاک پڑھنے کا عام رواج ہے **صلی علی حبیبنا صلی علی محمد صلی علی شفیعنا صلی علی محمد صلی علی رسولنا صلی علی محمد الخ** جب کسی سے وجہ معلوم کی جاتی ہے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنا تو حدیث سے ثابت ہے؛ البتہ بریلوی حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں ہم بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اجتماعا اس طرح زور زور سے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اتفاقا کبھی پڑھا جائے تو کیا حکم رکھتا ہے واضح فرمائیں؟

المستفتی: عبداللہ دیوریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: درود پاک کا انفرادی طور پر ہر مسلمان کی زندگی میں وظیفہ کے طور پر معمول رہنا مطلوب شرعی ہے اور کثرت کے ساتھ درود پاک کا نذرانہ بارگاہ رسالت میں پیش کرتے رہنا مطلوب اور خوش نصیبی کی بات ہے؛ لیکن چند آدمیوں کا ایک ساتھ بیٹھ کر زور زور سے درود پاک پڑھنا موجب بدعت ہے؛ ہاں البتہ دینی جلسوں اور اجتماعات کے موقع پر چونکہ بار بار آپ ﷺ کا نام مبارک آتا رہتا ہے، بہت سے لوگ غفلت میں ایسا کرتے ہیں کہ نام مبارک سننے کے بعد ایک مرتبہ بھی درود شریف کا نذرانہ پیش نہیں کرتے؛ حالانکہ ایک مجلس میں بار بار نام مبارک آتا رہے، تو کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے؛ اس لئے اجتماعات اور جلسوں کے دوران خطیب درمیان میں لوگوں کو درود پاک پیش کرنے کی توجہ دلائے اور خود بھی ایک دفعہ زور سے پڑھ کر سنائے؛ تاکہ سب

لوگ کم از کم ایک مرتبہ پڑھ ہی لیں، تو ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ مستحسن ہے؛ لیکن اس سے یہ مطلب ہرگز نہ نکالا جائے کہ درود پاک کا وظیفہ متعدد افراد کا ایک ساتھ بیٹھ کر زور زور سے پڑھنا بھی مستحسن ہو، نیز لوگوں کے بنائے ہوئے درود شریف کے مقابلہ میں حدیث پاک میں منقول درود شریف پڑھنا زیادہ افضل ہے اور ان میں بھی درود ابراہیمی زیادہ افضل ہے اور سوال نامہ میں درج کردہ درود شریف حدیث وفقہ سے منقول نہیں ہے۔

وهي فرض مرة واحدة في العمر واختلف الطحاوي، والكرخي في وجوبها على السامع والذاكر كلما ذكر، والمختار تكراره كلما ذكر والمذهب استحباب التكرار وعليه الفتوى. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في وجوب الصلاة عليه كما ذكر عليه الصلاة والسلام، زكريا ۲/۲۲۷تا ۲۲۹، كراچي ۱/۵۱٦)

واختار الكرخي استحباب التكرار ورجحه شمس الأئمة السرخسي، وقد رجح في قول الطحطاوي: بأنه مخالف للإجماع ثم نقل الإجماع على الاستحباب ترجح (البحر) ورجحه شمس الأئمة قال في النهر قال السرخسي وهو المختار للفتوي وجعله في المجمع قول عامة العلماء والله الموفق. (منحة الخالق على البحر الرائق،كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطبع زكريا ۱/۵۷۲، كوئٹه ۱/۳۲۷)

قال ابن العربي في شرح الترمذي: لا خلاف بين الأئمة أن الصلاة على محمد فرض في العمر (إلى قوله) والمذهب استحباب التكرار وعليه الفتوى. (اوجز المسالك، كتاب قصير الصلاة في السفر، باب ماجاء في الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم قديم ۲/۱٦۲، دار القلم جديد ۳/۴۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸٦۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/٦/۱۹ھ

جلسہ میں شریک نہ ہوکر صرف دعاء میں شرکت کرنا

سوال [۱۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی دینی مجلس میں تو شریک نہ ہوں اور اس کی دعا جو خاتمہ پر ہورہی ہو اس میں شریک ہونا کیسا ہے، یعنی کسی جگہ اجتماع یا ختم قرآن کی جو مجالس ہوتی ہیں، ان میں شروع سے شریک نہ ہوکر صرف دعا میں شریک ہوں اور اس شریک ہونے کو بہت بڑا اجر وثواب سمجھیں یہ شریعت اسلامیہ میں کیسا ہے، یا دعاؤں میں شریک ہونے کے لئے سفر کریں تو کیا حکم ہے، یہودیت اور عیسائیت میں دعاؤں میں بھی شریک ہونے کو عبادت سمجھا جاتا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ایم اسلام خان ماسٹر، جنرل اسٹور سرائے خیر نگر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی بالکل اخیر میں شرکت کرتا ہے وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ شامل ہوجائے گا، اس میں یہودیت اور عیسائیت کی مشابہت نہیں؛ البتہ دعائیں آدمی کے حالات، توجہ، یقین اور رغبت کے اعتبار سے قبول ہوتی ہیں دعاؤں میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

عن أنسؓ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إذا دعا أحدکم فلیعزم في الدعاء، ولایقل: اللّٰهم إن شئت فأعطني، فإن اللہ لامستکره له.

(صحیح مسلم، باب العزم بالدعاء ولا یقل إن شئت، النسخة الهندیة ۲/ ۳۴۲، بیت الأفکار رقم: ۲۶۷۸، الأدب المفرد ۳۱۳، رقم:۶۰۸، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم بیروت ۱۳/ ۵۴، رقم:۶۳۷۶)

عن أبي هریرة رضي اللہ عنه، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: أدعوا اللہ وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن اللہ لایستجیب دعاء من قلب غافل لاه. (سنن الترمذي، کتاب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندیة

۱۸٦/۲، دار السلام رقم: ۳٤۷۹، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ٤/ ۳۲، رقم: ۵۱۰۹، المستدرك، كتاب الذكر و الدعاء، قديم ۱/ ٦۷۰، جديد مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ۲/ ٦۹٤، رقم: ۱۸۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۳۳ ۵۴۷)

مسجد میں جلسہ کے دوران منبر پر بیٹھ کر بیان کرنا

سوال [۱۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں جلسہ ہورہا ہے تو اس جلسہ میں خطیب صاحب کا مسجد کے منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں جلسہ کے دوران خطیب کا مسجد کے منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا جائز اور درست ہے، اسی طرح کرسی پر بیٹھ کر تقریر کرنا بھی جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۳/ ۲۷۹، قدیم ۳/ ۲۱۸، جدید زکریا مطول ۵/ ۲۳۳، مرغوب الفتاوی ۱۲۴، محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۲۷۸، میرٹھ ۲۲/ ۶۲ ۳)

عن سالم عن أبيهؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يخطب على المنبر. الحديث (صحيح البخاري، كتاب الحجة، باب الخطبة على المنبر ۱/ ۲۵، رقم: ۹۰۹، ف: ۹۱۹)

عن ابن عباسؓ، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم: يخطب على المنبر الحديث (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب كيف الحشر، النسخة الهندية ۲/ ۹٦٦، رقم: ٦۲۷٦، ف ٦۵۲۵)

عن أنس بن مالکؓ، قال: أصابت الناس سنة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم: یخطب الناس علی المنبر یوم الجمعة الحدیث (صحیح مسلم، کتاب الصلاة الاستسقاء باب الدعاء في الاستسقاء، النسخة الهندیة ۲/۲۹٤، بیت الأفکار رقم:۸۹۷)

عن عباسؓ بن سهل بن سعدؓ عن أبیه أن النبي صلی الله علیه وسلم کان یستند إلی جذع فلما کثر الناس قال: إن الناس قد کثروا فلو کان منبر أقعد علیه. (المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي بیروت ٦/۱۲۸، رقم:۵۷۳۲)

عن سماک بن حرب عن جابر بن سمرةؓ، قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یخطب علی المنبر، ثم یجلس فیخطب فیجلس بین الخطبتین. (صحیح ابن حبان، دار الفکر ٤/۲۰۳، رقم:۲۷۹۲)

عن جابر بن سمرةؓ، قال: کانت للنبي صلی الله علیه وسلم خطبتان یجلس بینهما یقرأ القرآن ویذکر الناس. (مسلم شریف، ۱/۲۸۳، بیت الأفکار رقم: ۸٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

اذانِ فجر کے بعد تقریر کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے چند دنوں سے ایک نیا طریقہ یہ ایجاد کیا ہے کہ فجر کی اذان کے بعد بذریعہ مائک تقریر کرتے ہیں؛ جبکہ دوسری طرف مندر میں شور ہوتا ہے اور جماعت سے دو تین منٹ پہلے تقریر بند کر دیتے ہیں؛ جبکہ اذان کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت محسوس

نہیں ہوتی اور چیز سے اذان کی اہمیت کا ختم ہونا معلوم ہوتا ہے، یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں؟

المستفتی: محمد فاروق شریف نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ لوگ غفلت میں ہوں اور اس تقریر کی طرف متوجہ نہ ہوں تو ایسی حالت میں تقریر کرنا بے محل ہے؛ اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/۲۲۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰/۴۰۷۳)

انجمن کا نام مجلس دعوۃ الخیر رکھنا

سوال [۱۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آیت پاک **ولتکن منکم امة یدعون إلی الخیر** سے انتساب کرتے ہوئے مجلس دعوت الخیر یا انجمن دعوت الخیر قائم کرنے کا ارادہ ہے، عرصہ سے احباب میں کسی اچھی مجلس قائم کرنے کی ضرورت کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے، کیا یہ نام اور اقدام مستحسن ہے، اگر مستحسن ہے تو جواب باصواب نیز رہنمائی سے سرفراز فرمائیں، تفصیلی طور پر اغراض ومقاصد ترتیب دیئے جائیں گے؟

المستفتی: اخلاق احمد نہٹور مدرسہ اشرف العلوم بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مجلس دعوت الخیر کے عنوان سے کوئی غرض فاسد نہ ہو تو خیر کی دعوت بہتر ہے، مذکورہ آیت کا مقصد بھی یہی ہے بے نفسی کے ساتھ لوگوں کو

نیک کام کی دعوت دی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۵۴)

کیا داعیٔ اسلام کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے؟

سوال [۱۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کسی داعیٔ اسلام کو کذب وخداع اور دجل وتلبیس کرنے کی شرعاً اجازت ہے، کسی کذاب اور دھوکہ باز جبکہ وہ اس نوع کی حرکتوں کا ایک عرصہ سے عادی ومرتکب رہا ہو اور اس کی حقیقت بے نقاب ہوچکی ہو، ایسے شخص کو داعی اور مبلغ اسلام کے منصب پر برقرار اور باقی رکھنا شرعاً کیسا ہے، بہر دو صورت مدلل حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے؟

المستفتی: محمد عادل مکان نمبر ۴۴، شاہ گدا علی، اٹاوہ، (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داعیٔ اسلام ہو یا کوئی بھی ہو کذب بیانی اور جھوٹ فریب کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، ہر مسلمان کو جھوٹ فریب میں مبتلا کرنے والے لوگوں سے ازخود چوکس اور ہوشیار رہنا چاہئے، سچائی کا انجام بخیر ہوتا ہے اور جھوٹ کا انجام برا ہوتا ہے۔

عن عبداللہ بن مسعودؓ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: علیکم بالصدق، فإن الصدق یهدي إلی البر، وإن البر یهدي إلی الجنة ومایزال الرجل یصدق ویتحری الصدق؛ حتی یکتب عنداللہ صدیقا وإیاکم والکذب فإن الکذب یهدی إلی الفجور، وإن الفجور یهدي إلی النار، ومایزال العبد یکذب یتحري الکذب حتی یکتب عند اللہ

كذابا. (سنن ترمذي، باب ماجاء في الصلاة والكذب، النسخة الهندية ۲/۱۸، دارالسلام رقم: ۱۹۷۱، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب التشديد في الكذب، النسخة الهندية ۲/۶۸۱، دار السلام رقم: ۴۹۸۹، مسلم شريف، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، النسخة الهندية ۲/۳۲۶، بيت الأفكار رقم: ۲۶۰۷، بخاري، كتاب الآداب، باب قول الله اتقوا الله وكونوا مع الصادقين ۲/۹۰۰، رقم: ۵۸۵۶، ف: ۶۰۹۴)

عن ابن عمرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال إذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا من نتن ماجاء به. (سنن ترمذي، باب ماجاء في الصدق والكذب، النسخة الهندية ۲/۱۸، دار السلام رقم: ۱۹۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۶۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۳۲ھ

برے کام سے رکنا اور روکنا دونوں موجب ثواب ہے

سوال [۱۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ برے کام سے رکنے سے ثواب ہوجائے گا بکر کہتا ہے کہ ہرگز نہیں ہوسکتا ثواب جب تک کہ روکو گے نہیں براہ کرم شرعی روشنی میں جواب مرحمت فرمایا جائے کہ زید وبکر میں کس کا قول ٹھیک ہے؟

المستفتی: محمد رفیق عرف بابوکڈہ، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص دوسروں کو برے کام سے روکنے پر قدرت رکھتا ہے اور روکنے میں کوئی فتنہ وفساد بھی نہیں ہے، تو اس پر لازم ہے کہ برے کام سے خود بھی رکے اور دوسروں کو بھی روکے ورنہ گنہگار ہوگا۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم

يستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإيمان الحديث (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ۱/۱ ٥، بيت الأفكار رقم: ۷۸ سنن ابن ماجه كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، النسخة الهندية ۲۹۰، دار السلام رقم: ٤٠١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۲۵)

منکر پر نکیر کا طریقہ

سوال [۱۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں قیام میلاد مروج ہے اگر سختی سے منع کرتے ہیں تو ان کا رجحان جماعت اسلامی کی طرف ہو جاتا ہے، کیا مصلحتاً انہیں قیام کی سختی نہ کریں؟

المستفتی: محمد یونس علیگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت حال میں نرمی اور بہترین اسلوب سے لوگوں کو سمجھائیں کہ حق بات ان کی سمجھ میں آ جائے۔

ادْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ . [النحل: ۱۲۵]

من وعظ أخاه سرا، فقد نصحه وزانه ومن وعظ علانية، فقد فضحه وشانه. (مرقاة شرح مشكوة، كتاب الادب، باب الأمر بالمعورف، الفصل الاول، مكتبه امداديه ملتان ۹/۳۲۹، شرح المسلم للنووى، كتاب الإيمان، باب بيان كون الهنى عن المنكر من الإيمان...... ۱/۱ ٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/۳۲۹)

عن صالح بن رنبور سمعت أم الدرداء تقول: من وعظ أخاه سرا فقد زانه، ومن وعظه علانية فقد شانه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في

التعاون علی البر و التقوی، مکتبه دار الکتب العلمیة بیروت ۱۱۲/۶، رقم: ۷٦٤۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۴۶/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۱۸ھ

غلطی ہونے پر علی الاعلان ٹوکنا کیسا ہے؟

سوال [۱۲۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مساجد میں عام طور پر بعض علماء عادۃً ائمہ حضرات کی معمولی غلطی، کوتاہی یا غفلت پر نماز کے بعد فوراً کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر علی الاعلان ٹوک دیتے ہیں، مثلاً قرأت مسنونہ کے خلاف پڑھنے پر یا ایک ہاتھ سے دامن خلف درست کرنے پر وغیرہ وغیرہ آیا شرع میں اس طرح سے ٹوکنا اور اصلاح کرنا کیسا ہے؛ جبکہ ائمہ حضرات کو اس طرح سے علی الاعلان ٹوکنا بہت ناگوار گذرتا ہے؛ اس لئے اصلاح کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد اسعد، لہرپوری سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی سے غلطی ہوجائے تو ٹوکنے اور متنبہ کرنے کا مقصد اس کی اصلاح ہوتا ہے نہ کہ اپنی معلومات کا اظہار اور اصلاح نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام صاحب کو تنہائی میں غلطی پر متنبہ کرنے میں ہے، اس سے امام صاحب کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہوگا اور اس کی اصلاح کی فکر بھی؛ لیکن نماز کے بعد برملا ٹوکنے میں امام صاحب کی بے عزتی کا خطرہ ہے؛ اس لئے برملا ٹوکنے کے بجائے تنہائی میں توجہ دلانی چاہئے۔

قال اللہ تعالی: ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. [النحل:۱۲۵]

عن صالح بن رنبورؓ سمعت أم الدرداء تقول: من وعظ أخاه سرا فقد زانه، ومن وعظه علانية فقد شانه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في التعاون على البر والتقوى، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت٦/ ١١٢، رقم: ٧٦٤١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٨٧)

من وعظ أخاه سرا فقد نصحه وزانه ومن وعظ علانية فقد فضحه وشانه. (نووي على مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهى عن المنكر من الإيمان...... ١/ ٥١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ٣٢٩، مرقاة شرح مشكوة، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، مكتبة امدادية ملتان ٩/ ٣٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۸۵)	۱۴۳۵/۴/۱۱ھ

حکمت ودانائی سے کسی کو تنبیہ کرنا

سوال [۱۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب سے نماز کے علاوہ خارج صلاۃ کوئی غلطی ہو جائے تو ایک شخص امام صاحب کو برملا ٹوک دیتا ہے، تو اس کا عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم، جھلرا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خارج صلاۃ امام صاحب کی غلطی پر تنہائی میں جا کر تنبیہ کرنی چاہیئے تاکہ وہ اس کو بخوشی قبول کرے اور فساد وغیرہ نہ ہو؛ لیکن برملا تنبیہ کرنے میں امام صاحب کی بے عزتی ہے، جس کی اجازت نہیں اور اس میں حکمت ودانائی بھی نہیں ہے؛ اس لئے اس عمل سے اجتناب ضروری ہے۔

قال اللّٰہ تعالی: ادْعُ إِلٰی سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. [سورة النحل:۱۲۵]

وينبغي للآمر بالمعروف والناهي عن المنكر أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي من وعظ أخاه سرا، فقد نصحه وزانه ومن وعظ علانية فقد فضحه وشانه. (شرح نووي، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكرمن الإيمان ١/ ٥١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ٣٢٩)

عن صالح بن رنبورؓ سمعت أم الدرداء تقول: من وعظ أخاه سرا فقد زانه، ومن وعظه علانية فقد شانه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في التعاون على البر والتقوى، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت٦/ ١١٢، رقم: ٧٦٤١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

قبر پر ہونے والی منکرات وخرافات سے روکنے کا شرعی حکم

سوال [۱۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعظیم قبر کی مشر کانہطر ز پر قبر کی دیوار پر بتیاں جلانا وغیرہ شکایت کر کے لوگوں کو ان سے روکنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جواب اگر مع دلائل تحریر فرمائیں شکر گذار رہوں گا۔

المستفتی: محمد عبدالمنان، کریم گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرور منع کرنا چاہئے؛ البتہ منع کرنے کا بہترین طریقہ حکمت اور نرمی کے ساتھ ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ. [سورۃ النحل: ۱۲۵]

من وعظ أخاه سراً فقد نصحه و زانه، ومن وعظه علانية فقد شانه.

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الادب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الاول، مکتبہ امدادیۃ ملتان ۳۲۹/۹، شرح مسلم للنووي، کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان......۵۱/۱، الموسوعة الفقهية الكويتيه ۳۲۹/۴۰)

عن صالح بن رنبورؒ سمعت أم الدرداء رضی اللّٰہ عنها تقول: من وعظ أخاه سرًا فقد زانه، ومن وعظه علانية فقد شانه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في التعاون على البر والتقوى، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت۱۱۲/۶، رقم: ۷۶٤۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۳/۲۴)

فسادات روکنے کی غرض سے پختہ قبر کو ڈھانا

سوال [۱۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی قبر کی پختہ دیوار کو ڈھایا جا سکتا ہے یا نہیں تاکہ فسادات عارضہ بند ہوں؟

المستفتی: محمد نعمان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کی پختہ دیوار کو ڈھایا جا سکتا ہے؛ البتہ اگر ڈھانے سے فتنہ فساد اور اختلاف پیدا ہو سکتا ہے تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں؛ کیونکہ فتنہ سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔

والنهي في البناء للكراهة، إن كان في ملكه وللحرمة في المقبرة المسبلة ويجب الهدم (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول، مكتبه امداديه ملتان ٤/٦٩، هكذا بذل، كتاب الجنائز، باب في البناء على القبر، مكتبه اليحيوية سهارنپور ٤/٢١٢، جديد دار البشائر الإسلامية بيروت ١٠/٥١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۳۳)

ضروت سے زائد مسجد میں لائٹنگ کرنے سے روکنا

سوال [۱۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں عید کی رات کو نوجوان لڑکے مختلف خرافات میں لگ جاتے ہے، مثلاً گانا بجانا وغیرہ، جن میں بعض نوجوان وہ ہیں جو اس دن مغرب سے مسجد کو طرح طرح کے پھولوں اور رنگین کاغذوں سے مزین کرتے ہیں اور راستوں میں لائیٹنگ وغیرہ بھی لگائی جاتی ہے، میں ان نوجوانوں کو منع نہیں کرتا ہوں؛ اس لئے کہ اگر مسجد کو نہ سجائیں تو اس برے کاموں میں وقت گذاریں گے، مگر میرے مقتدی حضرات نے مجھ سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا کہ کیا اس طرح مسجد کو مزین کرنا جائز ہے، اگر جائز نہیں ہے تو آپ منع کیوں نہیں کرتے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان امور سے بے توجہی برتوں اور لڑکوں کو جو کر رہے ہیں کرنے دوں تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج ہے یا مجھے ان کو روکنا چاہئے؟

المستفتی: امیر حمزہ، امام مسجد بانکڑا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں رنگیلے کاغذ لگانا اور ضرورت سے زائد لائیٹنگ لگانے کا عمل اسرف بیجا ہے اور بے جا اسراف سے ہر مسلمان کو روکنے کا حق ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا . [الاسراء: ۲۷] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۵۵/۳۸)

کیا داڑھی منڈے کے لئے وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید (داڑھی منڈا) ہے جو وعظ ونصیحت کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے، اس کا وعظ ونصیحت کرنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ (زید نہ عالم ہے اور نہ حافظ وقاری ہے)

المستفتی: غلام ربانی بیرکھیڑ امراد آباد، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے وعظ کرنے والے کو حدیث شریف میں متکبر کہا گیا ہے؛ لہٰذا اس کے لئے وعظ جائز نہیں ہے۔

عن عوف بن مالک الأشجعي رضؓ، قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يقول: لايقص إلا أمير، أومأمور، أومختال. (سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب في القصص، النسخة الهندية ۲/ ۵۱۶، دار السلام رقم: ۳۶۶۵، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/ ۱۹۳، رقم: ۲۷۶۲، المعجم الكبير للطبراي، دار احياء التراث العربي بيروت ۱۸/ ۵۵، رقم: ۱۰۰، ۱۸/ ۶۵، رقم: ۱۲۱، ۱۸/ ۷۸، رقم: ۱۴۵، مسند أحمد بن حنبل ۶/ ۲۳، رقم: ۲۴۴۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۳/۲۳)

واعظہ حلیمہ خاتون سے متعلق چند سوالات

سوال [۱۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت محلّہ لال مسجد سرائے گلزاری مل میں رہتی ہے، جس کا نام حلیمہ خاتون ہے، مذکورہ عورت ہر جمعہ کو اپنے مکان پر وعظ کرتی ہے، ہم سیاہ کار ونا کارہ عورتیں ان کا وعظ سننے جاتی ہیں اور اگر اتفاقاً باہر سے جماعت آگئی اور جماعت کے لوگوں نے مشورہ کر کے مستورات کے اجتماع میں کسی مکان میں بیان رکھ دیا یا کسی مولانا بزرگ کی تقریر کا پروگرام ہوا اور مستورات کے لئے شرعی پردہ کے ساتھ جانا پھر ان کی تقریر سننا اور اس جلسے میں مذکورہ احتیاط کے ساتھ شریک ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ حلیمہ خاتون اپنے مکان پر جمعہ کے دن وعظ کرتی ہیں اور وعظ میں شریک ہونے والی عورتوں سے کہتی ہیں کہ کسی جماعت والے یا کسی مولانا کی تقریر مت سنو صرف میرا ہی وعظ سنو میں تم لوگوں کی امیر ہوں، میری اجازت کے بغیر دوسروں کا وعظ کیوں سنتی ہو، کہیں اجتماع میں یا بزرگوں کے بیان سننے مت جاؤ؛ جبکہ حلیمہ خاتون مذکورہ کو کسی نے امیر نہیں بنایا، مجھے ایسی منافق عورتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو دوسروں کا بیان یا وعظ سنیں، مجھے تو تھوڑی عورتیں اخلاص والی آئیں یہی کافی ہیں۔

(۳) حلیمہ کے مذکورہ خیالات اور عورتوں کو تبلیغی جماعت والوں کا بیان سننے کے لئے یا کسی بزرگ عالم کی تقریر سننے کے لئے منع کرنا شرعاً کیسا ہے؟ حلیمہ کی بات ماننا عورتوں پر ضروری ہے یا نہ ماننا ضروری ہے اور مذکورہ حلیمہ کا دوسروں کے وعظ وبیان سننے سے منع کرنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا حلیمہ کے کہنے پر ہم سیکڑوں عورتیں تبلیغی اجتماع جو حلیمہ کے علاوہ ہو اس میں شریک ہونے سے باز آجائیں یا حلیمہ کی بات کو ٹھکرا کر دین کی باتیں سننے کے لئے دوسروں کے پاس حلیمہ کے علاوہ شریک ہوتی رہیں شرعاً کوئی ممانعت تو نہیں ہے مع دلائل کے بیان فرمائیں؟

(۴) حلیمہ کا اپنے وعظ کے علاوہ دوسروں کے وعظ سننے کے لئے روکنا منع کرنا کیسا ہے؟ اور دوسروں کے بیانات سننے والی عورتوں کو منافق کہنا کیسا ہے ایسی ناپاک اور ذلت آمیز باتیں کہنی والی عورت کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے جو دیندار اور صوم صلاۃ کی پابند عورتوں کو یہ کہتی ہے کہ تم منافق ہو یہاں منافقوں کا کام نہیں ہے، ایسی عورتیں میرے اجتماع میں نہ آئیں، ایسی عورت جو دیندار صوم وصلاۃ کی پابند عورتوں کو منافق کہے کیا اس کے ایمان میں کوئی نقصان آئے گا کہ نہیں اور وہ اپنے علاوہ اجتماع یا وعظ میں شریک ہونے والی عورتوں کو منافق کہہ کر پکارے، ایسی عورت شریعت کی نظر میں کتنی بڑی مجرم ہے اور اگر جرم ہے تو توبہ کی کیا صورت ہے جو آخرت کی پکڑ سے بچ سکے؟

(۵) ہم عورتیں صرف اپنی اصلاح کے لئے مستورات کے اجتماع میں شریک ہوتی ہیں؛ اس لئے صاف صاف طور پر جواب دیں کہ کیا حلیمہ مذکورہ کے علاوہ دوسرے اجتماع میں شریک ہونا یا کسی عالم دین کی تقریر شرعی پردہ کے ساتھ سننا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہو تو ہم دینی بیانات کو سنیں اور اگر ناجائز ہو تو ہم سیکڑوں عورتیں اجتماع میں جانا اور دینی بیانات سننا بند کردیں۔ بہت جلد اس کا جواب دیں تاکہ ہم سیکڑوں عورتیں خلاف شرع کام سے بچ جائیں۔

نوٹ: مذکورہ حلیمہ قرآن وحدیث کی باقاعدہ مستند عالمہ بھی نہیں ہے۔

المستفتی: جملہ مسلم خواتین قائم کی بیریاں مچھلی بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دین کی باتیں کسی بھی عالم دین سے سننا ہر مرد وعورت کے لئے جائز اور کار ثواب ہے اور حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے اور عالم دین کی فضیلت عابد کے مقابلے میں ایسی غالب ہے کہ جیسی حضور ﷺ کی فضیلت ادنی امتی پر ہے۔

عن أبي أمامة الباهلي رضـ قال: ذكر لرسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان: أحدهما عابد والأخر عالم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم. (سنن الترمذي، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، النسخة الهندية ۲/۹۷، رقم:۲٦۸٥، مسند الدارمي، دار المغني بيروت ۱/٣٣٤، رقم:۲۹۷، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت ۸/۲۳۳، رقم:۷۹۱، مشكوة ۱/٣٤، رقم:۲۱۳)

عن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله وملائكتة وأهل السمٰوات والأرضين حتى النملة في جحرها، وحتى الحوت ليصلون علي معلم الناس الخير. (سنن ترمذي، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، النسخة الهندية ۲/۹۷، دار السلام رقم:۲٦۸٥، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي بيروت ۸/۲۳٤، رقم: ۷۹۱۲، جامع بيان العلم وفضله ۱/۱۷٤، رقم: ۱۸۳، مشكوة۱/۱۳/۲۱۳)

اور عالم دین جب مخلوق کے سامنے دین کی باتیں پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ رحمت اور آسمان وزمین کی تمام مخلوقات حتی کہ زمین کی تمام چونٹیاں اور سمندر کی مچھلیاں تک اس عالم کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتی ہیں؛ لہٰذا تمام مسلمان مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی شرعی پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی بھی عالم کی تقریر، وعظ اور تبلیغ ودعوت کی باتیں سننا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا جائز اور بہت بڑا کارثواب ہے۔

(۲/۳/۴/۵) مسلمان عورتوں کو منافق کہنی والی اور عالم دین اور بزرگان دین کی تقریر ووعظ سننے سے منع کرنے والی عورت سخت ترین گناہ عظیم کی مرتکب ہے، ایسی عورتوں کو اپنا خود وعظ کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری عورتوں کو ایسی جاہل عورت کی تقریر سننے کے لئے جانا جائز نہیں ہے، حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں اور صاحب معارف القرآن نے

معارف القرآن میں اور حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب نے اصول تبلیغ میں اس کو صاف وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

آیت کریمہ **ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر الآیة** کے تحت صاف لکھا ہے کہ وعظ وتقریر اور امر بالمعروف کرنے سے پہلے خود کرنے والے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علم اور اس کی شرائط خوب اچھی طرح صحیح صحیح معلوم ہوں ورنہ اگر خود ہی معروف ومنکر کی تمیز نہ ہو یا اس مسئلے کا پورا علم نہ ہو اور پھر دوسروں کو امر بالمعروف کرنا شروع کر دے تو بجائے اصلاح ہونے کے فساد ہوگا، بہت ممکن ہے کہ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کسی معروف ونیک کام سے منع کرنے لگے جیسا کہ حلیمہ اپنی ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے دوسری عورتوں کو معروف اور نیک اعمال سے منع کر رہی ہے؛ اس لئے خود حلیمہ کے لئے وعظ کرنا جائز نہیں ہے، اور دوسری عورتوں کو اس کا وعظ سننا جائز نہ ہوگا۔ (معارف القرآن، اشرفی دیوبند قدیم ۲/۱۳۸، اصول تبلیغ ۳۵ و۳۶)

حدیث میں آیا ہے کہ وعظ صرف تین قسم کے افراد کیا کرتے ہیں۔

(۱) حاکم وقت ہو۔

(۲) حاکم وقت کا مامور یعنی وہ عالم جو حاکم کی طرف سے یا مسلمانوں کی طرف سے وعظ کے لئے مامور ہے۔

(۳) متکبر ہوگا۔ یعنی جو محض اپنی نفسیانیات اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بننے کے لئے وعظ کرتا ہے؛ جو نہ تو حاکم ہے اور نہ ہی عالم؛ بلکہ محض اردو کی کچھ کتابوں کا مطالعہ شدہ ہے؛ اس لئے حلیمہ تیسری قسم متکبرین میں شامل ہوگی۔

عن عوف بن مالک الأشجعي رضـ: قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لایقص إلا أمیر، أو مأمور، أو مختال. الحدیث (سنن أبي داؤد، کتاب العلم، باب في القصص، النسخة الهندیة ۲/۵۱۶، دار السلام رقم: ۳۶۶۵، مشکوة شریف، ۱/۳۵)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لایقص علی الناس إلا أمیر، أو مأمور، أومراء. (سنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب القصص، النسخة الهندیة ۲۶۶، دار السلام رقم: ۳۷۵۳، مسند دارمي، دار المغني بیروت ۳/۱۸۲۸، رقم: ۲۸۲۱، المعجم الأوسط، دار الفکر بیروت ۱/۲۸۰، رقم: ۹۷۶، مسند أحمد بن حنبل ۲/۱۷۸۸، رقم: ۶۶۶۱۱، ۲/۱۸۳، رقم: ۶۷۱۵، ۶/۲۸، رقم: ۲۴۵۰۲)

اس لئے حلیمہ کی بات ہرگز نہ سنیں؛ بلکہ شرعی پردہ کی پابندی کرتی ہوئیں ہر عالم دین اور بزرگان دین کی تقریروں کو سن کر ہدایت کا راستہ حاصل کیا کریں اور حلیمہ کی گمراہ کن باتوں کو سن کر بلاوجہ پریشانی میں مبتلا نہ ہوا کریں؛ بلکہ صرف اس عورت کا بیان سنا کریں جو اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتی ہے؛ بلکہ صرف کتاب دیکھ کر پڑھ کر سنایا کرتی ہے اور غیر عالم کے لئے صرف کتاب میں سے دیکھ کر پڑھ کر سنا دینا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۴)

چند مقررین کی قابل اعتراض باتوں کی تحقیق

سوال [۱۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مقرر عالم فاضل صاحب تقریر فرمارہے تھے، دوران تقریر انہوں نے فرمایا کہ ایک بار حضرت رابعہ بصریہ حج کے لئے تشریف لے چلیں تو خانہ کعبہ استقبال کے لئے چالیس میل دور آگیا ادھر حضرت ذوالنون مصریؒ حج کے لئے تشریف لائے تو کعبہ وہاں نہیں تھا، معلوم ہوا کہ حضرت رابعہؒ کی زیارت (استقبال) کے لئے چالیس میل دور گیا ہوا ہے۔

نمبر ۲: دوسرے مقرر نے ارشاد فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بکریوں

کی حفاظت کے لئے کتے پال رکھے تھے اور ہر کتے کے گلے میں سونے کے ہار پہنا رکھے تھے، نیز یہ بھی فرمایا کہ زمین کے نیچے پانی ہے،اس پانی میں مچھلی ہے مچھلی کے اوپر گائے ہے گائے کے ہزار سینگ ہیں ہر سینگ پر ہزاروں فرشتے ہیں جوخدا کی حمد کرتے ہیں، زمین اس گائے کی دوسینگوں پر قائم ہے گائے کی آنکھ کے سامنے مچھر بھن بھن کرتے اڑتے رہتے ہیں یہ واقعہ قصص الانبیاء میں بھی موجود ہے۔

نمبر۳: تیسرے مقرر نے فرمایا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا زمانہ تھا اس وقت ایک آدمی کا انتقال ہو گیا میت کو غسل وکفن دے دیا گیا، اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے بلایا گیا، جب صدیق اکبرؓ تشریف لائے دیکھتے ہیں کہ میت کا کفن سینے پر حرکت کرر ہاہے فوراً کفن کھولتے ہیں تو سانپ ہے، جو میت کو کاٹ رہا ہے اور حضرت ابوبکرؓ اس کو مارنا چاہتے ہیں تو سانپ گویا ہوا کہ ہم کو مارتے ہو مجھے اللہ نے مسلط کیا ہے یہ میت زندگی میں تین غلطیاں کرتا تھا۔

(۱) اذان ہوتی تو مسجد میں نہ جا کر گاؤں گاؤں میں چلا جاتا۔

(۲) وعظ وذکر ہوتا تو شامل نہیں ہوتا۔

(۳) مالدار تھا لیکن زکاۃ ادا نہیں کرتا تھا؛ بلکہ اسے تاوان سمجھتا تھا۔

المستفتی: عظیم الدین، بستوی نولگڈھ (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) خانہ کعبہ کا حضرت رابعہ بصریہؒ کے استقبال میں چالیس میل دور اپنی جگہ چھوڑ کر جانے کی بات بالکل غلط اور نصوص قرآنیہ کے خلاف ہے، اگر ایسا ممکن ہوتا تو حضور ﷺ کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے محروم ہو کر حدیبیہ سے واپس جانا نہیں پڑتا؛ بلکہ بیت اللہ حضور ﷺ کے استقبال کے لئے حدیبیہ پہونچ جاتا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے دور دور سے لوگ حاضر ہوتے رہیں گے نہ کہ بیت اللہ اپنی جگہ سے کہیں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ . [سورۃ بقرۃ آیت: ۱۲۵]

(۲) شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۳) زمین کے گائے کے سینگوں پر قائم ہونے پر کسی معتبر کتاب میں اس کی اصل نہیں ملی، قصص الانبیاء معتبر اور مستند کتاب نہیں ہے، اس میں بہت سی بے اصل چیزیں موجود ہیں؛ البتہ معتبر کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ زمین میں جو زلزلہ آتا ہے اور زمین ہلتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظام ارضی کے لئے جو فرشتہ مقرر ہے اس کے حرکت دینے سے زمین ہلتی ہے اور زلزلہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔

وتحدث هذه الحركة بتحريک ملک بناء علی ماروي أن في الأرض عروقا تنتهي إلى جبل قاف وهی بيد ملک هناک، فإذا أراد الله عزوجل أمرا أمره، أن يحرک عرقا، فإذا حركه زلزلت الأرض. (روح المعاني قديم ۱۷/۱۱۱، تحت تفسير سورة الحج، زكريا ۱۰/۱۶۵، الجز:۱۷)

(۴) اس طرح سے سانپ کا واقعہ بھی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ زکوۃ ادا نہ کرنے والے اور نماز سے بھاگنے والے کے بارے میں احادیث میں وعید آئی ہے۔ نیز دین کی باتوں سے گریز کرنا بھی بدقسمتی ہے؛ لیکن اگر واعظ اپنے وعظ میں ایسی ہی بے بنیاد باتیں بیان کرتا ہے جیسے کہ سوال نامہ میں درج ہیں، تو ایسی واہیات باتوں سے بھاگنے میں کوئی الزام نہیں ہے۔

حدثنا عاصمؓ، قال: كنا نأتي أبا عبد الرحمن السلمي ونحن غلمة ايفاع، فكان يقول: لنا لاتجالسوا القصاص. (مقدمة مسلم شريف ۱/۱۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۳/۱۴۱۴ھ

۵/ کتاب الدعوة والتبليغ

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

۱/ باب الدعوة و متعلقاتها

کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے؟

سوال [۱۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) جماعت والے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبیوں والا کام کرتے ہیں، کیا یہ جملہ صحیح ہے؟

(۲) مزید یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان کی دعوت دیتے ہیں، کیا یہ جملہ کہنا ان کا صحیح ہے؟

المستفتی: حکیم محمد اسحاق لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) دعوت کی دو قسمیں ہیں: (۱) دعوت ایمان یعنی غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت پیش کرنا، یہ دعوت ایمان ہے۔ (۲) دعوت اصلاح: یعنی مسلمانوں کو اصلاح کی دعوت پیش کرنا، فرائض وواجبات، سنن ونوافل پر عمل کرنے کا عادی بننے، جنت کی بشارت اور جہنم سے ڈرنے کی دعوت دینا یہ دعوت اصلاح ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ایمان اور اصلاح دونوں کی دعوت پیش کی ہے۔ اور تبلیغی جماعت والے دعوت اصلاح کو لے کر گلی کوچوں میں پھرتے ہیں؛ کیوں کہ دعوت اصلاح بھی نبیوں کا کام تھا؛ اس لئے تبلیغ والوں کا یہ کہنا کہ ہم نبیوں والا کام کرتے ہیں صحیح اور درست ہے۔ اور ان کا

یہ کہنا کہ ہم ایمان کی دعوت دیتے ہیں، یہ بھی درست ہے؛ اس لئے کہ ایمان کی دعوت سے ایمان میں ترقی اور زیادتی پیدا کرنے کی دعوت مراد ہے۔ اور حدیث شریف میں ایمان میں زیادتی اور ترقی پیدا کرنے کو بھی ایمان کہا گیا ہے؛ اس لئے اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. [سورة النحل: ١٢٥]

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ. [سورة النساء: ١٣٦]

عن الأسود بن هلال قال: كان معاذ رضی الله عنه يقول لرجل من إخوانه: "اجلس بنا فلنؤمن ساعة، فيجلسان، يتذاكران الله ويحمدانه. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الإيمان والرؤيا، مؤسسة علوم القرآن ١٥/ ٦٠٢، رقم: ٣١٠٠٢)

عن ذر قال: كان عمر مما يأخذ بيد الرجل والرجلين من أصحابه، فيقول: قم بنا نزداد إيمانا. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الإيمان والرؤيا، مؤسسة علوم القرآن ١٥/ ٦٠٣، رقم: ٣١٠٠٢)

عن عطاء بن يسار أن عبدالله بن رواحة قال لصاحب له: تعال حتى نؤمن ساعة، قال: أو لسنا بمؤمنين؟ قال: بلى، ولكنا نذكر الله فنزداد إيمانا. (شعب الإيمان، باب القول في زيادة الإيمان ونقصانه ......، مطبع دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٧٥، رقم: ٥٠)

عن ذر قال: كان عمر بن الخطاب رضی الله عنه ربما أخذ بيد الرجل والرجلين يقول: تعالوا نزداد إيمانا. (شعب الإيمان، باب القول في زيادة الإيمان و نقصانه ......، مطبع دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٧٠، رقم: ٣٧)

عن علقمة، عن عبدالله أنه قال: اجلسوا بنا نزدد إيمانا. (شعب الإيمان، مطبع دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٧٣، رقم: ٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۳ھ

ظہورِ اسلام کا مطلب

سوال [۱۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ظہورِ اسلام کے بعد دعوتِ ایمان فرض نہیں رہی، تو ظہور کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: بشیر احمد اسٹینٹ آفیسر کشمیر جنوری ۸۹ھ
بدست عزیزی محمد فیاض کشمیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ظہورِ اسلام کا مطلب ہے کہ شرقاً، غرباً، جنوباً، شمالاً دنیاوالوں کے درمیان اس بات کی شہرت ہوجائے کہ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا مذہب ہے، جس کی طرف تمام انسان کو بلایا جاتا ہے۔

أطلق الدعوة فشمل الحقيقية والحكمية، فالحقيقية باللسان، والحكمية انتشار الدعوة شرقا وغربا أنهم إلى ما ذا يدعون وعلى ماذا يقاتلون، فأقيم ظهورها مقامها. (البحر الرائق، كتاب السير، كوئٹه ٥/ ٧٥، زكريا ٥/ ١٢٨)

ويستحب أن يدعو من بلغته الدعوة مبالغة في الإنذار، ولا يجب ذلک. الخ (هدايه، كتاب السير، باب كيفية القتال، أشرفي ديو بند٢/ ٥٦٠)

وندعوا ندبا من بلغته، أي ندعوا استحبابا من بلغته الدعوة مبالغة في الإنذار، ولا يجب ذلک. (تبيين الحقائق، كتاب السير، مكتبه إمداديه ملتان ٣/ ٢٤٣، زكريا ٤/ ٨٥)

معلوم ہوا کہ ظہورِ اسلام کو دعوت حکمی بھی کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۱۲/۲۵)

اسلام میں دعوتِ اسلام کا درجہ

سوال [۱۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسلام میں دعوتِ اسلام کا کیا درجہ ہے؟ پیغمبر ﷺ نے جیسے مسلمانوں کی تربیت فرمائی ہے کہ تمام دور بعثت میں کفار کو دعوتِ ایمان واسلام پیش فرمائی ہے اور جہاد بھی کئے ہیں، تو کیا اب مسلمانوں کے ذمہ دعوتِ ایمان ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد اسٹینٹ آفیسر کشمیر جنوری ۸۹ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دنیائے عالم میں اسلام کی شہرت ہو چکنے کے بعد دعوتِ ایمان کلی اعتبار سے فرض نہیں رہی؛ لہٰذا اب جو مسلمان غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دئے بغیر دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں یا ہو گئے ہیں، ان سے عنداللہ دعوتِ ایمان کا فریضہ ادا کرنے کا مؤاخذہ نہیں ہوگا؛ بلکہ خود غیر مسلموں سے سوال ہوگا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے؟ البتہ دنیا میں اگر کوئی علاقہ ایسا رہ گیا ہے کہ جہاں کے لوگوں کو نفس مذہب اسلام کی خبر نہیں ملی ہے، تو بشرط استطاعت ان کو دعوتِ ایمان دینا فرض ہوگا۔ اور جن مسلمانوں کے اندر بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، ان کو اصلاح کی دعوت دینا فرض کفایہ ہے۔

إنما يستحب الدعوة مرة أخرى للتاكيد. الخ (فتاوی عالمگیری، کتاب السیر، الباب الثاني في كيفية القتال، زكريا قديم ۲/ ۱۹۳، جديد ۲/ ۲۱۰)

أطلق الدعوة فشمل الحقيقية والحكمية، فالحقيقية باللسان، والحكمية انتشار الدعوة شرقا وغربا أنهم إلى ما ذا يدعون وعلى ماذا يقاتلون، فأقيم ظهورها مقامها. (البحر الرائق، كتاب السير، كوئٹه ۵/ ۷۵ زكريا ۵/ ۱۲۸)

قلت: القول الأول أصح؛ فإنه يدل على أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فرض على الكفاية. (تفسير قرطبي، مكتبه دارالكتب العلمية

بیروت، سورة آل عمران، آیت: ۱۰٤، ٤/ ۱۰٦)

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ: من للتبعيض؛ لأن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفاية. (تفسير مظهري، سورة آل عمران، آيت: ۱۰٤، مطبع زكريا جديد ۲/ ۱۱٥، قديم ۲/ ۱۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۰۹)

دعوتِ ایمان افضل ہے یا دعوتِ اصلاح؟

سوال [۱۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) دعوت وتبلیغ: یعنی مسلمانوں کا مسلمانوں کو اعمال کی دعوت دینا؟

(۲) دعوت ایمان الی الکفار: مسلمانوں کا غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا بحسن وخوبی، تو ان دونوں میں سے کون سی دعوت مقدم ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ دوسری دعوت یعنی غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی دعوت مسلمانوں کی اصلاح کی فکر سے مقدم ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہی دعوت ایمان الی الکفار اصل ہے اور دعوت تبلیغ پر مقدم ہے اور اسی دعوت کو ہمیشہ کیا گیا ہے۔ اور رہی دعوت تبلیغ تو یہ تو ساٹھ سال کے عرصہ سے کام ہو رہا ہے کہ مولانا الیاس صاحبؒ نے اس دعوت کے کام کو شروع کیا، تو کیا اس دعوت ایمان الی الکفار کو ہمارے اسلاف نے ہمیشہ کیا ہے۔ براہ کرم مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: حکیم محمد اقبال قصبہ لاوڑ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواب کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ امت کی دو قسمیں ہیں: (۱) امت دعوت: یہ ان انسانوں کو کہا جاتا ہے جن تک اسلام نہیں پہنچا ہے، ان کو ایمان اور اسلام کی دعوت دینا دعوتِ ایمان کہا جاتا ہے۔

(۲) امت اجابت: یہ ان انسانوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے ایمان واسلام قبول کرلیا ہے، مگر اسلامی ماحول معاشرہ اور اعمال کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان کو دعوت دینا دعوتِ اصلاح کہا جاتا ہے۔ اب اصل بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کے شروع زمانہ میں امت دعوت کو ایمان کی دعوت دینا فرض یا واجب رہا ہے، یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا، یہاں تک کہ پوری دنیا کے انسانوں کے درمیان اسلام کی شہرت ہوگئی اور اسلام کی شہرت اور ظہورِ اسلام کے بعد دعوتِ ایمان کی فرضیت ختم ہوگئی ہے؛ لیکن دعوتِ اصلاح کی فرضیت فرض کفایہ کے طور پر قیامت تک باقی رہے گی، اس کو آسانی کے ساتھ اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ پہلے مسلمانوں کا معاشرہ، رہن سہن، اخلاق رواداری اس طرح واضح ہوجائے کہ غیر مسلم مسلمانوں کے اخلاق معاشرہ اور تہذیب کو دیکھ کر خود بخود ان کے دلوں میں اسلام کی رغبت پیدا ہوجائے، جیسا کہ خیر القرون میں مسلمانوں کی تہذیب اور اخلاق دیکھ کر یومیہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوجایا کرتے تھے؛ لیکن اگر خود مسلمانوں کا معاشرہ ان کی تہذیب، ان کے اخلاق، رہن سہن میں بگاڑ پیدا ہوچکا ہو اور پڑوس کے غیر مسلم مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے اور تہذیب روز دیکھتے رہیں تو ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں رغبت پیدا ہونا مشکل ہے؛ اس لئے پہلے مسلمانوں کو بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کی دعوت دینا ضروری ہے، اس کے بعد موقع محل کو دیکھ کر غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا صرف مستحب ہے اور اس کے بھی بہت سارے شرائط ہیں کہ ایمان کی دعوت پیش کرنے میں فتنہ یا مقابلہ آرائی کا اندیشہ نہ ہو۔

أطلق الدعوة فشمل الحقيقية والحكمية، فالحقيقية باللسان، والحكمية انتشار الدعوة شرقا وغربا أنهم إلى ما ذا يدعون وعلى ماذا يقاتلون، فأقيم ظهورها مقامها. (البحر الرائق، كتاب السير، مكتبه رشيديه كوئٹه ۵/ ۷۵، زكريا ۵/ ۱۲۸)

ويستحب أن يدعو من بلغته الدعوة مبالغة في الإنذار، ولا يجب

ذلک، وإنما يستحب مرة أخرى للتأكيد بشرطين: أحدهما: أن لايكون في تقديم الدعوة ضرر على المسلمين، والشرط الثاني: أن يطمع فيهم ما يدعون إليه الخ. (هندية، كتاب السير، الباب الثاني في كيفية القتال، زكريا قديم ۲/ ۱۹۳، جديد ۲/ ۲۱۰)

وندعو ندبا من بلغته أي ندعو استحبابا من بلغته الدعوة مبالغة في الإنذار، ولا يجب ذلک. (تبيين الحقائق، كتاب السير، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۲٤۳، زكريا ٤/ ۸۵)

وعرض الإسلام هو الدعوة إليه، ودعوة من بلغته الدعوة غير واجبة، بل مستحبة. (حاشية چلپي، كتاب السير، باب المرتدين، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۲۸٤، زكريا ٤/ ۱۷۲، البنايه، كتاب السير، باب كيفية القتال، أشرفيه ديوبند ۷/ ۱۰۳، الهداية، كتاب السير، باب كيفية القتال، مكتبه أشرفي ۲/ ٥٦۰)

''البحر الرائق'' اور ''ہندیہ'' وغیرہ کے جزئیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ظہورِ اسلام کے بعد غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا فرض نہیں رہا؛ بلکہ موقع ومحل کو دیکھ کر دعوت دینا صرف مستحب ہے؛ لیکن دعوتِ اصلاح قیامت تک فرض کفایہ ہے۔

قال أبوبكر: قد حوت هذه الآية معنيين أحدهما وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، والآخر أنه فرض على الكفاية ليس بفرض على كل أحد في نفسه إذا قام به غيره لقوله تعالى: "ولتكن منكم أمة" وحقيقته تقتضي البعض، دون البعض، فدل على أنه فرض على الكفاية إذا قام به بعضهم سقط عن الباقين. (أحكام القرآن للجصاص، سورة آل عمران، آيت: ۱۰٤، مكتبه سهيل أكيڈمی لاهور پاكستان، ۲/ ۲۹، زكريا ۲/ ۳۷)

اس کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر دعوتِ ایمان فرض ہوتی تو فرض کفایہ ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے علماء پر ایمان کی دعوت دینا فرض ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر میں سے حضرت نانوتویؒ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت گنگوہیؒ

نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت تھانویؒ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت مدنیؒ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی؟ اور ان کے ہاتھ پر کتنے لوگ ایمان لائے؟ اور آج کے زمانہ کے بڑے بڑے محدثین اور مفتیان کرام نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی؟ اور ان کے ہاتھوں پر کتنے غیر مسلم ایمان لائے؟ اس کا ثبوت مشکل سے ملے گا؛ اس لئے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے دربار میں ان حضرات سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت کیوں نہیں پیش کی؟ ہاں البتہ اگر اس بات میں کوتاہی کی گئی ہے کہ پڑوس کے مسلمان بے نمازی ہیں، خرافات اور بدکاری میں مبتلا ہیں، پھر ان کو اصلاح کی دعوت نہیں دی گئی، تو ممکن ہے کہ اللہ کے یہاں سوال و جواب ہو، اب رہی یہ بات کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی دعوت کا جو سلسلہ جاری فرمایا ہے، اس طرح منظّم انداز سے دعوت اصلاح کا سلسلہ پہلے نہیں تھا؛ لیکن خیر القرون کے زمانہ سے آج تک کسی نہ کسی نوعیت سے دعوتِ اصلاح کا سلسلہ جاری رہا ہے؛ اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ صرف ساٹھ ستر سال کے عرصہ سے شروع ہوا ہے، ہاں البتہ ایک نظام کے تحت منظّم طریقہ سے جماعت اور امیر کے ایک ضابطہ کے تحت دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری نہیں رہا ہے۔ اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اس کو ایک منظّم شکل دے دی ہے، جو نہایت عمدہ شکل ہے، جو دنیا کے اندر نہایت مفید اور مقبول ثابت ہوئی اور یہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی انتہائی درجہ کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ منظّم سلسلہ انہیں سے شروع فرمایا ہے؛ لیکن اسی منظّم طریقہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کا سلسلہ صدیوں پہلے سے لے کر آج تک اسلاف میں جاری رہا ہو یہ ہمارے علم میں نہیں ہے، ہاں البتہ خیر القرون کے زمانہ میں ظہورِ اسلام تک جاری تھا، اس کے بعد کے بارے میں ہمارے علم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۲۹ھ

مولانا الیاسؒ کے متعلق مثل انبیاء عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال [۱۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا کسی مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا درست ہے کہ بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مثل انبیاء کے لوگوں کے واسطے ظاہر کئے گئے تھے؟

المستفتی: محمد شاہد سرائے حکیم علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کو انبیاء کے مثل اور انبیاء کے درجہ میں قرار دینا شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اور اس طرح کی باتوں کی وجہ سے تبلیغی مکتب فکر کے مخالف لوگوں کو مخالفت کے لئے اور تبلیغی جماعت کی باتوں کو کمزور کرنے کے لئے اچھا موقع ہاتھ آسکتا ہے؛ اس لئے تبلیغ کے ذمہ دار حضرات کو اس قسم کی باتوں پر روک لگانے کی ضرورت ہے؛ البتہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی زندگی کو صحابہ کی زندگی کے ساتھ جوڑنے اور نماز روزہ اور شریعت کے اہم امور اور سنن ونوافل کا پابند بنانے کے لئے یہ سلسلہ شروع کیا تھا اور تاحیات اس پر محنت کی ہے، الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس محنت میں مدد فرمائی اور اس کام کے ذریعہ ہزاروں چوروں، ڈکیتوں نے چوری اور ڈکیتی چھوڑ دی، ہزاروں بے نمازی نمازی بن گئے، ہزاروں داڑھی منڈوں نے داڑھی رکھ لی، ہزاروں جنٹل مینوں نے اپنے کو عالمانہ لباس میں داخل کرلیا، ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کرلیا اور لاکھوں بے آباد مسجدیں اس مکتب فکر کی کوششوں سے آباد ہوگئیں؛ اس لئے حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کو حدیث رسول: ”**إن العلماء ورثة الأنبياء**“ (أبوداؤد، كتاب العلم، باب في فضل العلم، النسخة الهندية ۲/ ۵۱۳، دارالسلام، رقم: ۳۶٤۱، بخاري تحت رقم الباب، كتاب العلم ۱/ ۱٦، سنن الترمذي، أبواب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، النسخة الهندية ۲/

۱۹۷، دارالسلام، رقم: ۲۶۸۲، سنن ابن ماجة مقدمه باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، النسخة الهندية / ۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۲۳) کا صحیح مصداق قرار دے کر صحیح معنی میں ان کو نائب رسول کہا جاسکتا ہے۔ اوراس پر مزید بڑھا چڑھا کر کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں، جس کی وجہ سے مخالفین کو موقع مل سکے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۳ھ

تبلیغی جماعت بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا مصداق

سوال [۱۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتال کے علاوہ کسی دینی محنت اور کام (مثلاً: مدارس کی تعلیمات وتصنیفات اور تبلیغی جماعت وغیرہ) پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا اطلاق درست ہے یا نہیں؟ اگر صرف جہاد سے متعلق آیات واحادیث قتال وغیرہ کے ساتھ خاص ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے غزوات ایسے ہوئے جن میں قتال ہوا ہی نہیں، مگر جہاد کی آیات واحادیث ان کی اس محنت اور سفر کا مصداق ہیں، پھر کوئی فرق وتفصیل ہے یا نہیں؟ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے شرح ترمذی ''**تحفة الألمعي**'' ۴/ میں جو اس بارے میں تفصیل لکھی ہے، وہ کہاں تک اقرب الی النصوص ہے؟ دلائل کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبدالعزیز گوڑ یاوی، استاذ فقہ مدرسہ طاہریہ چنگائیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور جو جنگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہو وہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، جیسا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اس کی وضاحت موجود ہے:

عن أبي موسیٰ –رضي الله عنه– قال: جاء رجل إلی النبي ﷺ فقال: الرجل يقاتل للمغنم، والرجل يقاتل للذكر، والرجل يقاتل ليرى مكانه، فمن في سبيل الله؟ قال: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله. (بخاري كتاب الجهاد والسير، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، النسخة الهندية ۱/ ۳۹۴، رقم: ۲۷۲٦، ف: ۲۸۱۰، كتاب العلم، باب من سأل وهو قائم عالما جالسا، النسخة الهندية ۱/ ۲۳، رقم: ۱۲۳-۳۰۲٦، ف: ۳۱۲٦، ۷۱۵۸، ف: ۷۴۵۸)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی جہاد نفس کو جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہے۔

عن جابر –رضي الله عنه– قدم على رسول الله ﷺ قوم غزاة، فقال: قدمتم خير المقدم من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر، قيل: وما الجهاد الأكبر؟ قال: مجاهدة العبد هواه. (روح المعاني، سورة الحج، زكريا ۱۰/ ۳۰۸)

لہٰذا اس کے اندر مدارس کی تدریس وتعلیم اور علماء کی تصنیفات اور تبلیغی جماعت کی دعوت وغیرہ سب عمومیت کے ساتھ کسی نہ کسی طریقہ سے جہاد فی سبیل اللہ کے عموم میں شامل ہیں، کیوں کہ ان میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا معنی موجود ہے۔ سائل نے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ کی شرح ترمذی "**تحفة الألمعي**" کا حوالہ دیا تھا، حضرت نے جو شدت کے ساتھ تبلیغی جماعت وغیرہ پر جہاد کے اطلاق کی تردید فرمائی ہے وہ ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتی؛ بلکہ اس کے مقابلہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کی صراحت زیادہ قابل قبول ہے، حضرت نے تبلیغی جماعت پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات میں ایک کتابچہ لکھا ہے، اس میں اس مسئلہ کو خوب وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو "تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص: ۲-۴۔ (مستفاد: انوار ہدایت، ص: ۳۸۸-۳۹۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۲٦)

کیا خانقاہ اور جماعت کے علوم سے مستفید حضرات عالم کہلائے جانے کے مستحق ہیں؟

سوال [۱۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو حضرات خانقاہ میں اکابرین کی صحبت میں رہتے ہیں اور جماعت میں جاتے ہیں، ان راستوں سے جو علم (قرآن وحدیث کا) ان کو ملتا ہے، اس پر وہ عمل کرتے ہیں، تو وہ اتنے علم کے عالم کہلائے جائیں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم الدین، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ پڑھے بغیر صرف خانقاہ میں رہ کر استفادہ کرنے والے یا تبلیغی جماعت میں جاکر کے اپنی اصلاح کر کے شریعت کے فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کے عادی بن کر عبادت کے شوقین بن جانے والے کو عابد تو کہا جاسکتا ہے، مگر عالم نہیں کہا جاسکتا ہے۔

والعبادة ما يثاب على فعله، ويتوقف على نية، فنحو الصلوات الخمس، والصوم، والزكاة، والحج من كل ما يتوقف على النية قربة وطاعة وعبادة. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب: الفرق بين الطاعة والقربة والعبادة، كراچی ۱/ ۱۰٦، زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ محرم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۳۳ھ

دعوت وتبلیغ سے متعلق علماء کانپور کے چند سوالات اور دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اہم اور مدلل جوابات

سوال [۱۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن مقاصد کے لئے تھی، جنہیں کارِ نبوت کہنا چاہئے وہ کیا کیا امور ہیں؟ اگر کوئی شخص صرف مسلمانوں میں ایمان واعمال کی مروجہ محنت (چلہ چار مہینہ) اور موجودہ طریقۂ دعوت وتبلیغ پر کارِ نبوت کے مفہوم کو منحصر کرے تو شرعاً یہ صحیح ہوگا؟ یا غلو اور تحریف فی الدین کا مصداق ہوگا؟ اور کیا عہد نبوت میں صرف دعوت کی محنت رائج تھی یا تعلیم وتعلم اور تزکیہ وتصوف (احسان) وغیرہ کا بھی سلسلہ تھا اور اس کی کیا شکل تھی؟ جو ان امور کا منکر ہو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، تزکیہ وتربیت کا شرعاً کیا درجہ ہے؟ کس چیز میں لگنا فرض عین ہے اور کیا چیز فرض کفایہ ہے؟ نیز موجودہ زمانہ میں دعوت وتبلیغ کی مسلمین اور غیر مسلمین میں شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اور مروجہ دعوت وتبلیغ (چلہ چار مہینہ) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ فی زماننا مدارس اور خانقاہوں کا وجود شرعاً ضروری (واجب لغیرہٖ) ہے یا نہیں؟ جو اس کے وجوب کا مخالف ہو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) کیا عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہ میں دعوت وتبلیغ، یا تعلیم وتزکیہ وغیرہ کسی مخصوص طرز کے ساتھ متعین تھے؟ اور ان کا کوئی لگا بندھا طریقہ تھا یا کوئی خاص شکل شرعاً متعین نہیں کی گئی تھی؟ اگر کوئی شخص موجودہ مروجہ طریقۂ دعوت (چلہ چار مہینہ) کو کہے کہ صحابہ کا یہی طریقہ تھا، یعنی وہ چلہ یا چار مہینہ لگاتے تھے، تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور یہ کہنے والا کیا تحریف فی الدین کا مرتکب کہلائے گا؟

(۴) کیا خاص وعام ہر ایک مسلمان کو مروجہ دعوت کی محنت میں یعنی چلہ چار مہینہ میں لگنا ضروری ہے؟ اگر کوئی عالم یا مربی عوام کی دینی اصلاح کے لئے دعوت وتبلیغ کے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر کوئی اور مفید صورت تجویز کرے، مثلاً (ہردوئی کا دعوۃ الحق کا نظام وغیرہ) تو شرعاً یہ دوسرا طریقہ بھی صحیح کہلائے گا یا نہیں؟ اگر کوئی اس کو حرام اور غلط کہے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر حرام نہ کہتے ہوئے اسے جبر یا سازش سے بند کرانے کی کوشش کرے تو کیا حکم ہے؟

(۵) دینی مدارس کے اساتذہ باتنخواہ پڑھاتے ہیں، جب کہ دعوت وتبلیغ والے حضرات کا کہنا

ہے کہ وہ اپنا خرچ خود لگاتے ہیں، تو کیا مدرسہ کی خدمت کا معاوضہ یا تنخواہ لینے کے سبب مدرسہ کا مدرس وملازم دینی خدمت میں مشغول کہلانے کا مستحق نہیں؟ اور کیا وہ تنخواہ کی وجہ سے آخرت کے اجر کا مستحق نہیں رہا؟ خیر القرون اور خلافتِ راشدہ کے عہد میں مستقل دینی خدمت میں مشغول حضرات کے لئے اجرت تنخواہ یا وظیفہ کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر کوئی مدارس کے فروغ اور اجرت لینے کو دنیا کا دھندہ کہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۶) اگر کسی شخص نے مروجہ دعوت وتبلیغ میں بالکل وقت نہیں لگایا اور وہ کسی شخص کے پاس یا مدرسہ میں رہ کر اپنی اصلاح کرا کر لوگوں کو دینی امور کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہے، ایسا شخص دعوت وتبلیغ میں وقت نہ لگانے کی وجہ سے کسی فریضہ کا تارک ہو کر گنہگار ہے؟ یا شرعاً وہ راہِ راست پر ہے؟

(۷) مروجہ محنت (چلہ چار مہینہ) میں معروفات پر سارا زور ہوتا ہے، منکرات کو قصداً نہیں چھیڑا جاتا، تو کیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم صرف معروفات کی محنت سے پورا ہو جائے گا؟ نیز حسب استطاعت منکرات پر نکیر کئے بغیر معروفات اور ایمان وعمل کی تبلیغ کو مکمل تبلیغی کام کہنا اور نہج نبوت کے مطابق کہنا صحیح ہوگا؟ اور کیا امت کے لئے معروفات کی تبلیغ کی محنت کافی ہے؟ نہی عن المنکر والی جماعت کا وجود ضروری نہیں؟

(۸) دعوت وتبلیغ یعنی چلہ چار مہینہ میں لگنے کا کام زیادہ تعداد میں لوگ کر رہے ہیں، تصنیف وتالیف، تدریس وافتاء، تزکیہ واصلاح میں نسبتاً افراد کم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دیگر دینی مذکورہ شعبوں میں مشغول افراد کو بھی وقت لگانا ضروری ہے یا وہ دعوت وتبلیغ سے زیادہ اہم کام میں مشغول کہلائیں گے؟

(۹) اگر کسی ایک مسجد میں مدرسہ وتبلیغ کا نظام دونوں قائم ہوں اور مدرسہ میں تعلیم وتعلم کے کام سے تبلیغی کام کے مشورہ یا ان کے سونے میں خلل پڑتا ہو، تو کیا تبلیغی احباب قرآن پڑھنے والے طلبہ یا علوم دینیہ کے تکرار ومطالعہ سے طلبہ کو روک کر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں؟ ایسی صورت میں وہاں سے مدرسہ کو ختم کرنا چاہئے یا تبلیغی کام کو؟ اگر مدرسہ کی تعلیم کی وجہ سے

تبلیغی حضرات اپنا کام کہیں اور منتقل کریں تو اس میں ان کو ثواب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر اہل تبلیغ حضرات کی خواہش کی بنا پر مدرسہ کو اگر ختم کردیا جائے (جب کہ وہ علاقہ کا بڑا مدرسہ ہو اور تبلیغی کام وہاں کی درجنوں مساجد میں انجام دیا جارہا ہو) تو کیا مدرسہ بند کرنا بھی درست ہوگا؟ شرعاً کس عمل کو ترجیح ہوگی؟

(۱۰) جن مساجد میں معتبر علماء کرام اور مفتی حضرات امام ہیں، اگر وہ تفسیر قرآن یا درس حدیث کے ذریعہ لوگوں کو دین وعلم دین سے جوڑتے ہوں، تو ان کی تفسیر اور بیان وتقریر سے گریز کرنا اور دوسروں کو گریز کرنے کا مشورہ دینا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ دوسرے وقت فضائل اعمال کی تعلیم بھی وہاں رائج ہے، اسی طرح کسی مسجد میں تفسیر قرآن جو معتبر علماء شروع کرنا چاہیں، اس کو شروع نہ ہونے دینا اور اس کی مخالفت کرنا کیسا ہے؟

(۱۱) علماء کے عوام پر کیا کیا حقوق ہیں؟ اور ان کی حق تلفی پر کیا وعید ہے؟ اگر مروجہ دعوت وتبلیغ میں مشغول حضرات اپنے قول وفعل سے علماء کے حقوق پامال کریں یا کام میں لگے علماء اور نہ لگے علماء کے درمیان تفریق برتیں تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ نیز علماء کا وجود اور عوام کو علماء سے جڑنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی علماء کے وجود کو ضروری نہ قرار دے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۱۲) اللہ رب العزت اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انسانوں کی پیدائش کا اصل مقصد عبادت ہے یا دعوت؟ اگر کوئی یہ کہے کہ عبادت مقصد ہے اور دعوت اس کا ذریعہ تو یہ صحیح ہے؟ اور اگر کوئی یہ کہے کہ دعوت مقصد ہے اور عبادت اس سے کمتر، مثلاً اعتکاف وغیرہ سے یہ کہہ کر روکے کہ تم دعوت وعبادت کو جمع کرو اعتکاف کی حاجت نہیں، تو یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟

(۱۳) کیا موجودہ تبلیغی نظام شرعاً مقاصد وقف میں شامل ہے؟ یعنی مسجد میں جماعت کا حجرہ بنانا اور مطبخ بنانا یا مال مسجد سے خریدی ہوئی یا مسجد کے لئے کسی کی دی ہوئی الماری ان کے لئے خاص کرنا درست ہے؟ اور تبلیغی جماعت کے افراد کا کھانے کے وقت،

سونے کے وقت، ڈھائی گھنٹہ اور آٹھ گھنٹہ گزارنے کے وقت مسجد کے پنکھے، بجلی، خصوصاً انویٹر استعمال کرنا، جب کہ پنج وقتہ نمازوں میں انویٹر کی قلت ہوجاتی ہو، کیا متولی کو اس کی اجازت کا استحقاق ہے؟

(۱۴) مسجد کے امام یا مؤذن کو مہینے میں تین دن کے لئے اور سال کے چلہ کے لئے نکلنے پر مجبور کرنا یا تقرر کے وقت اس کی شرط لگانا کیسا ہے؟ اور کیا متولی اس مقصد سے جانے والوں کو مسجد کے مال سے ان ایام کی تنخواہ دے سکتا ہے؟ اگر نہیں دے سکتا تو کیا بغیر تنخواہ جماعت میں نکلنے پر مجبور یا مشروط کرنے کا متولی کو حق حاصل ہے؟ نیز کیا امام ومؤذن کے اوصاف میں سال لگائے ہونے کی قید کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ امام کے تقرر کے لئے سال کو یا جماعت میں لگنے کو معیار بنانا کیسا ہے؟

(۱۵) غیر عالم کا وعظ کہنا کیسا ہے؟ اگر کوئی غیر عالم داڑھی کٹاتا ہو اور لباس بھی غیر شرعی ہو اور وہاں علماء بھی موجود ہوں، تو کیا ایسا شخص دینی مسائل بیان کرسکتا ہے؟ شرعاً کن شرائط کے ساتھ غیر عالم کو بات کرنے کی اجازت ہے؟

(۱۶) تبلیغی جماعت کے اجتماعی اعمال اور آٹھ وڈھائی گھنٹہ کے اوقات میں لوگوں کے لئے انفرادی اعمال، ذکر، تلاوت، نوافل وغیرہ کی ادائے گی دشوار ہوجاتی ہے، نیز جماعت والوں کا تقاضا بھی ہوتا ہے کہ اجتماعی اعمال کے وقت انفرادی اعمال نہ کئے جائیں، ایسی صورت میں مسجد میں انفرادی اعمال کی انجام دہی کے لئے شرعاً کیا صورت ہے؟ کیا جماعت والوں کی بات مان کر مذکورہ اعمال ذکر، تلاوت، نوافل چھوڑ دیں؟ (جب کہ آئندہ اس کے لئے وقت نہ ملتا ہو اور گھر بھی نہ ہو یا اس لائق نہ ہو) یا پھر اجتماعی اعمال میں شرکت نہ کر کے انفرادی اعمال انجام دے کر مسجد سے جاسکتا ہے؟ اگر انفرادی اعمال میں یکسوئی نہ رہے اجتماعی اعمال کی وجہ سے خلل پڑے، تو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

(۱۷) اگر کسی نیک کام اور دینی تنظیم میں غلو اور بگاڑ عام ہوجائے، شرعی حدود پر کام باقی نہ رہ جائے؛ بلکہ اس کے ذمہ داران سے صریح تحریف فی الدین کی باتیں صادر ہوں اگرچہ کچھ

افراد معتدل بھی ہوں، تو کیا ایسے کام اور طریقہ کی حمایت ونصرت جاری رکھی جائے یا خرابیوں کے سبب بیزار ہوکر علیحدہ ہوجائے، پھر اس کی کھل کر نکیر کرے یا خاموش رہے؟ شرعاً ایسی شکل میں کیا کرنا چاہئے؟ فقط

المستفتی: منجانب: تنظیم العلماء والائمہ کانپور واطراف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق

(۴۲۷/ ب) جواب سے پہلے چند امور بطور تمہید عرض ہیں:

(۱) کارِ نبوت ایک کلی ہے، اس کی بے شمار جزئیات ہیں اور سب ہم رتبہ نہیں، ان میں اہم اور غیر اہم کا فرق ہے، سب کی تفصیل دشوار ہے اور ضروری بھی نہیں؛ البتہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام سالم کوہِ نور کی مثال تھا، وہ بیک وقت معلم ومرشد، مبلغ وداعی، محدث ومفسر، مجاہد وفرماں روا اور فقیہ ومجتہد تھے، پھر بعد کے زمانوں میں دینی کاموں کی تفصیل عمل میں آنی شروع ہوئی، مگر دین کی دعوت وتبلیغ کا کام ہر دینی کام کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا، اس سے صرف نظر نہیں کی گئی، کیوں کہ یہ دین کا بنیادی کام تھا، مگر آہستہ آہستہ اس ضمنی مگر اہم کام میں سستی پیدا ہوئی، جیسے اولیاء کی دعوت سے بے شمار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، مگر ان کی تعلیم وتربیت کی طرف بادشاہوں اور علماء نے کما حقہ توجہ نہیں دی، تو جہالت عام ہوگئی اور نو مسلم برائے نام مسلمان ہوکر رہ گئے۔

پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دار العلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کی شاخیں پھیلنی شروع ہوئیں اور انہوں نے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور اس سے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابر دیوبند کی راہ نمائی میں دعوت وتبلیغ کی داغ بیل ڈالی اور ایک خاص نہج پر کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے دونوں سلسلوں میں برکت

فرمائی اور دنیا کی کایا پلٹتی نظر آئی، پس یہ پرندے کے دو پر ہیں، یا سالم کوہِ نور کے دو ٹکڑے ہیں، دونوں کو پوری اہمیت دینی چاہئے، اگر ایک کام میں غلو ہوگا اور دوسرے کو نظر انداز کیا جائے گا، تو دین کا نقصان ہوگا۔

(۲) ہر کوئی اپنے دائرہ کار میں اپنا اثر بڑھانا چاہتا ہے، دار العلوم دیوبند مدارس کو مربوط کرنے کی سعی کرتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ مساجد کس کے دائرہ کار میں آتی ہیں، علماء ان کو اپنے دائرہ کی چیز سمجھتے ہیں، مگر وہ امامت کے علاوہ مسجد اور نمازیوں سے کچھ سروکار نہیں رکھتے، نہ محلّہ کو اور گاؤں کو جوڑتے ہیں، نہ نو جوانوں کو نماز سکھاتے ہیں، نہ ان کی دینی ذہن سازی کرتے ہیں، وہ آتے ہیں اور نماز پڑھا کر نکل جاتے ہیں اور تبلیغ والے مساجد کو اپنا دائرہ کار سمجھتے ہیں، وہ مساجد میں قیام کرتے ہیں، محلّہ اور گاؤں کو جوڑتے ہیں اور دینی ذہن بناتے ہیں، مگر وہ ایک دو دن قیام کر کے چلے جاتے ہیں، تو ان کی محنت پر پانی پھر جاتا ہے، پس اگر مساجد کے ائمہ دعوتی مزاج کے ہوں، تو وہ بعد میں جوانوں کو اور بے دین مسلمانوں کو سنبھال لیں گے اور دعوت کا کام کرنے والوں کی محنت ٹھکانے لگے گی، پس اگر تبلیغ والے اور ائمہ موافقت کے ساتھ کام کریں، تو کام خوب ہوگا، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا: ہم نہیں چاہتے کہ سب علماء تبلیغ میں لگ جائیں، اگر ایسا ہوگا تو علمی کام اور مدارس کو کون سنبھالے گا؟ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ علماء ہمارے کام کی موافقت کریں، تاکہ ہماری جماعتوں کو کام کرنے میں سہولت ہو۔

(۳) جس کثرت کی وحدتِ جامعہ قوی ہوتی ہے، وہ اپنی کثرت کو سنبھالے رکھتی ہے اور اگر وحدت جامعہ کمزور پڑ جائے تو وہ کثرت کو نہیں سنبھال سکتی، جیسے مضبوط ٹاٹ میں روڑے باندھ کر چلیں تو ٹاٹ نہیں پھٹے گا اور بوسیدہ کپڑے میں روڑے لے کر چلیں تو کپڑا پھٹ جائے گا، پس جب کوئی کام غیر معمولی حد تک پھیل جائے تو وحدت جامعہ کی مضبوطی ضروری ہے۔

(۴) ایک ملک کا ایک مرکز ہونا چاہئے، مراکز کا تعدد انتشار کا باعث ہوگا، برصغیر میں بلکہ سارے عالم میں اہل السنہ والجماعت کا مرکز دار العلوم دیوبند ہے، تمام دینی تحریکات اور

ادارے اس مرکز سے وابستہ رہیں تو خیر ہمکنار رہے گی، تحریک تبلیغ کے بانی حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ، پھر ان کے خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہ ازخود اکابر کی خدمت میں آتے تھے، ان کو میوات کے اجتماعات میں لے جاتے تھے، اور کام کے سلسلہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے، بعد کے امراء کو بھی اسی طریقہ پر رہنا چاہئے۔

(۵) ہر بڑی جماعت میں عوام بھی ہوتے ہیں اور خواص بھی، عوام تو بے لگام ہوتے ہیں، ان کی باتوں کو ہفوات سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے، ہاں خواص کی باتیں قابل اعتناء ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات عرض ہیں:

(۱) اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آ گیا۔

(۲) دین کے سب کام ضروری ہیں، مکاتب کا کام مسلمان بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے، جو فرض عین ہے، عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین کی تعلیم دینا ہے، جو فرض کفایہ ہے اور جماعت تبلیغ کا کام بڑی عمر کے لوگوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے اور غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینا مستقل کام ہے۔ اور موجودہ طریقۂ تبلیغ تعلیم بالغان کی ایک صورت ہے، جو نہایت مفید ہے۔

(۳) اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آ گیا ہے، دینی کاموں کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں، جیسے نفس علاج سنت ہے، مگر اس کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں۔

(۴) دعوت وتبلیغ کے لئے کوئی بھی نہج اپنا سکتے ہیں، کوئی خاص طریقہ متعین نہیں اور رائج طریقہ حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابرین دارالعلوم کے مشورہ سے چلایا ہے، پس دورِ اول کے کام سے استناد تو کر سکتے ہیں، مگر اس کو بعینہٖ صحابہ والا کام نہیں کہہ سکتے، یہی حال تعلیم کا ہے، اس کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اور صحابہ کے طریقہ سے صرف استناد کر سکتے ہیں۔

(۵) متأخرین نے ضروری طاعتِ مقصودہ پر تنخواہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، پس ان کا کام بھی بالیقین دینی خدمت ہے، وہ آخرت کے اجر کے حق دار ہوں گے، پہلے حکومت وظائف

دیتی تھی، اب ملت یا ادارے تنخواہ (ضروریاتِ زندگی) مہیا کرتے ہیں، اس سے اخروی اجر ختم نہیں ہوتا۔

(۶) شرعاً راہِ راست پر ہے، تارک فریضہ نہیں۔

(۷) نہی عن المنکر بھی دین کا جزو ہے، اس کا بھی اہتمام ہونا چاہئے۔

(۸) ہر فرض کفایہ بقدر کفایہ فرض ہے۔ اور جو کوئی دین کی کوئی لائن پکڑے وہ دوسری لائنوں سے کام کرنے والوں کی ہمنوائی کرے مخالفت نہ کرے، مگر یہ کہ وہ کام غلط ہو۔

(۹) مسجدیں درحقیقت نماز کے لئے ہیں، فارغ اوقات میں دوسرے دینی کام کئے جاسکتے ہیں اور نماز سے مراد فرائض، واجبات اور دیگر ملحق سنتیں ہیں، ذاتی وظائف مراد نہیں، پس فارغ اوقات میں باہم موافقت کے ساتھ دونوں کام کئے جائیں، منازعت سے بچا جائے۔

(۱۰) یہ طریقہ مناسب نہیں، اس سے جماعت کے احباب کو بچنا چاہئے۔

(۱۱) یہ سوال غیر ضروری ہے، جماعت کے خواص اس سے بری ہیں اور عوام بے لگام کا اعتبار نہیں۔

(۱۲) مقصدِ تخلیق عبادت ہے اور دعوت اس کا ذریعہ ہے۔

(۱۳) اس سوال کا جواب دو باتوں پر موقوف ہے: (۱) یہ کام مسجد کے غلہ (آمدنی) سے کیا جاتا ہے یا چندہ سے؟ (۲) اگر چندے سے کیا جاتا ہے، تو چندہ دہندگان کی طرف سے اجازت ہے یا نہیں؟ اگرچہ اجازت عرفاً ہو، اس کے جواب پر جواب موقوف ہے۔

(۱۴) اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آ گیا۔

(۱۵) غیر عالم کا وعظ دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) چھ نمبر کے دائرہ میں رہ کر تمرین کے لئے بیان کرنا عامی کے لئے بھی جائز ہے (۲) دین کی باتیں بیان کرنا افادہ کے لئے، اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے۔

(۱۶) اس کا جواب جواب نمبر ۹/میں آ گیا۔

(۱۷) صحیح طریقہ کی حمایت کی جائے اور خرابیوں کی اصلاح کی جائے، مگر غلو اور تحریفات کا کوئی علاج نہیں۔ **اللّٰھم احفظنا منه.**

کتبہ: سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح:
محمود الحسن غفرلہ بلندشہری

الجواب صحیح:
زین الاسلام قاسمی الہ آبادی

الجواب صحیح:
محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ

الجواب صحیح:
وقار علی غفرلہ

الجواب صحیح:
فخر الاسلام عفی عنہ

الجواب صحیح:
العبد محمد مصعب عفی عنہ

الجواب صحیح:
محمد اسد اللہ غفرلہ

دارالعلوم دیوبند کا یہ مدلل جواب انتہائی مناسب اور راہ اعتدال کی ایک شاندار عبارت ہے، ہم اس کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۷/ ۱۴۳۶ھ

تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار کو بدعت کہنے کا حکم

سوال [۱۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو طبقہ اہل حدیث سے تعلق رکھتا ہے، وہ اکثر وبیشتر کہتا رہتا ہے کہ: تبلیغی جماعت کا وجود چودھویں صدی ہجری میں ہوا اور اس نے چلہ وگشت کا جو طریقہ نکالا، اسی طرح اس کے مبلغین جو شہر شہر، گاؤں گاؤں پھرتے ہیں، عوام کے سامنے تقریریں کرتے ہیں، فضائل ومسائل بیان کرتے ہیں، تو پہلی خرابی یہ ہے کہ ننانوے فی صد مبلغین اور ان کے امیر غیر عالم ہوتے ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ ایسے لوگ ضعیف وموضوع روایات سناتے ہیں، اس کے علاوہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے چلوں میں شریک بعض نوجوان غلط

حرکات کرتے ہیں، غیر قانونی جرائم میں بھی ملوث پائے جاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔
ایسی صورت میں یہ تبلیغی جماعت اوراس کی یہ سرگرمیاں جو دین کے نام پر ہوتی ہیں، یہ سب از قبیل بدعات ہیں اور جو علماء ان کی تائید کرتے ہیں وہ بھی بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آیا اس شخص کی یہ باتیں از روئے شرع صحیح ہیں یا غلط؟ اگر صحیح ہیں تو قرآن وحدیث وکتب اسلاف سے اسے مدلل کیا جائے۔ اور اگر غلط ہیں تو اسے بھی بالتفصیل مع دلائل واضح کیا جائے۔

المستفتی: محمد احد، ذاکر نگر نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت اور تبلیغی مکتب فکر عامۃ المسلمین، بے نمازیوں اور بے کار پھرنے والوں، چوری ڈکیتی جیسی برائیوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اصلاحی لائن میں لانے کے لئے اور ان کو نمازی بنانے کے لئے نہایت بہترین سبب اور عمدہ ترین ذریعہ ہے؛ اس لئے اس کے طریقۂ کار کو بدعت وغیرہ کہہ کر اس کام پر رکاوٹیں پیدا کرنا ایک عمدہ ترین دینی خدمت کی مخالفت ہے۔ اور یہ جو سوال کیا گیا ہے کہ ننا نوے فیصد غیر عالم ہوتے ہیں، یہ بات اپنی جگہ درست ہے، یہ سب وہ غیر علماء ہیں، جن کی زندگی کا لمبا حصہ بغیر نماز اور خرافات میں گزر چکا ہے، آج وہ اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد دوسروں کی بھی نماز واصلاح کی دعوت دے رہے ہیں اور جہاں تک ضعیف وموضوع روایات بیان کرنے کی بات ہے، تو موضوع روایات کا بیان کرنا درست نہیں ہے۔ اور یہ لوگ عام طور پر فضائل اعمال کی روایات بیان کرتے ہیں۔ اور فضائل اعمال میں جو روایات ہیں وہ ضعیف تو ضرور ہوتی ہیں؛ لیکن موضوع نہیں ہوتی ہیں، نیز غیر علماء کے لئے دعوت وتبلیغ جائز ہے، ہاں البتہ خطیبانہ اور واعظانہ انداز سے قرآن وحدیث کے نصوص سے تقریر کرنا قابل تردد ہے۔ اور تبلیغی جماعت میں بیان کرنے والے دعوت وتبلیغ ہی کے موضوع پر دعوت پیش کرتے ہیں اور ان کے لئے چھ نمبر کی حدود متعین ہیں اور اسی حدود میں رہ کر بیان کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے، ہاں البتہ اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض

لوگ حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کی جانی چاہئے۔ اور غلطیاں ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ ہوتی ہیں اور جب اس جماعت میں عوام اوران پڑھوں کی کثرت ہوتی ہے، تو ظاہر بات ہے کہ غلطیاں اور بے اصولی بھی کثرت سے ہوں گی ، ان غلطیوں اور بے اصولیوں کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے ، نہ یہ کہ اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں۔ اور سوال نامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ بعض نو جوان غلط حرکت کرتے ہیں اور غیر قانونی جرائم میں بھی ملوث پائے جاتے ہیں، تو یہ محض سنی سنائی الزام کی باتیں ہیں، ایسی ہی باتیں ہر مکتبِ فکر کے بارے میں اڑائی جاتی ہیں۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع. (صحيح مسلم، مقدمه، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع ١/ ٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٢٠، رقم: ٨٢٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۸/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۰۹)

تبلیغی جماعت پر شبہ کا جواب

سوال [۱۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) میں تبلیغی جماعت میں لگنے سے پہلے دین سے کوسوں دور تھا؛ لیکن جب سے میں تبلیغی جماعت میں منسلک ہوا ہوں الحمد للہ مجھے دین کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوگئی ہیں، پنجوقتہ نمازوں کی پابندی، حقوق اللہ، حقوق العباد ادا کرنے کی ہر ممکن سعی،

علماء دین وبزرگان دین کی اطاعت وقدر، شرک وبدعت سے بچنا، والدین کی فرماں برداری، اور اوراد واذ کار کی پابندی میرے مشاغل میں شامل ہیں، مختصر یہ ہے کہ تبلیغ نے میری حیات کو سنوار دیا ہے؛ لیکن مولوی صاحب جن کے پاس میں اکثر بیٹھتا رہتا ہوں، فرماتے ہیں کہ جملہ تبلیغیوں میں یہود ونصاریٰ کی خصلت ہے، اس وجہ سے ہم (علماء) ان کی مخالفت کرتے ہیں اور ایک دوسرے عالم صاحب تبلیغیوں کو بےشعور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ بات سب پر عیاں ہے کہ بستی کا کوئی عالم جماعت میں نہیں لگتا، اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہے، مہربانی فرما کر یہ بات بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیں کہ عامۃ المسلمین کو اپنی اصلاح کے واسطے اور خواص یعنی علماء کو دوسروں کی اصلاح کے واسطے جماعت میں جانا یا جماعت کی مجالس میں لگنا شرعاً لازم ہے یا نہیں؟

(۲) جماعت کے بارے میں مذکورہ خیالات رکھنے والے عالم صاحبان کے پیچھے فرض نماز یا تراویح پڑھنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آنجناب نے سوال نامہ میں اپنے ذاتی جو محاسن گنائے ہیں، اگر واقعتاً یہ محاسن آپ کو حاصل ہیں، تو اللہم زد فزد، مگر کسی کے اندر اس طرح کی خوبیاں جب پیدا ہو جاتی ہیں، تو وہ اپنی خوبیوں کو بیان نہیں کیا کرتا اور خودستائی عند اللہ اور عند الناس اچھی نہیں سمجھی جاتی، شاید اس وجہ سے ان عالم صاحب نے آپ کو ایسی بات کہی ہوگی، ورنہ اس وقت پوری دنیا میں عالمی سطح پر تبلیغ سے جو دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے، اس کی نظیر شاید اسلامی دنیا نے کبھی نہیں دیکھی ہے، اس میں صحیح اصول اور صحیح طریقہ سے جو کام کرنے والے ہیں، ان کو یہود ونصاریٰ جیسا بتلانا نہایت خطرناک ہے، مگر سوال نامہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کا اس عالم سے زیادہ قرب ہے اور دونوں میں ذاتی رنجش کی بنا پر آپ سے ایسی بات کہی ہے، نیز اصلاح کے لئے تبلیغ کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں، جن کو اختیار کر کے ایک مسلمان بہترین دیندار بن سکتا ہے؛ اس لئے اصلاح کے واسطے صرف تبلیغ

ہی میں لگنا ضروری اور لازم سمجھنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ تبلیغ کا راستہ اس وقت اصلاح کے لئے بہت آسان راستہ ہے، مگر لازم یا واجب نہیں، نیز یہ بات نہایت ظلم اور حد سے تجاوز ہے کہ تبلیغ میں لگنے والے مدارس یا خانقاہ کی برائی کریں، یا مدارس و خانقاہ والے تبلیغ والوں کی برائی کریں، ہاں البتہ جو بات قابل اصلاح ہو اصلاح کے طریقہ سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، مدارس، خانقاہ، تبلیغی جماعت تینوں ہدایت اور اصلاح کی راہیں ہیں، تینوں کا احترام ضروری ہے۔

عن أبي ذر –رضی الله عنه– أنه سمع النبي ﷺ يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه، إن لم يكن صاحبه كذلك. (صحيح البخاري، باب ماينهى من السباب واللعن، النسخة الهندية ۲/ ۸۹۳، رقم: ۵۸۱۰، ف: ۶۰۴۵، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۹/ ۳۵۴، رقم: ۳۹۱۹)

(۲) ان علماء سے جب تک براہ راست گفتگو نہ ہوگی کوئی حکم نہیں لکھا جا سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/۱۴۱۷ھ

تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات

سوال [۱۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گزارش خدمت میں یہ ہے کہ مشہور زمانہ جماعت تبلیغ سے آپ اچھی طرح واقف ہوں گے، اس کے بانی، سرپرست حضرات اور روح رواں بڑے عالم اور صاحب حیثیت بزرگ رہے ہیں اور ہیں، جماعت کے اصول وضوابط بھی مشہور ومعروف ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ یہ سب باتیں قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں، اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں ہے۔ اور جماعت تبلیغ کا عمومی طور پر نافع ہونا اظہر من الشّمس ہے؛ بلکہ دین کے تمام شعبہ جات

کے احیاء کا ذریعہ ہے۔ اور اس میں اپنی جان ومال، وقت کو لگانا اور دوسروں کو ترغیب دینا کارِ ثواب ہے، خلاف شرع نہیں۔

ابھی کچھ دنوں پہلے ایک کتاب نظر سے گذری، جس کا نام ’’موجودہ جماعت تبلیغ اور اس کا شرعی حکم‘‘ ہے، مکتبہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں تبلیغی جماعت کو بدعت ضلالت، حرام مکروہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ہمارے علاقہ کے بعض بزرگ اس کتاب کو دیکھ کر اور افراد کی غلطیوں کی بنا پر اپنے عمومی بیان اور مجالس میں اس کا اظہار فرمارہے ہیں کہ یہ بدعت سیئہ ہے اور اس کو وہ اظہار حق سمجھتے ہیں۔ کتاب کی عبارت بھی منقول ہے، اس کو ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمادیں کہ کیا واقعی یہ کام بدعت وممنوع ہے، یا اس میں لگے رہنا کارِ ثواب ہے؟ نوازش ہوگی کرم ہوگا۔

از ص: ۱۲ تا ۱۴/ پس تبلیغ ترغیب وترہیب اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وعدووعید، تبشیر وانذار، لینت وغلظت، تحسین حسن، تقبیح قبح، نصرت ومودت زبانی وتحریری صلح وجنگ، تذکیراً وموعظۃً، انفراداً واجمالاً، مباحثۃً ومناظرۃً، ہدایت وارشاد، تعلیم وتدریس ایک جگہ مقیم رہ کر اور سفر وخرچ کر کے، سردی وگرمی، مالی وجسمانی خدمت کر کے، غرض کہ ہر مباح صورت سے کی جاسکتی ہے اور مکمل شریعت کی مکمل تبلیغ کسی خاص جزو کی نہیں، جب جہاں جس چیز کی جو صورت بھی مناسب، جائز، مفید اور مؤثر ہو اختیار کی جائے گی۔ اور یہ سب طریقے اور ذرائع مجموعی حیثیت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور محدثین ومجتہدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہیں، سلف صالحین کا برابر اسی پر عمل رہا اور آج تک چلا آرہا ہے، تو جب کہ تبلیغ مطلق اور عام ہے، تو حسب قواعد شرعیہ تبلیغ کو کسی خاص طریقہ اور کیفیت اور ہیئت سے مقید ومحدود اور متعین ومخصوص اپنی رائے سے کرنا شریعت محمدیہ کا حلیہ بگاڑ دینا اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے، یہی تعدی حدود اللہ، تغییر شرع، احداث فی الدین اور بدعت وضلالت ہے، تبلیغ مروجہ، خروج، چلہ، گشت، تشکیل، امور ستہ ضروریہ اور امر ببعض المعروف، ترک اکثر المعروف، ترک نہی عن المنکر برأسہ، دعا

بالجہر والاجماع، بیداری شب جمعہ، اجتماعی تلاوت یٰسین شریف، تقدیم الجہال علی منصب العلماء، امارت نا اہل وفساق، تنقیص وتحقیر علماء ومشائخ ومدارس وخوانق، مداہنت فی الدین، جمعہ فی القری، شرکت مجالس مولود وغیرہ سے مقید ومخصوص کر دی گئی ہے، پھراس پر اصرار تاکید، التزام مالا یلتزم، تداعی واہتمام، مزید براں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم اپنی کتاب ''تبلیغی جماعت کے اوپر عمومی اعتراضات کے جوابات'' کے ص: ۲۰۴ اول ایڈیشن پر بحوالہ جناب مولانا منظور نعمانی صاحب فرماتے ہیں، یہاں تبلیغ سے مراد ایک خاص نظام عمل کی پابندی کرتے ہوئے خاص پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرنا، چندسطروں کے بعد یہی خاص عملی پروگرام ہے اوراس کے لئے مسلمان کوخواہ اس کے علم وعمل میں کتنی ہی کمی ہو، اس کو دعوت دی جاتی ہے؛ بلکہ جہاں تک بس چلتا ہے کھینچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نیز خود حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کتاب مذکور کے ۴۲/ پر تصریح فرماتے ہیں: تبلیغ میں چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں، انہیں کی مشق کرائی جاتی ہے اور انہیں کو پیام کے طور پر لے جا کر شہر در شہر، ملک در ملک بھیجا جاتا ہے، ان کے اصولوں میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے: کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں، نیز ص: ۴۶/ پر مزید یہ کہ عالم کا وعظ کہنا حق ہے، مگر تبلیغی اسفار اور تبلیغی اجتماعات میں وہ بھی اس کے پابند ہیں، کہ تبلیغ کے چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیز نہ چھیڑیں......غرضیکہ تبلیغ مروجہ کا مخصوص ومحدود ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ خاص نظام عمل خاص اعمال واشغال کی پابندی خاص پروگرام کے مطابق زندگی گذارنا مروجہ بہ ہیئت ترکیبی مجموعی کے ساتھ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا، نہ حضرات صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں تھا، سلف صالحین کے یہاں اس کا پتہ ونشان بالکل نہیں، یہ چودھویں صدی کی ایجاد ہے، پس اس ہیئت مقیدہ کے التزام واصرار پر پابندی وتاکید عموماً علماء وخصوصاً جہلاء ایہام وجوب ومفضی الی فساد عقیدۃ العوام وتداعی واتمام کی بنا پر تبلیغ مروجہ بدعت ہونے اور

انضمام مکروہات کی وجہ سے حرام ومکروہ ہونے، غرض مجموعہ ہیئت کذائیہ کے ممنوع ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے کہ مطلق تبلیغ کے ثبوت سے مقید تبلیغ کا ثبوت نہیں ہوتا، احکام عامہ مطلقہ سے امور خاصہ مقیدہ مخصوصہ کا اثبات ہرگز صحیح نہیں، تاوقتیکہ امور مقیدہ مخصوصہ کی تخصیص وتقیید کے لئے کوئی خاص اور مستقل دلیل نہ ہو، شریعت مقدسہ کے کسی مطلق حکم کو اپنی رائے سے مقید اور خاص کرنے کا کسی کو حق نہیں، خواہ صحابی ہی کیوں نہ ہو، مطلق کو مقید، خاص کو عام اپنی رائے سے بدون دلیل شرعی کرنا احداث فی الدین، بدعت وضلالت اور منصب تشریع پر دست اندازی ہے۔

المستفتی: عبدالغنی دارالسلام، خانقاہ عالمگیر بھی نگر، احمد نگر مہا راشٹر

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ احقر موجودہ تبلیغ سے وافر طریقے سے واقف نہیں تھا، اس لئے برائے تجربہ آپ کے استفتا کو مؤخر کرکے اولاً تبلیغ کے متعلق جائزہ لینے کی کوشش شروع کردی گئی، چنانچہ دہلی نظام الدین گیا، تو دیکھا کہ جو لوگ تبلیغی دورہ کرتے ہیں اور اس جماعت کے نمائندے ہیں، مرکز نظام الدین میں طالبان علم دین کو ہدایہ، جلالین، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، صحاح ستہ وغیرہ کا درس بھی دیتے ہیں، پھر رائے پور خانقاہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم پاکستان سے تشریف لائے ہوئے ہیں، وہاں اپنی اصلاح کی غرض سے جانا ہوا، تو دیکھا کہ وہاں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب جو تبلیغی جماعت کے بہت بڑے نمائندے ہیں، موجود تھے، پھر ابھی فروری ۱۹۸۸ء میں ٹانڈہ ضلع رامپور میں دو روزہ تبلیغی اجتماع ہوا، جس میں تقریباً ستر اسی ہزار کا مجمع تھا، وہاں دو مرتبہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کی تقریر سنی اور بالقصد ان کی تقریر کو مثبت ومنفی، تقلید وتنقید، تنقیص وتحقیر ہر پہلو سے غور وخوض کرکے سوچا، تو بالآخر مجبوراً انصاف سے ماننا پڑا کہ وہ لوگ مدارس اسلامیہ کی تدریس اور دعوت الی الخیر اور بزرگوں کے اصلاحی ملفوظات، نیز ان تمام چیزوں کو بھی تبلیغ

سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں، جن کو رسالہ ’’موجودہ تبلیغ اوراس کا شرعی حکم‘‘ کے مصنف نے ص:۱۲ تا ۱۴/ کے تحت تبلیغ شرعی کے مصداق کے لئے نقل فرمایا ہے۔ جماعت مذکورہ میں ترغیب وترہیب، امر بالمعروف نہی عن المنکر ، وعدہ ووعید، تبشیر وانذار، لینت وغلظت، تحسین حسن وتقبیح قبح، نصرت ومؤدت، زبانی وتحریری، تذکیر وموعظۃ، درس وتدریس، تعلیم وتعلم غرضیکہ تقریباً تمام ان امور کو بخوشی عمل میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے، جن کو صاحب رسالہ مذکورہ نے تبلیغ کے مصداق کے لئے نقل فرمایا ہے؛ البتہ دعوت کو تبلیغ کا جزو اہم قرار دیتے ہیں، جس کی وجہ سے مطلق کو مقید کرنا لازم نہیں آتا؛ بلکہ قاعدہ ہے: **المطلق يتحقق بتحقيق فرد واحد، وينتفي بانتفاع جميع أفراده. الخ**

المطلق ما يدل على واحد غير معين، أو اللفظ المعترض للذات دون الصفات لابالنص ولا بالإثبات، ويقابله المقيد. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند / ٤٩٢، معجم لغة الفقهاء، کراچی / ٤٣٦)

یہ اہل تبلیغ نہ مطلق کے جمیع افراد کی نفی کر کے کسی نئی چیز کو تبلیغ کہتے ہیں اور نہ مجموعہ تبلیغ کے صرف ایک فرد کے ساتھ لفظ تبلیغ کو خاص کر کے بقیہ جمیع افراد کو لفظ تبلیغ اوراس کے مصداق سے خارج کرتے ہیں؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ تمام افراد وشعبہ جات کو بھی تبلیغ سمجھتے ہوئے حسب حیثیت عمل کرتے ہوئے زیادہ مفاد کے پیش نظر ایک جزو اہم یعنی دعوت کو زیادہ فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں، جو قابل اعتراض چیز نہیں ہے؛ بلکہ اس دعوت کی اہمیت کے ساتھ دیہات، گاؤں وقصبات اور شہروں کے عوام الناس کے دلوں میں غلبہ جہالت کی بنا پر بدعات مروجہ طواف قبور، قبور پرستی، فاتحہ خوانی، عرس قوالی، تیجہ، دسواں، چالیسواں، سجدۂ قبر اہل قبور سے نذر ونیاز وغیرہ وغیرہ خرافات کے عقائد جو نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ فرائض سے بھی زیادہ اہمیت کے ساتھ بڑھتے جارہے تھے، چھ نمبروں کے ذریعہ بہت آسانی سے عقائد مذکورہ سئیہ کو چھوڑ کر اصل عقیدہ کو اپناتے ہوئے مسجد کو آباد کرنے اور عقائد اسلام کی اہمیت کو دلوں میں جمانے کی فکر وکوشش کرتے ہیں، جس کا اہم نتیجہ یہ ظاہر ہورہا ہے کہ جو

مساجد غیر آباد تھیں وہ آباد ہوتی جارہی ہیں، یا نمازیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، دارالعلوم دیوبند میں تقریباً ساڑھے چھ سو طلبہ احقر کے دورۂ حدیث کے ساتھی تھے، جن میں سے تقریباً چالیس طلبہ ایسے تھے، جن میں سے کوئی سائنس کی ڈگری حاصل کررہے تھے، کوئی ایم ایس سی کررہے تھے، کوئی اپنی ڈگری حاصل کرکے ملازمت کی فکر کررہے تھے، کوئی سینما فلم وخرافات میں تھے، کوئی نیوکلیائی کی مہارت حاصل کررہے تھے، وغیرہ وغیرہ، دعوت وتبلیغ کے فضائل سن کر جماعت میں نکلے، پھر دینی تعلیم کا داعیہ پیدا ہوتا گیا، یہاں تک کہ ابتدائی درجہ میں داخلہ لے کر باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے گئے، حتی کہ فاضل دارالعلوم بن کر اپنے اپنے علاقہ میں دینی خدمت کررہے ہیں؛ بلکہ ان میں سے بعض وہ حضرات بھی ہیں، جو اس وقت فقہ وحدیث وتفسیر کی کتابیں بھی پڑھا رہے ہیں؛ اس لئے موجودہ دعوت وتبلیغ کا حدیث شریف: **إن الدین بدأ غریبا، ویرجع غریبا، فطوبیٰ للغرباء، الذین یصلحون ما أفسد الناس من بعدي من سنتي. هذا حدیث حسن.** (سنن الترمذي، باب ما جاء أن الإسلام بدأ غریبا و سیعود غریبا، النسخة الهندیة ۲/ ۹۱، دارالسلام، رقم: ۲۶۳۰، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ۱۷/ ۱۶، رقم: ۱۱، مشکوة ۱/ ۳۰) کا مصداق ہونا اغلب ہے، نیز یہ دعوت وتبلیغ شریعت محمدیہ کے حلیہ بگاڑنے والوں اور حدوداللہ سے تجاوز کرنے والوں، تغییر شرع، احداث فی الدین اور بدعت وضلالت میں آگے بڑھنے والوں کو حدود اللہ کے اندر لاکھڑا کردیتی ہے، نیز امر ببعض المعروف ترک اکثر المعروف نہی عن المنکر براسہ اس دعوت وتبلیغ کا کام نہیں ہے؛ بلکہ اگر صاحب رسالہ نے کسی نادان، ناواقف سے ایسی حرکتیں دیکھیں ہیں، تو فاعل کی ذاتی غلطی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، جماعت ومکتب فکر کی غلطی نہیں ہے، دعا بالسر اگرچہ افضل ہے؛ لیکن دعا بالجہر والاجماع بھی جائز ہے۔ (احسن الفتاوی، زکریا ۱/ ۳۴۶) بلکہ حاضرین وسامعین کو عام فائدہ پہنچنے کی غرض سے جہر بھی افضل ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/ ۱۰۵، جدید زکریا ۶/ ۵۴)

والجهر أفضل حیث خلا مما ذکر؛ لأنه أکثر عملا و لتعدی

فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط الخ. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في المبيع، مطبوعه كوئٹه ٥/ ٢٨٢، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧٠)

قال النووي: والجمع بينهما أن الإخفاء أفضل حيث خاف الرياء، أو تأذي مصلون، أو نيام بجهره، والجهر أفضل في غير ذلک؛ لأن العمل فيه أكبر؛ ولأنه يتعدى نفعه إلى غيره؛ ولأنه يوقظ قلب القاري، ويجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط. (الموسوعة الفقهية ١٦/ ١٩٢، ١٣/ ٢٥٧)

والجهر أفضل عن لمن لا يخافه بشرط أن لا يؤذى غيره من مصل، أو نائم، أو غيرهما، وذلک لأن العمل في الجهر يتعدى نفعه إلى غيره، أي من استماع، أو تعلم، أو ذوق، أو كونه شعارا للدين؛ ولأنه يوقظ قلب القاري، ويجمع همه، ويطرد النوم عنه، وينشط غيره للعبادة، فمتى حضره شيء من هذه النيات، فالجهر أفضل. (مرقاة المفاتيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٠)

اور اجتماعی تلاوت یٰسین شریف بھی التزاماً کرنا اس جماعت کا جزو نہیں، اتفاقاً بلا التزام کی جائے تو مضائقہ نہیں، جو عام مدارس میں بھی ہوا کرتی ہے اور تقدیم الجہال علی منصب العلماء بھی اس تبلیغ کا جزو نہیں؛ بلکہ تقدیم العلماء علی الجہال والعوام ہی کا کام ہوتا ہے؛ البتہ اگر کسی موقع میں جماعت لے کر جانے کے لئے عالم نہ میسر ہوسکے تو بدرجہ مجبوری گندم اگر باہم نہ رسد پھونس غنیمت است کے تحت مقدم کیا جاتا ہے، اگر علماء کرام کثرت سے شرکت کریں گے تو یہ نوبت نہیں آسکتی، اسی طرح تنقیص وتحقیر علماء ومشائخ ومدارس وخوانق اور مداہنت فی الدین بھی اس جماعت کا کام نہیں ہے، اگر بعض افراد سے دیکھا جارہا ہے، تو بہت جلد اس کی اصلاح ضروری ہے، جماعت کے نمائندہ ذمہ داران کو مطلع کردیا جائے، یا آپ حضرات خود وقت

دے کر اس تحریک میں لگ جائیں، جب آپ پر جماعت کے عوام کو اعتماد ہو جائے تو اصلاح کرنا شروع کر دیں، انشاء اللہ تعالیٰ جو خرابیاں نظر آ رہی ہیں ختم ہو جائیں گی۔ اور جمعہ فی القری کا التزام اس جماعت پر محض تنقید ہے؛ کیوں کہ یہ جماعت جمعہ فی القری وغیرہ مسائل میں علماء ومفتیان کے فتویٰ ہی پر عمل کرتی ہے، اگر کوئی شخص تبلیغ میں جانے کے بعد علماء کے فتویٰ کے خلاف کسی جگہ جمعہ قائم کرے تو وہ غلط ہے، اس شخص کی اصلاح ضروری ہے؛ لیکن ایسا واقعہ اب تک سامنے نہیں آیا۔ اور وہ مجالس مولود جس میں مروجہ بدعات ولوازمات اور بوقت ذکر ولادت شریفہ قیام وغیرہ ہوتا ہے، یہ مکتب فکر اس کا سخت مخالف ہے، یہ نسبت اس کی طرف غلط ہے؛ البتہ اگر کوئی کرتا ہے، تو غلط کرتا ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے، خود نہ کر سکے تو مرکز کو مطلع کیا جائے، احقر کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ مرکز اس قسم کے خرافات کی اصلاح کے لئے ہر وقت کوشاں ہے، رہا حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحریر کا صحیح مطلب تو ایک ادنی اور تحتانی درجہ کے طالب علم کے لئے بھی سمجھنا آسان ہے، ایک ہوتا ہے، باب احکام اور ایک ہوتا ہے باب تربیت، تو باب تربیت میں بعض ایسی چیزوں کو بھی ضروری قرار دینا نامناسب وجرم نہیں ہے، جو باب احکام میں جرم سمجھا جاتا ہے، مثلاً ہر قسم کی تعلیم میں ارباب انتظام طلبہ کی صلاحیت کے اعتبار سے درجہ بندی کرتے ہیں، پہلی جماعت کے طلبہ کے لئے میزان نحومیر وغیرہ چھ کتابیں متعین کرتے ہیں، یہ طلبہ سال بھر انہیں کتابوں میں محنت کریں گے۔ اور ان طلبہ کو پڑھانے والے اساتذہ کرام پر بھی پابندی لگائی جاتی ہے کہ وہ انہیں مذکورہ کتابوں ہی کو سمجھایا کریں، اب اگر اس قانون سے ہٹ کر کوئی طالب علم شرح جامی یا بخاری، ترمذی کے سبق میں شرکت کرنا شروع کر دے، تو اس کو روکا جائے گا، اگر باز نہ آئے تو باب تربیت میں ناجائز حرکت کی بنا پر ارباب انتظام اس کو مدرسہ سے خارج بھی کر سکتے ہیں، اسی طرح اگر استاذ ان طلبہ کے سامنے میزان، نحومیر کی باتوں کو چھوڑ کر بخاری کی تقریر کرنا شروع کر دیں گے، تو اس سے سختی سے روکا جائے گا، بے اصولی پر مدرسہ سے علیحدہ بھی کیا جا سکتا ہے، جس کی وجہ سے ارباب انتظام کو کوئی برا نہیں کہہ سکتا؛ حالانکہ باب احکام کے اعتبار سے نہ طالب علم نے گناہ

کبیرہ کیا ہے اور نہ استاذ نے جس کی وجہ سے اتنی بڑی سزا مرتب کی جا رہی ہے؛ بلکہ باب احکام میں حدیث بخاری کے سننے سنانے میں کتنا بڑا ثواب ہے جو سب کو معلوم ہے، اسی طرح تبلیغی چھ نمبر اور ساتویں نمبر کا حال ہے کہ اس جماعت کا اہم ترین مقصد عوام الناس کی اصلاح ہے اور چونکہ نئے اور پرانے سب کو ایک ساتھ جوڑنا ہوتا ہے؛ اس لئے ارباب انتظام نے ان کی عمومی صلاحیت کے اعتبار سے ایک درجہ اور کورس مقرر کردیا ہے، جو چھ نمبروں میں محدود ہے۔ اور عوام الناس طلبہ کی حیثیت سے ہیں اور علماء کرام اساتذہ کی حیثیت سے ہیں، عوام الناس میں صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے درجہ بندی طلبہ کی طرح دوسری چیز میں مشغول ہونے سے ان کو روکا جاتا ہے۔ اور علماء کو اس لئے روکا جاتا ہے کہ اگر دوسری چیزیں بیان کرنا شروع کردیں، تو عوام الناس کو اس مدرسہ تبلیغ کی مقرر کردہ کتابیں یاد نہیں ہوسکتیں؛ اس لئے باب تربیت کی رعایت کرتے ہوئے نہ عوام الناس کو چھ نمبروں سے ہٹنے کی اجازت ہے اور نہ حضرات علماء کرام کو، تو حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی تحریر میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو قابل اعتراض ہو؛ اس لئے تبلیغی جماعت برحق ہے، اس کی مخالفت ناحق اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۹۴)

تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب

سوال [۱۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید دعوت وتبلیغ کے کام سے جڑا ہوا ہے، زید کی اکثر وبیشتر نماز چھوٹ جاتی ہے، یا پھر قضا ہوجاتی ہے، زید کی یہ عادت ہوچکی ہے کہ وہ آکر پہلے فرض نماز ادا نہیں کرتا؛ بلکہ پہلے مشورہ میں شرکت کرتا ہے، پھر ملاقات کو چلا جاتا ہے، بعد میں آکر نماز ادا کرتا ہے، کیا زید کا یہ عمل درست ہے؟ اور زید کا یہ کہنا ہے کہ مشورہ اور ملاقات کو فرض سمجھ کر کرنا چاہئے، کیا زید کا

یہ کہنا درست ہوگا؟ معلوم کرنا یہ ہے کہ زید کا یہ کہنا کہ جس نے چار مہینہ، چالیس دن نہیں لگائے اس کا ایمان کامل نہیں ہے، چار مہینے یا چالیس دن جماعت میں لگانا کیا فرض ہے یا سنت ہے؟ اسی طرح کسی ایک نماز کے بعد گروپ بنا کر بیٹھنا اور لوگوں سے ملاقاتیں کرتے پھرنا کون سے صحابی سے ثابت ہے؟ اگر یہ تمام فرض یا سنت ہیں تو مولانا الیاس صاحبؒ سے پہلے جو علماء کرام گذرے ہیں انہوں نے کیوں نہیں انجام دیئے؟ کیا ان علماء کو شریعت کی مکمل معلومات نہیں تھی، جیسے مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب اور بہت سارے علماء دین گذرے ہیں، ان کی سوانح کے اندر تو کہیں نہیں ملتا کہ یہ سب کسی نماز کے بعد مشورہ میں بیٹھتے ہوں، یا چار مہینے یا چلے میں جاتے ہوں، اگر یہ کام نہ فرض ہے نہ سنت تو پھر کیا ہے؟ اور میں نے علماء سے سنا ہے اور بار ہا پڑھا بھی ہے کہ شریعت میں کسی نئے کام کی ایجاد کرنا کیسا ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ تبلیغ کرنا بدعت ہے؛ لیکن یہ پوچھنا چاہتا ہوں، کیا یہ سب کام تبلیغ کا حصہ ہیں؟

المستفتی: اکرم نواز قاسمی ڈیکن جمنی نہ لکڑی پل R.M. 744

پونہ، پن ۴۱۱۵۵۴، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت میں نکلنے والے خود اپنے اندر دین کی لگن پیدا کرنے، نماز اور دیگر عبادات کو سیکھنے اور انہیں چیزوں کی دعوت دینے کے لئے لوگوں سے ملاقات اور گشت کرتے ہیں اور مشورہ، ملاقات وغیرہ یہ تمام امور نماز کے بعد ہی انجام دیئے جاتے ہیں، چاہے وہ کسی بھی نماز کے بعد ہوں؛ لیکن اتنی بات تو طے ہیکہ مشورہ اور ملاقات اور گشت وغیرہ بہر حال نماز کے بعد ہی ہوتے ہیں جیسا کہ خود سوال نامہ میں موجود ہے؛ اس لئے تعجب ہے کہ جو شخص تبلیغی جماعت سے جڑا ہوا ہو اور جس کا مشن ہی خود دین وشریعت اور نماز کی پابندی اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دینا ہو وہ کیسے نماز چھوڑتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا شخص تبلیغی جماعت سے کما حقہ وابستہ نہیں ہے، ورنہ وہ نماز نہیں چھوڑتا، نیز تبلیغی جماعت میں

نکلنا نہ تو فرض ہے اور نہ ہی سنت ہے؛ البتہ دین کو سیکھنا اور سکھانا ہر مسلمان پر فرض ہے، اسی مقصد کے لئے تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں اور جس کو جتنا وقت ملتا ہے اسی کے اعتبار سے نکلتا ہے، کوئی چالیس دن کے لئے نکلتا ہے، کوئی چار مہینہ کے لئے نکلتا ہے اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان جو نماز، روزہ، حج، زکوۃ حتی کہ کلمہ تک سے واقف نہیں تھے، جماعت میں نکل کر سچے پکے مسلمان نماز روزہ کے پابند اور متبع شریعت بن گئے، اسی طریقہ سے لوگوں سے ملاقاتیں اور مشورہ بھی تبلیغی جماعت کا اصول ہے، فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے؛ اس لئے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نازل ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے اور مشورہ کے ذریعہ جو کام ہوتا ہے، اس میں بھلائی اور بہتری ہوتی ہے؛ اس لئے تبلیغی جماعت میں باہم بیٹھ کر جو مشورہ کیا جاتا ہے، یہ سنت رسول کا ایک جزو ہے، اس پر اعتراض بیجا ہے۔ اور ہمارے دیگر اکابر مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے اپنے اعتبار سے جو تبلیغی اور علمی کام کیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا اور لاکھوں افراد اس سے مستفید ہو کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں دین کی خدمت کر رہے ہیں، نیز حضرت تھانویؒ اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، معروف کی ترغیب اور منکر پر نکیر فرمایا کرتے تھے، وہ بھی تبلیغ دین کی ایک شکل ہے؛ اس لئے ان میں سے کسی بھی شکل کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں شکل سنت سے ثابت ہے اور فلاں شکل سنت سے ثابت نہیں؛ بلکہ سبھی تبلیغ دین ہیں، نوعیت الگ ہے۔ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تبلیغی جماعت کی شکل میں جو نظام بنایا ہے، جس کے ذریعہ لاکھوں مسلمان راہ راست اور شریعت کے پیروکار بنے، وہ بھی تبلیغ دین کی ایک شکل ہے، چنانچہ یہی طریقہ آج عوام میں دینی خدمت کا ذریعہ بنا، غرض یہ کہ ہمارے سبھی اکابر نے دین کی تبلیغ کی ہے، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو، حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ تو باقاعدہ اجتماعات میں شریک ہوا کرتے تھے اور تقریریں کرتے تھے، چنانچہ جب آس پاس کے

گاؤں، دیہات کے لوگ مرتد ہوئے جارہے تھے، تو آپ نے اسی تبلیغ کے راستہ سے جس کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے قائم فرمایا تھا، لوگوں کو ارتداد سے روکا اور دین وشریعت کا راستہ دکھایا اور احقر خود بھی متعدد بار حضرت قاری صدیق احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کی معیت میں آس پاس کے دیہات میں نصف یوم سے دوسرے دن صبح تک کے لئے جماعت میں جاچکا ہے؛ اس لئے یہ کہنا کہ مذکورہ اکابر نے نماز کے بعد بیٹھ کر باہم مشورہ نہیں کیا، ملاقاتیں نہیں کیں؛ اس لئے یہ تبلیغ دین نہیں ہے، درست نہیں، تبلیغ دین کی مختلف شکلیں ہیں اور سبھی اکابر نے اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے دین کی تبلیغ واشاعت میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ دین کی تبلیغ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۷۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟

سوال [۱۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جماعت میں جانا کیسا ہے؟ اگر صحیح ہے تو قرآن وحدیث کی رو سے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: امیر حسین سفیر مدرسہ حبیبیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت میں جانا فرض یا واجب تو نہیں ہے؛ لیکن ہر مسلمان پر اپنی عبادت کا صحیح کرنا لازم ہے اور ہر ایک اصلاح کا محتاج ہے، نیز علم دین کا بقدر ضرورت سیکھنا لازم ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ کی عبادت صحیح طور پر کی جاسکے، جماعت میں جانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ کم پڑھے لکھے مسلمان آسانی کے ساتھ اپنی عبادت صحیح کرنے کا طریقہ سیکھ لیں اور ساتھ ساتھ اس کی مشق کریں اور اس میں صرف دین کی باتیں سیکھنے سکھانے کا مشغلہ رہتا ہے۔ اور جماعت میں جاکر کم وبیش وقت لگا کر عبادات کو

درست کرنا اور کچھ دین کی باتیں سیکھنا بہت آسان ہے؛ اس لئے جس کو بھی موقع ملے جماعت میں جا کر عبادات کو درست کر لینا اور دین کی باتیں سیکھ لینا چاہئے۔اور یہ حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع. (ترمذي، باب فضل طلب العلم، النسخة الهندية ۲/ ۹۳، دارالسلام، رقم: ۲٦٤۷، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۳/ ۱۳۰، رقم: ٦٥۲۰)

من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له به طريقا إلى الجنة. (سنن ترمذي باب فضل طلب العلم، النسخة الهندية ۲/ ۹۳، دارالسلام رقم: ۲٦٤٦، صحيح مسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، النسخة الهندية ۲/ ۳٤۵، بيت الأفكار رقم: ۲٦۹۹، مسند الدارمي، دارالمغني ۱/ ۳٦۱، رقم: ۳۵٤، مشكوة شريف/ ۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۵/۱۴۲۱ھ

تبلیغی جماعت سے متعلق چند امور کا حکم

سوال [۱۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) تبلیغ کرنا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

(۲) موجودہ دور میں تبلیغی جماعت والے تین دن، چالیس دن اور چار چلے لگانے کا حکم دیتے ہیں، یہ تین دن اور چالیس دن وغیرہ لگانا واجب ہے، یا فرض عین ہے، یا فرض کفایہ؟

(۳) جماعت میں یعنی تین دن، چالیس دن، یا چار چلے کے واسطے نکلنے کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اجازت ضروری ہے اور والدین اجازت نہ دیں تو کیا کرے؟

(۴) تین دن، چالیس دن اور چار چلے کی جماعت میں جانے سے والدین ناراض اور

ناخوش ہوتے ہوں اور جانے کی اجازت بھی نہ دیں، تو جماعت میں جانا چاہئے یا نہیں؟ اور والد کی اجازت کے بغیر ان کو ناراض کر کے چلہ وغیرہ کی جماعت میں چلا گیا، تو یہ شخص نافرمان ہوگا یا نہیں؟ نیز اس کا جماعت میں نکلنا باعث ثواب ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد صابر کاشی پوری اودھم سنگھ نگر، اترانچل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بقدر ضرورت دین سیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر شخص کے ذمہ فرض عین ہے، رہا تبلیغ کرنا یعنی مسلمانوں کو خیر اور بھلائی کی دعوت دینا اور برائیوں سے روکنا حضور ﷺ کے لائے ہوئے احکامات وہدایات ان تک پہنچانا تو فرض عین نہیں؛ بلکہ فرض کفایہ ہے، جس کا ہر مؤمن اپنی اپنی اہلیت اور صلاحیت کے موافق مکلّف اور ذمہ دار ہے؛ اس لئے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک قسم ہے اور یہ فروض کفایات میں سے ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۰۴، مکتبہ اشرفی دیوبند ۲/۱۴۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۴۶، ۱/۴۵۲، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۰۳، ۲۱۲)

إن العلماء اتفقوا علی أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر من فروض الکفایات. الخ (روح المعاني، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۰۴، مکتبہ زکریا ۳/ ۳۴)

(۲) دین سیکھنا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اب اس کے لئے ایک طریقہ تو مدارس اسلامیہ کا ہے کہ ان میں باضابطہ رہ کر مکمل نصاب پڑھے اور اگر کسی کے پاس مدارس میں باضابطہ رہنے کا موقع نہیں ہے، تو علماء نے ایسے لوگوں کے لئے جماعت کا سلسلہ جاری فرمایا، جس میں ہر شخص اپنی اپنی سہولت کے پیش نظر وقت لے کر نکلتا ہے، علماء نے لوگوں کی آسانی کے لئے اس کام کی ایک ترتیب بنائی ہے، جو انتہائی مفید ہے، یہ ترتیب گوکہ نہ فرض ہے اور نہ واجب؛ لیکن دین سیکھنے سکھانے کے لئے

انتہائی مؤثر اور کارآمد ہے؛ لہٰذا جس شخص کو جس طرح اور جب موقع ہو وہ حسب حیثیت تین دن، چالیس دن وغیرہ کے لئے نکل کر اپنی دینی ضرورت کو پورا کرے، نیز چالیس دن کا عادت اور خصلت کے بدلنے میں ایک خاص اثر ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص چالیس دن تک لگاتار محض رضائے الٰہی کی خاطر تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے دو پروانے لکھے جاتے ہیں: (۱) جہنم سے آزادی (۲) نفاق سے براءت۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ چلہ کا حالات وعادات کے بدلنے میں ایک خاص اثر ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱/ ۴۳۱، ۱۲/ ۲۴۲، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۲۳، ۲۲۲، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۳۸۳، جدید زکریا ۲/ ۱۴۵)

من صلى لله أربعين يوما في جماعة يدرك التكبيرة الأولىٰ كتبت له براء تان: براء ة من النار، وبراء ة من النفاق. (سنن الترمذي، باب في فضل التكبيرة الأولى، النسخة الهندية ١/ ٥٦، دارالسلام، رقم: ٢٤١، مشكوة شريف/ ١٠٢)

اور ''مصنف عبدالرزاق'' کی روایت میں ہے کہ اس کے لئے جنت واجب ہوجاتی ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي العالية قال: لا أدري أرفعه– قال: من شهد الصلوات الخمس أربعين ليلة في جماعة، يدرك التكبيرة الأولىٰ، وجبت له الجنة. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٥٢٨، رقم: ٢٠١٨)

اور ''معجم کبیر'' کی روایت میں جہنم سے رہائی کا پروانہ ملنے کی بات ہے:

وفي رواية طويلة: أعلمن يا أبا كاهل أنه من صلى أربعين يوما وأربعين ليلة في جماعة يدرك التكبيرة الأولى كان حقا على الله أن يكتب له براء ة من النار. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٨/ ٣٦٢، رقم: ٩٢٨)

(۳-۴) اگر ماں باپ کا خرچ لڑکے کے ذمہ ہے، تو ایسی صورت میں ان کے خرچ وغیرہ کا انتظام کر کے ان کی اجازت حاصل کر کے جماعت میں جائے۔ اور اگر لڑکا خرچ وغیرہ کا انتظام

کردے اور ماں باپ جسمانی خدمت کے محتاج نہ ہوں، یا کوئی دوسرا بھائی وغیرہ اس ضرورت کو پورا کرنے والا موجود ہو، پھر بھی ماں باپ بلا وجہ تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت نہ دیں، جب کہ دین سیکھنا ضروری ہے، تو ایسی صورت میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر بھی اگر کوئی جماعت میں چلا جائے، تو یہ نافرمان اور گنہگار نہ ہوگا؛ لیکن پھر بھی ماں باپ کو حتی الامکان خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۱۴، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۱۴)

ولـه الـخـروج لـطـلـب العلم الشرعي بلا إذن والديه، (تحته في الشـامية:) أي إن لـم يـخف على والديه الضعيفة إن كان مؤسرين، ولم تـكـن نفقتهما عليه ...... لا بأس به بلا إذن الأبوين إن استغيا عن خدمته إذ ليس فيه إبطال حقهما. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ٥٨٤، كراچی ٦/ ٤٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۸)

جماعت میں نکلنے کا مقصد اصلاحِ نفس ہے

سوال [۱۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت میں اکثر احباب علم سے بے خبر اور مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، جو اپنے آپ کو دین کا رہبر اور ذمہ دار خیال کرتے ہیں، ان حضرات کے اخلاق وعادات اور افعال وکردار کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ علماء کی بے قدری ہورہی ہے۔ اور کچھ حضرات کی زبان سے سننے کو یہ الفاظ ملتے رہتے ہیں: جماعت میں نکل کر دین سیکھو، دعوت کا کام کرو اور اپنا ایمان بچاؤ، علماء نے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھی اس کام کو اپنا کام نہیں سمجھا، مدرسہ میں ہر وقت پڑے رہتے ہیں، اگر کوئی مقامی عالم اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے ان کے ہمراہ نہیں

ہوتے ہیں، تو بعض مرتبہ تو بدگمانیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ کیا اس طرح علماء سے بدگمانی کرنا ان حضرات کے لئے روا ہے؟ جواب باصواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عزیز احمد نعمانی، فاضل دارالعلوم، یک از تلمیذ رشید حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک چلہ کے لئے جائے یا چار ماہ کے لئے جائے، جماعت میں جانے کا مقصد اصلاحِ نفس، اخلاصِ نیت اور شغل بذکر اللہ پیدا کرنا ہے اور اپنے اندر کے کبر وغرور، نفس کی خوش فہمی کو ختم کرنا ہے، ماشاء اللہ بہت سے لوگوں کو دیکھنے میں آیا ہے کہ جماعت میں جاکر کے عاجزی وانکساری بھی آگئی، نماز کے پابند بھی ہوگئے، لین دین اور معاملات بھی درست کر لیے، بہت سے شرابیوں نے شراب چھوڑ دی اور خرافات میں مبتلا ہونے والوں نے خرافات کو ترک کردیا، بڑوں کا احترام اور علماء کرام کا اعزاز، نیز دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کے عادی بھی بن گئے اور یہی جماعت میں جانے کا مقصد ہے؛ لیکن ہر اچھوں کے درمیان برے لوگ ہوتے ہیں، جو درحقیقت جماعتی نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے جماعت میں جانے سے ان کے حق میں کوئی فائدہ نہیں، نیز ایسے لوگ تبلیغی جماعت کو بدنام کرتے ہیں، جو مرکز نظام الدین کی ہدایات کی برملا مخالفت کرتے ہیں، مرکز کے ذمہ داروں کو ایسے لوگوں سے متعلق اطلاع کرنی چاہئے، تاکہ ان کی صحیح طور پر اصلاح کر دیں اور ان کے غلط رویہ پر روک لگائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۵ھ

تبلیغ والوں کا علماء کے لئے تین سال اور عوام کے لئے ڈیڑھ سال مقرر کرنا

سوال [۱۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: تبلیغی جماعت والوں نے جو یہ مقرر کر رکھا ہے کہ جو عالم فارغ ہو اس کے لئے تین سال اور عام لوگوں کے لئے ڈیڑھ سال، ایک سال اور چار مہینہ لگانا ضروری سمجھتے ہیں اور اتنا وقت لگانے میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں شریک ہوتے ہیں اور جو عالم جماعت میں وقت نہ لگائے اس کی کچھ اہمیت نہیں سمجھتے، اس بارے میں صحیح حکم کیا ہے؟

المستفتی: نسیم احمد چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس دور میں بے علمی اور بے عملی عام ہے، عوام تک دین پہنچانے اور ان کے دین کو پختہ کرنے کے لئے موجودہ تبلیغی کام بے حد مفید ہے۔ اور اس کا مشاہدہ ہے؛ لیکن جو شخص دوسرے طریقہ سے دین حاصل کرے اور اسے دوسروں تک پہنچائے، اسے تنگ نظری سے نہ دیکھیں اور جو علماء تدریس میں مشغول ہیں وہ ہرگز اپنا مبارک مشغلہ ترک نہ کریں۔ اور جو اہل علم تدریس کے مشاغل میں نہیں لگے ہوئے ہیں، ان کی ذمہ داری زیادہ ہے، وہ اس میں شرکت کریں اور اگر شادی شدہ حضرات کو ان کی ازواج چار ماہ سے زیادہ جانے کی اجازت دے دیں تو وہ بھی جا سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۰۹، ایضاً ۱۷/ ۴۳۲، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۱۳، ۱۸/ ۵۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

چلہ اور چار مہینے کی تعیین میں کیا حکمت؟

سوال [۱۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ نے چلہ اور چار مہینے جو متعین فرمائے ہیں، اس کے پیچھے کیا حکمت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ نے چلہ اور چار مہینے جو متعین فرمائے ہیں، یہ بے اصل نہیں ہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس مدت کو حالات کے تغیر وتبدل میں خاص دخل ہے، نیز سلف صالحین کا تجربہ ومشاہدہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ چالیس دن مسلسل وبلا ناغہ کوئی نیک عمل کرنے کی برکت سے روح وبدن پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اور چلہ اور چار مہینے کے لئے جماعت اور دعوت وتبلیغ میں نکلنے میں مسلسل وبلا ناغہ چالیس دن تک عمل کرنے میں انسان کی زندگی کے حالات بدل جاتے ہیں، جیسا کہ رحم مادر میں ہر چالیس دن میں انسان میں خاص تغیر پیدا ہوتا ہے، اسی طرح چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے میں زندگی کے حالات منکرات وبرائیوں سے بدل کر نیکیوں میں تبدیل ہونے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے جنت کے وجوب، جہنم سے براءت اور نفاق سے براءت کی بشارت دی گئی ہے۔

وَوَاعَدْنَا مُوْسَى ثَلَاثِيْنَ لَيْلَةً وَاَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً. [الأعراف: ۱٤۲]

عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ قال: حدثنا رسول اللّٰہ ﷺ وهو الصادق المصدوق: إن أحدكم يجمع خلقه فی بطن أمه في أربعين يوما، ثم يكون علقة مثل ذلک، ثم يكون مضغة مثل ذلک، ثم يرسل اللّٰہ إليه الملک، فينفخ فيه الروح، ويؤمر بأربع: يكتب رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أو سعيد، فوالذي لا إله غيره أن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع، ثم يسبق عليه الكتاب فيختم له بعمل أهل النار، فيدخلها، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع، ثم يسبق عليه الكتاب ، فيختم له بعمل أهل الجنة، فيدخلها. هذا حديث حسن صحيح. (ترمذي، باب ماجاء أن الأعمال بالخواتيم، النسخة الهندية ۲/ ۳۵، دارالسلام، رقم: ۲۱۳۷، بخاري شريف، باب ذكر

الملائكة، النسخة الهندية ١/ ٤٥٦، رقم: ٣١٠٤، ف: ٣٢٠٨)

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى لله أربعين يوما في جماعة يدرك التكبيرة الأولىٰ كتبت له براءتان: براءة من النار، وبراءة من النفاق. (ترمذي، باب فضل التكبيرة الأولى، النسخة الهندية ١/ ٥٦، دارالسلام، رقم: ٢٤١)

عن أبي العالية قال: لا أدري أرفعه- قال: من شهد الصلوات الخمس أربعين ليلة في جماعة، يدرك التكبيرة الأولى، وجبت له الجنة. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/٥٢٨، رقم: ٢٠١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۱۳ھ
فتویٰ رجسٹری خاص

چلہ کی خصوصیت

سوال [۱۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت میں چالیس دن کا نکلنا یہ کیا خصوصیت رکھتا ہے کہ چالیس دن ہی کے لئے نام لکھواتے ہیں، یا لکھا جاتا ہے؟ ۳۵/ یا تیس دن کے لئے بھی نام لکھ سکتے ہیں، چالیس دن ہی کیوں ہیں؟

المستفتی: قاری محمد یامین قنوج، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چالیس کی تعداد اس لئے متعین فرمائی ہے کہ چالیس کی تعداد کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کے لئے درجہ ومرتبہ متعین فرمایا ہے، مثلاً ماں کے پیٹ میں چالیس دن میں ہی نطفہ غلیظ خون بنتا ہے، پھر چالیس ہی دن میں گوشت بنتا ہے اور پھر چالیس ہی دن میں جان پڑتی ہے، اس مناسبت سے تبلیغ میں چلہ مقرر کیا گیا ہے۔

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق: أن أحدكم يجمع خلقه فى بطن أمه في أربعين يوما، ثم يكون في ذلک علقة مثل ذلک، ثم يكون في ذلک مضغة مثل ذلک، ثم يرسل الله إليه الملک، فينفخ فيه الروح، ويؤمر بأربع كلمات: يكتب رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أو سعيد، (صحيح مسلم، باب كيفية خلق الأدمي في بطن أمه، النسخة الهندية ۲/ ۳۳۲، بيت الأفكار، رقم: ۲٦٤۳، مسند أحمد بن حنبل ۳۸۲۱، رقم: ۳٦۲٤، ٤۰۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۶۹/۳۲)

کیا دورِ نبوت وصحابہ میں کوئی صحابی تبلیغ کی خاطر مسجد میں ٹھہرے ہیں؟

سوال [۱۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دورِ صحابہ یا دورِ نبوت میں کوئی صحابی دین کی تبلیغ کے لئے کسی مسجد میں رکے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: جلال الدین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت والے حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کو دوسروں تک پہنچانے اور آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے راستے کو دوسروں کو دکھلانے کے لئے نکلتے ہیں، ان کا مقصد صرف دین سیکھنا، پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے، پختہ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے آمادہ کرنا ہوتا ہے، جو کہ بہت بڑا ثواب کا کام ہے ایسے لوگوں کے لئے مسجد کی صفائی اور ادب واحترام کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ لوگ دور دراز کے آئے ہوئے مسافر ہیں؛ لیکن اگر مسجد کے باہر جگہ ہو تو وہاں سونا بہتر ہے۔

ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، والأحسن أن يتورع فلا ينام. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

اور اگر مسافر نہیں ہیں؛ لیکن مسجد میں عبادت اور اعتکاف کی نیت سے کچھ وقت گذاریں، تو ان کے لئے بھی کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے۔

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء. (عالمگيرى، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا جديد ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

اور مسجد میں ٹھہرنے کی نظیر دورِ نبوی میں اصحاب صفہ ہیں، جو کہ علم دین حاصل کرنے کی غرض سے مسجد میں رہتے تھے۔

وقد سئل سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار عن النوم فيه، فقالا: كيف تسألون عنها، وقد كان أهل الصفة ينامون فيه وهم قوم كان مسكنهم المسجد. (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب نوم الرجال فى المسجد، رقم الحديث: ٤٤١، جديد زكريا ٣/ ٤٦٢، مكتبه دار إحياء التراث العربي ٤/ ١٩٨، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٤٢١، رقم: ١٦٤٨)

لأن أهل الصفة كانوا يلازمون المسجد، وكانوا ينامون، ويتحدثون، ولهذا لا يحل لأحد منعه. (شامي، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها مطلب في الغرس في المسجد، كراچى ١/ ٦٦٢، زكريا ٢/ ٤٣٦)

عن عبد الله قال: حدثني نافع، قال: أخبرني عبدالله بن عمر أنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد، النسخة الهندية ١/ ٦٣، رقم: ٤٣٥، ف: ٤٤٠) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۴۳/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۰ھ

تبلیغ والوں کا مسجد میں سونا

سوال [۱۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جہاں نماز ہوتی ہے، وہاں جماعت والوں کا سونا یا مسجد کے اندر سونا، کھانا، پینا صحیح ہے کہ نہیں؟ اور اگر ایسی جگہ ناپاک ہوجائے تو ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر مسجد میں شمار جگہ میں سویا جائے تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تبلیغی جماعت والے چونکہ عموماً مسافر ہوتے ہیں، نیز ان کے اکثر اوقات تسبیح ونوافل، ذکر واذکار وغیرہ میں گذرتے ہیں، ان میں اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو نئے نئے نمازی ہوتے ہیں، ان کو نماز کا عادی بنانے اور فجر کی نماز پڑھانے کے لئے یہی بہتر شکل ہے کہ وہ مسجد ہی میں قیام کریں، نیز تبلیغی جماعت والوں کو مسجد میں قیام کے لئے اعتکاف کی نیت کی بھی ہدایت کی جاتی ہے۔ اور اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرتے ہیں اور معتکف کو مسجد میں قیام کرنا، کھانا، پینا، سونا سب درست ہے؛ لہٰذا تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں سونا قیام کرنا اور کھانا سب درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/۲۲۴، ۶/ ۱۵۶، ۱/ ۴۲۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۳۷، ۱۵/ ۲۳۱، ۴/ ۱۹۷، رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۲۱، جدید زکریا ۹/ ۱۲۰)

فروع في المجتبی، وفي جامع الإسبیجابي: لغیر المعتکف أن ینام في المسجد مقیما کان أو غریبا مضطجعا أو متکئا رجلاہ إلی الکعبة أو لا؟ فالمعتکف أولیٰ ویلبس المعتکف أحسن ثیابه وینام فیه ویتطیب ویدهن ویغسل رأسه فیه. (حاشیة چلبي علی التبیین، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان ۱/ ۳۵۲، زکریا ۲/ ۳۲۰)

ویکره النوم والأکل فیه أي المسجد لغیر المعتکف، وإذا أراد أن یفعل ذلک ینبغي أن ینوي الإعتکاف، فیدخل فیه، ویذکر اللّٰہ تعالیٰ

بقدر مانوی، ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، والأحسن أن يتورع فلا ينام. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

(۲) اگر مسجد میں رہتے ہوئے غسل کی حاجت ہوجائے تو متنبہ ہونے پر فوراً تیمّم کر کے اپنے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ کر باہر آجائے کہ مسجد ناپاک نہ ہونے پائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۹۸، جدید ڈابھیل ۱۵/۲۱۳)

لأن تنظيف المسجد واجب. (شامي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، كراچی ٢/ ٤٤٥، زكريا ٣/ ٤٣٥، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، دارالكتاب ديوبند/ ٧٠٤، بدائع الصنائع، كراچی ٢/ ١١٥، زكريا ٢/ ٢٨٤)

يتفق الفقهاء على أن الاعتكاف لا يبطل بالاحتلام ولا يفسد إن خرج المعتكف للاغتسال خارج المسجد إلا في حالة واحدة ذكرها الحنفية، وهي إن أمكنه الاغتسال في المسجد، ولم يخش تلويثه، فإن خيف تلويثه منع؛ لأن تنظيف المسجد واجب. (الموسوعة الفقهية الكويتيه ٢/ ٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۲۲ھ

تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں ٹھہرنا

سوال [۱۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا علاقہ ہندوستان کا پچھڑا ہوا علاقہ ہے، خاص کر مسلمانوں میں دینی انحطاط بہت زیادہ ہے، یعنی بے دینی کا ماحول عام ہے، بے پردہ عورتوں کا چلنا کچھ عیب نہیں سمجھا جاتا، مسجدوں کی طرف مصلیان دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں، اس ماحول میں کچھ لوگ کھڑے

ہوئے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے کے لئے، تاکہ لوگوں میں دین کا تقاضہ اجاگر کریں اور مسجدوں سے جوڑیں اور دین سے روشناس کرائیں، ایسے کام کرنے کے لئے کچھ جماعتیں بن کر آتی ہیں اور مسجدوں میں رکتی ہیں؛ لہٰذا آپ حضرات سے اس بارے میں دو بات کا فتویٰ لینا ہے، ایک یہ کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر والا کام یعنی دین کا کام کرنا اور لوگوں کو مسجدوں کی طرف بلانا کیسا ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟ دوسری بات اس کام کے کرتے ہوئے لوگوں کا مساجد میں رکنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ حضرت والا سے گزارش ہے کہ فتویٰ جو بھی ہو قرآن وحدیث کی روشنی میں روشناس فرمائیں۔

المستفتی: جبروت عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) لوگوں میں دینی شعور بیدار کرنے کے لئے مساجد کی طرف متوجہ کرنا امر مستحسن ہے، نیز وہ لوگ مسجد میں بلا کر ذکر اور تعلیم کا حلقہ لگاتے ہیں اور تعلیم کے حلقہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے چار بشارتیں پیش فرمائی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے (۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ان پر نازل ہوتی ہے (۳) ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں (۴) اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر خیر کرتا ہے۔

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله ﷺ: ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة، وذكرهم الله فيمن عنده. (مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، النسخة الهندية ۲/ ۳۴۵، بيت الأفكار، رقم: ۲۶۹۹)

(۲) جماعت کا کام کرنے والوں اور نکلنے والوں کو مسجد ہی میں سونا چاہئے؛ اس لئے کہ اس میں اکثر وبیشتر کام کرنے والے نئے لوگ ہوتے ہیں کہ اپنے گھروں میں سورج نکلنے سے پہلے

بیدار نہیں ہو پاتے ہیں، اب جب مسجد میں سوجائیں گے، تو صبح فجر کی نماز لازمی طور پر وقت کے اندر اندر جماعت کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور تبلیغی جماعت کے اندر تربیتی مقاصد میں سے ایسے لوگوں کو جماعت کا عادی بنانا اہم ترین مقصد ہے؛ لہٰذا جو مقامی لوگ جماعت میں نکلے ہوئے ہیں، ان کو اس مقصد کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے، مگر اعتکاف کی نیت کر لینی چاہئے۔ حدیث شریف کے اندر بعض صحابہ کرامؓ کا مسجد میں سونا ثابت ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حضرات اعتکاف کی نیت کر لیتے تھے اور نماز وذکر میں مشغول رہتے تھے اور ساتھ میں مسجد میں سو بھی جاتے تھے۔ اور اگر جماعت کے لوگ بیرونی افراد ہیں، تو بیرونی افراد کے لئے مسجد میں ٹھہرنا و سونا تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے؛ اس لئے جماعت والوں پر مسجد میں سونے میں کوئی اعتراض والزام نہیں ہے۔

ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، والأحسن أن يتورع فلا ينام. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

ہاں البتہ مقامی افراد میں سے وہ لوگ جو دعوت وتبلیغ کے کام سے متعلق نہیں ہیں؛ بلکہ اپنے گھروں سے صرف سونے کی غرض سے مسجد میں جاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں ہے۔ ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۶۴/۳۴)

تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں قیام کرنا

سوال [۱۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تبلیغی جماعت کسی شہر میں جا کر مسجد میں سکونت اختیار کرے اور مسجد میں بیٹھ کر کھانا پینا کرے، سوئے اور دنیاوی بات چیت بھی کرے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: طاہر نواز ولد سبط حسن اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں دینی پروگرام کرنا جائز اور درست ہے۔ اور تبلیغی دعوت ایک اہم ترین دینی خدمت ہے، اس کام کے لئے باہر سے آنے والی جماعت کا مسجد میں قیام کرنا جائز اور درست ہے؛ البتہ مسجد میں قیام کے وقت عبادت اور اعتکاف کی نیت ضروری ہے اور اگر کھانا کھانے کے لئے مسجد کے علاوہ خارج مسجد کوئی جگہ آسانی سے میسر ہو تو وہاں جا کر کھانا کھانا بہتر ہے؛ لیکن اگر خارج مسجد کوئی جگہ میسر نہ ہو تو مسجد میں کھانا پینا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ لیکن اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے کہ مسجد کی چٹائیاں وغیرہ کھانے پینے کی چیزوں سے ملوث نہ ہونے پائیں۔

وإذا أراد أن يفعل ذلک ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

الحنفية قالوا: يكره النوم في المسجد إلا للغريب والمعتكف؛ فإنه لا كراهة في نومهما به، ومن أراد أن ينام به ينوى الاعتكاف، ويفعل مانواه من الطاعات، فإن نام بعد ذلک نام بلا كراهة. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلوة، ما يكره فعله في المساجد وما لا يكره، دار الفكر ودار الكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۹ھ

تبلیغ دین کی خاطر مسجد میں قیام کرنا

سوال [۱۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دین کی اشاعت وتبلیغ کے لئے چندلوگ اکٹھا ہوکر مسجد میں ٹھہر جائیں، توان لوگوں کا مسجد میں ٹھہرنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: شکیل اختر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی صفائی اورادب واحترام کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لہٰذا تبلیغی جماعت والے جومسجد میں ٹھہرتے ہیں اوراس کی صفائی کا لحاظ رکھتے ہیں، دسترخوان بچھا کر کھانا کھاتے ہیں، تواس میں شرعی طور پرکوئی حرج نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ لوگ مسجد کے اندراللہ کا ذکر نماز اور دیگر عبادات کی نیت سے ٹھہرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ شرعاً معتکف شمار ہوتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۲۱، جدید زکریا ۹/ ۱۲۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۴۶۸، جدید ڈابھیل ۴/ ۱۹۷)

وإذا أراد أن يفعل ذلک ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالیٰ بقدر مانوی، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

وإذا أراد أن يفعل ذلک ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالیٰ بقدر مانوی، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء. (شامي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف كراچی ٢/ ٤٤٨، ١/ ٦٦١، زكريا ٣/ ٤٤٠)

الحنفية قالوا: يكره النوم في المسجد إلا للغريب والمعتكف؛ فإنه لا كراهة في نومهما به، ومن أراد أن ينام به ينوی الاعتكاف، ويفعل مانواه من الطاعات، فإن نام بعد ذلک نام بلا كراهة. (الفقه على

المذاهب الأربعة، كتاب الصلوة، ما يكره فعله في المساجد وما لا يكره، دار الفكر ودار الكتب العلمية، بيروت ۱/ ۲۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/٦/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۴۴)

تبلیغ والوں کا مسجد میں قیام وطعام

سوال [۱۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد بکر قصاب میں مسجد ہی کے برآمدہ سے متعلق ایک کمرہ تعمیر نو ہے اور نماز کی جگہ سے وہ الگ ہے؛ لہٰذا تبلیغی جماعت کو بجائے مسجد کے اندر قیام وطعام کرانے کے اگر کمرہ میں کرایا جائے؛ کیوں کہ جماعت کے لوگ اندرون مسجد میں ہی قیام وطعام کرتے ہیں، اس کے لئے ایک فتویٰ جاری فرمادیں۔

المستفتی: محمد گلناز صدر مسجد بکر قصاب مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تبلیغی جماعت والے عبادت کی نیت سے مسجد میں قیام کرتے ہیں اور مسجد کے اندر عبادت کی نیت سے قیام کرنا اور بوقت ضرورت مسجد ہی میں ان کا سونا سب جائز ہے۔ مسجد میں سونا ان لوگوں کے لئے منع ہے جو اسی محلّہ کے رہنے والے ہیں اور محض سونے ہی کے لئے آتے ہیں، عبادت ان کا مقصد نہیں ہوتی اور تبلیغ والوں کا اصل مقصد عبادت ہے؛ اس لئے ان کے لئے مسجد میں سونا بھی جائز ہے۔ اور مسجد سے متصل کمرہ میں بھی کھانا کھانا اور سونا جائز ہے، مگر ان کی عبادت اور سونا مسجد ہی میں ہونا چاہئے۔

وإذا أراد أن يفعل ذلک ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء. (شامي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف كراچی ۲/ ۴۴۸، ۱/ ٦٦۱، زكريا ۳/ ۴۴۰)

وإذا أراد أن يفعل ذلک ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۱۷ھ

تبلیغی جماعت والوں کا مساجد میں سونا

سوال [۱۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تبلیغی جماعت والے جو مساجد میں سوتے ہیں، ان کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، جب کہ بہت سی مساجد میں سونے کے لئے متصلاً کمرہ وغیرہ ہو پھر بھی مسجد میں سوتے ہیں، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد ساجد پختہ باغ گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسجد میں مسافر ومعتکف کے علاوہ دیگر لوگوں کو سونے کی اجازت نہیں ہے، حضرات فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۹۶، جدید زکریا ۹/ ۱۰۶)

يكره أكل ونوم إلا لمعتكف وغريب. (درمختار مع الشامي، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، كراچی ١/ ٦٦١، زكريا ٢/ ٤٣٥)

والنوم فيه مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه. (فتح القدير،

کتاب الصلاۃ، فصل ویکرہ استقبال القبلۃ بالفرج في الخلاء کوئٹہ ۱/ ۳۶۹، زکریا ۱/ ۴۳۵، دارالفکر ۱/ ۴۲۲)

(۲) تبلیغی جماعت والے اگر مسافر ہیں، تو ان کے لئے مسجد کی صفائی وادب واحترام کا لحاظ کرتے ہوئے سونا جائز ہے۔

ولا بأس للغریب ولصاحب الدار أن ینام في المسجد في الصحیح من المذهب. (عالمگیری کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد، زکریا قدیم ۵/ ۳۲۱، جدید ۵/ ۳۷۱)

والنوم قیل: إلا لغریب کما في الأشباه. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، قدیم/ ۳۸۴، مطبع دارالکتاب دیوبند/ ۷۰۴)

اور اگر وہ لوگ مقامی ہیں، مسافر نہیں ہیں، تو اگر کچھ وقت مسجد میں عبادت واعتکاف کی نیت سے گزاریں تو ان کے لئے بھی سونے وغیرہ کی اجازت ہے۔

ویکره النوم والأکل فیه لغیر المعتکف، وإذا أراد أن یفعل ذلک ینبغي أن ینوي الاعتکاف، فیدخل فیه، ویذکر الله تعالیٰ بقدر مانوی، أو یصلي، ثم یفعل ما شاء. (عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد، زکریا قدیم ۵/ ۳۲۱، جدید ۵/ ۳۷۱، فتاوی رحیمیه قدیم/ ۱۲۱، جدید زکریا ۹/ ۱۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۱ھ

قرآن کی تعلیم افضل ہے یا گشت؟

سوال [۱۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتا ہوں، حالانکہ میں تبلیغی جماعت سے لگا ہوا ہوں، طالب

علمی ودیگر اوقات میں جماعت کا کام بھی کر چکا ہوں، مگر اب مدرسہ کی تعلیم کی وجہ سے میں گشت وبیان میں بیٹھ نہیں سکتا، مگر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بیان میں بیٹھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے، تو آپ مجھے اس مسئلہ کا حل بتاؤ کہ قرآن کی تعلیم افضل ہے یا بیان میں بیٹھنا؟

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کی تعلیم بیان میں بیٹھنے سے زیادہ اہم ہے۔ اور قرآن کی تعلیم تبلیغ کا اہم اور بنیادی شعبہ ہے، تبلیغی جماعت کے اکابر وسربراہ تبلیغی بیان میں بیٹھنے کے لئے تعلیم وتدریس چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے ہیں؛ اس لئے جو لوگ اعتراض کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناواقف ہیں اور ایسے حضرات کی وجہ سے حضرات اکابر کا قائم کردہ تبلیغی مشن بدنام ہورہا ہے۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود –رضی اللّٰہ عنه– قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: تعلموا القرآن وعلموه الناس، وتعلموا الفرائض وعلموه الناس، فإني امرؤ مقبوض، وإن العلم سيقبض. الحديث (المستدرك، كتاب الفرائض، مكتبه نزار مصطفى الباز ٨/ ٢٨٣١، رقم: ٧٩٥٠، مسند الدارمي، دارالمغني ١/ ٢٩٨، رقم: ٢٢٧، المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/ ٢٠٣، رقم: ٥٧٢٠، السنن الكبرى للنسائي، كتاب الفرائض، الأمر بتعليم الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٦٣، رقم: ٦٣٠٥)

عن أبي أمامة الباهلي، قال: ذكر لرسول اللّٰہ ﷺ رجلان: أحدهما عابد والآخر عالم، فقال رسول اللّٰہ ﷺ: فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم. (سنن الترمذي، كتاب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، النسخة الهندية ٢/ ٩٨، دارالسلام، رقم: ٢٦٨٥، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٨/ ٢٣٣، رقم: ٧٩١١، مسند الدارمي، دارالمغني ١/ ٣٣٤، رقم: ٢٩٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۵۳)

کیا گشت کا عمل قرآن سے بھی اونچا ہے؟

سوال [۱۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو اپنے حلقہ میں کچھ عوام کے نزدیک دیندار مانا جاتا ہے، ان صاحب نے ایک دن گشت کی فضیلت میں فرمایا: ''کہ گشت کا عمل قرآن سے بھی اونچا ہے'' اس مجلس میں بکر صاحب بھی موجود تھے، بکر صاحب نے زید صاحب سے اس کی مزید وضاحت چاہی، تو زید صاحب نے پھر اپنی سابقہ بات پر زور دے کر وہی الفاظ دہرائے، بکر صاحب کو تکلیف ہوئی اور انہوں نے اس کے متعلق فتویٰ منگانے کی بات کہی، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ زید صاحب کا بار بار یہ فرمانا اور ایسا کہنا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: جمیل احمد، مصطفیٰ آباد، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اگر گشت والے عمل کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اسی عمل کو قرآن سے اونچا کہا ہے اور اس کی مراد اس سے گشت والا عمل تلاوت قرآن سے بہتر ہونا ہے، تو کوئی بات نہیں ہے، مگر ایسی بھونڈی تعبیر کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اور اگر فی نفسہٖ گشت والے عمل کو مطلق قرآن سے اونچا کہنا مراد ہے، تو یہ کہنا غلط ہے اور نہایت بھونڈی تعبیر ہے؛ لہٰذا زید کو اپنی اس حرکت سے باز آجانا چاہئے اور ایسی گفتگو سے توبہ کر لینی چاہئے؛ کیوں کہ نفس قرآن سے اونچی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/۱۲۳، جدید زکریا ۱/۱۷۱، ۱۷۲)

لكن الأولىٰ أن لا يقرأ بالغريبة عند العوام صيانة لديهم. (درمختار مع الشامي، باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين ...... کراچی ۱/ ۵٤۱، زکریا ۲/ ۲٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ

گشت کرنا اور لوگوں کو نماز کی دعوت دینا

سوال [۱۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ میں میرے گاؤں میں ایک مولانا صاحب کے ایماء واشارہ سے یہ معمول بن گیا کہ ہفتہ میں دو دن گشت اور مغرب کے بعد لوگوں کو نماز روزہ کی طرف رغبت دلانے کے لئے تقریر وغیرہ اور فجر کی اذان ہونے کے بعد چھوٹے بچوں کو لوگوں کو نماز کے لئے بلانے یا جگانے کے لئے ان الفاظ سے پکارنے کی تعلیم یا حکم دیا تھا: ''کہ سونے سے بہتر نماز ہے'' سب بچے ایک آواز ہوکر پورے گاؤں میں لوگوں کو جگاتے تھے اور لوگ نماز کے لئے آتے تھے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ عمل درست ہے یا تثویب کے اندر داخل ہے؟ اگر درست ہو تو آئندہ اس کو جاری رکھا جائے۔

المستفتی: معراج احمد، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بے نمازیوں کے لئے دعوت وتبلیغ ہے، تثویب نہیں ہے، اگر اس سے نمازیوں میں اضافہ ہو رہا ہے تو امر بالمعروف کے اندر داخل ہونے کی وجہ سے جائز ومشروع ہوگا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. [سورة آل عمران، آیت: ۱۱۰]

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. [سورة طٰه، آیت: ۱۳۲]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۱۱ھ

گشت کرنے کے وقت مسجد سے باہر نکل کر دعا کرنے کا ثبوت

سوال [۱۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تبلیغی جماعت والے جو گشت کرنے کے وقت مسجد سے باہر نکل کر دعا کرتے ہیں، تو کیا گشت کے وقت مسجد سے باہر نکل کر دعا کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راغب، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گشت کے وقت مسجد سے باہر دعا کرنا حضور ﷺ سے صراحتاً تو ثابت نہیں ہے؛ لیکن دلالۃً ثابت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن عبدالله الخطمي رضي قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يستودع الجيش، قال: استودع الله دينكم وأمانتكم وخواتيم أعمالكم. (سنن أبي داؤد، باب في الدعاء عند الوداع، النسخة الهندية ۱/ ۳۵۰، دارالسلام، رقم: ۲۶۰۱، المستدرك للحاكم، كتاب الجهاد، مكتبه نزار مصطفى الباز ۳/ ۹۳۲، رقم: ۲۴۷۸، مشكوة شريف ۲۱۴)

نیز احادیث میں دعا کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

الدعاء مخ العبادة. (ترمذي شريف، ابواب الدعوات، باب ما جاء في فضل الدعاء، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۵، دارالسلام، رقم: ۳۳۷۱، المعجم الأوسط، دارالفكر ۲/ ۲۵۵، رقم: ۳۱۹۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نیک عمل سے پہلے دعا کرنا بہتر ہے، یہ بھی ایک نیک عمل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ محرم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۵۴)

گشت کر کے نماز پڑھنے پر سات لاکھ نمازں کا ثواب

سوال [۱۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ حدیث مشہور ہے کہ جو جماعت گشت کر کے نماز پڑھے، یا گشت کرنے پر سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے،کون سی حدیث سے ثابت ہے؟

المستفتی: محمد عثمان فینسی کارنر راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبِ علم اور طلبِ دین کے لئے گھر سے نکل کر جو اس درمیان ضروریات میں خرچ کرتا ہے،اس کی فضیلت سات لاکھ گنا تک حدیث شریف میں آئی ہے؛لیکن اس حالت میں نماز کی فضیلت سات لاکھ گنا ہونے کی صریح حدیث ہم کونہیں ملی ہے؛لیکن یہ بات ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ اللہ کی عبادتوں میں سب سے اہم ترین نماز ہے، جب خرچ کرنے کی فضیلت سات لاکھ گنا ہوسکتی ہے،تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ نماز پڑھنے کی فضیلت بھی سات لاکھ گنا یا اس سے زائد ہو جائے۔حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جو شخص طلب علم اور طلبِ اصلاح کے لئے نکلنے والے کو مجاہد فی سبیل اللہ کے درجہ میں نہیں سمجھتا ہے،اس کی عقل میں نقص ہے۔اور تبلیغ والے جو جماعت میں نکلتے ہیں وہ بھی طلب علم،طلب دین اور طلب اصلاح کی غرض سے نکلتے ہیں۔اب روایات ملاحظہ فرمایئے:

قال أبو الدرداء –رضی اللّٰہ عنہ–: من رأی الغدو والرواح إلی العلم لیس بجهاد فقد نقص عقله ورأیه. (جامع بیان العلم وفضله، دارالکتب العلمية بیروت ۱/ ۳۰، ۳۱، رقم: ۱۹۵)

عن أبي أمامة قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: الغدو والرواح إلی المساجد من الجهاد في سبیل اللّٰه. (المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ۸/ ۱۷۷، رقم: ۷۷۳۹، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۲۶۸، رقم: ۲۶۶۶۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم من جاء مسجدنا هذا يتعلم خيرا ويعلمه، فهو كالمجاهد في سبيل الله، ومن جاء لغير هذا كان كالرجل يرى الشيء يعجبه وليس له. هذا حديث صحيح على شرط الشيخين. (المستدرك للحاكم، كتاب العلم مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ١/ ١٣٤، قديم ١/ ١٦٩، رقم: ٣٠٩، سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على ذلك، النسخة الهندية/ ٢٠، دارالسلام، رقم: ٢٢٧، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٣٥٠، رقم: ٨٥٨٧، ٢/ ٤١٨، رقم: ٩٤٠٩، صحيح ابن حبان، ذكر التسوية بين طالب العلم وملعمه وبين المجاهد في سبيل الله، دارالفكر ١/ ١١٠، رقم: ٨٧، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٥/ ١٦٤، رقم: ٧٥٩٨، ٣٣١٨٨)

عن سهل بن سعد الساعدي –رضى الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من دخل مسجدي هذا ليتعلم خيرا أو ليعلمه كان بمنزلة المجاهد في سبيل الله، ومن دخله لغير ذلک من أحاديث الناس كان بمنزلة من يرى ما يعجبه، وهو شيء غيره. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٦/ ١٧٥، رقم: ٥٩١١)

عن علي بن أبي طالب، وأبي الدرداء، وأبي هريرة، وأبي أمامة الباهلي، وعبدالله بن عمر، وجابر بن عبدالله، وعمران بن حصين –رضى الله عنهم– كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من أرسل بنفقة في سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مئة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في وجه ذلک، فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ”والله يضاعف لمن يشاء والله واسع عليم“ . (سنن ابن ماجة، باب فضل النفقة في سبيل الله، النسخة الهندية ١/ ١٩٨، دارالسلام، رقم: ٢٧٦١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۷۱/۳۶)

ہفتہ واری گشت میں مسجد کے دروازہ پر کسی کو کھڑا کرنا

سوال [۱۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں تبلیغی جماعت کا ہفتہ واری گشت ہوتا ہے، ایک آدمی کو مسجد کے صدر دروازہ پر کھڑا کردیا جاتا ہے، وہ آدمی آنے والے نمازی کو سلام کرتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے، اس کو استقبال نمازی کہتے ہیں، یہ استقبال ومصافحہ شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: قاری عبدالکریم ایوبی محلّہ پٹواریان راجہ کا تاجپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت والے یہ اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد نمازیوں کو حکمت واخلاق کے ذریعہ سے تعلیم وحلقہ میں جوڑنا ہوتا ہے اور اس طرح دعوت کی غرض سے کرنا شرعاً درست ہے۔

لقولہ تعالیٰ: اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ. [سورۃ النحل: ۱۲۵]

اور اگر دعوت وتبلیغ سے ہٹ کر محض رسماً کوئی ایسا کرنا شروع کردے، تو وہ شرعاً درست نہ ہوگا، اس سے بلا وجہ ایک نئی چیز کی ایجاد لازم آئے گی۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ: ...... وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار. (صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۲/ ۵۶۵، رقم: ۱۷۸۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳۰۶)

مختلف مقامات سے آنے والی تبلیغی جماعتوں میں شرکت

سوال [۱۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مختلف مقامات سے جو تبلیغی جماعتیں بدایوں وغیرہ میں آتی ہیں، ان میں شریک ہونا کیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس سے ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسیب ولد محمد ابراہیم ساکن سوتھا گلی مراشیان، بدایوں شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت جس کے بانی حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ ہیں، بہت اچھی جماعت ہے، اس کے اکابر علماء اور دین کے اچھے رہنما ہیں، یہ مسلمانوں کو دین کی اصلاح کی دعوت دیتے ہیں، ان کے ساتھ شریک ہونا اور حسب گنجائش ان کے ساتھ وقت لگانا کار ثواب اور دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...... إن الدين بدأ غريبا ويرجع غريبا، فطوبىٰ للغرباء الذين يصلحون ما أفسد الناس من بعدي سنتي. (سنن ترمذي، باب ماجاء أن السلام بدأ غريبا و سيعود غريبا، النسخة الهندية ۲/ ۹۱، دارالسلام، رقم: ۲۶۳۰، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۱۶، رقم: ۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۱۶ھ

۲۵/ دسمبر میں تبلیغی اجتماع کا حکم

سوال [۱۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں نوجوان طبقہ عام طور سے ۲۵/ دسمبر جو عیسائیوں کا تہوار ہوتا ہے، طرح طرح کے پروگرام کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں اور گانے بجانے کے ساتھ پکنک وغیرہ میں بھی حصہ لیتے ہیں، تو علاقہ کے ذمہ دار حضرات نے ۲۵/ دسمبر کو مرکز نظام الدین دہلی کے مشورہ سے تبلیغی اجتماع کا سالانہ سلسلہ جاری کیا ہے، جس سے وہ طبقہ کافی حد تک مذکورہ

خرافات سے بچ کر اس اجتماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور بحمد اللہ اس سے فائدہ بھی محسوس ہو رہا ہے؛ لیکن بعض علماء نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ یہ عیسائیوں کے تہوار کے مطابق اس دن ۲۵/دسمبر کو پروگرام رکھنا مناسب نہیں؛ اس لئے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس دن کو کچھ اہمیت دیتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ ان کے منانے کا طریقہ الگ ہے اور ہمارے منانے کا طریقہ الگ ہے؛ اس لئے اس دن کی تعیین اجتماع کے لئے صحیح نہیں ہے، کیا ان حضرات کا اس طرح اعتراض کرنا درست ہے؟ واضح فرمائیں، تاکہ آئندہ ہم اس اجتماع کے سلسلہ میں صحیح فیصلہ لے سکیں۔

المستفتی: حاجی فیض الاسلام منشی ڈانگہ، ہاوڑا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۵/دسمبر کو عیسائیوں کے تہوار کی وجہ سے جو مسلمان ان پڑھ یا نوجوان طبقہ اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں، اس سے بچانے کے لئے مرکز نظام الدین کے ذمہ داروں کے مشورہ سے تبلیغی اجتماع کا جو سلسلہ قائم کیا گیا ہے وہ بہت ہی مناسب اور شریعت کے مطابق ہے، غیروں کے تہوار اور برائیوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے ایک مناسب اقدام ہے، نیز اس دن تبلیغی اجتماع کا پروگرام کرنے سے عیسائیوں اور کرسچنوں کی طرح اس دن کو اہمیت دینا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ دین اسلام اور اس کی دعوت کو اہمیت دینا مقصود ہے، یہ اجتماع ان کے تہوار کی مشابہت کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ ان کے تہوار کی مشابہت سے بچانے کے لئے ہے۔ اور شریعت میں سلف وخلف سے اسی کے موافق باتیں ملتی ہیں۔

عن أبي موسیٰ قال: کان یوم عاشوراء تعده الیهود عیدا، قال النبي ﷺ: فصوموه أنتم. الحدیث (بخاري، باب صیام یوم عاشوراء، النسخة الهندیة ۱/۲۶۸، رقم: ۱۹۶۱، ف: ۲۰۰۵)

ومنها أن النصاری کانوا إذا ولدلهم ولد صبغوا بماء أصفر یسمونه (المعمودیة) وکانوا یقولون: یصیر الولد به نصرانیا، فاستحب

أن یکون للحنفیین فعل بازاء فعلهم ذلک، یشعر بکون الولد حنفیا تابعا لملة إبراهیم وإسماعیل علیهما السلام. (حجة الله البالغة ۲/ ۳۷۳، مطبوعه دیوبند، رحمة الله الواسعة، مکتبه حجاز دیوبند ۵/ ۱۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۸۴)

کیا اللہ کے راستہ میں جانا حضور ﷺ کی زیارت سے افضل ہے؟

سوال [۱۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب تبلیغی جماعت میں کہہ رہے تھے کہ اللہ کے راستہ میں جانا حضور ﷺ کی زیارت سے افضل ہے، دلیل میں ایک صحابی کا واقعہ پیش کیا، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک صحابی سے کسی دستہ کے ساتھ جانے کے لئے اللہ کے راستہ میں کہا؛ لیکن وہ نہیں گئے، چنانچہ ایک ہفتہ گذرنے کے بعد حضور ﷺ نے ان صحابی سے کہا میں نے تم کو فلاں دستہ کے ساتھ بھیجا تھا، انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ لوں، اس بہانے سے آپ ﷺ کی زیارت بھی ہوتی رہے گی، اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: تم بہت زیادہ ثواب سے محروم رہے۔ معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ میں جانا زیارت نبوی اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے سے بڑھ کر ہے، تو اس زمانہ کے فی سبیل اللہ کو اس زمانہ کے فی سبیل اللہ پر قیاس کرنا کیا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: حامد علی کرلا ویسٹ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دین کی دعوت اور حصولِ دین کے لئے اللہ کے راستہ میں نکلنا اگرچہ باقاعدہ کفار کے ساتھ جہاد نہیں ہے، مگر اس سے مجاہد فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ: من خرج في طلب العلم، فهو في سبيل الله حتى يرجع. (سنن الترمذي، أبواب العلم، باب فضل طلب العلم، النسخة الهندية ۲/ ۹۳، دارالسلام، رقم: ۲۶٤۷، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۳/ ۱۳۰، رقم: ٦٥۲۰)

حدثني أبو صخر أن سعيد المقبري أخبره أنه سمع أبا هريرة يقول: إنه سمع رسول الله ﷺ يقول: من دخل مسجدنا هذا ليتعلم خيرا، أو يعلمه كان كالمجاهد في سبيل الله. الحديث (صحيح ابن حبان، ذكر التسوية بين طالب العلم ومعلمه وبين المجاهد في سبيل الله، دارالفكر ۱/ ۱۱۰، رقم: ۸۷، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٦/ ۱۷٥، رقم: ٥۹۱۱، مشكوة ۱/ ۳٤)

اور دینی دعوت اور حصول دین کے لئے اللہ کے راستہ میں نکلنے کو خود حدیث شریف میں جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ اور اللہ کے راستہ میں نکلنا بھی بہت بڑا ثواب اور افضل ترین عمل اور باعث خوش نصیبی ہے، مگر ان پڑھ لوگوں کے سامنے مذکورہ طریقہ سے تقابل کرنا غیر مناسب طریقہ ہے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۵/۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۵/۱۴۱۵ھ

اصلاح مدرسہ میں ہے یا تبلیغی جماعت میں؟

سوال [۱۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ابھی ایک چلہ کے لئے تبلیغی جماعت میں گیا تھا، ہر ایک مبلغ نے اس بات پر زور دیا کہ جماعت میں نکلنے ہی سے دین وایمان بنتا ہے اور ہر عمل پر سات لاکھ کا ثواب ملتا ہے، خواہ کیسا ہی بگڑا ہوا آدمی ہو، جماعت میں ٹھیک ہو جاتا ہے اور جماعت کا بگڑا ہوا کہیں بھی ٹھیک نہیں ہوسکتا، مرکز نظام الدین کے بڑوں کی بات اتنی اہمیت اور اس انداز سے بیان کرتے

ہیں کہ قرآن وحدیث کواس انداز سے نہیں بیان کر سکتے، میں عجیب تشویش میں مبتلا ہوں کہ جماعت میں نکلنے ہی سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے، تو مدرسوں میں پڑھنے پڑھانے والے قلیل تنخواہ پر اپنی زندگی کھپاتے ہیں، ان کا کس عمل سے موازنہ ہوگا؟ جماعت میں موٹر گاڑیوں کی سہولت، کھانے پینے کی فراوانی اور مدرسوں میں پڑھنے والوں کی خستہ حالی کسی کسی چھوٹے مدرسہ میں کتنی تنگی ہوتی ہے، تو مدرسوں سے تعلق رکھنے والوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں؟

المستفتی: احمد نجیب آندھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس دور میں اصلاح کے تین طریقے مشہور ومعروف ہیں: (۱) مدارس (۲) خانقاہیں (۳) تبلیغی جماعت۔ اب آدمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان تین طریقوں میں سے جس طریقے کو چاہے اختیار کرے اور عوام الناس جو لوگ کاروبار اور دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے ہیں، ان کے لئے سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ وہ تبلیغی جماعت میں وقت لگائیں اور اس کے ذریعہ اپنی اصلاح کریں اور یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ جو آدمی بہت بگڑا ہوا ہوتا ہے، جب اس کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہو جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی میں کافی حد تک تبدیلی آجاتی ہے، مثلاً اگر شرابی ہے تو شراب چھوڑ دیتا ہے، چوری ڈکیتی میں مبتلا رہا ہے تو اس سے تائب ہو جاتا ہے۔ اور اسلام پر عمل کرنے کا جذبہ اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سوال نامہ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ مدارس اور تبلیغی جماعت کے درمیان موازنہ کیسے کیا جائے، اس کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ موازنہ ایک نوع کی دو چیزوں میں ہوا کرتا ہے، مثلاً دو مدرسے ہیں، کس میں تعلیم بڑھیا ہوتی ہے، دو استاذ ایک کتاب پڑھاتے ہیں، کون بڑھیا پڑھاتا ہے، اس طرح کا موازنہ کسی حد تک درست ہے؛ اس لئے کہ ایک ہی نوع کی دو چیزیں ہیں، مگر تبلیغ اور مدارس دونوں انداز تربیت کے اعتبار سے دو بالکل الگ الگ طریقے ہیں، ایسی دو چیزوں کے درمیان موازنہ درست نہیں؛ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح اور بہتر چیزیں ہیں، ہاں البتہ تبلیغ کی دو جماعتوں میں دو امیر الگ الگ ہیں، دونوں میں سے

کس سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، اس اعتبار سے دو جماعتوں اور دو امیروں کے متعلق موازنہ کیا جاسکتا ہے، مگر تبلیغ اور مدارس کے درمیان موازنہ بے محل ہے، تبلیغی جماعت میں نکلنا اپنی اصلاح اور تربیت کے واسطے ہوتا ہے، دشمنانِ اسلام سے جہاد کے لئے نکلنا نہیں ہوتا، اسی طرح مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے دور دراز علاقہ میں سفر کرکے پہنچنا دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے جانا نہیں ہوتا، ایک حدیث شریف جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے کے بعد اسی سفر میں اللہ کا ذکر کرنے کے بدلہ میں سات لاکھ نیکیاں حاصل ہونے کے بارے میں ملی ہے، جو حسب ذیل ہے:

عن معاذ بن جبل أن رسول الله ﷺ قال: طوبیٰ لمن أكثر في الجهاد في سبيل الله من ذكر الله، فإن له بكل كلمة سبعين ألف حسنة كل حسنة منها عشرة أضعاف مع الذي له عندالله من المزيد. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ۲۰ / ۷۸، رقم: ۱۴۳)

یہ حدیث شریف دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے نکلنے کے لئے ہے؛ لیکن بعض لوگوں نے اہل مدارس اور تبلیغی جماعت میں نکلنے والوں کے بارے میں بھی فرمایا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں اسی طرح کا ذکر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۲۴۳، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۹۹، ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۸/۳/۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۱ھ

کیا تبلیغ والوں پر جہاد وغیرہ کی فضیلت سے متعلق احادیث صادق آسکتی ہیں؟

سوال [۱۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حدیث میں آتا ہے کہ تھوڑی دیر دین کی فکر لے کر بیٹھنا اپنے گھر میں ستر یا اسی سال نفل

نماز پڑھنے سے افضل ہے، یہ حدیث جماعتی لائن سے بیٹھنے پر صادق آسکتی ہے؟ نیز حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں چلنے سے جہنم کی آگ تو کیا اس کا دھواں بھی نہیں چھوسکتا۔ اس حدیث کا مصداق گشت والا عمل ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد صابر مدرسہ دارالعلوم فرقانیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ جماعتی لائن سے جو بیٹھتے ہیں وہ دین ہی کی فکر لے کر بیٹھتے ہیں؛ اس لئے سوال میں ذکر کردہ حدیث جماعتی لائن سے بیٹھنے پر صادق آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور دوسری حدیث مذکور جہاد کی فضیلت سے متعلق ہے اور یہاں دو چیزیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ خدا کی راہ میں دشمنان اسلام سے قتال کرنا عامۃً اسی کو جہاد کہا جاتا ہے، اس کی فضیلتیں مستقل ہیں اور وہ بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ دوسری چیز خدا کے دین کے لئے کوشش کرنا اگرچہ اس میں قتال کی نوبت نہ آئے قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق یہ بھی جہاد ہے؛ لہٰذا حدیث مذکور کا مصداق گشت والا عمل ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۴۵، جدید ڈابھیل ۴/ ۳۰۳)

والجهاد بكسر الجيم، أصله لغة المشقة ...... ويطلق أيضا على مجاهدة النفس، والشيطان، والفساق، فأما مجاهدة النفس، فعلى تعلم أمور الدين، ثم على العمل بها، ثم على تعليمها، وأما مجاهدة الشيطان فعلى دفع ما يأتي به من الشبهات وما يزينه من الشهوات. الخ (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، مكتبه دارالريان التراث، بيروت ٦/ ٥، أشرفيه ديو بند ٦/ ٣)

حدثني أبو صخر أن سعيدا المقبري أخبره أنه سمع أبا هريرة يقول: إنه سمع رسول الله ﷺ يقول: من دخل مسجدنا هذا ليتعلم خيرا، أو يعلمه كان كالمجاهد في سبيل الله. الحديث (صحيح ابن حبان،

ذکر التسویة بین طالب العلم ومعلمه و بین المجاهد في سبیل الله، دارالفکر ۱/ ۱۱۰، رقم: ۸۷، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ٦/ ١٧٥، رقم: ۵۹۱۱) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٨٦٧)

کیا طلباء کے لئے بیان کی گئی فضیلت تبلیغ کرنے والوں پر صادق آتی ہے؟

سوال [۱۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلباء کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں اور دریا کی مچھلی اور ہر چیز دعا کرتی ہے، تو یہ فضیلت تبلیغ کرنے والوں کے لئے ہے یا نہیں؟ جو لوگ تبلیغ کرتے ہیں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ جب آدمی گشت کرتے ہیں، تو فرشتے پر بچھاتے ہیں، ہر چیز دعا کرتی ہے؟

المستفتی: مزمل الحق مرادآبادی

الجواب وباللہ التوفیق: دین کا سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے، نیز علامہ طیبیؒ اس فضیلت والی حدیث کی تشریح فرماتے ہیں: ''کہ دینی علم چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ اس کو سیکھنے کے لئے نکلنے والا ہر شخص اس فضیلت کا مستحق ہے''۔ اور ملا علی قاریؒ کا ارشاد ہے: ''کہ جنت کے جتنے بھی راستہ ہیں، وہ علم کے راستہ پر منحصر ہوتے ہیں؛ کیوں کہ بغیر علم کے عمل معتبر نہیں ہوتا''؛ لہٰذا حدیث شریف میں بیان کردہ فضیلت تبلیغ میں جانے والوں کے لئے بھی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۴۳۲، جدید ڈابھیل ۴/۲۲۳)

عن قیس بن کثیر قال: قدم رجل من المدینة علی أبي الدرداء –إلی– قال: فإني سمعت رسول الله ﷺ یقول: من سلک طریقا یبتغي فیه علماً سلک الله به طریقا إلی الجنة، وأن الملائکة لتضع أجنحتها رضا لطالب العلم. الحدیث (سنن الترمذي، أبواب المعلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العباده، النسخة الهندیة ۲/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۲٦۸۲، سنن أبي داؤد، کتاب

العلم، باب الحث على طلب العلم، النسخة الهندية ۲/ ۵۱۳، دارالسلام، رقم: ۳٦٤١، صحيح ابن حبان، ذكر وصف العلماء الذين لهم الفضل الذي ذكرنا قبل، دارالفكر ١/ ١١٠، رقم: ٨٨)

قال الطيبي: وإنما أطلق الطريق والعلم ليشملا في جنسهما، أي طريق كان من مفارقة الأوطان، والضرب في البلدان إلى غير ذلك كما سبق، وأي علم كان من علوم الدين قليلا أو كثيرا رفيعا، أو غير رفيع. الخ (مرقاة، كتاب العلم، الفصل الثاني، ملتان ١/ ٢٧٩، شرح طيبي ٢/ ٦٧٢، رقم: ٢١٢، تحفة الأحوذي، المكتبة الأشرفية ديوبند ٧/ ٣٧٥، أبواب العلم، باب في فضل الفقه على العبادة)

اورگشت بھی چونکہ تبلیغ کا اہم جزو ہے؛ اس لئے وہ لوگ بھی شامل ہوں گے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه، مطبوعه ديوبند ١/ ٥٣، قواعد الفقه، مكتبه أشرفي ديوبند، رقم القاعدة: ٥١، ص: ٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۴۰)

کیا جماعت میں نکلنے والے کو طالب علم کہہ سکتے ہیں؟

سوال [۱۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا جو حضرات تبلیغی جماعت میں جاتے ہیں، ان کو طالب علم کہا جائے گا یا نہیں؟ کیا ان پر طالب علم کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟ کیا یہ حضرات طالب علم کہلانے کے حق دار ہیں؟

المستفتی: نعیم الدین قاسمی ارریاوی، اسٹاف مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت میں نکل کر ان ہی چیزوں کی مشق کرائی جاتی ہے جو چھ نمبر کے دائرہ میں ہوتی ہیں۔ اور چھ نمبر کے دائرہ میں جو باتیں ہوتی ہیں، ان کو سیکھنے اور ان کی طلب میں نکلنے والوں کو ان ہی چیزوں کا طالب کہا جائے گا اور اس درجہ کا

طالب ان کو کہا جاسکتا ہے؛ لیکن عرف واصطلاح میں جس کو طالب علم کہا جاتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو علوم شرعیہ کے حصول میں: فقہ، حدیث، تفسیر کے علماء کے پاس جا کر علم دین سیکھتے ہیں، جس میں نحو، صرف، بلاغت، بدیع، معانی، اصول فقہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ سب شامل ہیں، ان کے حصول میں محنت کرنے والے کو علوم شرعیہ کا طالب علم کہا جاتا ہے۔

والمراد بالعلم: العلم الشرعي الذي يفيد معرفة ما يجب على المكلف من أمر عباداته ومعاملاته، والعلم بالله وصفاته، وما يجب له من القيام بأمره، وتنزيهه عن النقائص، ومدار ذلک على التفسير، والحديث، والفقه. (فتح الباري، كتاب العلم، باب فضل العلم، قديم بيروت ١/ ١٧٠، اشرفيه ديوبند ١/ ١٨٨، عون المعبود، كتاب العلم، باب في فضل العلم، مكتبه دارالكتاب العربيه بيروت ٣/ ٣٥٤، تحت رقم الحديث: ٣٦٤١، فيض القدير ١/ ٢٤٠، تحت رقم الحديث: ٣٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/محرم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۷ھ

کیا جماعت میں جانے والے کو عالم کہہ سکتے ہیں؟

سوال [۱۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت کی اصطلاح میں عالم کس کو کہیں گے؟ کیا جو حضرات جماعت میں جاتے ہیں، ان کو عالم کہا جائے گا؟

المستفتی: نعیم الدین قاسمی ارریاوی، اسٹاف مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اصطلاح میں عالم دین اس کو کہا جاتا ہے، جس نے علوم دینیہ کے تمام مراحل طے کر کے فقہ، حدیث، تفسیر اور حدیث میں بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ پڑھ کر کے ان کی سند حاصل کر لی ہو، ان کتابوں

کے پڑھے بغیر کسی کو عالم نہیں کہا جاتا ہے۔

والمراد بالعلم: العلم الشرعي الذي يفيد معرفة ما يجب على المكلف من أمر عباداته ومعاملاته، والعلم بالله وصفاته، وما يجب له من القيام بأمره، وتنزيهه عن النقائص، ومدار ذلک على التفسير، والحديث، والفقه.

(فتح الباري، كتاب العلم، باب فضل العلم، قديم بيروت ۱/ ۱۷۰، اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۸۸، عون المعبود، كتاب العلم، باب في فضل العلم، مكتبه دارالكتاب العربيه بيروت ۳/ ۳۵٤، تحت رقم الحديث: ۳٦٤۱، فيض القدير ۱/ ۲٤۰، تحت رقم الحديث: ۳٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/محرم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۹۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۷ھ

مکتب بند کر کے تبلیغی جماعت میں جانا

سوال [۱۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جو مسجد کے امام بھی ہیں اور گھر میں ایک مکتب بھی چلا رہے ہیں، اچانک گھر ومسجد میں بغیر کسی اطلاع کے چند یوم کی جماعت میں چلے گئے، پھر وہاں سے بغیر کسی اطلاع کے چار ماہ کے لئے چلے گئے، ادھر گئے، ادھر گھر میں مکتب کے تمام بچے جن میں حفظ وناظرہ، قاعدہ پارہ کے طلبہ تھے، انتظام نہ ہونے کی بنا پر ادھر ادھر چلے گئے، حتی کہ بعض طلبہ نے تعلیمی سلسلہ ہی ترک کر دیا، اب گھر کے افراد، نیز مسجد کے تمام مصلیان حضرات بھی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں، کیا ایسے شخص کو گھر پر رہ کر خدمت دین کرنا زیادہ بہتر ہے یا جماعت میں جا کر اس سے زیادہ نفع ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں؟

المستفتی: محمد قاسم لوہاروی، گنگوہ، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکتب اور مدرسہ کی تعلیم کو بند کر کے اور اس کے لئے کوئی

انتظام نہ کرکے تبلیغ میں چلے جانا اصول تبلیغ کے خلاف ہے، اس سے تبلیغی مکتب فکر بدنام ہوسکتا ہے؛ اس لئے جب تک مکتب اور مدرسہ کے لئے کوئی معقول انتظام نہ ہو، مکتب اور مدرسہ کے طلبہ کو بے یارو مددگار چھوڑ کر جماعت میں چلے جانا دینی خدمت نہیں ہے؛ بلکہ دین کی زبردست بے اصولی ہے؛ اس لئے اس کو جماعت سے فوری طور پر واپس آکر تعلیمی نقصانات کی تلافی کرنا لازم ہے۔ اور جب کبھی معقول انتظام ہو جائے تو پھر ایک نظام کے تحت جماعت میں چلا جائے، جو لوگ اس طرح کا غلو کرتے ہیں، ان کی وجہ سے تبلیغی مکتب فکر کے متعلق لوگوں کو چہ میگوئیاں کرنے کا موقع ملتا ہے؛ اس لئے جماعت میں جانے والے کوئی ایسا کام نہ کریں جو تبلیغ کے پورے مکتب فکر کے لئے بدنامی کا سبب بنے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۱۵، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۷)	۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

تبلیغ میں بھیجے گئے اساتذہ کو تنخواہ دینا

سوال [۱۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں مدرسہ کا ناظم ہوں، ایک استاذ کو اپنے مدرسے سے ہر سال تبلیغی جماعت میں چلے کے لئے بھیج دیتا ہوں اور ان کی جگہ ان کی واپسی تک دوسرے استاذ کا انتظام کر دیتا ہوں، معلوم یہ کرنا ہے کہ جن استاذ کو چلے میں بھیجا ہے، ان کو مدرسہ سے تنخواہ دینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ کیوں کہ تعلیم اور تبلیغ دونوں ہی مدرسہ کے قیام کے مقاصد میں سے ہیں۔ اور قوم کا چندہ اشاعت دین ہی کے لئے آتا ہے، مزید تائید کے لئے دار الافتاء سے رجوع کرر ہا ہوں۔

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تبلیغی کام بھی مدرسہ کے پروگرام میں شامل ہو تو جو

مدرسین جماعت میں جاتے ہیں، ان کا منجانب مدرسہ تنخواہ لینا جائز ہے؛ اس لئے کہ بانیان مدرسہ نے تبلیغ کو اغراض مدرسہ میں شامل کرلیا ہے؛ لہٰذا منجانب مدرسہ تنخواہ دے کر جماعت میں بھیجنے کا سلسلہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳/ ۲۱۹، جدید زکریا ۳/۱۴۴، مکتوبات شیخ الاسلام ۱/۳۵۶)

اور مدارس اسلامیہ کے اصول وقوانین اس حدیث شریف سے ثابت ہیں:

المسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(ترمذي شريف، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

تبلیغی نصاب کی عبارت پر اعتراض

سوال [۱۲۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کئی علماء نے مجھ سے کہا کہ تبلیغی نصاب میں بہت سی ایسی باتیں ہیں، جو قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں، مثلاً حسن بن حی کہتے ہیں کہ میرے بھائی علی کا جس وقت انتقال ہوا، انہوں نے مجھے آواز دے کر پانی مانگا، میری نماز کی نیت بندھ رہی تھی، میں سلام پھیر کر پانی لے گیا، وہ فرمانے لگے کہ میں تو پی چکا، میں نے کہا: آپ نے کہاں سے پی لیا؟ گھر میں میرے اور آپ کے سوا کوئی اور نہیں ہے؟ کہنے لگے حضرت جبرئیل ابھی پانی لائے تھے، وہ پانی پلا گئے اور یہ فرما گئے تو اور تیرا بھائی ان لوگوں میں سے ہیں جن پر حق تعالیٰ شانہ نے انعام فرمارکھا تھا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تبلیغی نصاب کی عبارت کس آیت کریمہ اور کس حدیث

شریف کے صریح خلاف ہے؟ اس کی صراحت فرمائی جائے اس کے بعد غور کیا جاسکتا ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۸۹)

فضائل اعمال کے چند واقعات پر اعتراض کا جواب

سوال [۱۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تبلیغی مبلغین حضرات بیان کے بعد تشکیل میں اس کام کے لئے نکلنے کو فرض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں، آخر کیوں؟ کئی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ فضائل اعمال میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جو قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں، جو ذیل میں ہیں:

(۲) ایک بزرگ حسن بن حی اپنے بھائی علی بن حی کے انتقال کا واقعہ بیان کرتے ہیں، جس وقت ان کے بھائی نے آواز دے کر پانی مانگا، تو اس وقت ان کی نماز کی نیت بندھ رہی تھی، سلام پھیر کر پانی لے گئے، تو کہنے لگے پانی پی چکا، وہ کہنے لگے پانی کہاں سے پی چکے؟ کہنے لگے حضرت جبرئیل علیہ السلام ابھی پانی لائے تھے وہ پلا گئے۔

(۳) جنگ احد میں حضور ﷺ کے سر میں خود کے حلقہ گھس گئے تھے، ان کے نکالنے پر حضور ﷺ کے جسم سے خون نکلنے لگا، تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان نے اپنے لبوں سے خون چوس لیا اور نگل لیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے خون میں میرا خون ملا ہو، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی۔

فائدہ میں یہ بھی لکھا ہے: کہ حضور ﷺ کے فضلات پاخانہ، پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں، اس میں کوئی اشکال نہیں۔

(۴) شیخ ابو یعقوب سنوی کا قصہ ہے کہ ان کا ایک مرید آیا، کہنے لگا کہ کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا، چنانچہ اگلے روز اس نے مسجد حرام آکر طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔ اور

نہلانے دھلانے کے بعد جب اس کو قبر میں لٹایا گیا، تو کہنے لگا: میں زندہ ہوں، اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔

المستفتی: شفیع احمد اعظمی بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تبلیغی مبلغین خدمت تبلیغ اور دعوت تبلیغ کو نہ فرض سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی فرض کے درجہ میں قرار دیتے ہیں؛ بلکہ صرف بوقت تشکیل اس کام کی فضیلت اور اہمیت اور ذمہ داری کی اہمیت بتلاتے ہیں اور فرض سے زیادہ اہمیت دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کام میں شریک نہ ہونے والوں کو فاسق کہہ دیں؛ کیوں کہ تارک فرض کم از کم فاسق ہوتا ہے اور تبلیغی مبلغین کبھی بھی شرکت نہ کرنے والوں کو فاسق نہیں کہتے۔

(۲) علی بن حی کو جبرئیل علیہ السلام کا پانی پلانا کوئی ناممکن بات نہیں ہے؛ اس لئے کہ نزع کی حالت میں فرشتوں کا آنا روایات سے ثابت ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات میں ملائکہ کرام تشریف لا کر ان کو سلام کیا کرتے تھے۔

وكان في مرضه تسلم عليه الملائكة. (أسد الغابة، دارالكفر ۳/ ۷۷۹)

(۳) حضرت مالک بن سنان کا حضور ﷺ کے خون پینے کا واقعہ صحیح ہے، اس واقعہ کو کثیر تعداد کے ساتھ محدثین نے نقل فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''فتح الباری'' ۷/۴۲۳، اور علامہ بدرالدین محمود بن احمد ''عمدۃ القاری'' ۱۷/۱۵۵، میں نقل فرماتے ہیں:

إن مالک بن سنان مص الدم من وجه رسول الله ﷺ، ثم ازدرده، فقال: لن تمسک النار. الحديث (فتح الباري شرح صحيح البخاري، باب غزوة أحد، باب ليس لك من الأمر شيء، مكتبه دار الريان التراث، بيروت ۷/ ۴۲۳، مكتبه أشرفي ديوبند ۷/ ٤٦٤، مكتبه دارالفكر ۷/ ۳٦٦، عمدة القاري، كتاب المغازي، باب ليس لك من الأمر شيء، مكتبه دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۱۵۵)

اور حضور ﷺ کے فضلات پاک ہونے کے متعلق بہت سے محدثین اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں۔

صحح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله ﷺ، وسائر فضلاته، وبه قال أبو حنيفة. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس مطلب في طهارة بوله ﷺ، زكريا ۱/ ۵۲۲، كراچی ۱/ ۳۱۸، معارف السنن، كتاب الطهارة، باب النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول، مسألة طهارة فضلات الأنبياء عند أرباب المذاهب، مكتبه أشرفی ديوبند ۱/ ۹۸)

(۴) اللہ تعالیٰ کے عاشق کا مرنے کے بعد بھی زندہ رہنا قرآن سے ثابت ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ. [سورة البقرة: ۱۵۴]

یہ ہم جیسے مردہ دل انسانوں پر مخفی ہے، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں پر اس طرح ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۳۷۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۶ھ

فضائل اعمال سے متعلق ایک اعتراض

سوال [۱۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فضائل اعمال اور تبلیغی نصاب نامی کتاب جو آج کل عموماً مروج ہے اور اکثر مساجد میں صبح وشام پڑھی جاتی ہے، اس کتاب میں جیسے کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، فضائل ہی فضائل ہیں، دوسرے ضروری مسائل اس کتاب میں نہیں ہیں، مساجد میں اس کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا پڑھنا معیوب سمجھا جانے لگا ہے، کیا شریعت میں قرآن وحدیث کے بعد اس کتاب کا اتنا اونچا مقام ہے؟ اور کیا اس کو ضروری سمجھ کر اس قدر التزام واہتمام

کے ساتھ پڑھنا بدعت نہیں ہے؟ اس کتاب کو پڑھنے اور سننے والے اسلامی تاریخ، سیرت نبوی، حالات انبیاء، حیات صحابہ اور ضروری مسائل سے ناواقف رہتے ہیں، اگر اس کی جگہ دوسری کوئی مستند ومعتبر اور غیر مختلف فیہ دینی کتاب مساجد میں پڑھی جائے، جس سے ضروری مسائل بھی معلوم ہوسکیں، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی دوسری کوئی کتاب پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہارون، محلّہ قطب شیر، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''فضائل اعمال'' اور ''تبلیغی نصاب'' کو پڑھنے والے ہرگز یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اس کا درجہ قرآن وحدیث کے بعد سب سے اونچا ہے؛ بلکہ اس کو ایک مستند اور معتبر کتاب سمجھ کر پڑھتے ہیں اور اس کو اس قدر اہتمام کے ساتھ اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کے مضامین عوام الناس اور ان پڑھوں کے ذہن سے زیادہ قریب ہیں، ہرکس وناکس آسانی سے سمجھ لیتا ہے، فقہ اور اس کے مسئلے مسائل کے مضامین بہرحال اس کے مضامین سے زیادہ افضل ہیں اور اس کا سیکھنا سکھانا بھی زیادہ اہم ہے؛ لیکن فقہ کے ہر مضمون اور ہر مسئلہ کو ہرکس وناکس بآسانی نہیں سمجھ سکتا؛ بلکہ اس کو سمجھنے کے لئے یا تو اہل علم ہونا چاہئے، یا پڑھے لکھے، زیادہ سمجھ دار لوگ ہونے چاہئے؛ اس لئے فقہ کی کتاب یا اعلیٰ مضمون کی علمی کتاب مسجد کے اندر عوام الناس کے سامنے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام نہیں ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ فضائل اعمال ہی سب کچھ ہے اور دوسری مسئلے مسائل کی کتابیں کچھ نہیں ہیں اور نہ تبلیغ والے ایسا سمجھتے ہیں، ہاں البتہ اگر کسی مسجد میں مسئلہ مسائل کا سلسلہ شروع ہوجائے اور فضائل اعمال کا سلسلہ بھی چلتا رہے تو زیادہ اچھا ہے، ایک کا دوسرے سے معارضہ نہ کیا جائے، تاہم اگر کوئی شخص تبلیغی جماعت سے منسلک ہونے کے بعد صرف فضائل اعمال ہی کو سب سے اعلیٰ کتاب سمجھ لیتا ہے اور فضائل اعمال کی تعلیم کے ساتھ کسی وقت مسئلہ مسائل کی کتاب پڑھنے کو معیوب سمجھتا ہے، تو یہ اس شخص کی اپنی ذاتی غلطی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اور اصلاح کے لئے حکمت عملی کا راستہ اختیار

کرنا چاہئے، معارضہ سے اصلاح نہیں ہوتی، نیز اس کی اس ذاتی غلطی کا ذمہ دار تبلیغی جماعت کے پورے مکتب فکر کو نہیں بنایا جاسکتا اور نہ اس کی وجہ سے پورے مکتب فکر پر الزام رکھا جاسکتا ہے، ہاں البتہ مکتب فکر کے ذمہ داروں کو اس کی اس طرح کی غلطی کی اطلاع کی جاسکتی ہے، تاکہ وہ لوگ بھی ایسے شخص کو متنبہ کردیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. [سورة النحل: ١٢٥]

من وعظ أخاه سرا، فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانية، فقد فضحه وشانه. (شرح المسلم للنووي، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ١/ ٥١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ٣٢٩، مرقاة، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٩/ ٣٢٩)

عن صالح بن رنبور سمعت أم الدرداء تقول: من وعظ أخاه سرا، فقد زانه، ومن وعظه علانية، فقد شانه. (شعب الإيمان، باب في التعاون على البر والتقوى، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ١١٢، رقم: ٧٦٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۸۳/۵۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۹ھ

کیا جنت البقیع میں مدفون شخص کو عذاب ہوسکتا ہے؟

سوال [۱۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک تبلیغی جماعت دیوبند گئی، اس جماعت کو وہاں کسی نے ایک پرچہ دیا، جس میں لکھا تھا کہ کچھ ایام قبل سعودی عرب کے ''جنت البقیع'' قبرستان میں ایک مردہ دفن کیا گیا، پھر پندرہ روز بعد دوسرا مردہ دفن کیا گیا، دوسرے مردہ کو دفن کیا جارہا تھا کہ اچانک پہلی قبر کی اینٹ کھل گئی، دیکھا تو مردہ کو سانپ ڈس رہے ہیں، اس مردہ کو نکال کر دوسرے

قبرستان میں دفن کیا گیا، لوگوں نے اس عذاب شدہ قبر کا فوٹو بھی کھینچا اور اسے تبلیغی جماعت کے ذریعہ بہت رائج کیا جارہا ہے۔ آپ سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟ جنت البقیع میں مردہ کو عذاب ہوسکتا ہے؟ جب کہ وہاں پر عشرۂ مبشرہ، کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم مدفون ہیں؟

المستفتی: محمد قربان رامپوری، امام جامع مسجد نرسلی پوسٹ کانٹھ، اجین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ''جنت البقیع'' میں قبر کا عذاب نہ ہونے کے متعلق عبارۃ النص کے ساتھ کوئی صریح روایات نہیں ملی؛ لیکن سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے المدینۃ المنورۃ، اطراف مدینہ اور جزیرۃ العرب کے بڑے حصے کے لئے حرم محترم بننے کی مکۃ المکرّمہ کے فتح ہوجانے کے بعد دعا فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے سید الکونین کی یہ دعا قبول فرمالی تھی کہ جہاں تک آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے مدینہ کو حدود حرم کے دائرے میں قرار دیا ہے، اس کے اندر حرم بن چکنے کے بعد قتل وقتال وغیرہ سب کچھ ممنوع ہوچکا تھا۔ اور مدینہ کو حرم محترم قرار دینے سے پہلے حدود مدینہ کے اندر بعض قبروں میں عذاب ہونے کا جو ذکر حدیث پاک میں موجود ہے کہ آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے دو قبروں پر کھجور کی شاخ گاڑدی، تو عذاب ٹل گیا، اس قسم کے جو واقعات ہیں یہ حرم محترم بننے سے پہلے کے ہیں اور حرم محترم بننے سے پہلے حدود مدینہ کے اندر متعدد جنگ اور متعدد قتل وقتال بھی ہوچکے ہیں؛ لیکن حدود حرم بننے کے بعد پھر سید الکونین کی زندگی میں مدینہ میں کوئی جنگ اور قتل وقتال نہیں ہوا، شاید حرم بن چکنے کے بعد ہی آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے اہل بقیع غرقد کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی جو صحیح حدیث شریف میں موجود ہے:

اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد. (مسلم، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ١/ ٣١٣، بيت الأفكار، رقم: ٩٧٤، نسائي، الأمر بالاستغفار للمؤمنين، النسخة الهندية ١/ ٢٨٧، دارالسلام، رقم: ٢٠٣٩، مسند إمام أحمد بن حنبل ٦/ ١٨٠، رقم: ٢٥٩٨٥)

وفي الحديث دليل على فضائل الدفن بالبقيع بدعائه ﷺ لمن دفن بها بالمغفرة، ودعائه ﷺ مجاب، وذلك في كل زمان كما يقتضيه عدم ذكر المخصص، وقوله: فكل من دفن يناله الدعوة بإذن الله، وذلك فضل للمدينة، ولمن يموت بها (وقوله): استغفار النبي ﷺ لأهل البقيع الغرقد ودعاءه لهم باستمرار إلى آخره. (هدی وبشریٰ للجیران حبیب المصطفی، ص: ۳۲۷)

مذکورہ حدیث شریف اوراس کی تشریح سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے قیامت تک بقیع میں دفن ہونے والے تمام مردوں کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔اورآپ ﷺ کی دعا ضرور قبول ہوچکی ہوگی اور تکمیل قبول دعا کا مطلب یہی ہے کہ بقیع میں دفن کی حالت میں بھی عذاب سے حفاظت ہو بشرطیکہ دفن ہونے والے مؤمن ہوں؛ اس لئے اہل بقیع کی مغفرت اور عذاب قبر سے حفاظت کی بات ان روایات سے سمجھ میں آتی ہے؛ البتہ بالکل عبارۃ النص کے طور پر کوئی روایت صراحتاً نہیں ملی، نیز آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے امت کو یہ ترغیب بھی دی ہے کہ جس مسلمان کے لئے ممکن ہو مدینہ میں آکر قیام کرے یہاں تک کہ مدینہ ہی میں موت آجائے، اس سے بھی حدود مدینہ اور جنت البقیع کی فضیلت صاف طور پر واضح ہے۔اوراس سے استدلال کرکے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ قیامت کے دن تو آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام سب کے لئے شفاعت فرمائیں گے اور اہل بقیع کا نام لے کر جو دعا فرمائی ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بقیع میں دفن ہونے کے بعد سے انشاء اللہ ہر قسم کے عذاب سے حفاظت ہوجائے گی۔

عن ابن عمر قال: قال النبي ﷺ: من استطاع أن يموت بالمدينة، فليمت بها، فإني أشفع لمن يموت بها. (ترمذي شريف، باب ماجاء في فضل المدينة، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۹، دارالسلام، رقم: ۳۹۱۷، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۷٤، رقم: ۵٤۳۷، سنن ابن ماجة، باب فضل المدينة، النسخة الهندية، ص: ۲۲۵، دار السلام رقم: ۳۱۱۲، مسند البزار، مكتبه نزار مصطفى الباز ۱۲/ ۱۸٦، رقم: ۵۸٤۲)

ان وجوہات کی بنا پر مذکورہ واقعہ جو جنت البقیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ غلط ہے، نیز اس واقعہ کی شہرت کے بعد مدینہ میں ہماری حاضری ہوئی، مگر اہل مدینہ میں سے کسی کو بھی اس واقعہ کی حقیقت معلوم نہیں ہے؛ بلکہ جس طرح ہندوستان میں شہرت ہوئی، اسی طرح کی شہرت جزیرۃ العرب میں بھی ہوگئی اور اس واقعہ کا غلط ہونا اس سے بھی واضح ہے کہ اس کو اس قبرستان سے نکال کر دوسرے قبرستان میں دفن کیا گیا، تو وہ قبرستان مدینہ منورہ میں کس جگہ ہے؟ نیز جو فوٹو سانپ کے ساتھ شائع ہوا ہے، وہ فوٹو وہاں کیسے کھینچا گیا، جب کہ کیمرہ والوں کو وہاں داخل نہیں ہونے دیا جاتا ہے؟ اور یہ سب باتیں مدینہ منورہ کی طرف منسوب کرنے میں غلطی کی دلیل ہیں۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۵۲/۳۵)

سیرت کے جلسہ کی وجہ سے مشورہ کو مؤخر کرنا

سوال [۱۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا سیرت پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے خطباتی پروگرام کی وجہ سے عشاء بعد کے مشورے کو دوسرے وقت میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیرت پاک کا پروگرام کبھی کبھار ہوتا ہے اور جماعت والوں کا مشورہ روز ہوا کرتا ہے، اگر سیرت پاک کا پروگرام رات میں ہوتا ہے، تو پہلے جماعت والوں سے گفتگو کر کے ان کو بھی ساتھ میں جوڑ کر آپسی اتفاق اور مشورہ کے ساتھ سیرت کا پروگرام ہونا چاہئے اور دعوتی مشورہ بھی اپنا کام ہے اور سیرت پاک کا پروگرام بھی اپنا ہی کام ہے؛ اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کام ہمارا ہے وہ کام ہمارا نہیں ہے۔ اور آپس میں کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں ہونا چاہئے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ. [سورۃ الشوریٰ، آیت: ۳۸]

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. [سورۃ الأنفال، آیت: ٤٦]

عن أبي هريرة رضی قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كان أمراؤكم خياركم، وأغنياء كم سمحاء كم، وأموركم شورى بينكم، فظهر الأرض خيرلكم من بطنها. (سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ٥۲، دارالسلام، رقم: ۲۲٦٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۷/ رقم: ۹٥۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۳/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۳۰)

مساجد میں تبلیغی نصاب سنانے کا موزوں وقت

سوال [۱۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض مساجد میں "تبلیغی نصاب" کو بعد نماز عشاء سنایا جاتا ہے، جب کہ کچھ نمازی صاحبان کی نماز باقی ہوتی ہے، ایسی صورت میں "تبلیغی نصاب" پڑھنے والے کو انتظار کرنا چاہئے یا نہیں؟ کیوں کہ نماز پڑھنے والوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

المستفتی: عبدالعزیز دوکاندار برتن بازار متصل شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازیوں، وظیفوں، مطالعہ کتب وغیرہ کرنے والوں کو خلل ہو تو ایسی صورت میں ایسا طریقہ نکالا جائے کہ دونوں سلسلے قائم رہ سکیں، مثلاً تعلیم کسی گوشہ، برآمدہ یا صحن میں کی جائے، یا آنے والے نمازی کسی گوشہ میں نماز ادا کریں اور تعلیم محراب کے سامنے ہو جس کا لحاظ دونوں فریق کو کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۰۱، ۳/ ۱۶۴، جدید زکریا ۹/ ۱۰۸، ۹۴)

ویجوز الدرس في المسجد وإن كان فيه استعمال اللبود والبواري المسبلة. الخ (البحر الرائق، كتاب الوقف فصل في أحكام المساجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، زكريا ٥/ ٤١٩، هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في أداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٢٠، جديد ٥/ ٣٧١، وبألفاظ مختلفه، بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب في كراهية إنشاد الضالة في المسجد، قديم ١/ ٢٧٠، دار البشائر الإسلاميه ٣/ ٢٠١، تحت رقم الحديث: ٤٧١، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة،ويكره فعله في المساجد وما لا يكره، السوال في المسجد وتعليم العلم به ، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٩٠)

والجمع بينهما بأن ذلک يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء، أو تأذى المصلين، أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر؛ لأنه أكثر عملا ولتعدى فائدته إلى السامعين ، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۶۷)

فضائل اعمال کی تعلیم کس وقت کی جائے؟

سوال [۱۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں بعد نماز فجر حضرت شیخ کی مرتب کردہ کتاب ’’فضائل اعمال‘‘ کی تعلیم ہوتی ہے، جس پر کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جن لوگوں کی نماز جماعت نکل جاتی ہے، کتاب پڑھنے سے ان کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، معترضین میں سے ایک صاحب کتاب

پڑھنے کو واہیات لغویات، قصے کہانی سے منسوب کرتے ہیں؛ لہٰذا مذکورہ کتاب کی تعلیم نماز کے بعد کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: امیر حسین سرائے ترین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فضائل اعمال نامی کتاب قرآن وحدیث کے تراجم ومفاہیم اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات کا مرتب مجموعہ ہے، اس کو واہیات بتانا شرعاً مذموم اور مداہنت فی الدین ہے؛ اس لئے ایسی نازیبا حرکت سے رجوع کرنا چاہئے، نیز مساجد میں فجر کی نماز کے بعد کتاب کی تعلیم عام طور پر تسبیح ودعا کے بعد ہوتی ہے، اس درمیان مسبوق اپنی نماز بآسانی مکمل کر لیتے ہیں، اب جو لوگ نماز کے مکمل ہونے کے بعد مسجد میں آئیں وہ اپنی نماز ذرا دور ہٹ کر ادا کر لیا کریں، تو اس طرح نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۶۷، جدید میرٹھ ۵/ ۱۸۰)

والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، كما جمع بذلك بين أحاديث الجهر والإخفاء بالقراءة، ولا يعارض ذلك حديث خير الذكر الخفي؛ لأنه حيث خيف الرياء، أو تأذى المصلين، أو النيام، فإن خلا مما ذكر، فقال بعض أهل العلم: إن الجهر أفضل؛ لأنه أكثر عملا ولتعدى فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط. (شامي، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها مطلب في رفع الصوت بالذكر، كراچی ۱/ ۶۶۰، زكريا ۲/ ۴۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۴ھ

بعد نماز فجر دعا سے قبل تبلیغی نصاب پڑھنا

سوال [۱۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی نماز کے بعد تسبیح پوری ہونے کے بعد قبل الدعا تبلیغی نصاب کا پڑھنا کیسا ہے؟ کیوں کہ مسبوق کو تبلیغی نصاب پڑھنے سے خلل واقع ہوتا ہے اور تبلیغی نصاب کا اس غرض سے پڑھنا کہ مقتدی نہ جاسکیں کیسا ہے؟ حالاں کہ کچھ مقتدیوں کے جانے کا ارادہ بھی ہوتا ہے؛ لیکن امام کی دعا کی وجہ سے نہیں جاتے۔

المستفتی: نثار احمد رائے پور، سادات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی نماز کے بعد دعا سے قبل تبلیغی نصاب پڑھنے کا اہتمام بہت اچھا ہے، اس سے عام مسلمانوں کو دینی اور اصلاحی فائدہ پہنچتا ہے اور جن لوگوں کو سخت ضرورت ہو وہ دعا میں شرکت کئے بغیر جاسکتے ہیں، تسبیح پوری ہونے تک مسبوق بقیہ نماز پوری کر سکتے ہیں، نیز اگر کسی مقتدی کو یوں ہی جانے کا ارادہ ہے، کوئی سخت ضرورت بھی نہیں ہے، تو تبلیغی نصاب سن کر جانا بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۱۴۵، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۲ھ

کیا ’’فضائل اعمال‘‘ سننے سے تلاوت قرآن کا ثواب مل جائے گا؟

سوال [۱۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں مسجد میں قرآن پاک کی تلاوت کے لئے گیا، وہاں کتاب ’’فضائل اعمال‘‘ پڑھی جا

رہی تھی، کتاب والوں نے مجھے کتاب سننے کے لئے بٹھا لیا، جس کی وجہ سے میں تلاوت نہ کرسکا، قرآن پاک کی تلاوت کا جو ثواب تھا، کیا وہ کتاب ''فضائل اعمال'' سننے سے حاصل ہوجائے گا؟

(۲) اکثر علمائے کرام سے سنا ہے کہ قرآن پاک ہی ایسی عظیم ومقدس اللہ کی کتاب ہے کہ جس کو بغیر سوچے سمجھے پڑھنے پر بھی اللہ تعالیٰ کا اجر وثواب، انعام واکرام کا دعوی ہے، کیا اس کے علاوہ کتاب ''فضائل اعمال'' یا منتخب احادیث بغیر سوچے سمجھے یا بغیر عمل کئے پڑھنے پر بھی اللہ تعالیٰ کا اس پر کوئی انعام واکرام کا وعدہ ہے؟

المستفتی: محمد شاہد الراعی باڑہ ہندواڑہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قرآن کریم کی تلاوت عظیم ترین اجر وثواب کا باعث ہے اور دیگر تمام ذکر واذکار سے زیادہ فضیلت کا تلاوت قرآن کے بارے میں وعدہ ہے، مگر اس تلاوت کے ذریعہ سے دوسروں کے ذکر وعبادت میں خلل نہ ہونا چاہئے۔ اور ''فضائل اعمال'' ایک دینی کتاب ہے، اس کے پڑھنے اور سننے کا بھی ثواب ہے، اس میں ذکر وتلاوت اور عبادت وغیرہ کی ترغیبی روایات ہیں، جس کے پڑھنے اور سننے سے لوگوں کے اندر دینی رغبت پیدا ہوتی ہے؛ اس لئے وہ بھی ایک اہم ترین دینی کام ہے؛ لہٰذا قرآن کریم کی تلاوت اور فضائل اعمال سننے کے درمیان ٹکراؤ اور معارضہ نہ پیدا کیا جائے؛ بلکہ دونوں ہی اہم ترین کام ہیں اور دونوں کے لئے الگ الگ وقت مقرر کرنا چاہئے۔

عن أبي سعيد –رضی اللہ عنه– قال: قال رسول اللہ ﷺ: يقول الرب تبارك وتعالیٰ: من شغله القرآن عن ذكري ومسألتي أعطيته أفضل ما أعطی السائلين، وفضل كلام اللہ علی سائر الكلام كفضل اللہ علی خلقه. (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء كيف كانت قرأة النبي ﷺ، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۹۲۶، مسند الدارمي ۴/ ۲۱۱۲، رقم: ۳۳۹۹)

أي وكذلك فضل الاشتغال والمشغل به على غيره. (مرقاة، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، إمداديه ملتان ٤/ ٣٥٥)

عن أبي ذرؓ قال: قال لي رسول الله ﷺ: يا أبا ذر! لأن تغدو فتعلم آية من كتاب الله، خير لك من أن تصلي مائة ركعة، ولأن تغدو فتعلم باباً من العلم، عمل به أو لم يعمل، خير من أن تصلي ألف ركعة. (ابن ماجة، مقدمه، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، النسخة الهندية ١/ ٢٠، دارالسلام، رقم: ٢١٩)

(۲) قرآن کریم کی فضیلت اوراس کے عظیم ترین ثواب سے متعلق جواب ۱ میں لکھا جا چکا ہے، کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے، جس کو بغیر سمجھے تلاوت کرنے پر بھی اجروثواب کا وعدہ ہے، مگر ''فضائل اعمال'' اور ''منتخب احادیث'' اردو اور مقامی زبان میں ہوتی ہے، ان کا ترجمہ اور مطلب بغیر سمجھے نہ پڑھا جاتا ہے اور نہ سنا جاتا ہے، ہاں البتہ اگر کوئی اردو یا مقامی زبان نہ سمجھتا ہو، تو اشکال بجا تھا اور جو آدمی اردو یا مقامی زبان سمجھتا ہو، تو اس کا اس طرح سے بے جا اشکال کرنا محض لغو وفضول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۳۹)	۱۴۳۳/۳/۹ھ

فضائل اعمال کی تعلیم کو ''حدیث پاک پڑھی جائے گی'' سے تعبیر کرنے کا حکم

سوال [۱۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فضائل اعمال یا فضائل صدقات جو کتابیں ہیں، جن کی تعلیم اب مسجدوں میں فرض کے دائرے میں قریب قریب آ گئی ہے، ان کتابوں کی تعلیم کے وقت مسجد اور جماعت کے ذمہ دار یہ کہہ کر لوگوں کو روکتے ہیں: سب حضرات تشریف رکھیں ''انشاء اللہ حدیث پاک پڑھی جائے گی''۔ اس جملہ پر جناب ثمر صاحب نے متعدد بار ذمہ داران سے کہا کہ بھئی کتاب کا نام لے کر اعلان کر دیا کرو، یہ ٹھیک رہے گا؛ کیوں کہ یہ عوام سب جاہل ہیں اور ان کتابوں میں

واقعات، حکایات اور فوائد بھی بہت ہیں، اس کے باوجود بھی ذمہ دار صاحبان نہیں مانتے اور بار بار یہی الفاظ اعلان میں کہتے ہیں۔ آپ برائے کرم مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فرمائیں کہ ثمر حق پر ہے یا وہ ذمہ دار صاحب؟

المستفتی: جمیل احمد مصطفیٰ آباد، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک کہہ کر اور کتابوں کا نام لے کر دونوں طرح اعلان کرنا درست ہے؛ کیوں کہ اصلاً تو ان کتابوں میں احادیث طیبہ بیان کی گئی ہیں اور ان کے ضمن میں حکایات واقعات بھی آگئے ہیں؛ لہٰذا اس کو موضوع اختلاف بنانا درست نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر اعتراض کرنے کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ

''فضائل اعمال'' کی تعلیم میں شرکت نہ کر کے وظیفہ پڑھنا

سوال [۱۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی شخص روزانہ مسجد میں گھومتے ہوئے اپنا کوئی وظیفہ پڑھتا ہو، جب کہ دوسری جانب مسجد میں فضائل کی تعلیم یا بیان ہو رہا ہوتا ہے اور وہ اس کو اپنی عادت بنالے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد آصف لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''فضائل اعمال'' کا پڑھنا، اس کا سننا اور اس میں جڑ کر بیٹھنا عوام کے لئے نہایت مفید ترین عمل ہے۔ اور تسبیح اور وظیفہ بیٹھے بیٹھے، کھڑے

کھڑے اور چلتے پھرتے ہر وقت ہر طرح سے پڑھنا جائز ہے؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ فضائل کی تعلیم کے وقت اس میں جڑ جانے کی کوشش کرے اور اگر کوئی شخص اس میں نہ جڑ کر الگ سے اپنا وظیفہ پڑھتا ہے، تو اس پر بھی کوئی نکیر نہیں ہونی چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۴، جدید ڈابھیل ۱۵/۲۰۳)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يذكر الله على كل أحيانه. (صحيح مسلم، باب ذكر الله تعالىٰ حال الجنابة وغيرها، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۲، بيت الأفكار، رقم: ۳۷۳، سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الرجل يذكر الله تعالىٰ على غير طهر، النسخة الهندية ۱/ ۴، دارالسلام، رقم: ۱۸۱، ترمذي، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۶، دارالسلام، رقم: ۳۳۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۷/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۲۷ھ

مائک میں ”فضائل اعمال“ کی تعلیم

سوال [۱۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عرصہ سے اذان کی طرح ”فضائل اعمال“ کی تعلیم بھی لاؤڈ اسپیکر میں کی جاتی تھی، تاکہ آواز حدود مسجد سے نکل کر محلّہ کے گھروں تک پہنچے، اور سارے حضرات اس سے فائدہ اٹھائیں، مگر جب اس کا علم ہوا کہ مسجد سے باہر بہت سارے لوگ دیگر کاموں اور استنجاء وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، جب کہ حدیث اور اس کی تشریح کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے، تو اس سے حدیث کی بے ادبی کے اندیشہ سے تعلیم کی آواز مسجد سے باہر نکلنے کا نظم ختم کردیا گیا، اب محلّہ کی بعض عورتوں کی طرف سے یہ تقاضہ ہورہا ہے کہ پہلے کی طرح محلّہ کے گھروں تک تعلیم کی آواز پہنچے، تاکہ گھر کی عورتیں

بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں، تو کیا ایسی صورت میں ان عورتوں کی درخواست قبول کی جائے، یا مذکورہ بے ادبی کی اندیشہ کا لحاظ کیا جائے؟

المستفتی: محمد عرفان الدین ابن احمد پاشا آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''فضائل اعمال'' کی تعلیم کی جو شکل سوال نامہ میں مذکور ہے، اگر یہ شکل ایسے وقت میں متعین ہوتی ہے جس کا علم محلّہ کے سب لوگوں کو ہو اور مقرر وخطیب کی تقریر کی طرح محلّہ کی عورتیں اس وقت کا انتظار کرتی ہوں، تو ایسی صورت میں مائک میں ''فضائل اعمال'' کی تعلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں اور کسی کا استنجاء وپیشاب میں مشغول ہوجانا یہ ایسا ہے جیسا کہ عام خطیب کی تقریر کے درمیان سامعین میں سے کوئی یہ ضرورت پوری کرلے؛ اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۶۶، ۱۶/ ۳۶۹، جدید ڈابھیل ۴/ ۳۳۷، میرٹھ ۵/ ۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ ۷/ ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۲۳)	۲۹/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

مسجد میں نماز کے بعد مائک میں ''فضائل اعمال'' پڑھنا

سوال [۱۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جگہ جہاں نماز پنجگانہ باجماعت ادا ہوتی ہے (وہ مسجد کے نام سے موسوم ہے) وہ عمارت تین منزلہ ہے، جن میں سے دو منزلہ مسجد کے لئے خاص ہے، نیز ہر منزلہ پر تقریباً چالیس آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے، نماز کے بعد ''فضائل اعمال'' یا اور کوئی دینی کتاب لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی جاتی ہے، بہت سے لوگ جن کی جماعت چھوٹ گئی ہوتی ہے یا سنن ونوافل میں مشغول ہوتے ہیں، جس سے ان کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر پر کتاب نہ پڑھی جائے، تو کیا ان مصلیان کا یہ مطالبہ درست ہے؟ نیز اس طرح اسپیکر

پر کتاب کا پڑھنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو شرعاً درست ہے؟ براہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: زین الدین خان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازوں اور ''فضائل اعمال'' مائک میں پڑھنے میں ٹکراؤ کی شکل اختیار نہ کرنی چاہئے اس کے لئے آپس میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے سنن ونوافل پڑھنے والوں کو خلل نہ ہو اور نہ ہی ''فضائل اعمال'' کے پڑھنے میں رکاوٹ ہو، پانچوں نمازوں میں سے دو نمازیں ایسی ہیں جن میں فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں، جیسے فجر اور عصر؛ لہٰذا ''فضائل اعمال'' پڑھنے کا وقت فجر اور عصر کے بعد متعین کرلیا جائے، ان نمازوں کے بعد نہ سنن ونوافل ہیں اور نہ پڑھنا جائز ہے، پھر اس میں دونوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہ ہوگا؛ لہٰذا فجر اور عصر کے بعد مائک میں ''فضائل اعمال'' پڑھنے پر اعتراض نہ کیا جائے۔ اور ظہر، مغرب، عشاء فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہوتی ہیں؛ اس لئے فضائل اعمال ان اوقات میں مائک پر پڑھ کر کے سنتیں پڑھنے میں خلل نہ ڈالا جائے۔

إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر، وأحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء، أو تأذي المصلين، أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر؛ لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۷۰، كراچی ٦/ ۳۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۳ھ

کیا عشاء کے بعد تعلیم کرنا سمر میں داخل ہے؟

سوال [۱۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں صوبہ بنگال، ضلع مدناپور میں بعد نماز عشاء دعوت، تعلیم، استقبال کا عمل ہوتا ہے، جس میں مسجد میں تعلیم ہوتی ہے اور باہر ایک جماعت جا کر لوگوں کو بلا کر مسجد میں لاتی ہے اور قبر، حشر، آخرت، جنت وجہنم کا تذکرہ کر کے ترغیب وترہیب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلنے پر آمادہ کرتی ہے، چوں کہ لوگ دن بھر اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، جس کی وجہ سے کوئی دوسرا وقت ایسا نہیں ملتا جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ مقام پر رہتے ہوں؛ اس لئے ہم نے اس عمل کے لئے اپنے باہمی مشورہ سے عشاء کے بعد کا وقت طے کیا ہے، علاقہ کے ایک عالم صاحب نے یہ کہہ کر کہ عشاء کے بعد سمر (قصہ گوئی) سے منع کیا گیا ہے، اس عمل کو بند کرنے کا مطالبہ کیا، جس کی وجہ سے یہاں پر تھوڑا سا انتشار ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) کیا ہمارا یہ عمل سنت وشریعت کے خلاف تو نہیں؟

(ب) اور ہمارا یہ عمل سمر کی ممانعت میں داخل ہے یا نہیں؟ براہِ کرام قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: کریم اللہ مدناپوری قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عشاء کے بعد سمر یعنی قصہ گوئی اور داستان گوئی سے حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے؛ لیکن دینی گفتگو، دینی اصلاحی جلسہ اور حدیث وفقہ کا درس اس حدیث شریف کی ممانعت میں داخل نہیں۔ مذکورہ عالم صاحب اس حدیث شریف کے متعلقات پر نظر ثانی کر لیں تو بہتر ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال یسمر في الأمر من أمر المسلمین

عند أبي بكرؓ، وأنه سمر عنده ذات ليلة وأنا معه. (المستدرك، كتاب التفسير، قديم ۲/ ۲٤۷، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ۳/ ۱۰۹۳، رقم: ۲۸۹۳، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۵۷۲، رقم: ۱۱۵٦، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۲٦، رقم: ۱۷۵)

عن عبدالله بن مسعود –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا سمر بعد الصلاة يعنى العشاء الآخرة، إلا لأحد رجلين: مصل أو مسافر. (مسند أحمد ۱/ ۳۷۹، رقم: ۳٦۰۳، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸٤، رقم: ۳٦۳)

قال الحافظ: فالسمر في العلم يلحق بالسمر في الصلاة نافلة، وقد سمر عمر مع أبي موسىٰ في مذاكرة الفقه. (فتح الباري، كتاب العلم، باب السمر في العلم، دارالفكر بيروت ۱/ ۲۱۳، زكريا ۱/ ۲۵۸)

عن أبي بكر بن أبي موسىٰ، أن أبا موسىٰ –رضى الله عنه– أتى عمر بن الخطاب بعد العشاء، قال: فقال له عمر بن الخطاب: ما جاء بك؟ قال: جئت أتحدث إليك، قال: هذه الساعة؟ قال: إنه فقه، فجلس عمر، فتحدثا ليلا طويلا حسبته، ثم إن أبا موسىٰ قال: الصلاة يا أمير المؤمنين؟ قال: أنا في صلاة. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٤/ ٤٦۱، رقم: ٦۷۵٦)

عن عبدالله بن عمرو قال: كان نبي الله ﷺ يحدثنا عن بني إسرائيل حتى يصبح، ما يقوم إلا إلى عظم صلاة. (أبو داؤد، باب الحديث عن بني إسرائيل، النسخة الهندية ۲/ ۵۱۵، دارالسلام، رقم: ۳٦٦۳، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ٦۵٦، رقم: ۱۳٤۲)

قال الترمذي: وقد اختلف أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين ومن بعدهم في السمر بعد العشاء الآخرة، فكره قوم منهم السمر بعد صلاة العشاء، ورخص بعضهم إذا كان في معنى العلم وما لا

بد منه من الحوائج، وأكثر الحديث على الرخصة. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الرخصة في السمر بعد العشاء، النسخة الهندية ١/ ٤٢)

عن مجاهد قال: لا بأس بالسمر بعد العشاء للفقه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٥٦٤، رقم: ٢١٤٣، مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٤/ ٤٦٢، رقم: ٦٧٦٢)

عن يحيى بن سعيد قال: كان القاسم وأصحابه يجلسون بعد العشاء يتحدثون. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٤/ ٤٦٢، رقم: ٦٧٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۳۱)

داڑھی منڈے شخص کا تعلیم کرنا

سوال [۱۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں تعلیم کا سلسلہ ہے؛ لیکن کتاب ایک صاحب جن کے داڑھی نہیں ہے وہ پڑھتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ داڑھی منڈا شخص دینی کتاب یا قرآن کریم پڑھ سکتا ہے یانہیں؟ کیا ایسے شخص کا پڑھنا حرام ہے؟ چونکہ تبلیغی سلسلہ میں ہر قسم کا آدمی ہوتا ہے، بہت محنت سے مسجد میں لایا جاتا ہے، ایک صاحب اس پر سخت تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ داڑھی منڈے کا دینی کتاب یا قرآن مجید پڑھنا حرام ہے، کیا دین میں کوئی ایسا مسئلہ ہے؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں بتلایا جائے۔

المستفتی: مقتدیان مسجد لال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی منڈا شخص خود قرآن کریم کی تلاوت اور دینی

کتابیں مطالعہ کرسکتا ہے، شاید دینی کتابوں کے مطالعہ سے ہدایت یافتہ ہوجائے اور داڑھی بھی رکھ لے، البتہ قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر پڑھ کر دوسروں کو ایسا شخص نہ سنایا کرے؛ بلکہ با شرع داڑھی والا آدمی ہی پڑھ کر سنایا کرے، اسی طرح دینی کتابیں بھی داڑھی نہ کاٹنے والا پڑھ کر سنایا کرے؛ اس لئے کہ دینی کتابوں کی دینی اہمیت ہے، ہاں داڑھی منڈے شخص کا کتاب دیکھ کر دینی کتاب پڑھ کر سنانا بالکل حرام تو نہیں ہے؛ البتہ مکروہ ضرور ہے؛ کیوں کہ مجمع میں پڑھ کر سنانے والے کی مجمع میں ایک اہمیت ہوتی ہے اور داڑھی منڈے شخص کو دینی معاملہ میں اہمیت نہیں دی جاسکتی، نیز تفسیر قرآن پڑھ کر ایسا شخص ہرگز نہ سنایا کرے۔

اَتَـأْمُـرُوْنَ الـنَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. [سورة البقرة، آيت: ٤٤]

كـمـا استـفـيـد مـن عبارة المراقي، ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعاً، فلا يفهم. الخ (مراقي الفلاح مع حـاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الإمامة في بيان الأحق بالإمامة، قديم ص: ١٦٥، جديد دارالكتاب ديو بند / ٣٠٢)

عـن عـوف بـن مـالک الأشـجـعي قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يقص إلا أمير أو مأمور أو مختال. (سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب فـي القصص، النسخة الهندية ٢/ ٥١٦، دارالسلام، رقم: ٣٦٦٥، مسند البزار، مكتبة العلوم والـحكم ٧/ ١٩٣، رقم: ٢٧٦٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٨/ ٥٥، رقـم: ١٠٠، ١٨/ ٦٥، رقـم: ١٢١، ١٨/ ٧٨، رقـم: ١٤٥، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٣، رقم: ٢٤٤٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۵ھ

تبلیغی جماعت میں جانے والے ان پڑھ مرد وعورت کا وعظ کرنا

سوال [۱۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) **قال رسول الله ﷺ: لايقص إلا أمير، أو مأمور، أو مختال.** (مشكوة شريف ۱/ ۳۵) اس کا حکم اور مطلب کیا ہے؟ اور جو مرد جماعت میں جاتے ہیں اور کچھ پڑھے ہوئے بھی نہیں ہوتے ہیں، ان کا بیان کرنا صحیح ہے کہ نہیں؟ کیا غیر عالم کتاب کو زبانی سنادے اور کچھ تشریح کردے، تو جائز ہے؟

(۲) ایک عورت جو پرہیزگار ہے، کچھ حدیث اور قرآن پڑھی ہوئی ہے، وہ عورتوں کی مجلس میں دینی باتیں بیان کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) عورت اگر عورت کی مجلس میں صرف سر پر دوپٹہ رکھ کر بیان کرے، تو اس میں قباحت ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے اور قباحت کیا ہے اور کیسے ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل طریقے سے وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: زوجہ اقبال صاحب پیراماؤنٹ طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو جاہل اور بے پڑھے مرد جماعت میں جاتے ہیں اور وہاں جاکر تھوڑی بہت دین کی باتیں یاد کرلیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے وعظ وخطابت اور بیان ووعظ جائز نہیں ہے، اگر وہ بیان کرتا ہے تو مذکورہ حدیث کے نمبر تین میں داخل ہوکر متکبر اور ریاکاروں میں شامل ہوجائے گا، چاہے مرد ہو یا عورت۔

اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ: تین ہی قسم کے لوگ وعظ وخطابت کرسکتے ہیں: (۱) حاکم (۲) عالم (۳) متکبر اور غالی اور ضدی ریاکار۔ جو بے پڑھا آدمی جماعت میں جاکر تھوڑی بہت بات یاد کرلیتا ہے، نہ وہ حاکم ہے نہ ہی عالم ہے؛ لہٰذا اب وہ کون سی قسم میں داخل ہوسکتا ہے؟ علاوہ اس کے کہ وہ متکبر، ضدی اور ریاکار ہو، اس کے علاوہ کوئی اور نہیں

ہوسکتا؛ اس لئے امت کے رہنما علماء نے باقاعدہ اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، ہاں البتہ تبلیغی جماعت والوں کے لئے صرف دعوت وتشکیل کے چھ نمبروں کے حدود میں رہ کر بات کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی چھ نمبروں کو اپنی یاد اور دینی اصلاحی غرض سے سنانے کی اجازت ہے، اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایسے لوگوں کے لئے صرف اتنا جائز ہے کہ دینی کتابوں کو جیسے کتابوں میں لکھا ہوا ہے، ویسے ہی سنا دیں، اس سے زیادہ اجازت نہیں ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن، سورۃ آل عمران :۴/ ۱۰۴، اشرفی دیوبند۲/ ۱۳۸، اصول تبلیغ،ص: ۳۵، ۵۶)

مجمع میں سنانے کے لئے جو کتابیں علماء نے لکھی ہیں، ان میں خود تشریحات موجود ہیں، غیر عالم کو کتاب سناتے وقت مزید علم کی ضرورت نہیں؛ البتہ اگر کوئی بات کتاب سے سمجھ میں نہ آئے تو علماء سے مراجعت کرلیا کریں۔

عن عوف بن مالک الأشجعي قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يقص إلا أمير أو مأمور أو مختال. (سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب في القصص، النسخة الهندية ٢/ ٥١٦، دارالسلام، رقم: ٣٦٦٥، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ١٩٣، رقم: ٢٧٦٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٨/ ٥٥، رقم: ١٠٠، ١٨/ ٦٥، رقم: ١٢١، ١٨/ ٧٨، رقم: ١٤٥، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٣، رقم: ٢٤٤٧٤)

(۲) جی نہیں صرف کتابیں پڑھ کر سنا سکتی ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ حدیث سے واضح ہو چکا ہے، وہ اگر دینی باتیں کرنا چاہتی ہے تو وعظ وخطابت، جلسہ اور اجتماع کی شکل میں ہرگز نہیں کرسکتی، ورنہ حدیث مذکور کی وعید میں شامل ہوجائے گی؛ البتہ اکابر کی کتابیں اجتماع وغیرہ میں صرف پڑھ کر سنا سکتی ہے، یعنی جیسا لکھا ہوا ہے ویسا ہی پڑھ کر سنا سکتی ہے، اپنی طرف سے نہیں۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يقص على الناس إلا أمير أو مأمور أو مراء. (سنن ابن ماجة، كتاب الأدب، باب القصص، النسخة الهندية ٢٦٦، دارالسلام، رقم: ٣٧٥٢، مسند دارمي،

دارالمغني ۳/ ۱۸۲۸، رقم: ۲۸۲۱، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۲۸۰، رقم: ۹۷٦، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۷۸، رقم: ٦٦٦١، ۲/ ۱۸۳، رقم: ٦٧١٥)

(۳) عورتوں کے لئے عورتوں کی مجلس میں بدن کا اتنا حصہ کھولنا جائز ہے، جتنا اپنے بھائی اور اولادوں کے سامنے کھول سکتی ہیں، برقعہ پہننے کی ضرورت نہیں؛ لہٰذا شلوار قمیص کے ساتھ دوپٹہ اوڑھ کر کتاب پڑھ کر سنا سکتی ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

وتنظر المرأة من المرأة إلى ما يجوز للرجل أن ينظر إليه من الرجل -إلى- وينظر الرجل من ذوات محارمه إلى الوجه، والرأس، والصدر والساقين، والعضدين، ولا ينظر إلى ظهرها، وبطنها، وفخذها. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطئي والنظر واللمس، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٦١، الجوهرة النيرة، كتاب الحظر والإباحة، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳٦٦، قديم إمداديه ملتان ۲/ ۳۸۵، البناية، اشرفيه ديوبند ۱۲/ ۱۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۸۳)

اپنی مرضی سے تبلیغی جماعت کا امیر بننا

سوال [۱۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کچھ آدمیوں کو اپنے گھر دعوت طعام کے بہانے سے بلاتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ مجھے شہر کی تبلیغی جماعت کا امیر بنا دو، جب کہ بات یہ ہے کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نے زید کو شہر دھامپور کی تبلیغی جماعت کا امیر بنانے سے منع کر دیا ہے۔ اور زید سے کہا کہ آپ امیر بننے کے قابل نہیں ہیں، فی الحال دھامپور میں شوریٰ کام کر رہی ہے۔ ایک شخص نے کہہ دیا کہ امیر آپ ہی ہیں، کیا ایسا خودساختہ شخص شریعت کی رو سے امیر ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس معاملہ میں اس نے شوریٰ والوں کو بھی نہیں بلایا۔ اور زبردستی امیر بننا چاہتا ہے،

جماعت والوں نے منع کر دیا کہ ہم آپ کو امیر نہیں مانتے، کیا زید کا یہ اقدام صحیح ہے؟ شرعی طور پر جواب سے مطلع فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: منجانب تبلیغی جماعت حضرات شوری دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت والوں کو تبلیغی امور میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب امیر تبلیغ دامت برکاتہم کی حکم عدولی کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ قصبہ میں حضرت جی سے رابطہ قائم کیا جائے اور انہیں کے ایماء کے مطابق عمل کیا جائے اور ان کی حکم عدولی اور ان کی مخالفت میں جماعت والوں کی فلاح وکامیابی مشکل ہے۔

أن المقدام حدثهم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أطيعوا أمراء كم، فإن أمروكم بما جئتكم به، فإنهم يوجرون عليه ويوجرون بطاعتهم.

(شعب الإيمان، باب في التمسك في الجماعة، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٦١، رقم: ٧٤٩٩، مجمع الزوائد ٥/ ٢٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۵)

ادنیٰ جنتی کی جنت دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی

سوال [۱۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے کہ جماعتی احباب اکثر اپنے وعظ میں کہتے ہیں: ''جو شخص ایک رائی کے دانہ کے برابر ایمان بچا کے لے گیا، اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا سے دس گنی بڑی جنت عطا فرمائے گا''، وضاحت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟

المستفتی: عبداللہ چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ بات جو جماعت والے بیان

کرتے ہیں، حدیث شریف سے ثابت ہے، کہ جس آدمی کے پاس رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اگر چہ اس کے اعمال خراب رہے ہوں، اسے اولاً جہنم میں ڈالا جائے گا، اور کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ اور ان مؤمنین سے فرمائیں گے جو پہلے ہی سے اللہ کے فضل سے جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے کہ ہر ایسے شخص کو جہنم سے نکال دو جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، چنانچہ وہ جہنم سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ جل کر کوئلہ ہو چکا ہوگا، اس کے بعد اس کو نہرِ حیات میں ڈالا جائے گا، جہاں سے وہ صاف ستھرا ہو کر نکلے گا، پھر اس کو جنت میں اتنی بڑی جگہ عطا فرمائی جائے گی، جو دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی۔ اس طرح کی حدیثیں ذخیرۂ حدیث میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي سعيد الخدري رضـ عن النبي ﷺ قال: يدخل أهل الجنة الجنة، وأهل النار النار، ثم يقول الله: أخرجوا من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان، فيخرجون منها قد اسودوا، فيلقون في نهر الحيا أو الحياة، شک مالک، فينبتون كما تنبت الحبة في جانب السيل الم تر أنها تخرج صفراء ملتوية. (بخاري شريف، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٨، برقم: ٢٢، وهكذا في كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، النسخة الهندية ٢/ ٩٧٠، رقم: ٦٥٦٠، ٦٣١١، مسلم، كتاب الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين في الآخرة ربهم، النسخة الهندية ١/ ١٠٣، بيت الأفكار، رقم: ١٨٤، ترمذي، أبواب صفة جهنم، باب ماجاء أن للنار نفسين، النسخة الهندية ٢/ ٨٧، دارالسلام، رقم: ٢٥٩٣)

عن عبدالله بن مسعود رضـ قال: قال رسول الله ﷺ: إني لأعلم أخر أهل النار خروجا منها، وآخر أهل الجنة دخولا ...... فيقول الله تعالى له: اذهب، فادخل الجنة، فإن لک مثل الدنيا وعشرة أمثالها، أو إن لک عشرة أمثال الدنيا، قال: فيقول: أتسخر بي أو أ تضحک بي

وأنت الملک؟ قال: لقد رأيت رسول الله ﷺ ضحک حتی بدت نواجذه، قال: فکان يقال ذاک أدنی أهل الجنة منزلة. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار، النسخة الهندية ١/ ١٠٥، بيت الأفكار، رقم: ١٨٦، بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله: يريدون أن يبدلوا كلام الله ٢/ ١١١٩، برقم: ٧٢١٠، ف: ٧٥١١، ابن ماجة، أبواب الزهد، باب صفة الجنة، النسخة الهندية ص: ٢٣٢، دارالسلام، رقم: ٤٣٣٩، ترمذي، أبواب صفة جهنم، باب ما جاء أن للنار نفسين ٢/ ٨٧، رقم: ٢٥٩٣، مسند أحمد بن حنبل ١/ ٤٦٠، رقم: ٤٣٩١، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٥/ ١٨٦، رقم: ١٧٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۱۳/۳۸)

قرض لے کر جماعت میں جانا

سوال [۱۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں چستورکار ہنے والا ہوں، میرا ایک بھائی چار مہینے کی جماعت میں گیا ہے، اس کے لئے ہم نے کسی حضرت سے دو ہزار روپئے لئے ہیں اور ایک مہینہ میں دینے کا وعدہ کیا ہے، ایک ہزار اور کسی سے لیا ہے دوسرے کسی کام کے لئے، کل ملا کر تین ہزار روپئے ہوگئے، اب اتنا بڑا کاربار تو ہے نہیں کہ میں پیسہ ادا کرسکوں، آج پندرہ دن ہوگئے ہیں؛ لیکن کچھ پیسوں کا انتظام بھی نہیں ہوسکا، جو کماتا ہوں وہ گھر میں خرچ ہوجاتا ہے، میرے پاس کچھ نہیں بچتا۔ اوران حضرات سے ایک مہینے کا وعدہ کررکھا ہے، اگر پیسے نہ ہوئے تو میں جھوٹا ثابت ہوں گا، والد صاحب کا انتقال ہوچکا ہے، دادا ہیں، وہ بہت کمزور ہوچکے ہیں، میں دلی میں کام کرتا ہوں؛ لیکن جب سے چھوٹا بھائی جماعت میں گیا ہے تب سے یہیں چستورر کنا پڑ گیا

ہے، اگر میں دلی جاتا ہوں تو مہینہ دو مہینہ میں پیسوں کا انتظام ہوجائے گا؛ لیکن پیسوں کا انتظام پندرہ دن میں کرنا ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں اپنے دادا کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں، ان کی خدمت کون کرے گا؟ میں یہیں پر رکتا ہوں، تو پیسوں کا انتظام نہیں ہوسکے گا، ایک راستہ یہ ہے کہ بیاج پر پیسہ مل سکتا ہے، جس سے یہ سہولت ہوجائے گی کہ مہینے کے مہینے پیسہ بیاج کا ادا کرسکوں گا؛ لیکن ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بیاج کا پیسہ لینا دینا دونوں حرام ہے۔ بالکل مجبور ہوکر یہ خط لکھ رہا ہوں، آپ اس کا جواب عنایت فرمائیے، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالکریم باربر محلّہ کوٹ رہرا روڈ
حسن پور، جے پی نگر امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ دوسروں سے قرض لے کر جماعت میں جایا جائے اور پھر اس کی ادائے گی بیاج پر قرض لے کر کی جائے؟ جماعت میں جانا شرعاً کوئی فرض عین نہیں ہے، بشرط گنجائش جماعت میں جانے کا حکم ہے۔ اور سود پر قرض لینا قطعاً حرام ہے، تو کیا شریعت اس طریقے سے جماعت میں جانے کا حکم دیتی ہے؟ میرے خیال میں مرکز کے ذمہ دار اس طریقہ سے جماعت میں جانے کے لئے اجازت نہیں دیں گے؛ اس لئے اس کو چاہئے کہ چلہ موقوف کرکے گھر واپس آجائے، پھر شریعت کے دائرہ میں رہ کر پہلے قرض ادا کرے، اس کے بعد بشرط گنجائش جائز طریقہ سے جماعت میں جانے کا سلسلہ شروع کردے، جس سے خود دوسروں کے لئے زیر بار نہ بنے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کو زیر بار بنائے۔ اور جو لوگ الٹا سیدھا معاملہ کرکے جماعت میں جانا چاہتے ہیں، وہ تبلیغی جماعت کو بدنام کرتے ہیں؛ اس لئے ایسا ہرگز نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۴ ۶۶۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۲ھ

اہلِ خانہ کے حقوق میں کوتاہی کے ساتھ تبلیغی اصول کی پابندی

سوال [۱۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید تبلیغی جماعت سے منسلک ہے اور اس کے فوائد کے پیش نظر جماعت سے دور ہونا نہیں چاہتا؛ لیکن اپنی گھریلو مصروفیات کی وجہ سے جماعت کے اصول کے مطابق پورا وقت یعنی روزانہ کے ڈھائی گھنٹے ہفتہ کے دو گشت اور مہینے کے تین دن سالانہ چلہ لگانا مشکل ہے، تو کیا زید کو اس بات کی اجازت ہوسکتی ہے کہ اس اصول سے کم وقت لگا کر جماعت میں لگا رہے؟

المستفتی: محمد فیصل سرسید نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغ کے یہ اصول قرآن وحدیث کے مقرر کردہ اصول نہیں ہیں؛ بلکہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول ہیں، ان کی پابندی کرنا لازم اور ضروری نہیں، بشرط گنجائش اور بیوی، بچے، ماں، باپ کے حقوق کی ادائے گی میں کوتاہی بھی نہ ہو تو ان اصولوں کی پابندی میں بڑے فوائد ہیں؛ لیکن بیوی، بچوں کے حقوق کو پامال کر کے اس میں لاپرواہی کر کے تبلیغ کے اصول کی پابندی بھی خیر وبرکت کا باعث نہیں بن سکتی، اللہ کے یہاں بیوی کے حقوق کے بارے میں سوال ہوگا؛ لہٰذا بیوی، بچوں اور گھر والوں کے حقوق کی ادائے گی کے ساتھ جتنی گنجائش ہوسکے تبلیغ کے اصول پر عمل کرے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.** [البقرة: ۲۸۵]

عن عبداللّٰه بن عمر –رضی اللّٰه عنه– أن رسول اللّٰه ﷺ قال: ألا كلكم راع، و كلكم مسئول عن رعيته، فالإمام الذي على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته، والرجل راع على أهل بيته، وهو مسئول عن رعيته. (صحيح البخاري، باب قول اللّٰه تعالىٰ: "وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ" ۲/ ۱۰۵۷، رقم: ۶۸۵۵، ف: ۷۱۳۸، صحيح مسلم، باب فضيلة الإمام العادل،

وعقوبة الجائر، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۲، بيت الأفكار، رقم: ۱۸۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۱۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱ھ

اہل وعیال کو محتاج چھوڑ کر جماعت میں جانا جائز نہیں؟

سوال [۱۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں (نوید حسین) نے ارادہ کیا تھا کہ جماعت میں چلہ لگاؤں گا؛ لیکن بات یہ ہے کہ میں اپنی بیوی، بچوں کا تنہا ذمہ دار ہوں، اب اگر میں جماعت میں جاؤں تو بیوی بچوں کو کس کی ذمہ داری پر چھوڑوں، کفالت کا میں تنہا ذمہ دار ہوں، دلائل سے مبرہن فرمائیں۔ کیا ایسی صورت میں جماعت میں نکل سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: نوید حسین کالا پیادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اہل وعیال کے خرچ واخراجات کا انتظام کرنا فرض اور واجب ہے، جس کے پاس اہل وعیال اور بال بچوں کا مکمل انتظام ہو، اس کے لئے جماعت میں جانا امر مستحب ہے؛ اس لئے آپ کو اس وقت تک جماعت میں جانا موقوف کر دینا چاہئے جب تک بیوی، بچوں کا مکمل انتظام نہ ہو جائے، تاکہ آپ کے پیچھے آپ کے اہل وعیال کسی کے محتاج نہ رہیں اور بیوی، بچوں کو محتاج چھوڑ کر جماعت میں جانے کا حکم ''مرکز نظام الدین'' سے نہیں ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. [البقرة: ۲۳۳]

قال رسو الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل، وطرفه هذا: ''ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف'' (صحيح مسلم، كتاب الحج،

باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/ ٣٩٧، بيت الأفكار، رقم: ١٢١٨، مسند دارمي، دارالمغني ٢/ ١١٦٧، رقم: ١٨٩٢)

فتجب للزوجة بنكاح صحيح على زوجها؛ لأنها جزاء الاحتباس. (درمختار على الشامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ٥/ ٢٧٨، كراچی ٣/ ٥٧٢)

تجب النفقة للزوجة على زوجها، والكسوة بقدر حالهما. (تبيين الحقائق، باب النفقة، مكتبه إمداديه، ملتان ٣/ ٥٠، زكريا ٣/ ٣٠٠)

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله الفقير. (درمختار على الشامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب الصغير والمكتسب نفقة في كسبه لا على أبيه، زكريا ٥/ ٣٣٦، كراچی ٣/ ٦١٢)

وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه لو ملتحيا. وفي الشامية: أي إن لم يخف على والديه الضيعة بأن كانا موسرين، ولم تكن نفقتهما عليه. وفي الخانية: ولو أراد الخروج إلى الحج، وكره ذلك، قالوا: إن استغنى الأب عن خدمته، فلا بأس، وإلا فلا يسعه الخروج ...... وفي بعض الروايات: لا يخرج إلى الجهاد إلا بإذنهما، ولو أذن أحدهما فقط لا ينبغي له الخروج؛ لأن مراعاة حقهما فرض عين، والجهاد فرض كفاية. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٨٤، كراچی ٦/ ٤٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۷ھ

بیمار والدہ کی بات نہ مان کر جماعت میں جانا؟

سوال [۱۱۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میرا لڑکا واثق جمال، عمر۲۲/سال سب سے چھوٹا ہے، یہ میرے کاروبار میں میرے ساتھ رہتا ہے اور دیکھ بھال میں شریک رہتا ہے۔ اور کبھی کبھی وہ تین روزہ جماعتوں میں بھی جاتا رہتا ہے۔ آج سے قریب پانچ ماہ قبل میری طبیعت خراب ہوئی تھی، تو ڈاکٹر نے مجھ کو ہارٹ کی بیماری ہونے کا خدشہ ظاہر کیا اور بالکل آرام وچند ٹسٹ کے واسطے لکھا، جن کو میں نے اسی دن کرالیا اور میں ڈاکٹر سے مشورہ کے واسطے اس کے پاس چلا گیا، اسی درمیان واثق جمال اپنی والدہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ میں نے والد صاحب سے اجازت لے لی ہے اور میں چلہ کے واسطے جماعت کے ہمراہ جارہا ہوں، اس پر اس کی والدہ نے اس کو منع کیا اور کہا کہ جب تمہارے ابو آجائیں گے تب چلے جانا؛ لیکن اس نے ان کی یہ بات نہیں مانی اور اپنا سامان لے کر جماعت کے ہمراہ چلا گیا، دوسرے دن مجھ کو طبیعت کی خرابی میں دوکان پر بیٹھنا پڑا اور میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، علاج کے واسطے مجھ کو ایک مہنگے ہسپتال میں رہنا پڑا اور کئی دن تک ہسپتال میں رہنا پڑا، میرا بڑا بچہ خالد جمال اس وقت لکھنؤ میں اپنے کام کے سلسلے میں گیا ہوا تھا، جس کا فون نمبر اور رہنے کی جگہ کا مجھ کو علم نہیں تھا، اور یہ لڑکا میرے اسپتال میں داخل ہونے کے چار دن بعد آیا، میرا تیسرا بیٹا تعلیم حاصل کررہا ہے اور کاروباری امور سے قطعی واقف نہیں ہے، واثق جمال کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی چھوٹی ہمشیرہ کی شادی رمضان المبارک کے بعد ہے، میں اور اس کی والدہ واثق جمال کے رویہ سے سخت ناراض ہیں، اس کی اس حرکت کی وجہ سے ذہنی، جسمانی اور معاشی پریشانی میں پڑ گئے ہیں اور اس وجہ سے ہم دونوں اس کے اس اقدام کو کبھی معاف نہیں کرپائیں گے۔

اوپر کی تحریر کو دھیان میں رکھتے ہوئے بتائیں کہ واثق جمال نے جو رویہ اختیار کیا، میں بیمار باپ اور والدہ کے منع کرنے پر وہ چار ماہ دس یوم کے واسطے جماعت میں چلا گیا اور اس درمیان اس نے کسی قسم کا کوئی رابطہ ہم لوگوں سے قائم نہیں کیا، اس کے اس اقدام کے واسطے مذہبی اور دینی نقطہ نظر سے کیا کہنا ہے؟ تفصیلی جواب دیں نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت میں جانا بہت اچھا کام ہے، بشرط گنجائش اور انتظام کے ہر مسلمان کو اس میں حصہ لینا چاہئے، مگر بوڑھے کمزور، بیمار والدین کی خدمت اس سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے، بیمار والد کو بے یارو مددگار چھوڑ کر ان کو ناراض کر کے جماعت میں جانے میں کوئی خیر نہیں اور اس سے تبلیغی جماعت کو بدنام کرنا ہے، شریعت کی جانب سے اور جماعت کے سرپرستان اور ذمہ داران کی جانب سے اس کی ہرگز اجازت نہیں۔ بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ ایک جوان نے حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر جہاد میں جانے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ تو اس جوان نے کہا کہ جی ہاں موجود ہیں، تو آپ ﷺ نے جہاد میں جانے سے منع فرمایا اور سختی سے حکم فرمایا کہ والدین کی خدمت کرو، جہاد کا اجر وثواب ملے گا۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو قال: قال رجل للنبي ﷺ: أجاهد؟ قال: لک أبوان؟ قال: نعم، قال: ففیهما فجاهد. (بخاري شریف، باب لا یجاهد إلا بإذن الأبوین ۲/ ۸۸۳،رقم: ۵۷۳۸، ف: ۵۹۷۲، صحیح مسلم، باب بر الوالدین وأنهما أحق به، النسخة الهندیة ۲/ ۳۱۳، بیت الأفکار، رقم: ۲۵۴۹، أبو داؤد شریف، باب في الرجل یغزو وأبواه کارهان، النسخة الهندیة ۱/ ۳۴۲، دارالسلام، رقم: ۲۵۲۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۸؍ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۴ھ

کمزور والد کی خدمت کریں یا جماعت میں جائیں؟

سوال [۱۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا فرزند فرزان یاور جو حافظ قرآن اور پنج وقتہ نمازی ہے، ہر سال محراب سناتا ہے،

عاقل وبالغ اور بہت نیک لڑکا ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے، بہت فرماں بردار ہے، تبلیغی جماعت میں بیشتر جاتا رہتا ہے، اس کے والد بہت ضعیف ہیں، انہیں اس کے ساتھ کی شدید ضرورت رہتی ہے، وہ فرزان یاور کو اپنے ساتھ لگائے رکھنا چاہتے ہیں، تاکہ اس کی کاروباری تربیت بھی ہوسکے؛ لیکن فرزان یاور جماعت میں جانے کے لئے ہر ممکن کوشاں رہتا ہے اور عہد شکنی سے بھی گریز نہیں کرتا، گذشتہ اتوار کے روز مطابق ۲۳/ مارچ ۲۰۰۸ء ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بلا اجازت والدین جماعت میں چلا گیا اور اسٹیشن سے کسی دیگر شخص نے گھر پر فون کیا کہ فرزان یاور تین دن کی جماعت میں ہمارے ساتھ جارہے ہیں، اسی شب بعد نماز عشاء فارغ ہوکر میں سونے کے لئے بستر پر لیٹی، تو مجھے محسوس ہوا کہ مجھ سے کوئی کہہ رہا ہے کہ تیرا بیٹا یہودی ہے، فرعون ہے، شداد ہے، وہ اس دنیا میں جنت بنائے گا، وہ فرعون ہے، فرعون کا گھمنڈ بھی نہ رہا، کچھ اسی طرح کی آوازیں سی بار بار میرے کانوں میں آرہی تھیں، جب کہ میں اپنے بیٹے کے لئے یہ باتیں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی، اس کو میں شیطانی وسوسہ خیال کرکے استغفار پڑھتی، درود پڑھتی رہی اور بھی نہ جانے کیا کیا پڑھتی رہی، سونہ سکی، ایک ہیجانی کیفیت میرے اوپر ابھی تک جاری ہے۔

تین روز کا فون آیا تھا؛ لہٰذا شدید انتظار تھا؛ لیکن تین روز کے بعد فون آیا کہ وہ دس دن کی جماعت میں ہیں، یہاں جو ساتھی ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ چار مہینہ دس دن کی جماعت میں ہیں، وہ والدین کی اجازت کے بغیر کئی مرتبہ جماعتوں میں جاچکا ہے۔ اور اس نے اتنے لمبے عرصہ کا پروگرام پھر ہماری اجازت کے بغیر بنالیا، کیا اس کا یہ فعل درست ہے؟ میں ہرگز یہ نہیں چاہوں گی کہ اس کی دنیا یا آخرت خراب ہو۔ اللہ اسے سچا مسلمان بنائے، میری نظر میں اس کی اصلاح کے لئے کیا اسے جماعت سے واپس بلانا چاہئے؟ کیا میں یہ قدم اٹھا سکتی ہوں، رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب باپ ضعیف ہے اور فرزان یاور کے تعاون کا محتاج

ہے، تو تبلیغی جماعت میں جانا اگرچہ ایک نیک کام ہے، مگر باپ کی خدمت اس سے بھی بڑا کام ہے۔ اور جماعت میں جانے پر مقدم ہے؛ اس لئے کہ اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق ماں باپ کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر جماعت میں جانا جائز نہیں ہے، مزید تین دن کے لئے جانے کی اطلاع کے بعد پھر دس دن یا چار ماہ کے لئے ماں باپ کی اجازت کے بغیر جانا اس کے حق میں خیر کی چیز نہیں ہے؛ لہٰذا ان کو سمجھا دیا جائے کہ باپ کا معاون بنا رہے اور اپنے اخلاق کے ذریعہ پہلے باپ کو جماعت میں بھیجنے کی کوشش کرے، اس کے بعد گھریلو اور معاشی ضروریات کا انتظام مکمل کر کے ماں باپ کی اجازت کے ساتھ جماعت میں جایا کرے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عبداللہ بن عمرو قال: قال رجل للنبي ﷺ: أجاهد؟ قال: لک أبوان؟ قال: نعم، قال: ففيهما فجاهد. (بخاري شريف، باب لا يجاهد إلا بإذن الأبوين ۲/ ۸۸۳، رقم: ۵۷۳۸، ف: ۵۹۷۲، صحيح مسلم، باب بر الوالدين وأنهما أحق به، النسخة الهندية ۲/ ۳۱۳، بيت الأفكار، رقم: ۲۵۴۹، أبو داؤد شريف، باب في الرجل يغزو وأبواه كارهان، النسخة الهندية ۱/ ۳۴۲، دارالسلام، رقم: ۲۵۲۹) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۵ھ

جماعت کا کام کرتے ہوئے والدین کی فرماں برداری لازم ہے

سوال [۱۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والدین بزرگوار تبلیغی نصاب کی کتاب کا مطالعہ کرنے سے سختی سے منع فرماتے ہیں، والدین کا حکم ماننا بھی شریعت کے اندر لازمی ہے، یہ بات میری سمجھ سے بالکل بالاتر ہے میں کشمکش میں پڑ گیا ہوں، اب آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ میں اس کتاب کو اپنے

والدین سے چھپا کر پڑھ سکتا ہوں کہ نہیں، ویسے میرے پاس دو کتابیں ہیں، میرے والد صاحب نے میری غیر حاضری میں اسے پتہ نہیں کہاں چھپا کر رکھ دیا ہے، آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے صحیح مشورہ دے کر میرے دل ودماغ کو سکون پہنچانے کی زحمت گوارہ کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔

المستفتی: حارث احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تبلیغی نصاب جیسی دینی کتاب کا مطالعہ کرنے سے اگر والدین منع کرتے ہیں، تو اس طرح دینی امور میں والدین کے حکم کا پابند رہنا لازم نہیں ہے، والدین کے حکم کی پابندی موافق شریعت امور میں لازم ہوتی ہے، مخالف شریعت امور میں لازم نہیں ہے؛ لہٰذا والدین کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے آپ تبلیغی نصاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن، سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳، اشرفی دیوبند ۴۶۴/۵)

لا طاعة في معصية الله إنما الطاعة في المعروف. (مسلم شريف كتاب الجهاد والسير، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۵، بيت الأفكار، رقم: ۱۸٤۰)

والطاعة حق مالم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة. (بخاري شريف، باب السمع والطاعة للإمام، النسخة الهندية ۱/ ٤۱۵، رقم: ۲۸٦٦، ف: ۲۹۵۵)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فإن أمر بمعصية فلا سمع عليه ولا طاعة. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۰، دارالسلام، رقم: ۱۷۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۵۳/۲۵)

کاروباری اوقات میں کسی ایک شریک کا تبلیغی میٹنگ میں شرکت کرنا

سوال [۱۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو کاروبار ساجھے میں ہو اس کا کوئی ایک ساجھے دار بنا دیگر ساجھے داروں کو کسی اطلاع کے کاروباری اوقات کے دوران کاروباری ضروری کاموں کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر کسی تبلیغی اجتماع کی انتظامیہ میٹنگ میں شرکت کی غرض سے چلا جائے، تو اس کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اختر شمسی پاٹنر پیرا ماؤنٹ کارپوریشن طویلہ اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ساجھے داروں کے لئے بہتر یہی ہے کہ باری باری کرکے دین سیکھنے کے لئے دینی کام میں شرکت کیا کریں؛ اس لئے کہ جہاں روزی کمانا ضروری ہے وہاں دین سیکھنا اور اس کی اعانت کرنا اور اس میں شریک ہونا بھی ضروری ہے؛ اس لئے ایک دوسرے کو مطلع کرکے دونوں شریک ہوا کریں، تو انشاء اللہ تعالیٰ کاروبار میں برکت ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اور ان کا ایک پڑوسی باری باری کرکے حضور ﷺ کے یہاں دین اور علم سیکھنے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔

عن عمرؓ قال: كنت أنا وجار لي من الأنصار في بني أمية بن زيد، وهي من عوالي المدينة، وكنا نتناوب النزول على رسول الله ﷺ ينزل يوما، وأنزل يوما. (بخاري شريف، كتاب العلم، باب التناوب في العلم، النسخة الهندية ١/ ١٩، رقم: ٨٩، صحيح مسلم، باب بيان أن تخييره امرأته، النسخة الهندية ١/ ٤٨٢، بيت الأفكار، رقم: ١٤٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۱۷)

تبلیغی اجتماعات میں دوکانیں لگانے سے متعلق چند سوالات

سوال [۱۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید تاجر کتب ہے، جگہ جگہ دوکان لگا کر حلال رزق کمانے کی کوشش کرتا ہے، رزق حلال کی تلاش میں کبھی کبھار تبلیغی اجتماعات میں اپنی کتابوں کی دوکان لے جاتا ہے، کتابوں میں دینی اخلاقی اور قرآن شریف وغیرہ اور تمام کی تمام کتابیں علمائے دیوبند کے مسلک کی ہوتی ہیں، زید اور اس کے ساتھی تاجر جہاں کہیں بھی گئے اجتماعات میں دوکان لگانے کی سہولت ملتی رہی، مگر چند دنوں سے کچھ اضلاع میں زید اور اس کے ساتھیوں کو دوکان لگانے کے لئے وہاں کے امیر جماعت اور کچھ شر پسند زور بازو سے انہیں اجتماع گاہ کے اطراف سے دور کر دیتے ہیں اور کسی بھی صورت سے دوکان لگانے کی اجازت نہیں دیتے، زید اور اس کے ساتھیوں کو پولیس کا خوف دلا کر واپس جانے پر مجبور کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) تبلیغی اجتماعات میں رزق حلال کمانے کی غرض سے دوکان لگانا کیا ناجائز ہے؟

(۲) تبلیغ دین کے سلسلہ میں کیا کتابیں اور قرآن کریم کسی مسلمان تک پہنچانا شریعت کے خلاف ہے؟

(۳) کیا امیر جماعت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے شر پسند افراد کی معیت میں ہماری دوکان کو اجتماع کے دور ونزدیک کہیں سے بھی بے دخل کریں؟

المستفتی: اقبال دادامیاں مجگاؤں، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تبلیغی اجتماعات میں دوکان لگانا ممنوع اور ناجائز نہیں ہے، مگر تبلیغی اجتماع کے نظم وانتظام میں کسی قسم کا خلل بھی نہ ہونا چاہئے، نیز اجتماع سے متعلق جو زمین مخصوص ہے، اس میں دوکانیں لگانے میں اجتماع کے لئے پریشانی ہوسکتی ہے؛ اس لئے اجتماع کے ایریا سے الگ لگانا چاہئے۔

عن عائشة –رضی الله عنها– أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا ضرر ولا ضرار. (المعجم الأوسط، دارالفکر ۱/ ۲۹۲، رقم: ۱۰۳۳، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ۲/ ۸۶، رقم: ۱۳۸۷، سنن ابن ماجة، باب من بنی في حقه ما یضر بجاره، النسخة الهندیة ۱/ ۱۶۹، دارالسلام، رقم: ۲۳۴۰، ۲۳۴۱، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۵)

(۲) ہرگز شریعت کے خلاف نہیں ہے، دینی کتابیں مسلمانوں کے درمیان دین کی باتیں پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ ہیں اور کتب فروش **"فلیبلغ الشاهد الغائب"** (صحیح البخاري، باب الخطبة أیام منی، النسخة الهندیة ۱/ ۲۳۴، رقم: ۱۷۰۸، ف: ۱۷۳۹) کے دائرے میں نیت صحیح کے ساتھ داخل ہوسکتا ہے، مگر کسی قسم کا فتنہ یا نظم کی خلاف ورزی کا لازم نہ آنا شرط ہے، اگر آپ کی دوکان کی وجہ سے ان کے نظم میں پریشانی ہے، تو ان کو منع کرنے کا بھی حق ہے۔

(۳) امیر جماعت اور ان کے ساتھی کے شر پسند ہونے کا فیصلہ کرنا آپ کا کام نہیں ہے، ممکن ہے کہ آپ میں کوئی کمی ہو، اگر واقعی کوئی کمی ہے تو اس کو دور کرکے جماعت والوں سے دوکان لگانے کی اجازت طلب کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

تبلیغ کے لئے جانے والے صحابی کے مردہ گدھے کا زندہ ہونا

سوال [۱۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صحابی رسول ﷺ ایک گدھا لے کر تبلیغ دین کے لئے چلے، تھک کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے، اٹھنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ گدھا مر گیا ہے، وہ فکر مند نہیں ہوئے بلکہ دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، تو وہ گدھا زندہ ہوگیا، بعینہٖ یہی واقعہ ایک اور صحابی کے ساتھ پیش آیا، ان کا

ایک لڑکا فوت ہوگیا، تو انہوں نے بھی دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی، تو وہ لڑکا زندہ ہوگیا۔ یہ واقعات کس کتاب میں مذکور ہیں؟ براہ کرم حوالہ سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: شفیع احمد اعظمی بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا کوئی واقعہ کسی معتبر کتاب میں خاکسار کی نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱۴/۳۷۷)

زکوۃ کی رقم جماعت میں خرچ کرنے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر محمد زید نصاب کا مالک ہے؛ لیکن بیرون ملک (دعوت وتبلیغ) کے سفر پر قادر نہیں ہے، اب محمد زید بغرض دعوت وتبلیغ بیرون ملک جماعت میں جانا چاہتا ہے، تو اس کی اعانت میں زکوۃ کے پیسے کو دینا جائز ہے؟ اس کے لئے کسی کو ترغیب دینا کہ وہ زکوۃ کی رقم محمد زید کو دے جائز ہے؟ اس قسم کی رقم کو جمع کر کے صاحب نصاب جماعت میں جانے والوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر نہیں تو اس قسم کی زکوۃ کو جمع کر کے دینے والے پر ضمان لازم ہوگا؟

(۳) اگر محمد زید کو زکوۃ دی تو کیا زکوۃ کی ادائیگی ہوئی یا نہیں؟ اور اگر زکوۃ کی ادائیگی ہوگئی تو قرآن وحدیث کے اعتبار سے اس زکوۃ کی ادائیگی کو کس زمرے میں شامل کیا جائیگا؟

(۴) کیا دعوت وتبلیغ کے سفر میں جانے والا (مصرف زکوۃ فی سبیل اللہ) کے تحت منقطع الغزاۃ کے حکم میں آئے گا؟

(۵) کسی اور جگہ کا تو حال معلوم نہیں؛ لیکن ہمارے علاقے کوہاٹ کے مرکز میں یہ ترتیب

کچھ وقت سے رائج ہے اور افسوس کہ اس کی ترویج میں اہل علم بھی شامل ہیں، حالاں کہ اکابر دعوت وتبلیغ کی طرف سے اس قسم کے امور کی سخت ممانعت ہے۔

(۶) اسی طرح کی ایک اور صورت بھی رائج ہے کہ مرکز میں ایک شخص کے نام پر چاہے وہ مستحق زکوۃ ہو یا نہ ہو، زکوۃ کی رقم جمع ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ نصاب کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے؛ لیکن رقم اس شخص کو ادا نہیں کی جاتی، پھر یک مشت ایک لاکھ یا سوا لاکھ روپے کی رقم سفر کے وقت ادا کی جاتی ہے، تو کیا یہ شکل جائز ہے؟ اگر نصاب سے زیادہ رقم جمع ہو جائے اس کے بعد زکوۃ کی رقم دینا جائز ہوگا؟

المستفتی: عبدالماجد گوہاٹی، نزد گورمنٹ ہائی اسکول تورغ بالا کوہاٹ خیبر پختون خوا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صاحب نصاب آدمی کا بیرون ملک دعوت وتبلیغ کے لئے جانے والے کو زکوۃ کا پیسہ فراہم کرکے دینا جائز نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا نہ ہوگی، ان کو اپنی زکوۃ کی خیر منانی چاہئے، جتنا پیسہ دیا گیا ہے اتنی مقدار زکوۃ اپنے مال میں سے دوبارہ نکالنا لازم ہے؛ اس لئے کہ جان بوجھ کر کے غیر مصرف میں اپنی زکوۃ کا پیسہ دیا ہے اور اس طرح عمل کرنے والوں کے ذریعہ سے تبلیغی مکتبِ فکر کی بدنامی ہے۔ اور مرکز نظام الدین کے اکابر علماء کے مشورہ کے بغیر جہاں جہاں یہ عمل ہو رہا ہے، یہ تبلیغی جماعت کے لئے خطرناک بدنما داغ ہے، یہ بنیادی غلطی مرکز نظام الدین کے ذمہ داران کی اجازت کے بغیر اور اصول کی خلاف ورزی کی بنیاد پر ہو رہی ہے، اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی، زکریا ۴/ ۲۹۰، قدیم ۴/ ۲۶۴، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۴۹، ۲۶۸، محمودیہ ڈابھیل جدید ۹/ ۵۴۶، معارف القرآن ۴/ ۴۰۷)

ولا إلی غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أي مال کان. (درمختار مع الشامي، کتاب الزکوة، باب المصرف، قبیل مطلب في جهاز المرأة، هل تصیر به غنیة؟ زکریا ۳/ ۲۹۵، کراچی ۲/ ۳۴۷، تبیین الحقائق، کتاب الزکوة، باب المصرف،

إمداديه ملتان، قديم ١/ ٣٠٢، زكريا ٢/ ١٢٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكوة؟ زكريا ٣/ ٢٠٩، رقم: ٤١٤٣، بدائع، كتاب الزكوة، مصارف الزكوة، كراچی ٢/ ٤٧، زكريا ٢/ ١٥٧)

هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير. (وفي الشامي:) احترز بجميع ماذكر عن الكافر والغني. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ٣/ ١٧٢، كراچی ٢/ ٢٥٨)

(۲) جو شخص اس قسم کی زکوۃ کو جمع کر رہا ہے، مرکز نظام الدین کے اکابر کو اس کے بارے میں نام زد کر کے ضرور اطلاع کرنا چاہئے، تا کہ مرکز نظام الدین کے ذمہ داران حضرات اس پر روک لگائیں اور زکوۃ کا جتنا پیسہ اس طرح جمع کیا ہے، اس کا وہ خود ضامن ہوگا، وہ سب مالکان کو واپس کر دینا لازم ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل غیر مبوب ۳/ ۴۰۴، ۵/ ۱-۱۷۸، مکتبہ نعیمیہ)

رجلان دفع كل منهما زكوة ماله إلى رجل ليؤدي عنه، فخلط مالهما، ثم تصدق ضمن الوكيل مال الدافعين، وكانت الصدقة عنه. (هندية، كتاب الزكوة، قبيل الباب الرابع فيمن يمر على العاشر، زكريا ١/ ١٨٣، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٤٤، قاضيخان على هامش الهندية، فصل في آداء الزكوة ١/ ٢٦١، جديد زكريا ديوبند، ج: ١ سيٹ ٧/ ١٦٠)

سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالا، فقال له: هذا زكوة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى آخر هل يضمن؟ قال: نعم، وله التعيين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل التاسع المسائل المتعلقة بمعطى ٣/ ٢٢٨، رقم: ٤٢٠٢)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، كراچی ٢/ ٢٦٩، زكريا ٣/ ١٨٩)

(۳) زید جو کہ صاحب نصاب ہے، جان بوجھ کر کے اس کو دی ہوئی زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس کا واپس کرنا لازم ہے، ورنہ مالکان پر دوبارہ زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۱۷۷)

غلب على ظنه أنه ليس بمصرف، فهو على الفساد. (هندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف، زكريا ١/ ١٩٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥٢، تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، إمداديه ملتان ١/ ٣٠٤، زكريا ٢/ ١٢٩)

إذا كان للرجل على رجل دين حال عليها الحول، فوهبه ممن عليه، أو تصدق به عليه، فهذا على وجهين: فالأول: أن يكون الموهوب له غنيا، وفي هذا الوجه لا يجزيه عن زكاته. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل السابع في الزكوة والنية، زكريا ٣/ ١٩٥، رقم: ٤١٠٥)

(۴) دعوت وتبلیغ کے سفر پر جانے والے صاحب نصاب کو منقطع الغزاۃ کے حکم میں قرار دینا درست نہیں؛ کیوں کہ جہاں منقطع الغزاۃ اور ''فی سبیل اللہ'' کی بات آئی ہے، وہاں ''إذا کان محتاجا'' کی قید بھی لگائی گئی ہے، جو صاحب نصاب نہیں ہوتا ہے اور جو اپنی ضرورت پوری کرنے میں خود محتاج ہوتا ہے؛ لہٰذا صاحب نصاب آدمی جو بیرون ملک دعوت وتبلیغ کے سفر پر جانے والا ہے، اس کو منقطع الغزاۃ پر قیاس کرنا قطعاً درست نہیں اور لوگوں کی زکوۃ کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ص: ۲۴۱، جواہر الفقہ ۳/ ۲۰۶)

وأما قوله تعالىٰ: في سبيل الله: عبارة عن جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله، وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا. (بدائع، كتاب الزكوة، فصل المؤلفة قلوبهم، زكريا ٢/ ١٥٤، كراچی ٢/ ٤٥، شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٩، كراچی ٢/ ٣٤٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ١٦٦، البناية، كتاب الزكوة، باب مايجوز دفع الصدقات إليه، اشرفيه ديوبند ٣/ ٤٥٤)

ولا يصرف إلى أغنياء الغزاة عندنا، لأن المصرف هو الفقراء،

لقوله صلى الله عليه وسلم: خذها من أغنياء هم وردها في فقرائهم. (هدايه، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه، ومن لا يجوز، أشرفيه ديوبند ۱/ ۲۰۵)

وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة، أي الذين عجزوا عن اللحوق بجيش الإسلام لفقرهم بهلاک النفقة أو الدابة، أو غيرهما، فتحل لهم الصدقة، وإن كانوا كاسبين، إذا الكسب يقعد هم عن الجهاد. (شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ۳/ ۲۸۹، كراچی ۲/ ۳۴۳)

(۵) جب اکابر دعوت وتبلیغ کی طرف سے اس قسم کے امور کی سخت ممانعت ہے، تو اس کی خلاف ورزی کرنے والے حقیقت میں تبلیغی مکتب فکر میں صحیح طور پر کام کرنے والے نہیں ہیں، محض دعوت وتبلیغ کے مکتب فکر کو بدنام کرنے والے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں نامزد کرکے صوبہ اور ملک کے مرکزی ذمہ داران کو مطلع کرنا چاہئے، نیز مرکز نظام الدین کے ذمہ داروں کو اطلاع کر دینا بھی ضروری ہے، تاکہ ایسے لوگوں کی اصلاح ہوجائے، اگر اصلاح نہ ہوسکے تو تبلیغی مکتب فکر سے ہٹا دینا چاہئے اور اس کا اعلان بھی کر دینا چاہئے، تاکہ تبلیغی مکتب فکر ایسے لوگوں کی وجہ سے بدنام نہ ہوسکے۔

عن عبادة بن الصامت –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: عليكم بالسمع والطاعة فيما أحببتم وكرهتم، في منشطكم ومكرهكم، وأثرة عليكم ولا تنازعوا الأمر أهله. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۹۲، رقم: ۲۷۷)

عن عبادة بن الصامت –رضي الله عنه– قال: بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة في المنشط والمكره، وأن لا ننازع الأمر أهله، وأن نقوم أو نقول بالحق حيثما كنا، لا نخاف في الله لومة لائم. (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب كيف يبايع الإمام الناس؟ النسخة الهندية ۲/ ۱۰۶۹، رقم: ۶۹۱۱، ف: ۷۱۹۹)

(۶) کسی ایک شخص کے نام سے زکوۃ کا پیسہ جمع کرنا جو کہ مستحق زکوۃ نہ ہو، قطعاً جائز نہیں

ہے، نیز جو صاحب نصاب نہ ہو اس کے نام سے زکوۃ کا پیسہ نصاب سے زیادہ جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے، نیز بیرون ملک دعوت وتبلیغ کے سفر کو جانے والے کا مرکز نظام الدین کی جانب سے خود کفیل ہونا شرط ہے، یہ ساری خرابیاں مرکز نظام الدین کے اصول وضوابط کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں ہو رہی ہیں، اس لئے نامزد کر کے وہاں اطلاع کر دینا ضروری ہے، تاکہ وہاں سے اصلاحی سرکولر جاری ہو سکے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۱۳ھ

کیا تبلیغی اجتماعات کے لئے صدقات واجبہ کی رقوم استعمال کر سکتے ہیں؟

سوال [۱۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت تبلیغ کے چھوٹے چھوٹے جوڑ بشکل علاقائی حلقہ کے مطابق اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، اجتماعات کے نظم میں عوام سے چندہ کرنے والے محلّہ کی مسجد کی جماعت کے ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ اپنی اپنی بساط کے مطابق مسجد میں اعلان کرتے ہیں اور چندہ جمع کرتے ہیں، چندہ لینے میں کسی طرح کی احتیاط نہیں برتی جاتی، اکثر دیکھا گیا ہے کہ نذر کی اشیاء، صدقات، زکوۃ حتی کہ انٹرنیس تک وصول ہو جاتے ہیں، اشیاء اور رقومات کا حساب اکثر چند احباب کے پاس ہوتا ہے اور اس طرح سے چندہ وصول کر کے اجتماعات کا نظم ہوتا ہے۔

کیا یہ اجتماعات نذر ومنت کے اشیاء، کی رقم، انٹرنیس کی رقم، زکوۃ کی رقم، صدقات واجبہ کی رقوم کا مصرف ہو سکتے ہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عزیز احمد نعمانی، فاضل دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دینی وتبلیغی اجتماعات وغیرہ کے انتظام کے لئے صرف نفلی

صدقات سے امداد جائز ہے، نذر کی اشیاء، سود کا پیسہ اور زکوۃ کی رقم کا ان اجتماعات میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اوران تمام رقوم کو مستحق زکوۃ فقیر کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔

إذا كان عند رجل مال خبيث...... ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يتصدق على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا. (درمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب مصرف الزكوة، زكريا ۳/ ۲۹۱، كراچى ۲/ ۳٤٤)

مصرف الزكاة، وتحته في الشامية: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر، وغيره ذلك من الصدقات الواجبة انتهى هو فقير. (شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ۳/ ۲۸۳، كراچى ۲/ ۳۳۹) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۵ھ

عطیہ میں دی ہوئی رقم کی واپسی نہیں ہوتی

سوال [۱۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ اللہ والے لوگ دین اسلام کے فدائی، گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کی تڑپ رکھنے والے ایک شخص کے پاس جاتے ہیں، افہام وتفہیم ہوتی ہے، دوسرے دن تیسرے دن، یہاں تک کہ یہ ایک مشغلہ بن گیا کہ اللہ کے راستہ میں نکل جاؤ قربانی دو، شخص مذکور کا کہنا ہے کہ میں نکلنے کے لئے خود ہی سوچ رہا ہوں؛ لیکن حالات اجازت نہیں دیتے، کم مائیگی دامن گیر رہتی ہے اور حد تو یہ ہے کہ والدین بھی مقروض ہیں، ہر ماہ کچھ نہ کچھ بھیجنے کے لئے سوچتا ہوں، مگر ناکام رہتا ہوں، ان لوگوں کا کہنا ہے تو کلاً علی اللہ چلے جاؤ، پیسوں کی فکر نہ کرو، پیسے ہم سے بطور قرض لے لو؛ لیکن وہ شخص کہتا ہے کہ قرض لینے کی میری عادت نہیں ہے، اس پر

ان حضرات کا کہنا تھا کہ بس آپ تو چلے جائیں، ہر طرح کی قربانی ہم دیں گے، آپ بتائیں مہینے میں گھر پر کتنا خرچہ ہوتا ہے، آمدنی کتنی ہوتی ہے؟ اور چلہ میں کتنے پیسے خرچ ہوں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ ان حضرات نے گھر کی خبر گیری رکھی اور نماز پڑھانے کی ڈیوٹی بھی انجام دی اور نقد ۲۲۰۰/روپے دئے کہ آپ اللہ کا نام لے کر چلے جائیں، وہ شخص ان حضرات کے اصرار پر چلا گیا، اب جب واپس آیا ہے، تو یہ حضرات فرما رہے ہیں کہ آپ کو جو پیسے دئے گئے تھے، وہ بطور قرض کے دئے گئے تھے، آپ ان کو ادا کریں، شخص مذکور کا کہنا تھا کہ میری عادت قرض لینے کی نہیں ہے اور اگر قرض لے لیا تو ادا نہیں کرسکوں گا؛ اس لئے وہ قرض لیتا ہی نہیں ہے۔ صورت مسئولہ میں وہ رقم جو دی گئی ہے، اس کو بطور قرض ہی تصور کیا جائے گا، جب کہ حتمی طور پر بتایا جاچکا تھا کہ میں قرض لیا نہیں کرتا ہوں۔

المستفتی: محمد راشد شیروانی، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا بیان سچا ہے، تو سوال نامہ کی عبارت سے دیا ہوا روپیہ بطور تعاون اور عطیہ معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے دینے والوں کو واپسی کا حق نہ ہوگا، نیز عرف میں مذکورہ طریقہ سے دی ہوئی رقم عطیہ پر محمول ہوتی ہے۔

المعروف بالعرف كالمشروط شرطاً. (قواعد الفقه، أشرفی دیو بند ١٢٥)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن النبي ﷺ قال: مثل الذى يرجع في صدقته، كمثل الكلب يقيء، ثم يعود في قيئه، فيأكله. (صحيح مسلم، باب تحريم الرجوع في الصدقة والهبة بعد القبض، النسخة الهندية ٢/ ٣٦، بيت الأفكار، رقم: ١٦٢٢، سنن النسائي، ذكر الاختلاف لخبر عبدالله بن عباس فيه، النسخة الهندية ٢/ ١١٨، دارالسلام، رقم: ٣٧٢٣، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ٢٩٣، رقم: ١٠٧٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۹ھ

تبلیغی اجتماع کی باقی ماندہ رقم سے مرکز کے لئے جنریٹر خریدنا

سوال [۱۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک برادری کے افراد نے تبلیغی اجتماع کرنے کے لئے کچھ سرمایہ جمع کیا تھا؛ لیکن وہ پوری رقم خرچ نہیں ہوسکی اور اس میں اٹھارہ ہزار باقی بچ گئے، کیا باقی ماندہ رقم مقامی تبلیغی مرکز کی مسجد میں جنریٹر خرید کر جمع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ مرکز میں اکثر وبیشتر جماعتیں آکر قیام کرتی ہیں، اور بجلی نہ ہونے کی وجہ سے پانی اور ہوا وغیرہ کی پریشانی رہتی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو چندہ اور عطیہ تبلیغی اجتماع ہی کے لئے آیا ہوا ہے، اس کو تبلیغی اجتماع ہی میں خرچ کرنا لازم ہے، جو رقم بچ گئی ہے اس کو دوسرے اجتماع میں خرچ کرنا چاہئے؛ لیکن اگر مرکز کے لئے جنریٹر خریدنا ہے تو عطیہ دینے والوں کو مطلع کردیں، ان کی رضامندی سے جنریٹر خرید کر مرکز میں دینے کی گنجائش ہے۔

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ۱۲۱)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجرة السمسار تحت ترجمة الباب، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٤/ ٢٧٥، رقم: ٤٤٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۴/۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/۱۴۱۸ھ

دعوت وتبلیغ کے لئے بنائی گئی عمارت میں اسکول قائم کرنا

سوال [۱۲۸۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عمارت عام چندہ سے محض دعوت وتبلیغ کے لئے بنوائی کہ یہ دعوت وتبلیغ کا مرکز ہوگا، دعوت وتبلیغ والے اس میں قیام کریں گے اور دعوت وتبلیغ کا کام کریں گے؛ لیکن کچھ لوگوں نے اس عمارت میں بغیر دعوت وتبلیغ کے بنیادی ساتھیوں کے مشورہ کے مال اور طاقت کی بنیاد پر اسکول کھول دیا ہے، تو آیا اس طرح جبراً قبضہ کرکے اسکول کھولنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسرائیل سدھولی، سیتاپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعوت وتبلیغ کے لئے جو عمارت بنائی گئی ہے، اس میں دعوت وتبلیغ اور دینی کام جاری کرنا لازم ہے، جن لوگوں نے طاقت کے بل بوتے پر اسکول قائم کیا ہے، وہ شرعاً ظالم ثابت ہوں گے، اس میں اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، اسکول ختم کرکے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کردینا چاہئے۔

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، أشرفی دیوبند / ۱۱۰، رقم: ۲۶۹)

الأصل أنه لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بلا إذنه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶)

لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه، أو وکالة منه، أو ولایة علیه. (شرح المجلة رستم، مطبع اتحاد بکڈپو ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱رشوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۹)

تبلیغی جماعت کے پنڈال میں تین صف درمیان میں چھوڑ کر نماز پڑھنا

سوال [۱۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے بڑے تبلیغی اجتماعات میں جب پنڈال میں جماعت ہوتی ہے، تو کبھی کبھی درمیان میں کئی صفوں کی جگہ چھوڑ کر پیچھے صف بنالی جاتی ہے، کیا اس طرح پیچھے صف والوں کی نماز صحیح ہوجاتی ہے؟ جب کہ یہ صفیں پنڈال کے اندر ہی ہوتی ہیں، شرعاً کیا عارضی طور پر تین دن کے لئے اس پنڈال کا حکم اتصال صفوف کے لئے مسجد کے حکم میں ہوگا یا الگ؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی اجتماعات میں جو پنڈال ہوتا ہے وہ وقتی طور پر مکان واحد کے حکم میں ہوجاتا ہے؛ لہٰذا اگر اس میں دو تین صفوں کا فاصلہ درمیان میں رہ جائے تب بھی اقتدا درست ہوجائے گی؛ لیکن کئی کئی صفوں کو خالی چھوڑنے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔

وأما المحوط الكبير، قال المشايخ: في يوم العيد يأخذ المحوط حكم المسجد حتى أنه لو تباعد الصفوف، أو بقي خاليا مقدار مائة ذراع يجوز، وفي غيره من الأيام فله حكم المفازة حتى لو صلوا بعض الصلوة بجماعة، فما لم تكن الصفوف متصلة لا تجوز الصلاة...... قوم يصلون خارج المسجد أو في الصحراء، وفي وسط الصفوف موضع لم يقم فيه أحد مقدار حوض أو قار بين تجوز صلاة من وراء ذلك الموضع إذا كانت المتصلة حوالى ذلك الموضع. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل ما يمنع صحة الإقتداء ولا يمنع، زكريا ۲/ ۲٦٤، رقم: ۲۳۷۸، ۲٦٥، رقم: ۲۳۸۲)

صلوا في الصحراء، وفي وسط الصفوف فرجة لم يقم فيها أحد مقدار حوض كبير عشر في عشر، إن كانت الصفوف متصلة حوالي

الفرجة تجوز صلوة من كان وراء ها، أما لو كانت مقدار حوض صغير لا تمنع صحة الإقتداء. (شامي، كتاب الصلوة، باب الإمامة مطلب: الكافي للحاكم جمع كلام محمد في كتبه التي هي ظاهر الرواية، كراچی ۱/ ۵۸٦، زكريا ۲/ ۳۳۳) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۹۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۲/۱۴۳۴ھ

ایک ہی شہر کے مختلف محلوں میں چلہ لگانے والی جماعت مقیم ہے یا مسافر؟

سوال [۱۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں گورکھپور سے تبلیغ میں نکل کر جے پور پہنچا، جے پور کے امیر مقامی نے ہماری جماعت کو جے پور میں روک کر ایک چلہ لگوایا، کبھی کسی مسجد میں، کبھی کسی اور مسجد میں، ہم لوگ ادھر ادھر روزانہ مقام بدلتے رہے، ایسی صورت میں اقامت والی نماز پڑھیں گے یا مسافرت والی؟ یعنی قصر کریں گے یا نہیں؟ امام صاحب بولے کہ بلد ایک ہے؛ اس لئے مقیم ہو چکے ہیں، جب کہ دوسرے امام نے فرمایا مستقل قیام نہیں ہے؛ اس لئے مسافر ہی رہیں گے، قصر کریں گے۔ آپ واضح فرمائیں، نیز ان مسائل مذکورہ کو ندائے شاہی میں بھی شائع کرا کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عظیم اللہ بستوی خریدار ندائے شاہی، مقیم حال فردوس کالونی سیکر راج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جے پور شہر کی حدود کے اندر پندرہ بیس دن یا ایک مہینہ قیام کا پہلے سے ارادہ ہے، تو شہر میں داخل ہونے کے بعد یہ جماعت مقیم بن گئی ہے، چاہے شہر کے مختلف محلوں ومسجدوں میں نماز پڑھی جارہی ہو، ایک مسجد میں نماز پڑھنا شرط نہیں۔

ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية

خمسة عشر یوما، أو أکثر. (عالمگیری، کتاب الصلوة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر، زکریا ۱/ ۱۳۹، جدید ۱/ ۱۹۹، الهداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلوة المسافر، مطبع زكريا ۲/ ۳۲، كوئٹه ۲/ ۹، البناية، كتاب الصلاة، باب صلوة المسافر، مكتبه أشرفيه ۳/ ۱۷، الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۱۰۳، دار الكتاب ۱/ ۱۰۲، ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۲٤۰، مراقي الفلاح، مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، قديم / ۲۳۱، جديد دارالكتاب ديوبند، ص: ٤۲٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۶ھ

ایک شہر کی متعدد مساجد میں قیام کرنے والی چلہ کی جماعت مسافر ہے یا مقیم؟

سوال [۱۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری جماعت دہلی سے احمد آباد گئی اور چالیس دن شہر ہی میں رہی، معلوم یہ کرنا ہے کہ جب ہم چالیس دن ایک شہر میں رہیں گے مختلف مساجد میں ہمارا قیام رہے گا، تو کیا ایسی صورت میں ہم مقیم ہوجائیں گے، یا مسافر ہی رہیں گے؟ بعض مرتبہ نماز پڑھانے کی ضرورت پیش آجاتی ہے؛ اس لئے دارالافتاء سے رجوع کررہے ہیں، جو فیصلہ ہو واضح فرمائیں۔

المستفتی: سعید احمد قاسمی امام مدنی جامع مسجد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال جب ایک شہر میں پندرہ دن سے زائد قیام کرنا طے ہے، تو ایسی صورت میں جماعت کے تمام افراد مقیم ہوجائیں گے اور ان کے لئے نماز میں اتمام کرنا لازم ہوگا، مساجد کے بدلنے سے حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

عن عبدالله بن عمر -رضى الله عنهما- قال: إذا كنت مسافرا، فوطنت نفسك على إقامة خمسة عشر يوما، فأتمم الصلاة، وإن كنت لاتدري متى تظعن، فأقصر. (كتاب الآثار، باب الصلاة في السفر، الرحيم أكيڈمي، كراچی ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱۸۸)

عن ابن عباس وابن عمر رضى الله عنهما، أنهما قالا: إذا دخلت بلدة وأنت مسافر، وفي عزمك أن تقيم بها خمسة عشر يوما، فأكمل الصلوة، وإن كنت لا تدري متى تظعن فاقصر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب مايصير المسافر به مقيما، زكريا ۱/ ۲۶۹، كراچی ۱/ ۹۷، بيروت ۱/ ۴۸۳، العناية، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، مطبع زكريا ديوبند ۲/ ۳۴، كوئٹه ۲/ ۱۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/ ۲۸۳، الفقه الإسلامي وأدلته، قبيل الرابع مقدار الزمان الذى يقصر فيه إذا أقام المسافر في موضع، هدى انٹرنيشنل ديوبند ۲/ ۲۹۱)

ولا يزال حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما، أو أكثر. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۱۳۹، جديد ۱/ ۱۹۹، الهداية مع الفتح، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، زكريا ۲/ ۳۲، كوئٹه ۲/ ۹)

اختلف المتأخرون في الذين يسكنون في الخيام والأخبية في المفازات من الأعراب، والتراكمة هل صاروا مقيمين بالنية عن أبي يوسف فيه روايتان: إحداهما لا، وفي الأخرى قال: يصيرون مقيمين وعليه الفتوى. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الخامس عشر في صلوة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۳۹، كوئٹه ۲/ ۹)

وكل من كان تبعا لغيره يلزمه طاعته، يصير مقيما بإقامته.
(هندية، الباب الخامس عشر في صلوة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۴۱، جديد ۱/ ۲۰۱)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۰/۱۲/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۳۱)

”مرکز نظام الدین“ کے اکابر کی نیت اقامت معتبر ہے یا نہیں؟

سوال [۱۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں رہنے والوں کی مختلف قسمیں ہیں، ایک قسم ان حضرات کی ہے، جنہیں مکان ملا ہوا ہے اور وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہتے ہیں، دوسری قسم ان حضرات کی ہے جنہیں رہنے کے لئے صرف ایک کمرہ ملا ہوا ہے اور وہ یہاں تنہا رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان حضرات کی ہے، جو دو ماہ یا ایک ماہ کے لئے یہاں آتے ہیں اور حال یہ ہے کہ یہاں چاروں طرف سے دعوت کے تقاضے آتے رہتے ہیں، اندرون ملک سے اور بیرون ملک سے بھی؛ اس لئے ان رہنے والے حضرات کو مشورہ سے طے کر کے تقاضہ پورا کرنے کے لئے یہاں سے بھیجا جاتا ہے۔ اور جس کا جہاں جانا طے ہوجاتا ہے، وہ وہاں چلا جاتا ہے، تینوں قسم کے رہنے والوں کا حال یہی ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں، گویا مرکز میں رہنے والا ہر فرد مشورہ کے تابع ہے، یہاں تک کہ مرکز کے اکابر میں سے بھی ہر ایک کا یہی حال ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تینوں قسم کے حضرات اگر اقامت کی نیت کریں تو معتبر ہوگی یا نہیں؟ یہاں ایک بڑے درجہ کے عالم دین حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب جو دعوت کے کام کے ذمہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے درجہ کے محدث وفقیہ بھی تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ یہاں کے مقیمین کی اور مہینہ دومہینہ کے لئے آنے والوں کی اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے، وہ اگر کسی سفر شرعی سے آرہے ہیں، تو برابر مسافر ہی رہیں گے اور نماز میں قصر کرتے رہیں گے، ایک مرتبہ کسی نے حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب سے مولانا اظہار الحسن صاحب کی اس رائے کا تذکرہ کیا، تو آپ نے فرمایا بالکل صحیح اور درست ہے، الغرض مذکورہ بالا حضرات میں سے شرعاً کس کا کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

(۲) ایک مرتبہ ایک صاحب ایک مہینہ کے ارادہ سے بنگلہ والی مسجد آئے، مشورہ سے آپ کو غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ لگا دیا گیا، پھر دو چار دن کے بعد تقاضہ سامنے آیا تو مشورہ سے ان کو ایک اجتماع میں بھیج دیا گیا، واپسی پر انہوں نے پھر اقامت کی نیت کرلی، چنانچہ انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر چکا ہوں، عصر کی نماز پوری پڑھا دی، اب اگر ان کی اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے، جیسا کہ مولانا اظہار الحسن صاحبؒ اور مولانا افتخار الحسن صاحب کی رائے ہے، تو مذکورہ بالا تمام حضرات اور ان کے علاوہ باقی مقتدی حضرات کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نماز ہوئی یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: ابوعبدالرحمٰن ایلیا، بلندشہر، معرفت مولانا مفتی مقصود عالم صاحب مفتی خادم الاسلام ہاپوڑ، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں ذکر کردہ تینوں قسم کے افراد میں سے اول الذکر حضرات جو اپنی فیملی کے ساتھ مرکز نظام الدین میں مقیم ہیں، ان کے لئے مرکز نظام الدین وطن تأہل ہے، جو وطن اصلی کے حکم میں ہے؛ اس لئے وہ حضرات ہمیشہ ہر حال میں وہاں نمازوں کا اتمام کریں گے، ان کے لئے قصر جائز نہ ہوگا، اگرچہ وہ حضرات بھی مشورہ ہی کے تابع ہوں۔ اس مسئلہ پر (امدادالاحکام ۲/ ۳۰۸ تا ۲/ ۳۱۲ میں) ایک مفصل ومدلل فتویٰ موجود ہے۔

إذا دخل المسافر بلدة له فیها أهل صار مقیما، نوی الإقامة أو لا. (فتاوی سراجیة، بحواله إمداد الأحکام ۲/ ۳۰۹)

اس قسم کی بہت سی عبارات اس میں نقل کی گئی ہیں، اہل علم کے لئے اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ اور مؤخر الذکر دونوں قسم کے حضرات جو بغیر فیملی کے وہاں مقیم ہیں، چاہے ان کو کمرہ ملا ہو یا نہ ملا ہو، مرکز نظام الدین ان کا وطن اصلی یا وطن تأہل نہیں ہے؛ لہٰذا ان کے وہاں پر شرعی مقیم ہونے کے لئے مستقل بالرائے ہونا شرط ہے اور چونکہ جو لوگ جماعت کے کام کے لئے

وہاں قیام کرتے ہیں، وہ وہاں کے مشورہ کے تابع ہوتے ہیں اور اس تابعیت کا علم بھی پہلے سے سب کو ہے؛ لہٰذا وہ لوگ مستقل بالرائے نہیں ہیں؛ اس لئے اقامت کے بارے میں مشورہ کے تابع ہوں گے؛ لہٰذا اگر مشورہ کمیٹی نے پندرہ روز سے زائد قیام کا فیصلہ کر دیا ہے، تو مقیم ہوں گے، نمازوں کا اتمام کریں گے اگرچہ پندرہ روز مکمل ہونے سے قبل پھر مشورہ کمیٹی نے سفر میں روانہ کر دیا ہو۔

والنية إنما تؤثر بخمس شرائط: ...... والاستقلال بالرأى. (البحر الرائق، باب المسافر، مکتبه کوئٹه ۲/ ۱۳۱، زکریا ۲/ ۲۳۱، البناية، کتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، مکتبه أشرفيه ۳/ ۱۹، هندية، کتاب الصلوة، الباب الخامس عشر في صلوة المسافر، مکتبه زکریا قدیم ۱/ ۱۳۹، جدید ۱/ ۱۹۹، الفقه علی المذاهب الأربعة، نية السفر، دارالفکر ۱/ ٤۳۰)

شاید حضرت اقدس مولانا اظہار الحسن صاحبؒ اور حضرت اقدس مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم کی رائے مؤخر الذکر دونوں قسم کے لوگوں کے بارے میں ہے۔

(۲) جو شخص وہاں بغیر فیملی کے مشورہ کے تابع ہو کر مقیم ہے اور از خود اقامت کی نیت کر کے چار رکعت پڑھا دی ہے، اس بارے میں نمازی دو قسموں پر ہوں گے: (۱) مقیمین جن پر چار رکعت لازم ہیں (۲) اس شخص کی طرح مسافر اور آنے جانے والے مسافرین تو اول الذکر حضرات کی نماز تو اس شخص کے پیچھے فاسد ہوگی، ان کو اپنی نماز کا ہر حال میں اعادہ کرنا ہے؛ اس لئے کہ آخری دونوں رکعتوں میں وہ شخص نفل پڑھنے والا ہے اور وہ دونوں رکعتیں ان مقتدیوں پر فرض ہیں، تو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

قال في الظهيرية: اتبعوه حتى لو أتم المقيمون صلاتهم معه، فسدت صلاتهم؛ لأن هذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا يصح. (منحة الخالق على البحر صلوة المسافر، إقتداء مسافر بمقيم في الصلاة، کوئٹه ۲/ ۱۳۵، زکریا ۲/ ۲۳۸)

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه، فسدت صلاتهم؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل (شامي، باب صلوة المسافر، زكريا ٢/ ٦١٢، كراچى ٢/ ١٣٠)

اور مؤخر الذکر حضرات کی نماز وقت کے اندر اندر لوٹانی لازم تھی، مگر وقت نکلنے کے بعد اعادہ واجب نہیں رہتا۔

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولي تم فرضه، ولكنه أساء. **(تحته في الشامية:) فعلم أن الإساء ة هنا كراهة التحريم.** (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، زكريا ٢/ ٦٠٩، كراچى ٢/ ١٢٨)

وكل صلوة أديت مع كراهة التحريم تعاد أي وجوبا في الوقت، وأما بعده فندباً. (شامي، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت مطلب في تعريف الإعادة، زكريا ٢/ ٥٢١، ٢/ ١٤٨، كراچى ٢/ ٦٤، ١/ ٤٥٧، حاشية چلپى، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه إمداديه ملتان ٢/ ٢٨، زكريا ٢/ ٢٩٨، البناية، باب ما فسد الصلوة وما يكره فيها، فصل في العوارض، مكتبه أشرفيه ديو بند ٢/ ٤٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ

❁❁❁

۲/ باب: مستورات کی جماعت

مستورات کی جماعت کی شرعی حیثیت

سوال [۱۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستورات محرم کے ساتھ تبلیغی جماعت میں نکلتی ہیں، متعین محلّہ میں جانے کے بعد تبلیغی امور اس طرح انجام دیتی ہیں کہ مردوں کی جماعت الگ رہتی ہے اور مستورات کو ایک خاص مکان میں شرعی احکام کی پاسداری کرتے ہوئے رہنے کی جگہ فراہم کی جاتی ہے، جب کہ اس مکان میں مرد بالکل نہیں رہتے، محلّہ کی عورتیں مستورات کی جماعت میں آ کر جمع ہوتی ہیں اور دین کی باتیں بیان ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ مستورات کی اس جماعت میں قابل اعتبار مبلغین حضرات پردے کی آڑ میں دین کی باتیں بیان کرتے ہیں، نیز یہ جماعت تبلیغی امور مرکز دلی بنگلہ والی مسجد سے طے شدہ اصول کے بموجب اوران کی اجازت سے انجام دیتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مستورات کی شکل مذکور میں تبلیغی امور انجام پذیر ہونا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی: مرشد احمد غفرلہ جامعہ آسام دار الحدیث جینگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا مرکز نظام الدین کی جانب سے جماعت نسواں سے متعلق طے کردہ تمام شرائط وضوابط (جس میں شرعی پردہ اور محرم کے ساتھ سفر کا خاص اہتمام کیا گیا ہے) کی مکمل رعایت وپابندی کے ساتھ تبلیغی سفر میں جانا فی نفسہٖ جائز ہے۔ اور مرکز نظام الدین کی جانب سے جو اصول وضوابط جاری ہیں، ان میں سے اہم اصول شرعی یہ ہیں: کہ ہر عورت کے ساتھ شرعی محرم یا شوہر کا ہونا لازم ہے، جہاں جاکر عورتوں کی جماعت ٹھہرتی ہے وہاں اصول شرعی کی رعایت کے ساتھ انتظام بھی ضروری ہے، غیر

محرموں سے اختلاط کا کوئی اندیشہ نہ ہو، اس طریقے سے عورتوں کی جماعت کا نکلنا اور عورتوں کا اپنے نسوانی حلقے میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنا جائز اور درست ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين نسائه، فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي ﷺ –إلى قوله– بعد ما أنزل الحجاب. (بخاري، باب حمل الرجل امرأته فى الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، برقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل لامرأة أن تسافر ثلاثا إلا ومعها ذو محرم منها. (مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ١/ ٤٣٤، بيت الأفكار، رقم: ١٣٣٩)

والمحرم في حق المرأة شرط شابة كانت أو عجوزا، إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (تاتارخانية قديم ٢/ ٤٣٤، كتاب الحج، زكريا ٣/ ٤٧٤، رقم: ٤٨٨٥، المحيط البرهاني، كتاب الحج، الفصل الأول في بيان شرائط الوجوب، المجلس العلمي ٣/ ٣٩٤، رقم: ٣٢١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۶۴)	۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

مستورات کا جماعت میں نکلنا کیسا ہے؟

سوال [۱۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل تبلیغی جماعت کا بہت غلبہ ہے، جس کی بنا پر عورتیں بھی تین دن، دس دن، چالیس دن، چلہ وغیرہ کی جماعت میں جاتی ہیں، کیا عورتوں کا اس طرح سے جماعت میں جانا ازروئے شریعت درست ہے؟ یا اس میں کسی قسم کی قباحت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد شمس الہدیٰ، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح مرد دین سیکھنے اور سمجھنے کے محتاج ہیں، اسی طرح عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے؛ اس لئے اگر عورتیں مرکز نظام الدین کی طرف سے جاری کردہ شرائط اور پابندیوں کی رعایت کرتے ہوئے تین دن، دس دن یا چلہ کی جماعت میں دور دراز مقام پر اپنے شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ حدود شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی فتنہ کا خطرہ نہ ہو، تو شرعاً اس کی اجازت ہے؛ بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔ اور مستورات کی جماعت کا شوہر یا محرم کے ساتھ دور دراز سفر میں جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ غزوات اور حج یا عمرے کے لمبے سفر پر جانا، جیسا کہ ذیل کی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– أنه سمع النبي ﷺ يقول: لايخلون رجل بامرأة، ولا تسافرن امرأة إلا ومعها محرم. فقام رجل، فقال: يا رسول الله! اكتتبت في غزوة كذا و كذا، وخرجت امرأتي حآجّة، قال: اذهب، فحج مع امرأتک. (بخاري، باب من اكتتب في جيش فخرجت امرأته حاجة، النسخة الهندية ١/ ٤٢١، رقم: ٢٩١٤، ف: ٣٠٠٦)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي ﷺ: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا و كذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: أخرج معها. (بخاري، باب حج النساء، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٤، ف: ١٨٦٢)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله ﷺ يغزو بأم سليم ونسوة من الأنصار معه إذا غزا، فيسقين الماء ويداوين الجرحى. (صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، النسخة

الهندية ۲/ ۱۱٦، بيت الأفكار، رقم: ۱۸۱۰، ترمذي، باب ماجاء في خروج النساء في الحرب، النسخة الهندية ۱/ ۲۸٦، دارالسلام، رقم: ۱۵۷۵)

عن الربيع بنت معوذ رضـ قالت: كنا نغزو مع النبي صلى الله عليه وسلم فنسقي القوم ونخدمهم، ونرد الجرحى والقتلى إلى المدينة. (بخاري، باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة، النسخة الهندية ۱/ ٤۰۳، رقم: ۲۷۹۷، ف: ۲۸۸۳)

عن سلمة رضـ قال: غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سبع غزوات ومع زيد بن حارثة سبع غزوات كان يؤمره علينا. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/ ۳۰، رقم: ٦۲۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۰۱/۳۹)

مستورات کی جماعت سے متعلق تحقیقی فتویٰ

سوال [۱۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے دور میں گھر، خاندان اور معاشرے کو دیندار بنانے کے لئے ضروری ہے کہ عورت- جو گھر کی روح رواں ہے- میں دینی روح اور جذبہ بیدار ہو، تاکہ وہ گھر، اولاد اور خاندان کو دینی ماحول اور رنگ میں رنگ سکے، عورتوں میں دین لانے کے لئے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کو تبلیغی اور دعوتی دوروں پر بھی بھیجا جاتا ہے، جن میں کسی محرم مرد کا ساتھ رہنا ضروری ہے، تاکہ عورت بھی مرد کی طرح دین سیکھ سکے اور عورتوں کو دین سکھا سکے، مذکورہ ضرورت کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ ساتھ جماعتوں میں جانا چاہئے؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں کئی خرابیاں اور نقصانات بھی سامنے آرہے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ عورت اپنے گھر اور بال بچوں کو چھوڑ کر ۴۰/۴۰ دن تک کے لئے دور دراز

حتی کہ بیرون ممالک تک کے سفر کے لئے نکل جاتی ہے، جس سے کئی خانگی پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں، دوسرے یہ کہ ایسے لمبے سفر پر آج کے دور میں بے احتیاطیاں اور بے پردگی کا ہونا بھی لازم ہے، نیز محرم کے علاوہ غیر محرم مرد بھی ساتھ ہوتے ہیں، جن میں اختلاط سے اس قسم کے لمبے سفر میں بچنا تقریباً ناممکن ہے اور اس اختلاط کے بعض دفعہ برے نتائج بھی سامنے آتے رہتے ہیں اور آئے ہیں، چنانچہ حضرت اقدس محدث کبیر حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی زبانی ہم نے خود سنا کہ اس طرح کی مخلوط جماعتوں میں معاشقے بھی ہوجاتے ہیں اور ہمارے علاقہ کا تو مشاہدہ ہے کہ یہاں سے میوات کی ایک جماعت ایک جوان لڑکی کو اپنے ساتھ بھگا کر لے گئی اور بڑی مشقتوں کے بعد اس کو واپس لایا گیا، الغرض اس طرح تبلیغی جماعتوں میں عورتوں کے جانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور آج کے زمانے میں عورت کا جماعت میں جانا مرکز نظام الدین دہلی کے اصول وہدایت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: ممتاز احمد، خادم الاسلام بھاکری سندھی پور اجودھ پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ سائل خود ایک عالم دین ہے اور ایک مسلمان کے لئے کسی بھی مکتب فکر کے بارے میں بغیر شرعی ثبوت کے کوئی بات کہہ دینا مشروع نہیں، خاص طور پر دینی ذمہ دار اور عالم دین کے لئے انتہائی نامناسب بات ہے کہ اپنی زبان سے بے ثبوت بات اڑائے، کوئی بھی بات عام کرنے سے پہلے اس کا مکمل شرعی ثبوت فراہم ہونا چاہئے، ورنہ ہر کہنے سننے والے کی بات پر اعتماد کر کے اس کو زبان پر لانے کی صورت میں بعد میں ندامت اٹھانی پڑتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے، یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ مستورات کی جو جماعتیں جاتی ہیں، وہ صرف محرم شرعی کے ساتھ جاسکتی ہیں، مثلاً بیٹی باپ کے ساتھ جاسکتی ہے؛ لیکن ایسی صورت میں ماں کا ہونا بھی لازم ہے اور ماں ایسے بیٹے کے ساتھ جاسکتی ہے، جس کی ماتحتی کو ماں مکمل قبول کرتی ہو، اسی طرح

عورت اپنے شوہر کے ساتھ جاسکتی ہے وغیرہ، جن میں کسی قسم کے مفاسد کا دور تک بھی احتمال نہیں ہوتا، نیز جس عورت کے چھوٹے بچے ہوں اس کے لئے بھی جماعت میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی، اور مستورات جماعت میں نکلنے کے بعد واپس آنے تک خانگی تمام ضروریات کا مکمل انتظام کرکے ہی جاتی ہیں۔ مستورات کی تین دن کی جماعت ضلع کے ذمہ داروں کے مشورہ سے ضلع کے اندر اندر ہی جاسکتی ہے، دس دن کی جماعت صوبہ کے ذمہ داروں کے مشورہ سے صوبہ کے دائرہ میں ہی جاسکتی ہیں، چلہ کی جماعت مرکز نظام الدین کے ذمہ داروں کے مشورہ سے وہ جہاں بھیجتے ہیں وہیں جاتی ہے اور دو مہینہ پہلے سے اس کا انتظام ہوتا ہے اور چھ جوڑوں کی جماعت ہوتی ہے، تو ٹرین کے سفر میں عورتوں کی چھ سیٹیں ایک ساتھ ہوتی ہیں اور مردوں کی چھ سیٹیں ایک ساتھ ہوتی ہیں، عورتوں کی سیٹوں کے کیبن میں باضابطہ پردہ لگا دیا جاتا ہے، ابھی اسی مہینے راقم الحروف دلی سے مرادآباد آرہا تھا، ریزرویشن کنفرم نہیں تھا؛ لیکن ریزرویشن ڈبہ میں چڑھ گیا، چھ جوڑوں کی جماعت ڈبہ میں تھی، میں جماعت والوں کے مردوں کے کیبن میں جاکر بیٹھنے لگا، انہوں نے بڑی عزت سے بٹھایا اور میں نے پورے سفر میں اپنی منزل تک پہنچنے تک خود اس کا مشاہدہ کیا ہے، کسی قسم کے مفاسد کی بات تو بہت دور ہے، آپس میں کسی قسم کے اختلاط کا بھی دور تک احتمال نہیں ہے جہاں پر جاکر مستورات کی جماعت کو قیام کرنا رہتا ہے، اس کا انتظام بہت پہلے سے ہوجاتا ہے، عورتوں کا دیگر مردوں سے اپنے شرعی محرم کے علاوہ دعا سلام بھی نہیں ہوتا، دونوں کے درمیان ضروریات کے متعلق رابطہ کے لئے قیام گاہ میں پہلے سے الگ سے ایک کمرہ متعین ہوتا ہے، جس میں عورت اپنے حقیقی محرم یا شوہر سے ضروری بات کرسکتی ہے اور اس کام کے لئے اس گھر کی عورت مستورات کا واسطہ بنتی ہے اور اس گھر کا مرد مردوں کا واسطہ بنتا ہے، جماعت میں جو عورتیں جاتی ہیں، آخر تک ان کا نام بھی صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اہلیہ فلاں، دختر فلاں اور ماں فلاں کرکے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔

اور عام طور پر جو لوگ جماعت سے وابستہ نہیں ہیں، ان میں مستورات کی جماعت کے

بارے میں بے چینی نظر آتی ہے، اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ یا تو ان کو پوری تحقیق نہیں ہوتی ہے، یا سنی سنائی باتوں کو پھیلانے والوں کی زبان سے سن کر اس پر اعتماد کر لیتے ہیں، سوال نامہ میں بے احتیاطی اور بے پردگی کی جو بات کہی گئی ہے، یہ محض سنی سنائی بات ہے، مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ محرم کے علاوہ غیر محرم بھی ہوتے ہیں، تو غیر محرم جماعت میں ہونے کی وجہ سے اس میں کسی قسم کے مفاسد کا احتمال نہیں؛ اس لئے کہ مرکز نظام الدین کی طرف سے جو شرائط اور ضوابط ہیں، مستورات کی جماعت ان کی مکمل پابندی کرتی ہے۔

اختلاط کے برے نتائج سامنے آنے کی جو بات کہی گئی ہے، وہ بھی بے ثبوت ہے، آج مستورات کی جماعتوں کو نکلتے ہوئے پچاس سال سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے، اتنے لمبے عرصہ میں آج تک کوئی شرمناک واقعہ یا کوئی برا نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔ سوال نامہ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ مخلوط جماعت میں معاشقہ ہو جاتا ہے، یہ بات ایسے لوگوں کی زبان سے نکلتی ہے جن کا جماعت سے دور تک کا بھی واسطہ نہیں۔ ان لوگوں نے مرکز نظام الدین کے شرائط کے مطابق مستورات کی جو جماعتیں نکلتی ہیں، ان کے بارے میں مکمل تحقیق نہیں کی ہے اور نہ ہی مشاہدہ کیا ہے، یہ محض سنی سنائی اور اڑائی ہوئی بات ہے۔

سوال نامہ میں ایک خطرناک بات لکھی گئی ہے کہ جماعت والے نوجوان لڑکی کو بھگا کر لے گئے، اس بارے میں عرض ہے کہ آپ کے یہاں سے جو جماعت نوجوان لڑکی کو بھگا کر لے گئی ہے، وہ جماعت مستورات کی جماعت ہے یا مردوں کی عام جماعت ہے؟ اگر مستورات کی جماعت بھگا کر لے گئی ہے، تو مستورات کی جماعت میں یا تو کسی عورت کا شوہر ہوگا جو لڑکی کو بھگا کر لے گیا ہے، یا عورت کا باپ ہوگا جس نے بھگایا ہے، یا عورت کا بیٹا ہوگا، کیا یہ ممکن ہے کہ بیوی کے ساتھ میں رہتے ہوئے شوہر کسی نوجوان لڑکی کو لے کر بھاگ رہا ہو، اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو پورے ملک میں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا، جب کہ جماعت سے منسلک کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا، تو جو لوگ جماعت سے وابستہ نہیں ہیں، ان کو کیسے

معلوم ہوگیا؟ جب کہ نکلنے والی جماعت کا رابطہ مستقل طور پر مرکز کے ساتھ مسلسل رہتا ہے۔ اوراگر مستورات کی جماعت کے ساتھ نہیں بھاگی ہے؛ بلکہ مردوں کی جماعت کے ساتھ بھاگی ہے، تو مستورات کی جماعت پر کیا الزام ہے؟ اوراس کی اطلاع مرکز نظام الدین کے ذمہ دار حضرات کو دی گئی تھی یا نہیں؟ جب کہ بغیر اطلاع کے بھی اس طرح کی باتیں عام ہوجاتی ہیں اوراخبارات کی سرخیاں بن جاتی ہیں، اگر ایک کام اچھا ہورہا ہو، تو اس کا تعاون کرنا چاہئے نہ یہ کہ اس کے بارے میں بے ثبوت باتیں اڑاکر اس کو بدنام کیا جائے، اگر محض احتمالات کی بات ہے، تو نفلی حج اور نفلی عمرہ پر شریعت پابندی لگادیتی، چالیس چالیس دن تک سفر حج میں ایک کمرہ میں عورت ومرد کے جوڑے بھی ہوتے ہیں اور دوسرے غیر محرم مرد بھی ہوتے ہیں، جب ایسے سفر حج اور سفر عمرہ میں مفاسد نہیں ہیں، تو خواہ مخواہ مستورات کی جماعت کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرکے بدنام کرنا انتہائی نامناسب بات ہے۔

اب رہی حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی بات، تو ابھی چھ مہینے پہلے رجب المرجب میں ہمارے یہاں مدرسہ شاہی کے جلسہ دستار بندی میں حضرت کی تشریف آوری ہوئی، صبح کو حضرت مفتی سلمان صاحب کے گھر پر ناشتہ کا انتظام ہوا، اس موقع پر حضرت کے رفیق سفر حضرت مولانا مفتی اشتیاق صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے یہ مسئلہ اٹھایا، اس پر کچھ دیر تک ہمارے اور حضرت کے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہوئی، آخر میں حضرت والا نے یہی فرمایا: ''کہ بھائی نہ میں مفتی ہوں اور نہ ہی میں اس کا ذمہ دار ہوں''۔

آج کے زمانہ میں بے دینی کا ماحول بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے، مستورات کی جماعت کے ذریعہ سے بے دینی کے ماحول میں پرورش پانے والی عورتیں اور بہت سے ماڈرن گھرانے دینی لائن میں آچکے ہیں اور اپنی اولادوں کو ماڈرن اسکولوں کے حیا سوز ماحول سے منتقل کرکے مدارس میں داخل کرکے پڑھا رہے ہیں؛ اس لئے مرکز نظام الدین کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں رہ کر مستورات کی جماعت کا نکلنا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ اور بعض علاقوں میں اس کی انتہائی ضرورت ہے۔ اور مرکز نظام الدین کے اصول وضوابط کی

خلاف ورزی کے ساتھ نکلنا ہرگز جائز نہیں ہے، بالفرض اگر کوئی جماعت مرکز نظام الدین کے اصول وضوابط کی خلاف ورزی کے ساتھ نکلتی ہے، تو اس کو تبلیغی جماعت میں شمار ہی نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ خیر القرون کے زمانہ میں تبلیغی اسفار نہیں ہوتے تھے؛ اس لئے کہ جہاد کے اسفار بذات خود جہادی اور تبلیغی دعوت دونوں قسم کے اسفار کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھے؛ کیوں کہ مجاہدین پر ضروری ہے کہ پہلے ایمان کی دعوت دیں، ورنہ جزیہ کا مطالبہ کریں، ورنہ دو دو ہاتھ کریں۔ اور اس سلسلے میں عورتوں کا اپنے شوہروں کے ساتھ لمبے لمبے سفر میں نکلنا حدیث کی مستند کتابوں سے ثابت ہے اور سفر حج اور سفر عمرہ میں عورتوں کا اپنے شوہر یا محرموں کے ساتھ بڑے بڑے قافلوں کی معیت میں سفر کرنے کا سلسلہ خیر القرون سے لے کر آج تک جاری ہے۔ چند حوالے حسب ذیل ہیں، ان کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔

(بخاري شريف، باب حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩، باب ركوب البحر، النسخة الهندية ١/ ٤٠٥، رقم: ٢٨٠٨، ف: ٢٨٩٤، باب حج النساء، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٢، ف: ١٨٦١، مسلم شريف، كتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم التحلل بعذر المرض ونحوه ١/ ٣٨٥، بيت الأفكار، رقم: ١٢٠٧، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال ٢/ ١١٦، ١١٧، بيت الأفكار، رقم: المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٨/ ٢١٨، رقم: ٣٤٣٤٤، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٥٧، رقم: ٤٠٣، بخاري شريف، باب من اكتتب في جيش فخرجت امرأته ١/ ٤٢١، رقم: ٢٩١٤، ف: ٣٠٠٦، باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٧، ف: ٢٨٨٣، ترمذي شريف، باب ما جاء في خروج النساء في الحرب، النسخة الهندية ١/ ٢٨٦، دارالسلام، رقم: ١٥٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۴)

عورتوں کا جماعت میں نکلنا

سوال [۱۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ ایک ایسے گاؤں کا باشندہ ہے، جس میں بفضل اللہ پورے ضلع کا مرکز قائم ہے اور وہاں جماعت تبلیغ کا کام بہت ہی زوروشور سے چل رہا ہے، ہر مہینہ کی پانچ تاریخ کو پورے ضلع کا جوڑ بھی ہوتا ہے، جس میں کام کرنے والے جماعت کے ساتھی مرکز نظام الدین دہلی کے ان اکابر (مثلاً حضرت مولانا محمد سعد صاحب وغیرہم) کا حوالہ دے کر جو جماعت تبلیغ سے منسلک ہیں، ان کی عورتوں کو بھی جماعت میں نکلنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ عورتیں اپنے شوہر یا محرم کے ساتھ جماعت میں نکلیں، تو کیا ان عورتوں کا جو شادی شدہ ہیں یا وہ عورتیں جو غیر شادی شدہ ہیں، یا وہ عورتیں جو بوڑھی ہیں، آج کے پرفتن دور میں خود ان کا اپنے محرم کے ساتھ تبلیغ دین کے لئے دور دراز علاقہ میں جانا اور دوسری جگہوں میں جا کر تشکیل کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوسفیان مدھے پورہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خواتین کی جماعت کے لئے مرکز نظام الدین کی طرف سے اصول وضوابط اور ہدایات جاری ہیں، باضابطہ طور پر ان کی جماعت کے لئے شریعت کے دائرے میں ایک نظام بنا ہوا ہے؛ لہٰذا عورتوں کی جو جماعت مرکز نظام الدین کے زیر نظام اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ نکلتی ہے وہ شرعاً جائز ہے۔ اور جو جماعت وہاں کے اصول وضوابط کے خلاف ہوں، ان کے بارے میں مرکز نظام الدین کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہے کہ فلاں جماعت اصول وضوابط کے دائرہ سے خارج ہوکر کام کر رہی ہے۔ مرکز نظام الدین سے جو اصول وضوابط جاری ہیں، ان میں سے اہم اصول شرعی یہ ہے کہ ہر عورت کے لئے ساتھ میں محرم ہونا لازم ہے، جہاں جا کر عورتوں کی جماعت ٹھہرتی

ہے، وہاں اصول شرعی کی رعایت کے ساتھ انتظام بھی ضروری ہے، غیر محرموں سے اختلاط کا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہئے، اس طریقہ سے عورتوں کی جماعت کا نکلنا اور عورتوں کا اپنے نسوانی حلقہ میں دعوت دین وتبلیغ کا کام کرنا جائز اور درست ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج، أقرع بين نسائه، فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي ﷺ، فأقرع بيننا في غزوة غزاها، فخرج فيها سهمي، فخرجت مع النبي ﷺ بعد ما أنزل الحجاب. (بخاري، باب حمل الرجل امرأته فى الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، برقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩)

والمحرم في حق المرأة شرط شابة كانت أو عجوزا، إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (تاتارخانية قديم ٢/ ٤٣٤، كتاب الحج، زكريا ٣/ ٤٧٤، رقم: ٤٨٨٥، المحيط البرهاني، كتاب الحج، الفصل الأول في بيان شرائط الوجوب، المجلس العلمي ٣/ ٣٩٤، رقم: ٣٢١٨)

ويشترط في حج المرأة من سفر زوج أو محرم بالغ عاقل غير مجوسي، ولا فاسق. (البحر الرائق، كتاب الحج، كراچی ٢/ ٣١٥، زكريا ٢/ ٥٥٢)

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزا، إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (هندية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته و شرائطه، زكريا قديم ١/ ٢١٨، ٢١٩، جديد ١/ ٢٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴/صفر ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۰۱)	۱۴۳۱/۲/۲۴ھ

چند شرائط کے ساتھ مستورات کا جماعت میں جانا

سوال [۱۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) زیادہ سے زیادہ چار پانچ عورتیں اپنے اپنے محارم کے ساتھ تین روز کے لئے اور زیادہ سے زیادہ ۴۰/روز کے لئے بغیر زیب وزینت وخوشبو کے نکلیں۔
(۲) پردہ کے لئے برقعہ کے ساتھ ساتھ ہاتھ پیر کے موزہ کے انتظام کی بھی کوشش کی جائے۔
(۳) جس گاؤں میں یہ جماعت پہنچے وہاں کی مسجد میں محارم مردوں کا قیام رہتا ہے اور عورتوں کا اس مسجد کے قریب تر ایسے مکان میں رہتا ہے، جس میں پردہ کے ساتھ ساتھ اندر بشری ضروریات سے فراغت کا معقول انتظام ہو اور وہ مکان کسی پرانے دیندار کا ہو۔
(۴) جتنے روز اس مکان میں جماعت کا قیام رہتا ہے، اتنے روز اس گھر کے بالغین اپنی ضروریات کے سامان کے ساتھ مسجد میں قیام کرتے ہیں۔
(۵) عورتیں گاؤں کے اندر مردوں کی طرح گشت نہیں کرتیں؛ بلکہ مردوں کی جماعت گھر گھر گشت کر کے گاؤں کے مردوں کا ذہن تیار کرتی ہے، تاکہ وہ اپنی اپنی مستورات کو پردہ کے ساتھ وقت مقررہ پر مذکورہ مکان میں بھیج دیں اور خود مسجد میں حاضر ہوں۔
(۶) رات کے اوقات چھوڑ کر موقع ومحل کے اعتبار سے جو وقت مناسب ہو عموماً ظہر عصر کے بیچ میں اسی مکان میں عورتوں کو پردہ میں رکھ کر کچھ ایمان، قبر، حشر اور موت کی یاد کی بات کر کے عموماً چھ چیزوں پر زیادہ تاکید کی جاتی ہے:
(الف) اپنی ذات سے احکام خداوندی اور سنتوں کی پابندی کرنا
(ب) پردہ کی اہمیت۔
(ج) گھر کے محارم مردوں کی تشکیل کر کے اللہ کے راستہ میں جانے کی ترغیب۔
(د) نابالغ بچوں کی صحیح اسلامی تربیت کی تاکید۔
(ہ) مباح کاموں میں شوہروں کی اطاعت کے ساتھ زندگی سادہ بنانے کی فکر دلانا۔
(و) ان اعمال کو آسان بنانے کے لئے اپنے اپنے گھروں میں روزانہ پندرہ بیس منٹ ''فضائل اعمال'' کی اجتماعی تعلیم کے ساتھ مسائل کے لئے ''بہشتی زیور'' کی انفرادی واجتماعی تعلیم کے ساتھ بذریعہ محارم علماء کی طرف رجوع کی تاکید۔

(۷) یہ بات کرنے والا کوئی عمر رسیدہ یا شادی شدہ دیندار ہوتا ہے، جس کے ساتھ صاحب مکان اور ایک ساتھی جو مناسب ہو رہتا ہے، اگر مکان دومنزلہ یا گنجائش دار ہو، تو مستورات کو دوسری منزل میں یا دوسرے کمرہ میں بٹھا کر نیچے کی منزل کے کسی کمرہ میں لاؤڈ اسپیکر پر بات کرتا ہے، جس کا بکس عورتوں کی مجلس میں ہوتا ہے۔ اور گنجائش نہ ہونے کی صورت میں صحن، برآمدہ کو گھیر کر اس میں عورتوں کو پردہ کرکے اس کے پیچھے مرد بات کرتا ہے، جس میں یہ ہدایت ہوتی ہے کہ ہنسانے والی، رلانے والی یا کوئی بھی باعث فتنہ بات نہ کرے۔

(۸) اگر کسی کو کوئی بات پوچھنی ہو، تو وہ بعد میں اپنے محرم کے ذریعہ پوچھے، جس کے لئے اودوسری خیر خبر لینے کے لئے روزانہ ہر مرد اپنی محرمہ عورت سے بلاواسطہ ملاقات کرتے ہیں، اس کے لئے بھی ایسا وقت اور جگہ کا انتظام کیا جاتا ہے، جس میں کسی قسم کی بے پردگی اور بے نظمی نہ ہو۔

(۹) دن کے باقی اوقات میں عورتیں مکان کے اندر آپس میں اجتماعی وانفرادی طور پر ''فضائل اعمال'' کتاب کی تعلیم، ایمان، نماز، علم دین، ذکر الٰہی، اکرام مسلم، اخلاق، اخلاص نیت، اللہ کے دین کے لئے جان مال واوقات کی قربانی کی اہمیت، فضائل اور طریقہ کا مذاکرہ کے بعد کچھ اوقات قرآن کریم کی تصحیح کی محنت، نماز کی عملی مشق اور کچھ موٹے موٹے مسائل کا مذاکرہ وغیرہ اعمال ہوتے ہیں۔

(۱۰) گھر کے اور مسجد کے تمام اعمال کی ترتیب مسجد میں مردوں کے مشورہ سے طے ہوتی ہے، جس کو مکان میں عورتوں کے کام کی ترتیب کاغذ میں لکھ کر بچوں کے ذریعہ یا صاحب مکان کے ذریعہ عورتوں کے پاس پہنچادیا جاتا ہے، ان شرائط کے ساتھ عورتوں کا جماعت میں نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان غنی، مدرسہ مظاہر العلوم کنکپور ریانسکوڑا، آر ایس، مدناپور، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں عورتوں کے جماعت میں نکلنے کے لئے جو شرائط نقل کی گئی ہیں، وہ بالکل اسلام اور شریعت کے مطابق ہیں۔ اور ایسی شرائط کی پابندی کے

ساتھ عورتوں کا جماعت میں نکل کر دین سیکھنا بلا تردد جائز، باعث اجروثواب اور "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم.** (سنن ابن ماجة، مقدمه، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۲٤، المعجم الکبیر للطبراني، دارإحیاء التراث العربي ۱۰/ ۱۹۵، رقم: ۱۰٤۳۹)

اور "**كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ**" [آل عمران: ۱۱۰] کا مصداق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۰۹)

عورتوں کا تبلیغِ دین اور تعلیمِ دین کے لئے باہر نکلنا

سوال [۱۲۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) کیا عورتیں اپنے گاؤں، قصبے یا محلے میں کسی جگہ یا کسی دینی اجلاس میں جمع ہوکر کسی دبیز پردے یا دیوار کی آڑ سے کسی غیر محرم عالم یا کسی واقف کار عورت سے ہی دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

(ب) عورتوں کا تبلیغ دین اور تعلیم دین کے لئے جماعت بنا کر مندرجہ ذیل قیودات کے ساتھ جانا کیسا ہے؟

(۱) مدت خروج کم از کم تین دن، زیادہ سے زیادہ چالیس دن، مسافت سفر حسب وسعت پوری دنیا۔

(۲) عورتوں کی تعداد چار، پانچ سے لے کر دس بارہ تک، ساتھ میں ہر ایک کے ان کے محارم میں سے صرف شوہر بیوی کے ساتھ، باپ بیٹی کے ساتھ، بھائی سگی بہن کے ساتھ ہی نکلیں گے۔

(۳) پردہ نقاب والا برقع، دستانے اور موزے، نیز ہر قسم کے زیورات اور خوشبو کی ممانعت۔

(۴) ایسے شخص کے گھر قیام ہوگا جس کے یہاں پردے اور بشری ضروریات سے فراغت کا معقول نظم ہواور وہ مکان کسی پرانے دین دار کا ہو، مدت قیام میں اس مکان کے بالغ مرد یا تو مسجد میں جماعت کے ساتھ رہتے ہیں، یا یہ کہ بصورت مجبوری کسی رشتہ دار کے یہاں چلے جاتے ہیں، ایک مکان میں زیادہ سے زیادہ تین روز تک قیام رہتا ہے، نیز صاحب مکان سے سابق رابطہ اور مشورے کے بعد ہی قیام طے ہوتا ہے اور مردوں کی طرح گھر گھر عورتیں گشت نہیں کرتیں؛ بلکہ ان کے مردوں کے ذریعہ سے یا محلّہ کی کسی عورت کے ذریعہ سے اطلاع کرادی جاتی ہے کہ فلاں کے گھر عورتوں کی جماعت آئی ہے، چلو دین کی باتیں سنیں، پھر دینی مذاکرہ ہوتا ہے اور جماعت میں سے دو محرم شخص ان کی نگرانی کرتے ہیں اور باقی حضرات محلّہ کی مسجد میں قیام کرتے ہیں، تو کیا اس مذکورہ صورت کا خیر القرون سے ثبوت ہے؟ اور اگر ہے تو براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمانے کی زحمت فرمالیں (نیز موجودہ حالات تو آپ کے سامنے ہیں) اور اگر عورتوں کا تبلیغ دین اور تعلیم دین کے لئے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، تو پھر جو لوگ اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ وہ گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نوشاد، تاراپوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (الف) عورتوں کا دین کی باتیں سننے اور سیکھنے کے لئے اپنے گاؤں، قصبہ یا محلّہ میں کسی جگہ جمع ہونا اور اس میں کسی عورت یا کسی عالم دین کا پردہ کی آڑ میں ہوکر وعظ ونصیحت اور دین کی باتیں بتانا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

عن أبي سعيد الخدري –رضی الله عنه– قالت النساء للنبي ﷺ: غلبنا عليک الرجال، فاجعل لنا يوما من نفسک، فوعدهن يوما لقيهن فيه، فوعظهن و أمرهن. (بخاري شريف، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، النسخة الهندية ۱/ ۲۰، رقم: ۱۰۱)

عن أبي هريرة رضؓ جاء نسوة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلن: يا رسول الله! ما نقدر عليك في مجلسك من الرجال فواعدنا منك يوما نأتيك فيه، قال: موعدكن بيت فلان، وأتاهن في ذلك اليوم، ولذلك الموعد. (مسند أحمد ۲/ ۲۴۶، رقم: ۷۳۵۱)

(ب) جس طرح مرد دین سیکھنے اور سمجھنے کے محتاج ہیں، اسی طرح عورتیں بھی محتاج ہیں۔ اور گھروں میں عامۃ اس کا انتظام نہیں ہو پاتا ہے؛ اس لئے اگر دور دراز مقام پر مرکز نظام الدین دہلی کے شرائط وضوابط کی پابندی کے ساتھ جو لگ بھگ سوال نامہ میں درج ہیں جانے کی شرعاً گنجائش ہے، جیسا کہ سفر حج اور سفر عمرہ میں جانے کی روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور اسی طرح جہاد کے سفروں میں اپنے شوہر یا محرم کے ساتھ جانا ثابت ہے اور بہت سی عورتوں کا جہاد کے سفر میں شہید ہونا بھی ثابت ہے۔

عن محمد بن مهاجر، وعمرو بن مهاجر، عن أبيهما، أن أسماء بنت يزيد بن السكن بنت عم معاذ بن جبل قتلت يوم اليرموك تسعة من الروم بعمود فسطاطها. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۴/ ۱۵۷، رقم: ۴۰۳)

عن أنس بن مالك –رضى الله عنه– قال: حدثتني أم حرام: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يوما في بيتها، فاستيقظ وهو يضحك، قالت: يا رسول الله! ما يضحكك؟ قال: عجبت من قوم من أمتي يركبون البحر كالملوك على الأسرة، فقلت: يا رسول الله! ادع الله أن يجعلني منهم؟ فقال: أنت منهم، ثم نام، فاستيقظ وهو يضحك، فقال: مثل ذلك مرتين، أو ثلاثا، قلت: يا رسول الله! ادع الله أن يجعلني منهم، فيقول: أنت من الأولين، فتزوج بها عبادة ابن الصامت، فخرج بها إلى الغزو، فلما رجعت قربت دابة لتركبها فوقعت فاندقت عنقها. (بخاري شريف، باب ركوب البحر، النسخة الهندية ۱/ ۴۰۵، رقم: ۲۸۰۸، ف: ۲۸۹۴، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۵/ ۱۳۱، رقم: ۳۱۹)

حدثنا إبراهيم، عن أبيه عن جده أذن عمر لأزواج النبي صلى الله عليه وسلم في آخر حجة حجها، فبعث معهن عثمان بن عفان، وعبدالرحمن بن عوف. (بخاري، باب حج النساء، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۰، رقم: ۱۸۲۲، ف: ۱۸۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۳۳ھ

مستورات کی جماعت اور اجتماعات کا شرعی حکم

سوال [۱۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستورات اپنے اپنے شوہروں یا محرموں کے ساتھ تبلیغی جماعت میں جاتی ہیں، باقاعدہ شرعی دائرۂ حدود میں رہتے ہوئے مکمل حجاب و پردہ کے ساتھ مروجہ طریقہ کے مطابق عورتوں کا جماعت میں جانا کیسا ہے؟ مروجہ طریقہ عموماً یہ ہے کہ جتنی بھی عورتیں جماعت میں جاتی ہیں، ان سب عورتوں کے اپنے اپنے محرم ساتھ ہوتے ہیں اور باقاعدہ مکمل پردہ کے ساتھ چلتے ہیں، عورتوں کے ٹھہرنے، رہنے، سونے اور طعام کا انتظام کسی باپردہ گھر میں ہوتا ہے، جہاں کسی بھی مرد کی آمد ورفت پر مکمل پابندی ہوتی ہے اور مرد حضرات محلّہ کی مسجد وغیرہ میں عورتوں سے بالکل الگ ٹھہرتے ہیں۔ مستورات عورتوں کی تبلیغ وتشکیل کرتی ہیں اور ’’فضائل اعمال‘‘ وغیرہ کی بھی تعلیم کرتی رہتی ہیں، یعنی عورتوں کو جمع کرکے اور کبھی انفرادی ملاقات میں عورتوں کے اندر دینی جذبہ اور بیداری پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں۔ اور مرد مردوں کی تبلیغ کرتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے علاوہ اگر کوئی صورت ناجائز یا جواز کی ہو تو وہ بھی براہ کرم مفصل تحریر فرما دیجئے اور جواب بالکل صاف صاف اور مدلل باقاعدہ حوالہ جات کے ساتھ عنایت فرما دیجئے۔

ہم اپنے گاؤں میں مستورات کو جمع کر کے اور پردہ کے ساتھ کسی باپردہ حویلی میں کسی عالم صاحب کا وعظ مائک سے کرا دیتے ہیں اور پھر دعا کرا کے عورتیں برقع اوڑھ کر اپنے اپنے گھروں کو ایک دو گھنٹہ کی مجلس کر کے چلی جاتی ہیں، آیا ہمارا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاہد قاسمی، مہتمم مدرسہ کاشف العلوم پرتھی پور، بجنور

دارالعلوم دیوبند کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ نے مردوں کو مکلّف بنایا ہے کہ وہ دین کے احکام سیکھ کر اپنی عورتوں کو سکھائیں ”**کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیته**“ (بخاری) عورتوں کو دعوت وتبلیغ کا مکلّف نہیں بنایا ہے۔ ان کو دعوت وتبلیغ، امامت، خلافت سے مستثنیٰ رکھا ہے، انہیں اپنے گھر میں رہنے اور پردہ میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ ”**وقرن فی بیوتکن**“ (القرآن) انہیں صرف ضرورت اور مجبوری میں گھروں سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔

عن ابن عمر عن النبي ﷺ ليس للنساء في الخروج نصيب إلا مضطرة. (رواه الطبراني في المعجم الكبير)

فتنوں کا دور ہے، فتنوں کی وجہ سے عورتوں کو فرض نماز کے لئے اپنے محلّہ کی مسجد میں آنے سے خواہ محرم کے ساتھ آئیں، صحابہ کے مشورہ سے حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں روک دیا گیا، تو جماعت تبلیغ میں نکلنے کے لئے جو ایک امر مستحب ہے؛ کیوں کر اجازت ہوسکتی ہے؟ جب کہ عہد صحابہ کے مقابلہ میں اس دور میں بہت زیادہ فتنوں کا شیوع ہے۔ اور بخاری شریف کی اس حدیث کی بنا پر انہیں روکا گیا:

عن عائشة قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل، فقلت لعمرة: أو منعهن؟ قلت: نعم. (بخاري ۱/ ۱۲۰)

خیر القرون میں عورتوں کو دین کی دعوت وتبلیغ کے لئے بھیجنے کی کوئی نظیر نہیں ملتی، جب کہ اس زمانے میں زیادہ ضرورت تھی؛ کیوں کہ اسلام میں بکثرت مرد اور عورتیں داخل ہو رہی تھیں۔ بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاسؒ اس کام کے لئے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ کے پاس تین مرتبہ تشریف لے گئے اور ان سے عورتوں کی جماعت بھیجنے کی اجازت چاہی۔ حضرت مفتی صاحب نے تینوں مرتبہ انہیں منع فرمایا؛ اس لئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے کبھی عورتوں کی جماعت نہیں بھیجی، ان کے صاحبزادے حضرت جی یعنی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے بھی کبھی عورتوں کی جماعت نہیں بھیجی، عورتوں کو اپنی بستی میں ہی کسی کے مکان میں ہفتہ واری ایک یا دو اجتماع کر لینا چاہئے، اس میں دینی مذاکرہ کر لیا کریں، اس سے کافی دینداری کا ماحول پیدا ہوگا۔ ہمارے اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے، عورتوں کو باہر اور دور دراز جانے سے احتیاط کرنی چاہئے، محرم کے ہوتے ہوئے بھی غیر محرموں کے ساتھ سفر ہوتا ہے، مثلاً دس عورتوں کی ایک جماعت اپنے اپنے محرم کے ساتھ نکلتی ہے، تو ہر عورت کا ایک ایک محرم ہوتا ہے اور باقی ۹/آدمی غیر محرم ہوتے ہیں، جن کے ساتھ وہ جاتی ہیں، یہ بے احتیاطی ہے، غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

لایحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر تسافر مسیرة یوم ولیلة إلا مع ذي محرم علیها. (مسلم) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
زین الاسلام قاسمی	مفتی دار العلوم دیوبند
نائب مفتی دار العلوم دیوبند	۸/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

جواب دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورتوں کی دینی ذہن سازی کے لئے خود عورتوں کا آپس میں گفتگو کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اور تجربہ سے بھی یہ بات ثابت

ہوئی کہ ایسا گھرانا جو بالکل جاہل تھا، یا بہت زیادہ موڈرن تھا، اس میں مستورات کی تبلیغی جماعت کی آمد ورفت سے دینی انقلاب آ گیا اور بہت سی غلط فہمیوں کی اصلاح ہوئی، یہ اثرات عموماً محض علماء کے بیانات سے پیدا نہیں ہو پاتے؛ اس لئے موجودہ دور میں مکمل احتیاط اور شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے مرکز نظام الدین دہلی کے مقررہ اصول وضوابط اور شرائط کے مطابق محارم کے ساتھ باپردہ مستورات کے تبلیغی سفر کی نہ صرف گنجائش ہے؛ بلکہ بعض علاقوں میں سخت ضرورت ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ اب کچھ باطل فرقوں نے جن میں سلفی اور غیر مقلد لوگ پیش پیش ہیں، انہوں نے اپنی عورتوں کے ذریعہ ہماری خواتین کو گمراہ کرنے کی سخت محنت شروع کر رکھی ہے، ایسی صورت حال میں اگر صحیح رہنمائی خواتین ہی کے ذریعہ نہیں ہوگی، تو سخت دینی نقصان کا اندیشہ ہے، خیر القرون میں جہادی اسفار میں صحابہ اور تابعین کا اپنی اپنی عورتوں کو ساتھ میں لے جانا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

اور دار العلوم دیوبند کا جو جواب استفتاء کے ساتھ منسلک ہے، اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں جو استدلال کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ ہمارے لئے اطمینان بخش نہیں ہے، اس میں استدلال یوں کیا گیا ہے کہ اگر دس عورتیں اپنے اپنے شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ سفر کریں تو ہر عورت کا ایک محرم ہے اور نو غیر محرم ہیں اور غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے، تو کیا نفلی حج یا نفلی عمرہ کے لئے سفر ہو جائے اور پورے جہاز میں ساڑھے تین سو یا چار سو کے قریب افراد ہوتے ہیں، سب کو مکہ مکرمہ میں ایک ساتھ بلڈنگ میں رکھا جاتا ہے، منیٰ اور عرفات میں ایک ساتھ رکھا جاتا ہے، مدینہ منورہ میں ایک ساتھ رکھا جاتا ہے، تو اگر ایک جہاز میں پچاس عورتیں اپنے شوہروں یا محرموں کے ساتھ ہیں، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ہر ایک عورت تقریباً تین تین سو غیر محرموں کے ساتھ سفر کر رہی ہے؟ یا یہ کہا جائے گا کہ ہر ایک عورت اپنے اپنے محرم یا شوہر کے ساتھ سفر کر رہی ہے؟

خیر القرون کے زمانہ میں جو جہاد کا سفر ہوا کرتا تھا، وہی درحقیقت تبلیغی سفر بھی ہوا کرتا تھا۔ حدیث پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ایک دم کسی قوم کے اوپر حملہ کرنے سے منع

کیا گیا؛ بلکہ پہلے ان کو ایمان کی دعوت پیش کی جائے گی، دوسرے نمبر پر جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کی جائے گی، اس کے بعد تیسرے نمبر پر جہاد کا حکم کیا گیا ہے۔ خیر القرون کے زمانہ میں دعوت ایمان کے لئے تبلیغی اسفار ہوتے تھے اور آج کے زمانہ میں دعوتِ اصلاح کے لئے تبلیغی اسفار ہوتے ہیں۔ اور یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ خیر القرون کے زمانہ میں تبلیغی اسفار نہیں ہوتے تھے؛ اس لئے کہ جہاد کے اسفار بذات خود جہادی اور تبلیغی دونوں قسم کے اسفار کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھے، اس سلسلہ میں عورتوں کا اپنے شوہروں کے ساتھ لمبے سفر میں نکلنا حدیث کی مستند کتابوں میں ثابت ہے۔ چند حوالے حسب ذیل ہیں، ان کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

(بخاري شريف، باب حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩، باب ركوب البحر، النسخة الهندية ١/ ٤٠٥، رقم: ٢٨٠٨، ف: ٢٨٩٤، باب حج النساء، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٢، ف: ١٨٦، مسلم شريف، كتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم التحلل بعذر المرض ونحوه ١/ ٣٨٥، بيت الأفكار، رقم: ١٢٠٧، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال ٢/ ١١٦، ١١٧، بيت الأفكار، رقم: المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٨/ ٢١٨، رقم: ٣٤٣٤٤، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٥٧، رقم: ٤٠٣، بخاري شريف، باب من اكتتب في جيش فخرجت امرأته ١/ ٤٢١، رقم: ٢٩١٤، ف: ٣٠٠٦، باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٧، ف: ٢٨٨٣، ترمذي شريف، باب ما جاء في خروج النساء في الحرب، النسخة الهندية ١/ ٢٨٦، دارالسلام، رقم: ١٥٧٥)

تاہم اگر شرعی حدود کی رعایت کے بغیر اور مرکز نظام الدین دہلی کے اصول وضوابط کو نظر انداز کرتے ہوئے جماعتیں نکلیں گی، تو ان کی ہرگز اجازت نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۳۰ھ

مستورات کی جماعت کا حکم

سوال [۱۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل عورتوں کا تبلیغ کے لئے اپنے محارم کے ساتھ تبلیغی جماعت میں تین دن، دس دن یا اس سے زائد کے لئے اپنے شہر یا قرب وجوار اور دور دراز کے ممالک میں نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کیوں؟ ملحوظ رہے کہ عورتوں کے تبلیغی جماعت میں نکلنے میں بہت سے فوائد ہونا مشاہدہ کی بات ہے کہ جو عورتیں دین سے بہت دوری میں ہیں، وہ دیندار بن جاتی ہیں اور جو بے پردہ پھرتی رہتی ہیں پردہ نشیں بن جاتی ہیں، وغیرہ۔ بہت سے دیگر فوائد بھی ہیں، بالفرض اگر عورتوں کا تبلیغی جماعت میں نکلنا ناجائز بھی ہو تو فوائد کے پیش نظر عورتیں تبلیغی جماعت میں نکل سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا سکھانا اور امت میں سدھار پیدا کرنا ہے، اس مقصد کے خاطر دور دراز کے سفر بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں اور جس طرح مرد اپنے دین سیکھنے سکھانے، سمجھنے سمجھانے کے محتاج ہیں، عورتیں بھی اس کی محتاج ہیں۔

واعلم أن تعلم العلم (تحته في الشامية): أي العلم الموصل إلى الآخرة أو الأعم منه، قال: العلامي في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالىٰ ومعاشرة عباده، وفرض على كل مكلف ومكلفة. (شامي كراچی، مقدمه ۱/ ٤۲، زكريا ۱/ ۱۲٥)

قد يكون التعلم فرض عين، وهو تعلم مالابد منه للمسلم لإقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالىٰ أو معاشرة عباده، فقد فرض على كل مكلف ومكلفة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ٦، ۳۰/ ۲۹۱)

حضرت فقیہ الامت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ نے اپنے (فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۰۷، جدید

ڈابھیل۴/ ۲۶۶) میں حسب ذیل شرائط کے ساتھ مستورات کے لئے تبلیغی سفر کی گنجائش لکھی ہے: (۱) سفر محارم کے ساتھ ہو (۲) حدود اللہ کا مکمل لحاظ رکھا جائے (۳) کسی کے حقوق کا ضیاع وتلف نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۰۷، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۶۵)

ان شرائط کے ساتھ نہ صرف اجازت بلکہ دینی اعتبار سے اہم اور مفید ہے۔ اور اگر مفاسد کا اندیشہ ہو اور مذکورہ شرائط نہ پائے جائیں، تو اس طرح کے اسفار کی قطعاً اجازت نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۸/ ۵۵، ۶۱)

اور ''احسن الفتاوی'' میں جو عدم جواز کا تفصیلی فتویٰ لکھا ہے، اس کا مقصد بھی یہی ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضـ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر امرأة فوق ثلاث ليال إلا مع ذي محرم. (صحيح مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج أو غيره، النسخة الهندية ۱/ ۴۳۳، بيت الأفكار، رقم: ۱۳۳۸، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۵۲۷، رقم: ۴۳۰۶)

لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم. (شامي، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع، زكريا ۳/ ۴۶۵، كراچى ۲/ ۴۶۵، تبيين الحقائق، كتاب الحج، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۵، زكريا ۲/ ۲۴۰، البناية، كتاب الحج، مكتبه أشرفيه ۴/ ۱۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۱۹ھ

مستورات کی جماعت کا حکم

سوال [۱۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ہمارے یہاں عورتوں کی تبلیغی جماعت نکلنے لگی ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ان عورتوں کے ساتھ کسی کا بھائی ہوتا ہے، کسی کا بیٹا ہوتا ہے، تو کسی کا شوہر ہوتا ہے۔ اور یہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کا سفر کر کے فرائض تبلیغ اس طرح انجام دیتی ہیں کہ ان تمام کو

کسی ایک گھر میں ٹھہرا دیا جاتا ہے، پھر گاؤں کی دوسری عورتیں جمع ہوتی ہیں، تقریر ذہن سازی وغیرہ ہوتی ہے، پھر مجلس ختم ہوجاتی ہے، پھر امیرہ سے شوہر یا محرم آکر اس کی کار گذاری معلوم کرتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تمام فرائض پردہ وشریعت کے دائرہ میں رہ کر انجام دیئے جاتے ہیں، تو کیا اس منظّم طریقہ سے عورتوں کا جماعت میں نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو بھی اور اگر جائز ہے تو کن شرائط وضوابط کے ساتھ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ، جمنانگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دین سیکھ کر اس پر عمل کرنا جس طرح مردوں پر ضروری ہے، اسی طرح عورتوں پر بھی ضروری ہے؛ لہٰذا اس زمانے میں تبلیغی جماعت میں جو عورتیں نکلتی ہیں، چونکہ یہ لوگ تمام قیود وشرائط کالحاظ رکھتی ہیں اور ہر عورت کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرم ضرور ہوتا ہے اور شریعت کے ہر حکم کی پابندی اور پردہ کے سخت اہتمام کے ساتھ یہ کام ہوتا ہے؛ اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، نیز آج کل بے حیائی، عریانیت، معاشرہ کی خرابی اور اولاد کی غلط تربیت یہ سب عورتوں سے عروج پا رہی ہے؛ لہٰذا اگر شریعت کی پابندی کے ساتھ عورتوں کی تبلیغ کا سلسلہ جاری ہوجائے اور پھر ان کا ماحول، معاشرہ اور تہذیب اسلامی طریقہ پر ہونے لگے، تو امید کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے گھریلو ماحول کافی حد تک اسلامی طریقہ پر سدھرنے لگیں گے، مسلمانوں کی اولاد اسلامی طریقہ پر تربیت پانے لگے گی اور گھر گھر دین اسلام اور دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوسکتا ہے، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور اور قریب کے سفروں میں اپنی اپنی ازواج کو ساتھ لے جایا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں لے جانے کے لئے ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالا کرتے تھے اور حضرات صحابہ میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، ام سلیم رضی اللہ عنہا، ام العلاء رضی اللہ عنہا

وغیرہ صحابیات کا اپنے شوہروں کے ساتھ متعدد غزوات کے سفروں میں جانا ثابت ہے، حالاں کہ غزوات کے سفر میں ہر طرح کے مجاہدین ہوتے تھے، بہت سے مجاہدین بیوی کے ساتھ اور بہت سے بغیر بیوی کے ہوتے تھے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين نسائه، فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي ﷺ، فأقرع بيننا فى غزوة غزاها، فخرج فيها سهمي، فخرجت مع النبي ﷺ بعد ما أنزل الحجاب. (بخاري، باب حمل الرجل امرأته فى الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، برقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩، باب غزو النساء و قتال هن مع الرجال، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٤، ف: ٢٨٨٠، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزوة، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٥، ف: ٢٨٨١)

عن أنس قال: كان رسول الله ﷺ يغزو بأم سليم و نسوة معها من الأنصار يسقين الماء ويداوين الجرحى. (ترمذي شريف، باب ماجاء في خروج النساء في الحرب، النسخة الهندية ١/ ٢٨٦، دارالسلام، رقم: ٥٧٥، صحيح مسلم، باب غزوة النساء مع الرجال، النسخة الهندية ٢/ ١١٦–١١٧، بيت الأفكار، رقم: ١٨١٠)

عورتوں کی تبلیغی جماعت میں پردہ کا سخت انتظام ہوتا ہے، نیز عورتوں کی جماعت کا ایک جگہ سے دوسری جگہ صرف اپنے محرم یا شوہروں کے ساتھ جانا آنا ہوتا ہے اور ساتھ میں جماعت کے ایسے افراد نہیں ہوتے، جن کے ساتھ عورتیں نہ ہوں؛ اس لئے شریعت کے قوانین اور پردہ کی پابندی اور اہتمام کا لحاظ شوہر یا محرموں کے ساتھ تبلیغی سفر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۱۶، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۶۷)

عن أبي سعيد الخدري، أن النبي ﷺ قال: لا تسافر امرأة فوق ثلاث ليال إلا مع ذي محرم. (صحيح مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج أو غيره، النسخة الهندية ١/ ٤٣٣، بيت الأفكار، رقم: ١٣٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۸ھ

مستورات کی جماعت سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا مستورات کا مع اپنے شوہر یا محرم کے تبلیغی جماعت میں جانا (تین دن، دس دن، چالیس دن یا چار مہینہ کے لئے) درست ہے یا نہیں؟

(۲) خواتین تبلیغی جماعت میں وعظ وبیان بھی کرتی ہیں، بسا اوقات ان کی آوازیں اجنبی مردوں کے کانوں میں بھی پڑتی ہیں، جب کہ ان کی آواز تو ستر ہے، تو ان کا وعظ وبیان کرنا شریعت مطہرہ کی نظر میں کیسا ہے؟

(۳) غزوات میں بعض صحابیات کے جانے کا ثبوت ہے، اگر اس پر قیاس کر کے عورتوں کو تبلیغی جماعت میں لے جایا جائے تو یہ قیاس کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو وجہ اشتراک بیان فرمائیں، ورنہ عدم درستگی کی دلیل اور وجہ بیان کریں۔

(۴) مستورات کا اجتماع کن کن شرائط کے ساتھ شریعت میں جائز ہے؟

براہ کرام سارے سوالات کے جوابات قرآن وحدیث سے دلائل کے ساتھ ساتھ نقل فرمائیں۔ امید کہ براہ کرم عالمانہ وبزرگانہ میری عرض درجہ اجابت سے مقرون کی جائے گی۔

المستفتی: طٰہ ابوبکر حلیمی جونپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستورات کی جماعت کے لئے مرکز نظام الدین کی طرف سے اصول وشرائط مقرر ہیں، جن میں محرم شرعی یا شوہر ساتھ میں رہنا لازم قرار دیا گیا ہے، شرعی پردہ کے ساتھ غیر محرموں سے الگ تھلگ رہنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور جہاں مستورات کا اجتماع ہوتا ہے، اس جگہ کا ہر طرح کی بے پردگی اور نامحرم مردوں سے بالکل الگ تھلگ محفوظ ہونا بھی اصول وضوابط میں شامل ہے۔ اور ان کا قیام وطعام بھی بالکل الگ تھلگ ہونا لازم ہے؛ اس لئے مرکز نظام الدین کے اصول وضوابط کے مطابق مستورات کی

جماعت کا نکلنا اور اس میں اصلاحی پروگراموں کا سلسلہ جاری رہنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، جیسا کہ دور صحابہ میں بہت سے صحابہ کرام کا اپنی ازواج کے ساتھ لمبے لمبے سفروں میں جانا ثابت ہے، نیز سفر حج اور سفر عمرہ وغیرہ میں جانا کثرت روایات سے ثابت ہے۔

(۲) خواتین کا آپس میں مستورات کے مجمع میں دینی اصلاحی گفتگو کرنا اور آپس میں دینی کتابیں پڑھ کر سننے سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ ان کی آواز اجنبی مردوں تک نہ پہنچے اور جہاں تک ہماری معلومات ہے، مستورات کے اجتماع میں اس بات کی رعایت رکھی جاتی ہے کہ ان کی آپس کی گفتگو کی آواز مردوں تک نہ پہنچے۔

(۳) صرف غزوات میں بعض صحابیات کے جانے پر قیاس نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ غزوات کے علاوہ دیگر اسفار بھی ہوئے ہیں، جن میں سے کسی بھی سفر پر قیاس کیا جاسکتا ہے، خواہ غزوہ کا سفر ہو یا حج کا سفر ہو یا عمرہ کا سفر ہو وغیرہ وغیرہ۔

(۴) مستورات کا اجتماع ان شرائط وضوابط کے ساتھ درست ہے، جو مرکز نظام الدین کی طرف سے شائع شدہ ہیں، وہ شرائط کیا ہیں؟ تو آپ مرکز نظام الدین کے علماء سے رابطہ کرکے معلوم کرلیں۔ اور مستورات کی جماعت شوہر یا محرم کے ساتھ دور دراز سفر میں جانے کی بات ذیل کی روایات سے ثابت ہوتی ہے:

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يخلون رجل بامرأة، ولا تسافرن امرأة إلا ومعها محرم، فقام رجل قال: يا رسول الله! اكتتبت في غزوة كذا وكذا، وخرجت امرأتي حاجة، قال: اذهب، فحج مع امرأتك. (بخاري شريف، باب من اكتتب في جيش فخرجت امرأته حاجة، النسخة الهندية ١/ ٤٢١، رقم: ٢٩١٤، ف: ٣٠٠٦)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش

كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: أخرج معها. (بخاري، باب حج النساء، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۰، برقم: ۱۷۲٤، ف: ۱۸٦۲)

عن الربيع بنت معوذ قالت: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فنسقي القوم، ونخدمهم، ونرد الجرحى والقتلى إلى المدينة. (بخاري باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة ۱/ ٤۰۳، برقم: ۲۷۹۷، ف: ۲۸۸۳)

عن سلمة قال: غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سبع غزوات، ومع زيد بن حارثة سبع غزوات كان يؤمره علينا. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/ ۳۰، رقم: ۲۲۸۲)

عن أنس -رضي الله عنه- قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزو بأم سليم ونسوة معها من الأنصار يسقين الماء ويداوين الجرحى. (ترمذي، باب ماجاء في خروج النساء في الحرب، النسخة الهندية ۱/ ۲۸٦، دارالسلام، رقم: ۱۵۷۵)

ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، زكريا ۲/ ۷۹، كراچی ۱/ ٤۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲٦ھ

عورتوں کے جماعت میں نکلنے کا حکم

سوال [۱۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا جماعت میں نکلنا اس دور پرآشوب میں کیسا ہے؟ حال یہ ہے کہ ہم سب اس کی دسیسہ کاری سے خوب واقف ہیں، نیز اس پر ایک اور امر بھی قابل غور ہے کہ اگر اس کے نکلنے کی کوئی گنجائش ہو تو اس کو بھی رقم فرمائیں، مزید برآں کہ اگر شرائط ہوں تو ان کو بھی سپرد قلم کریں

اور قرآن مجید کی ایک آیت: ''وقرن فی بیوتکن'' اس آیت کی رو سے یہ بھی بتائیں کہ یہ کیسا ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کا عورتوں کو مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکنا اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحقیق اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی بخاری میں اس سلسلہ میں وارد ہوئی، اس کے اعتبار سے اور اس کے علاوہ دوسرے نصوص شرعیہ جو اس ضمن میں وارد ہیں، ان کی رو سے نکلنا کیسا ہے؟ اگر ان نصوص پر کسی قسم کی زیادتی کی صورت میں نکلنا جائز ہو تو اس کو بھی رقم فرمائیں، ان تمام چیزوں کی روشنی میں براہ کرم جواب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عاقب شاہد، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

موجودہ زمانے میں تبلیغی جماعت (نظام الدین مرکز دہلی) نے مستورات میں دعوت وتبلیغ کی جن شکلوں کو اختیار فرمایا ہے، جن میں مستورات کی تین دن، عشرہ اور چلہ کی جماعتیں پڑوس کے اضلاع اور ہندوستان کے دیگر صوبوں میں جاتی ہیں اور دو ماہ کے لئے بیرون ملک بھی جاتی ہیں۔ آج کے اس پرفتن دور میں عورتوں کا گھر سے باہر نکل کر جماعت میں دین سیکھنے کے لئے نکلنا کیسا ہے؟ کیا اللہ کے رسول، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین اور ہمارے اکابر واسلاف کے زمانے میں عورتیں دین سیکھنے کے لئے باہر نکلتی تھیں؟

موجودہ دور کی تبلیغی مستورات کی جماعتوں کا شرعی حکم کیا ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کا شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟ اگر ممنوع اور ناجائز ہے تو کس درجہ کا ممنوع ہے؟ مکروہ ہے یا حرام؟ براہ کرم تفصیل سے واضح فرمائیں۔

نوٹ: مندرجہ بالا مسئلے کو لے کر نوجوانان اسلام بہت زیادہ متفکر ہیں اور جس طرح قیام مدارس سے تاحال امت کے معتدین افراد کی نگاہیں ظاہر اور باطن کے ہر مسئلے میں ہمارے اکابر علماء اور اسلاف پر رہی ہیں، آج بھی مذکورہ بالا مسئلے میں آپ کے موقف کی منتظر ہیں۔ اور انشاء اللہ آپ کا فتویٰ ہم سب کے نزدیک قابل عمل ہوگا۔

المستفتی: محمد جاوید غفرلہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورتوں کی دینی ذہن سازی کے لئے خود عورتوں کا آپس میں گفتگو کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایسا گھرانہ جو بالکل جاہل، یا بہت زیادہ موڈرن تھا، اس میں مستورات تبلیغی جماعت کی آمد ورفت سے دینی انقلاب آ گیا اور بہت سی غلط فہمیوں کی اصلاح ہوئی، یہ اثرات عموماً محض علماء کے بیانات سے پیدا نہیں ہو پاتے؛ اس لئے موجودہ دور میں مکمل احتیاط اور شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے مرکز نظام الدین دہلی کے مقررہ اصول وضوابط اور شرائط کے مطابق محارم کے ساتھ باپردہ مستورات کے تبلیغی سفر کی نہ صرف گنجائش ہے؛ بلکہ بعض علاقوں میں سخت ضرورت ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ اب کچھ باطل فرقوں نے جن میں سلفی اور غیر مقلدلوگ پیش پیش ہیں، انہوں نے اپنی عورتوں کے ذریعہ ہماری خواتین کو گمراہ کرنے کی سخت محنت شروع کر رکھی ہے، ایسی صورت حال میں اگر صحیح رہنمائی خواتین ہی کے ذریعہ نہیں ہوگی، تو سخت دینی نقصان کا اندیشہ ہے، خیر القرون میں جہادی اسفار میں صحابہ اور تابعین کا اپنی اپنی عورتوں کو ساتھ میں لے جانا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور خیر القرون کے زمانہ میں جو جہاد کا سفر ہوا کرتا تھا وہی درحقیقت تبلیغی سفر بھی ہوا کرتا تھا۔

حدیث پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ایک دم کسی قوم کے اوپر حملہ کرنے سے منع کیا گیا؛ بلکہ پہلے ان کو ایمان کی دعوت پیش کی جائے گی، دوسرے نمبر پر جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کی جائے گی، اس کے بعد تیسرے نمبر پر جہاد کا حکم کیا گیا ہے۔ اور خیر القرون کے زمانہ میں دعوت ایمان کے لئے تبلیغی اسفار ہوتے تھے اور آج کے زمانہ میں دعوتِ اصلاح کے لئے تبلیغی اسفار ہوتے ہیں۔ اور یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ خیر القرون کے زمانہ میں تبلیغی اسفار نہیں ہوتے تھے؛ اس لئے کہ جہاد کے اسفار بذات خود جہادی اور تبلیغی دونوں قسم کے اسفار کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھے، اس سلسلہ میں عورتوں کا اپنے شوہروں کے ساتھ لمبے سفر میں نکلنا حدیث کی مستند کتابوں میں ثابت ہے۔

چند حوالے حسب ذیل ہیں، ان کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

(بخاري شريف، باب حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩، باب ركوب البحر، النسخة الهندية ١/ ٤٠٥، رقم: ٢٨٠٨، ف: ٢٨٩٤، باب حج النساء، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٢، ف: ١٨٦، مسلم شريف، كتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم التحلل بعذر المرض ونحوه ١/ ٣٨٥، بيت الأفكار، رقم: ١٢٠٧، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال ٢/ ١١٦، ١١٧، بيت الأفكار، رقم: المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٨/ ٢١٨، رقم: ٣٤٣٤٤، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٥٧، رقم: ٤٠٣، بخاري شريف، باب من اكتتب في جيش فخرجت امرأته ١/ ٤٢١، رقم: ٢٩١٤، ف: ٣٠٠٦، باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٧، ف: ٢٨٨٣، ترمذي شريف، باب ما جاء في خروج النساء في الحرب، النسخة الهندية ١/ ٢٨٦، دارالسلام، رقم: ١٥٧٥)

تاہم اگر شرعی حدود کی رعایت کے بغیر اور مرکز نظام الدین دہلی کے اصول کو نظر انداز کرتے ہوئے عورتوں کی جماعتیں نکلیں گی، تو ان کی ہرگز اجازت نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۷/۵ھ

مستورات کی جماعت کی شرعی حیثیت

سوال [۱۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستورات کی جماعت یعنی محلّہ کے آدمی اپنے بیوی کے ساتھ یا دوسرے محرم کے ساتھ دوسرے محلّہ میں دعوت وتبلیغ کے لئے جاتے ہیں، مرد مسجد میں رہتے ہیں اور عورتیں اس مسجد کے قریب ایک گھر کے روم میں رہتی ہیں، جس میں پردہ کے لئے معقول انتظام کرتے ہیں،

اس گھر میں دوسرے آدمی کو جانا بھی بالکل منع ہے، حتی کہ اس گھر کے آدمی اور جماعت میں جانے والی عورت کے شوہر کو بھی اندر جانا منع ہے؛ بلکہ محرم کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے ایک کمرہ متعین ہوتا ہے، اس میں ہی تشریف لاکر اپنے محرم کے ساتھ بات چیت کر سکتے ہیں، مرد آدمی مسجد میں رہ کر ۲۴ر گھنٹے کا نظام بنادیتے ہیں اور اس حساب سے عورتیں کام کرتی ہیں، عورت نہ گشت میں جاتی ہے اور نہ بیان کرتی ہے، صرف تین تین یا چار چار عورتوں کا حلقہ بنا کر چھ صفات کا مذاکرہ کرتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں عورتوں کا دعوت وتبلیغ کا کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں بھی دعوت وتبلیغ کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟ مع دلائل جواب عطا فرمائیں۔ دہلی نظام الدین مرکز بنگلہ والی مسجد سے مستورات کی جماعت نکلتی ہے یہاں کہاں تک صحیح ہے۔ بینواتوجروا

المستفتی: سعید الرحمٰن بھنگنا ماری، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا مرکز نظام الدین کی جانب سے جماعت نسواں سے متعلق مقرر کردہ شرعی اصول وضوابط کی مکمل رعایت و پابندی کے ساتھ تبلیغی سفر میں جانا فی نفسہٖ جائز ہے، مرکز نظام الدین کی جانب سے مقرر کردہ اصولوں میں سے کچھ اہم اصول یہ ہیں: سفر شوہر یا کسی شرعی محرم کے ساتھ ہو، سفر وغیرہ میں پردہ کی مکمل رعایت ہو، جہاں جا کر جماعت ٹھہرے وہاں شرعی ضوابط اور پردہ وغیرہ کا مکمل لحاظ رکھتے ہوئے ان کے ٹھہرنے کا انتظام کیا جائے، غیر مردوں کی وہاں بالکل رسائی نہ ہو اور عورتیں گشت وملاقات وغیرہ کے لئے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ ان حدودِ شرعی کی رعایت کے ساتھ مستورات کا جماعت میں نکلنا فی نفسہٖ درست ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين نسائه، فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي ﷺ، فأقرع بيننا في غزوة غزاها، فخرج فيها سهمي، فخرجت مع النبي

صلی اللہ علیہ وسلم **بعد ما أنزل الحجاب.** (بخاري، باب حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ۱/ ۴۰۳، برقم: ۲۷۹۳، ف: ۲۸۷۹، باب غزو النساء وقتالهن مع الرجال، النسخة الهندية ۱/ ۴۰۳، رقم: ۲۷۹۴، ف: ۲۸۸۰، باب حمل النساء القرب إلى الناس في العزوة، النسخة الهندية ۱/ ۴۰۳، ۲۷۹۵، ف: ۲۸۸۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لا يحل لامرأة أن تسافر ثلاثا إلا ومعها ذو محرم منها. (مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ۱/ ۴۳۴، بيت الأفكار، رقم: ۱۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۶/ ۱۴۳۱ھ

خواتین کا محرم کے ساتھ تبلیغ دین کے لئے سفر کرنا

سوال [۱۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح مرد اپنے گھربار چھوڑ کر تبلیغی جماعت کے لئے دور دراز شہر میں جاتے ہیں، تو عورتیں بھی اپنے محرم کے ساتھ جاسکتی ہیں یا نہیں؟ کیا مردوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی خواتین کو خود ساتھ لے جائیں یا کسی کے ساتھ بھیجیں۔

المستفتی: محمد رجب علی آسامی، دھوبڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محرم مردوں کے ساتھ عورتوں کا تمام شرعی حدود وشرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے تبلیغی سفر میں جانا فی نفسہٖ جائز ہے، یعنی ان تمام شرائط کی پابندی کی جائے جو جماعت نسواں سے متعلق مرکز نظام الدین سے طے کئے جاتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذا أراد أن

یخرج أقرع بین نسائه، فأیتهن یخرج سهمها خرج بها النبي ﷺ، فأقرع بیننا فی غزوة غزاها، فخرج فیها سهمي، فخرجت مع النبي ﷺ بعد ما أنزل الحجاب. (بخاري، باب حمل الرجل امرأته فی الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندیة ۱/ ۴۰۳، برقم: ۲۷۹۳، ف: ۲۸۷۹، باب غزو النساء وقتالهن مع الرجال، النسخة الهندیة ۱/ ۴۰۳، رقم: ۲۷۹۴، ف: ۲۸۸۰، باب حمل النساء القرب إلی الناس في الغزوة، النسخة الهندیة ۱/ ۴۰۳، رقم: ۲۷۹۵، ف: ۲۸۸۱)

عن أبي هریرة رضؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا یحل لامرأة أن تسافر ثلاثا إلا ومعها ذو محرم منها. (مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلی حج وغیره، النسخة الهندیة ۱/ ۴۳۴، بیت الأفکار، رقم: ۱۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۱/۲/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۷۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲ھ

مستورات کا بامحرم تبلیغی جماعت میں سفر کرنا

سوال [۱۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسلم عورتوں کا بامحرم تبلیغی جماعت میں دور دراز کا سفر کرنا پورے پردے کے ساتھ، جب کہ عورتوں کا قیام وطعام بھی مکمل پردہ والے گھر میں ہوتا ہے، جہاں مردوں کے داخلہ پر پوری پابندی ہوتی ہے کیسا ہے؟ اور محرم مرد قریب کی مسجد میں قیام کرتے ہیں اور مستورات کی تبلیغی جماعت باپردہ عورتوں میں تبلیغ کرتی ہیں، اس کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟

المستفتی: نوشاد احمد جمنانگر

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت نسواں سے متعلق مرکز نظام الدین کی جانب سے طے کردہ شرائط وضوابط (جس میں شرعی پردہ اور محرم شرعی کے ساتھ سفر کا خاص اہتمام رکھا گیا

ہے) کی مکمل رعایت کے ساتھ عورتوں کے لئے تبلیغی سفر میں جانا فی نفسہ جائز ہے۔

عن أبي سعيد الخدری –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفرا يكون ثلاثة أيام فصاعدا، إلا ومعها أبوها، أو ابنها، أو زوجها، أو أخوها، أو ذو محرم منها. (مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ١/ ٤٣٤، بيت الأفكار، رقم: ١٣٤٠)

عن نافع أن ابن عمر كان يردف مولاة له، يقال لها: صفية، تسافر معه إلى مكة. (أبوداؤد، باب في المرأة تحج بغير محرم، النسخة الهندية ١/ ٢٤٢، دارالسلام، رقم: ١٧٢٨)

عن أنسؓ أن النبي ﷺ غزا خيبر ...... قال: وأصبناها عنوة، وجمع السبي، فجاءه دحية، فقال: يا رسول الله! اعطني جارية من السبي، فقال: اذهب فخذ جارية، فأخذ صفية بنت حيي –إلى– قال: خذ جارية من السبي غيرها، قال: (راوي) واعتقها وتزوجها ...... حتى إذا كان بالطريق جهزتها له أم سليم فأهدتها له من الليل. (مسلم، باب فضيلة اعتاقه أمته، ثم تزوجها، النسخة الهندية ١/ ٤٥٩، بيت الأفكار، رقم: ١٣٦٥)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين نسائه، فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي ﷺ، فأقرع بيننا فى غزوة غزاها، فخرج فيها سهمي، فخرجت مع النبي ﷺ بعد ما أنزل الحجاب. (بخاري، باب حمل الرجل امرأته فى الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، برقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩، باب غزو النساء وقتالهن مع الرجال، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٤، ف: ٢٨٨٠، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزوة، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٥، ف: ٢٨٨١)

عن الربيع بنت معوذ –رضى الله عنها– قالت: كنا نغزو مع

رسول الله صلى الله عليه وسلم فنسقي القوم ونخدمهم ونرد الجرحى والقتلى إلى المدينة. (بخاري باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، برقم: ٢٧٩٧، ف: ٢٨٨٣)

ولو لحاجة غزو الخ، أي بشرط أن تكون متسترة وأن تكون مع زوج أو محرم. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٤٢٣، زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

عورتوں کا گھر سے باہر نکل کر تبلیغ کرنا

سوال [۱۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا گھر سے باہر جا کر تبلیغ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ جب کہ عورتوں کے لئے پردہ لازم ہے، ہمارے یہاں عورتوں کا گھر گھر تبلیغ میں جانا عام ہوگیا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کی اصل ذمہ داری اپنے گھرانے کی اصلاح ہے، دوسروں کے گھروں اور محلوں میں جا کر تبلیغی محنت کرنا ان کی ذمہ داریوں میں شامل نہیں؛ لہٰذا اگر اس سلسلہ میں محنت کرتے وقت شریعت کے تمام آداب واصول اور پردہ کا پورا اہتمام رکھا جائے، تو اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے، اگر بے احتیاطی کا خوف ہو تو یہ عمل عورتوں کے لئے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۴۶، جدید، ڈابھیل ۴/ ۲۶۳، احسن الفتاوی، زکریا ۸/ ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

مستورات کا جماعت میں بیان کرنا

سوال [۱۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا جماعت لے کر گھر سے باہر جانا، دوسروں کے گھر پر قیام کرنا یا بیان کرنا جسے نامحرم سنتے ہیں اور اس بستی کی عورتوں کو بیان سننے کے لئے اکٹھے ہونا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد آصف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دین سیکھنا مرد اور عورت دونوں کے ذمہ ضروری ہے، عورتوں کا اپنے مقام پر رہتے ہوئے ایک مکان سے دوسرے مکان میں تبلیغ کرنا اور نہ جاننے والی عورتوں کو دین کی باتیں سکھانا درست ہے؛ اس لئے کہ بلاسفر کے ان کا اجتماع حدیث شریف سے ثابت ہے:

ابن الأصبهاني قال: سمعت أبا صالح ذكوان، يتحدث عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه قال قالت النساء للنبي صلى الله عليه وسلم: غلبنا عليک الرجال، فاجعل لنا يوما من نفسک، فوعدهن يوما لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، النسخة الهندية ١/ ٢٠، رقم: ١٠١)

اور جب عورت دوسری عورتوں کو دین کی باتیں بتائے تو اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ آواز باہر نہ پہنچے اور بھرپور پردہ کا نظم ہو۔

نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب ...... ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلک من استمالة الرجال إليهن وتحريک الشهوات منهم. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في ستر العورة، زكريا ٢/ ٧٩، كراچی ١/ ٤٠٦)

اور رہا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا، تو اکابر نے اس کی درج ذیل شرائط کے ساتھ گنجائش لکھی ہے:

(۱) سفر شوہر یا محرم کے ساتھ ہو (۲) حدود اللہ کا مکمل لحاظ رکھا جائے (۳) سفر میں جانے سے کسی کے حقوق کا ضیاع وتلف لازم نہ آئے (۴) جہاں پر جماعت پہنچے وہاں پر پردہ کا سخت اہتمام ہو (۵) پورے سفر میں از اول تا آخر کبھی بھی کسی نامحرم کے ساتھ واسطہ یا بے پردگی کی بات قطعاً پیش نہ آئے، ان شرائط کے بغیر کسی طرح بھی عورتوں کو سفر کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۰۷، ۱۱۶، جدید ڈابھیل ۴/ ۲۶۵، ۲۶۷)

لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم. (شامي، كتاب الحج، مطلب يقدم حق العبد على حق الشرع، زكريا ٣/ ٤٦٥، كراچى ٢/ ٤٦٥، البناية، كتاب الحج، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ١٥١)

عن أبي سعيد الخدري رضـ أن النبي ﷺ قال: لا تسافر امرأة فوق ثلاث ليال، إلا مع ذي محرم. (صحيح مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج أو غيره، النسخة الهندية ١/ ٤٣٣، بيت الأفكار، رقم: ١٣٣٨، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ٥٢٧، رقم: ٤٣٠٦)

عن عبدالله بن عمر -رضى الله عنهما- أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: كلكم راع، ومسئول عن رعيته، فالإمام راع وهو مسئول عن رعيته، والرجل في أهله راع، وهو مسئول عن رعتيه، والمرأة في بيت زوجها راعية، وهي مسئولة عن رعيتها. (صحيح البخاري، باب العبد راع في مال سيده، ولا يعمل إلا بإذنه، النسخة الهندية ١/ ٣٢٤، رقم: ٢٣٤٦، ف: ٢٤٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

مستورات کے اجتماع کا حکم

سوال [۱۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں مستورات کے اجتماعات کافی اہتمام سے ہونے لگے ہیں، بستی کی ذمہ دار صاحبہ دور دراز کی مقررہ مستورات کے پاس پہنچ کر اجتماع کی تاریخ لیتی ہیں، اہتمام کے لئے بستی میں گھر گھر چندہ کرتی ہیں، جمع شدہ رقم سے پنڈال و مائک اور باہر سے آنے والی مستورات کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے، دور دراز تک آمدورفت میں اس قدر بھیڑ ہوتی ہے کہ بیچاری دین کی لگن میں کھڑے ہوکر سفر کرتی ہیں، مقررہ عورتیں اپنی شیریں بیانی اور نعت خوانی سے سامعات کے قلوب کو باغ باغ کر دیتی ہیں۔ معلوم کرنا ہے کہ اس اجتماع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: ظہیر احمد خادم مدرسہ بدر العلوم گگوار، وایہ حسن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس انتظام میں شرعی پردہ کا شرعی انتظام ہوتا ہے اور آمدورفت میں فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے، مائک وغیرہ کے ذریعہ سے عورتوں کی آواز مردوں کو سنائی نہیں دیتی ہے، غرضیکہ ہر قسم کے منکرات سے پاک وصاف ہے، تو شرعاً جائز ہے۔ اور اگر مردوں کے ساتھ اختلاط کا خطرہ ہے، یا آواز مردوں کو سنائی دیتی ہے، تو ناجائزہ ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مجلس ہر قسم کے منکرات وفتنہ سے پاک ہوتی تھی۔

نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب ...... ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلک من استمالة الرجال إليهن وتحريک الشهوات منهم. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في ستر العورة، زكريا ٢/ ٧٩، كراچی ١/ ٤٠٦)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– عن النبي ﷺ قال: التسبيح

للرجال، والتصفيق للنساء. (صحيح البخاري، كتاب العمل في الصلوة، باب التصفيق للنساء، النسخة الهندية ١/ ١٦٠، رقم: ١١٨٩، ف: ١٢٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۸۷)

خالص مستورات کے اجتماع میں عورت کا بیان اور دعا کرانا

سوال [۱۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا دینی اجتماع ہوتا ہے، جس میں صرف عورتیں جمع ہوتی ہیں، کوئی مرد نہیں ہوتا ہے، ان ہی میں ایک عورت دینی باتیں کرتی ہے، اس کے بعد کوئی عورت آخر میں دعا کرا دیتی ہے، تو یہ عورت کا دعا کرانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں چونکہ تمام عورتیں ہی ہوتی ہیں؛ لہٰذا ان میں سے کسی ایک عورت کا دعا کرا دینا بلا کراہت جائز؛ بلکہ بہتر ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ آواز اتنی بلند نہ ہو کہ مردوں تک آواز پہنچ جائے، خواہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہو یا نہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۵/ ۱۵۶، ڈابھیل ۴/ ۲۶۸)

نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب ...... ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في ستر العورة، زكريا ٢/ ٧٩، كراچی ١/ ٤٠٦)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء. (صحيح البخاري، كتاب العمل في الصلوة، باب التصفيق للنساء، النسخة الهندية ١/ ١٦٠، رقم: ١١٨٩، ف: ١٢٠٣)

منع النساء من التسبيح؛ لأنها مأمورة بخفض صوتها في الصلوة مطلقا، لما يخشى من الافتنان -إلى- التصفيق للنساء، أي هو من شأنهن في غير الصلوة، وهو على جهة الذم له. (فتح الباري، باب التصفيق للنساء، دار الفكر ۳/ ۹۳، أشرفيه ديو بند ۳/ ۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

مستورات کی جماعت پر اعتراض اور جواب

سوال [۱۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب ابراہیم یوسف باوا رنگونی نے رسالہ ''کشف الغطاعن تبلیغ النساء'' کو مصنفہ حضرت مفتی سیف اللہ حقانی رئیس دار الافتاء دار العلوم حقانیہ اکوڑا خٹک، پاکستانی) برطانیہ سے شائع کرکے ہر جگہ عام کیا ہے۔ اس رسالہ سے متعلق مولانا احمد نصر صاحب نے بنارس سے رائے طلب کی ہے۔ مولانا احمد نصر کا خط اور مفتی شبیر احمد صاحب کا جواب حسب ذیل ہے:

حضرت مفتی صاحب! زید مجدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ مع الخیر مطالب خیر! پاکستان سے ایک رسالہ آیا ہے، جو تبلیغ نساء سے متعلق ہے۔ احقر بعض احباب کی زبانی آپ کی مصروفیات سن چکا ہے، پھر بھی بہت ادب سے درخواست ہے کہ اپنا قیمتی وقت مختصر سا صرف فرما کر رسالہ کے متعلق اپنی رائے تحریر فرما دیں، خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہو، بندہ بہت ہی مشکور ہوگا۔

المستفتی: احمد نصر، خادم مدرسہ عربیہ امدادیہ، بنارس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بخدمت حضرت مولانا احمد نصر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

بعدہٗ یہ خاکسار اللہ کے فضل اور آپ لوگوں کی دعا سے بخیریت ہے، امید کہ آ جناب بھی مع اہل مدرسہ کے بخیر ہوں گے۔

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب کاارسال کردہ خط ورسالہ نظر نواز ہوا۔اوررسالہ کے ٹائٹل اورٹائٹل کی بیک سائٹ دیکھ کر کے حیرت ہوئی، آج سے تقریباً سترہ اٹھارہ سال پہلے سے تسلسل کے ساتھ موصوف باواجی کی طرف سے تبلیغی جماعت کے خلاف رسالے، مقالے، خطوط ہمارے یہاں کافی تعداد میں آچکے ہیں، ان کے مقالے، رسالے کے اقتباسات اور بعض خطوط رسالہ ’’ندائے شاہی‘‘ میں شائع کرنے پر کافی زور لگایا گیا۔ اور بعض بعض مقالے تو ایسے خطرناک تھے کہ جن میں تبلیغی جماعت پر سخت انداز سے کیچڑ اچھالا گیا ہے، اس طرح کے مقالے یہاں آتے ہیں۔ ایک دفعہ اسی طرح کا مقالہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ کے خطوط کے جواب کے دوران سامنے آیا، اسے دیکھ کر حضرت نے نہایت جذباتی انداز سے یہ جملہ استعمال فرمایا کہ دنیا کی کس تحریک میں خامی نہیں ہے، ہمیں خامیاں دیکھنا چاہئے یا اچھائیوں کو دیکھ کر اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے، پھر فرمایا کہ ایسی تحریر پڑھنے کو میرا دل نہیں چاہتا ہے، یہ کہہ کر رکھ دیا، پھر احقر نے کہا کہ حضرت اسی کی فوٹو کاپی ہمارے یہاں بھی آئی ہوئی ہے، اس پر بہت افسوس کا اظہار فرمایا، ہمارے یہاں باواجی کی تحریر کے سینکڑوں صفحات جمع ہو چکے تھے، جن تحریروں کو پڑھ کر ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ باواجی کو جماعت تبلیغ سے ذاتی رنجش ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے اور کسی بھی معتبر عالم کی کوئی ایسی تحریر مل جائے، جس میں باواجی کے مطلب کے مطابق دور سے کوئی مفہوم نکلتا ہو، اسے بھی اپنے مطلب کے موافق کر کے شائع کر دیا، کہیں سے ان کو حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی بات مل گئی کہ غیر عالم کو تقریر نہیں کرنی چاہئے، اس چیز کو ایک موضوع بنا کر حضرت محی السنہ کی طرف منسوب کر کے شائع کر دیا، بعد میں جب حضرت کو معلوم ہوا، تو اس پر حضرت نے اس کی تردید کروائی، تبلیغ کے بارے میں باواجی کے یہ حالات ہیں، مگر اب باواجی بار بار یہ کیسے لکھ

رہے ہیں، سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ رنگولی ثم تبلیغی۔ اور پھر صاف لکھ رہے ہیں کہ بندہ پکا اور سچا تبلیغی ہے، اگر بات ایسی ہے تو تبلیغ سے متعلق کوئی بھی بات ہو تو تبلیغی مکتب فکر کے اکابر وذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنا چاہئے اور ان ہی سے گفتگو کر کے مسئلہ حل کرنا چاہئے، ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ بجائے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنے کے بالا بالا رسائل شائع کریں، مضامین اور مقالات شائع کرتے رہیں۔ اور ان کا رسالہ برطانیہ کے ہر شمارے میں تبلیغ کے خلاف کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ نہیں رہنا چاہئے۔ اور زیر نظر رسالہ کو بھی احقر نے دیکھا ہے، ان میں جن اکابر ومشایخ اور مفتیان کرام کی تحریریں نقل کی گئی ہیں، ان میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ شوہر یا حقیقی محرم کے ساتھ پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے عورتوں کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے مرکز نظام الدین کے اکابر اور تبلیغی ذمہ داروں سے اس بارے میں رابطہ قائم کر کے طریقہ کار کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے، اگر ان کا طریقہ کار رسالہ میں مذکور اکابر ومشائخ اور مفتیان کرام کی تحریر کے خلاف نہیں ہے، تو اس موضوع پر رسالہ شائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۹۹)

مستورات کا جماعت میں نکلنے کا حکم

سوال [۱۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟ جواب دلائل کے ساتھ تحریر فرمائیں اور آپ کی اس منسلکہ فتویٰ کے بارے میں کیا رائے ہے، جو مفتی عبد الرشید صاحب کراچی پاکستان نے اپنی کتاب ''اکرام مسلمات'' میں تحریر فرمایا ہے؟

المستفتی: محمد شعیب فیروز آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مرکز نظام الدین کی جانب سے طے کردہ شرائط وضوابط (جس میں شرعی پردہ اور محرم شرعی کے ساتھ سفر کا خاص اہتمام رکھا گیا ہے) کی مکمل رعایت کے ساتھ عورتوں کے لئے تبلیغی سفر میں جانا فی نفسہٖ جائز ہے، جیسا کہ محرم شرعی یا شوہر کے ساتھ نفلی حج اور عمرہ کے سفر اور سفر جہاد کو جانا بلاشبہ جائز ہے۔ اور رہی منسلکہ فتویٰ یعنی ”احسن الفتاوی“ کے مذکورہ مسئلہ کی بات ،تو احقر اس سلسلہ میں کچھ کہنے یا اپنی رائے پیش کرنے سے اس وقت معذرت خواہ ہے۔

عن أبي سعيد الخدری –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفرا يكون ثلاثة أيام فصاعدا، إلا ومعها أبوها، أو ابنها، أو زوجها، أو أخوها، أو ذو محرم منها. (مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ١/ ٤٣٤، بيت الأفكار، رقم: ١٣٤٠)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين نسائه، فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي ﷺ، فأقرع بيننا فی غزوة غزاها، فخرج فيها سهمي، فخرجت مع النبي ﷺ بعد ما أنزل الحجاب. (بخاري، باب حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نسائه، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، برقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩، باب غزو النساء وقتالهن مع الرجال، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٤، ف: ٢٨٨٠، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزوة، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٥، ف: ٢٨٨١)

عن الربيع بنت معوذ قالت: كنا نغزو مع رسول الله ﷺ فنسقي القوم ونخدمهم ونرد الجرحى والقتلى إلى المدينة. (بخاري باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، برقم: ٢٧٩٧، ف: ٢٨٨٣)

ولو لحاجة غزو الخ، أي بشرط أن تكون متسترة وأن تكون مع

زوج أو محرم. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٤٢٣، زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٦)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل وأما شرائط فرضيته، زكريا ٢/ ٣٠٠، كراچی ٢/ ١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۵ھ

مستورات کی جماعت پر اعتراض کا جواب

سوال [۱۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟ جواب دلائل کے ساتھ تحریر فرمائیں اور آپ کی اس منسلکہ فتوی کے بارے میں کیا رائے ہے جو مفتی رشید احمد صاحب کراچی پاکستان نے اپنی کتاب ''اکرام مسلمات'' تحریر فرمایا ہے؟

المستفتی: محمد شعیب، فیروز آبادی

خواتین کا تبلیغی جماعت میں نکلنا جائز نہیں

سوال: عورتوں کا تبلیغی جماعت کے ساتھ تبلیغ کے لئے اپنے محارم کے ساتھ تین دن، دس دن، سال کے لئے اپنے ضلع یا اپنے صوبہ یا اپنے ملک یا دوسرے ممالک میں نکلنا کیسا ہے؟ جب کہ موجودہ دور کے حالات بھی آپ حضرات کے سامنے ہیں، اگر ان کا نکلنا جائز ہے، پھر تو کوئی حرج نہیں اور اگر جائز نہیں تو پھر جو لوگ اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ وہ گنہگار رہوں گے یا نہیں؟ مسئلہ کی مکمل وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے، اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت سخت پابندی لگائی اور دینی کاموں کے لئے بھی عورتوں کے نکلنے کو بالاتفاق حرام قرار دیا ہے۔

قال العلامة الخوارزمي ناقلا عن فخر الإسلام رحمهما الله وتعالىٰ: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة أن يكون حضور مجالس العلم خصوصا عند هولاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلم أولى. (الكفاية مع فتح القدير ١/ ٣١٨)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا، ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان واستثنى الكمال بحثا البحائز المتفانية.

وقال الإمام الطحطاوي رحمه الله تعالىٰ: (قوله: ولو لجمعة وعيد ووعظ) قال في مجموع النوازل: يجوز للزوج أن يأذن لها بالخروج إلى زيارة الأبوين وعيادتهما وتعزيتهما أو أحدهما، وزيارة المحارم، فإن كانت قابلة أو غاسلة أو كان لها على آخر حق أو عليها حق تخرج بالإذن وبغير الإذن، والحج على هذا، وفيما عدا ذلك من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة لا يأذن لها، ولا تخرج ولو أذن لها، وخرجت كانا عاصيين، وتمنع من الحمام، وإن أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم بغير رضى الزوج ليس لها ذلك، فإن وقعت لها نازلة إن سأل الزوج من العالم واخبرها بذلك لا يسعها الخروج، وإن امتنع من السؤال يسعها الخروج من غير رضى الزوج، وإن لم يقع لها نازلة وأرادت أن تخرج لمجس العلم لتعليم المسألة من مسائل الوضوء، والصلوة إن كان الزوج يحفظ المسائل ويذكرها معها له أن يمنعها،

وإن كان لا يحفظها الأولى أن يأذن لها أحيانا، وإن لم يأذن لها فلا شيء عليه، ولا يسعها الخروج ما لم تقع نازلة. (قوله: ولو عجوزا) اسم لمؤنث غير لازم التاء كما في الرضى، وفي القاموس: لا يقال عجوزة أو لغة رديئة من إحدى وخمسين إلى آخر العمر قهستاني، وقول: ليلا بيان للإطلاق أيضا (قوله: على المذهب المفتى به) قد يقال هذه الفتوى التي اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبيه، فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقا إتفاقا، وأما العجوز فلها حضور الجماعة عند الإمام في الصلوات إلا في الظهر، والعصر، والجمعة، فالإفتاء بمنع العجائز في الكل يخالف الكل، وما في الدر المنتقى يوافق ما هنا حيث قال، وفي الكافي وغيره: أما في زماننا فالمفتى به منع الكل في الكل حتى في الوعظ ونحوه. (حاشية الطحطاوي على الدر ١/ ٢٤٥)

وقال شمس العلماء العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: قال المصنف في الكافي: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها، لظهور الفساد، ومتى كره حضور المسجد للصلوة، فلأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هولاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى ذكره فخر الإسلام. الخ (الحبر الرائق، کوئٹہ ١/ ٣٥٨، دارالكتاب ديوبند ١/ ٦٢٨)

وقال العلامة عالم بن العلاء رحمه الله تعالىٰ: والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصوة؛ لأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا هولاء الجهال الذين تحلو بحلية العلماء أولى. (الفتاوى التاتارخانية ١/ ٦٢٨، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٢٨١، رقم: ٢٤٢٦)

وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالىٰ: (قال: ويكره لهن حضور الجماعات) أي يكره للنساء (يعني الشواب منهن، وهي جمع شابة،

وهذه اللفظة باطلاقها تتناول الجمع والأعياد والكسوف والاستسقاء، وعن الشافعي يباح لهن الخروج (لما فيه) اي في حضور الجماعة (من خوف الفتنة) عليهن من الفساق وخروجهن سبب للحرام وما يفضي إلى الحرام، فحرام، وذكر في كتاب الصلوة مكان الكراهة الإساءة والكراهة فحش.

قلت: المراد من الكراهة التحريم، ولا سيما في هذا الزمان لفساد أهله.

(ولا بأس للعجوز أن تخرج في الفجر والمغرب والعشاء) لحصول الأمن، وفي المغرب اختلاف الروايات، وفي المنظومة الحق المغرب بالعشاء كما ذكره المصنف والمبسوط لشمس الأئمة، وفي المختلف الحق العصر والمغرب بالظهر، كما في مبسوط شيخ الإسلام، ويحتمل أن ذلك بناء على أن المغرب تنتشر فيه الفسة أيضا كالعصر في بعض البلاد قيل: هذا كله في زمانهم، أما في زماننا، فيكره خروج النساء إلى الجماعة لغلبة الفسق والفساد، فإذا كره خروجهن إلى الجماعة؛ فلأن يكره حضورهن مجالس العلم خصوصا عند هولاء الجهال الذين تحلوا بحلية أهل العلم أولى. (البناية ۲/ ۴۲۰)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وإذا منع حضور الجماعة، فمنعها عن حضور الوعظ والاستسقاء أولى، وأدخله العيني في الجماعات، وما قلناه أولى. (منحة الخالق بهامش البحر، كوئٹہ ۱/ ۳۵۹، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۶۲۸)

وقال العلامة منلامسكين رحمه الله تعالىٰ: ومتى كره حضور المسجد للصلوة؟ لأن يكره حضورهن مجالس الوعظ خصوصا عند هولاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى ذكره فخر الإسلام.

وقال العلامة أبو السعود رحمه الله تعالىٰ: (قوله ومتى كره حضور المسجد الخ) أي كراهة تحريمية دل على ذلك قوله فى النهر:

ولا يحضرن أي لا يحل لهن أن يحضرن لكن ذكر بعده عن كتاب الصلاة أنه ذكر الإساءة التي هي أدون من الكراهة. (فتح المعين ۱/ ۲۱۵)

وقال العلامة أبو بكر بن علی الحداد رحمه الله تعالىٰ: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها، لظهور الفسق في هذا الزمان، ولا يباح لهن الخروج إلى الجمعة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، كذا في المحيط فجعلها كالظهر، وفي المبسوط: جعلها كالعيدين حتى أنه يباح لهن الخروج إليها بالإجماع. (الجوهرة ۱/ ۷۲)

وقال العلامة السهارنفوري رحمه الله تعالىٰ معزيا لشرح النقاية: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها، لظهور الفساد، ومتى كره حضورهن في المسجد للصلوة؟ فلأن يكره حضورهن في مجالس الوعظ خصوصا عند هو لاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى هكذا قال المشايخ رحمهم الله و تعالىٰ، ولو شاهدوا ما شاهدنا من حضورهن بين مجالس وعاظ زماننا متبرجات بزينتهن لأ نكروا كل الإنكار رحمه الله معاشر الأبرار. (بذل المجهود ۱/ ۳۱۹)

نصوص مذکورہ کا حاصل:

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسجد کی جماعت، جمعہ، علم اور وعظ سننے کے لئے عورتوں کے نکلنے کو ناجائز قرار دیا ہے جب ایسی اہم عبادات وضروریات دین کی خاطر تھوڑے سے وقت کے لئے قریب تر مقامات میں نکلنے پر بھی اس قدر پابندی ہے، تو تبلیغ کے لئے کئی کئی دنوں؛ بلکہ مہینوں اور چلوں کے لئے دور دراز مقامات میں جانا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہئے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مرکز نظام الدین کی جانب سے طے شدہ شرائط وضوابط

(جس میں شرعی پردہ اور محرم شرعی کے ساتھ سفر کا خاص خیال رکھا گیا ہے) کی مکمل رعایت کے ساتھ تبلیغی سفر میں جانا جائز ہے جیسا کہ سفر حج ،سفر عمرہ اور سفر جہاد کو جانا بلا شبہ جائز ہے، اس کے لئے نصوص شرعیہ کا ذخیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

اب رہی ''احسن الفتاوی'' کے مذکورہ مسئلہ کی بات،تو اس کے بارے میں کچھ کہنے یا اپنی رائے پیش کرنے کی ہمت نہیں ہے،مگر اشارةً اتنی بات کی نشاندہی کی جاتی ہے کہ سوال میں محرم کے ساتھ نکلنا کیسا ہے؟ پوچھا گیا ہے۔اور جواب میں محرم شرعی کی قید کے بغیر ناجائز اور حرام لکھا گیا ہے؛ اس لئے سوال وجواب کے درمیان کوئی جوڑ نہیں نظر آیا جو عربی عبارات لکھی گئی ہیں وہ اس مسئلہ سے متعلق نہیں؛ کیوں کہ ان عبارات میں محرم شرعی کے ساتھ نکلنے کی ممانعت نہیں ہے۔اور آگے مفتی صاحب مرحوم نے اسی فتوی سے متصل مدرسة البنات میں لڑکیوں کی تعلیم سے متعلق جواز کے لئے پانچ شرطیں لکھی ہیں۔نمبر۵ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مدرسہ میں کوئی محرم چھوڑ کر آئے اور واپسی پر بھی کوئی محرم مرد ساتھ میں لائے تو محرم کے ساتھ ہونے کی قید کے ساتھ مفتی صاحب نے مدرسة البنات میں جانے آنے کی بالغ لڑکیوں کی اجازت لکھی ہے،مگر مستورات کی جماعت میں محرم شرعی کی قید کے ساتھ کوئی بات نہیں لکھی ہے؛اس لئے مفتی صاحب کا جواب مستورات کی جماعت کے بارے میں ہم کو سمجھ میں نہیں آیا۔دلائل ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفرا يكون ثلاثة أيام فصاعدا، إلا و معها أبوها، أو إبنها، أو زوجها، أو ذو محرم منها. (صحيح مسلم، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ١/ ٤٣٤، بيت الافكار، رقم: ١٣٣٩)

عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين نسائه، فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي صلى الله

عليه وسلم . (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب حمل الرجل وامرأته في الغزو ...... النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٣، ف: ٢٨٧٩)

عن الربيع بن المعوذ قالت: كنا نغزو مع النبي صلى الله عليه وسلم، فنسقي القوم ونخدمهم، ونرد الجرحى والقتلى إلى المدينة. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب رد النساء الجرحى والقتلى إلى المدينة، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٧، ف: ٢٨٨٣)

ولو لحاجة غزو (تحته في الشامية:) أي بشرط أن تكون متسترة، وأن تكون مع زوج أو محرم. (الدر مع الرد، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٦، كراچی ٦/ ٤٢٣)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع، كتاب الحج، فصل وأما شرائط فرضيته، زكريا ٢/ ٣٠٠) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
فتویٰ نمبر: ۱۰۶۵۰/۳۹

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۵ھ

کیا عورت تبلیغی جماعت میں جا سکتی ہے؟

سوال [۱۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مجھے عورتوں کے جماعت میں جانے کے متعلق فتویٰ لینا ہے کہ کوئی عورت خواہ وہ نماز کی کتنی ہی پابند ہو جماعت میں جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عظیم احمد خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ مرکز نظام الدین کی شرائط وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کو تبلیغی جماعت میں جانے کی شرعاً گنجائش ہے اور بغیر

شوہر یا بغیر محرم کے جانا جائز نہیں، نیز مرکز نظام الدین کی طرف سے مقرر کردہ شرائط وضوابط کی خلاف ورزی کے ساتھ بھی جانے کی اجازت نہیں۔ اور مرکز نظام الدین کی شرائط وضوابط وہاں کے کسی ذمہ دار کے ذریعہ سے حاصل کر لیجئے۔ اور خیر القرون کے زمانے سے ہمیشہ شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ عورتوں کا سفر کرنا شریعت سے ثابت ہے، اس کے لئے نفلی عمرہ اور نفلی حج اور تجارت کا سفر واضح طور پر نظیر ہے۔

واختلف أصحابنا في خروجها لحج التطوع، وسفر الزيارة، والتجارة، ونحو ذلک من الأسفار التي ليست واجبة، فقال بعضهم: يجوز لها الخروج فيها مع نسوة ثقات، كحجة الإسلام، وقال الجمهور: لايجوز إلا مع زوج أو محرم، وهذا هو الصحيح للأحاديث الصحيحة، وقد قال القاضي: واتفق العلماء على أنه ليس لها أن تخرج في غير الحج والعمرة إلا مع ذي محرم. (شرح مسلم، للنووي على هامش المسلم ۱/ ۴۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۹/۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۷۰۷)

مستورات کی جماعت کا شرعی حکم

سوال [۱۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستورات اپنے اپنے شوہروں یا محرموں کے ساتھ تبلیغی جماعت میں جاتی ہیں، تو باقاعدہ شرعی دائرہ حدود میں رہتے ہوئے مکمل حجاب وپردہ کے ساتھ مروجہ طریقہ کے مطابق عورتوں کا جماعت میں جانا کیسا ہے؟ مروجہ طریقہ عموماً یہ ہے کہ جتنی بھی عورتیں جماعت میں جاتی ہیں، ان سب عورتوں کے اپنے اپنے محرم ساتھ ہوتے ہیں اور باقاعدہ مکمل پردہ کے ساتھ چلتے ہیں، عورتوں کے ٹھہرنے، رہنے، سونے اور طعام کا انتظام کسی باپردہ گھر میں ہوتا ہے، جہاں کسی بھی مرد کی آمد ورفت پر مکمل پابندی ہوتی ہے اور مرد حضرات محلّہ کی مسجد وغیرہ

میں عورتوں سے بالکل الگ ٹھہرتے ہیں اور مستورات عورتوں کی تبلیغ وتشکیل کرتی ہیں اور فضائل اعمال وغیرہ کی بھی تعلیم کرتی رہتی ہیں، یعنی عورتوں کو جمع کرکے اور کبھی انفرادی ملاقات میں عورتوں کے اندر دینی جذبہ اور بیداری پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں۔اور مردمردوں کی تشکیل کرتے ہیں،تو کیا ایسی صورت میں یہ جائز ہے یاناجائز ہے؟ اس کے علاوہ اگرکوئی صورت ناجائز یا جواز کی ہوتو وہ بھی براہ کرم مفصل تحریرفرمادیجئے۔اور جواب بالکل صاف صاف اورمدلل باقاعدہ حوالہ جات کے ساتھ عنایت فرمادیجئے۔

ہم اپنے گاؤں میں مستورات کوجمع کرکے پردہ کے ساتھ کسی باپردہ حویلی میں کسی عالم صاحب کا وعظ مائک سے کرادیتے ہیں۔اور پھر دعا کرکے عورتیں برقع اوڑھ کراپنے اپنے گھروں کوایک دوگھنٹہ کی مجلس کرکے چلی جاتی ہیں،آیا ہمارا یہ طریقہ درست ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد شاہدقاسمی،مہتمم مدرسہ کاشف العلوم پرتھی پور،بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورتوں کی دینی ذہن سازی کے لئے خودعورتوں کا آپس میں گفتگوکرنازیادہ مفید ہوتا ہے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایسا گھرانا جو بالکل جاہل تھا یا بہت زیادہ موڈرن تھا، اس میں مستورات کی تبلیغی جماعت کی آمد ورفت سے دینی انقلاب آگیا اور بہت سی غلط فہمیوں کی اصلاح ہوئی، یہ اثرات عموماً محض علماء کے بیانات سے پیدا نہیں ہو پاتے؛ اس لئے موجودہ دور میں مکمل احتیاط اور شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے مرکز نظام الدین دہلی کے مقررہ اصول وضوابط اور شرائط کے مطابق محارم کے ساتھ باپردہ مستورات کے تبلیغی سفر کی نہ صرف گنجائش ہے؛ بلکہ بعض علاقوں میں سخت ضرورت ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ اب کچھ باطل فرقوں نے جن میں سلفی اور غیر مقلد لوگ پیش پیش ہیں، اپنی عورتوں کے ذریعہ ہماری خواتین کوگمراہ کرنے کی سخت محنت شروع کررکھی ہے، ایسی صورت حال میں اگرصحیح رہنمائی خواتین ہی کے ذریعہ نہیں ہوگی تو سخت دینی نقصان کا اندیشہ ہے، خیرالقرون میں جہادی اسفار میں صحابہ اور تابعین کا اپنی اپنی

عورتوں کوساتھ میں لے جانا حدیث صحیح سے ثابت ہے اور دارالعلوم دیوبند کا جو جواب استفتاء کے ساتھ منسلک ہے، اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے۔ اور اس میں جو استدلال کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ ہمارے لئے اطمینان بخش نہیں ہے، اس میں استدلال یوں کیا گیا ہے کہ اگر دس عورتیں اپنے اپنے شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ سفر کریں تو ہر عورت کا ایک محرم ہے اور نو (۹) غیر محرم ہیں اور غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے، تو کیا نفلی حج یا نفلی عمرہ کے لئے سفر ہو جائے اور پورے جہاز میں ساڑھے تین سو یا چار سو کے قریب افراد ہوتے ہیں اور سب کو مکہ مکرمہ میں ایک ساتھ بلڈنگ میں رکھا جاتا ہے اور منیٰ وعرفات میں ایک ساتھ رکھا جاتا ہے اور مدینہ منورہ میں ایک ساتھ رکھا جاتا ہے، تو اگر ایک جہاز میں پچاس عورتیں اپنے شوہروں یا محرموں کے ساتھ ہیں، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ہر ایک عورت تقریباً تین تین سو غیر محروموں کے ساتھ سفر کر رہی ہے؟ یا یہ کہا جائے گا کہ ہر ایک عورت اپنے اپنے محرم یا شوہر کے ساتھ سفر کر رہی ہے؟ خیر القرون کے زمانہ میں جو جہاد کا سفر ہوا کرتا تھا، وہی در حقیقت تبلیغی سفر بھی ہوا کرتا تھا، حدیث پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ایک دم کسی قوم کے اوپر حملہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، پہلے ان کو ایمان کی دعوت پیش کی جائے گی، دوسرے نمبر پر جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کی جائے گی، اس کے بعد تیسرے نمبر پر جہاد کا حکم کیا گیا ہے اور خیر القرون کے زمانہ میں دعوت ایمان کے لئے تبلیغی اسفار ہوتے تھے۔ اور آج کے زمانہ میں دعوت اصلاح کے لئے تبلیغی اسفار ہوتے ہیں اور یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ خیر القرون کے زمانہ میں تبلیغی اسفار نہیں ہوتے تھے؛ اس لئے کہ جہاد کے اسفار بذات خود جہادی اور تبلیغی دونوں قسم کے اسفار کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھے، اس سلسلہ میں عورتوں کا اپنے شوہروں کے ساتھ لمبے سفر میں نکلنا حدیث کی مستند کتابوں میں ثابت ہے، چند حوالہ حسب ذیل ہیں، ان کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے:

(۱) مسلم ۲/ ۱۱۶، ۲/ ۱۱۷ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ جدید ۱۸/ ۴۰۶، رقم: ۳۴۸۹۳ (۳) المعجم الکبیر للطبرانی ۲۴/ ۱۵۷، رقم: ۴۰۳ (۴) مصنف ابن شیبہ، نسخۂ جدید ۱۸/ ۲۱۸، رقم: ۳۴۳۴۴

(۵) بخاری میں درج ہیں جانے کی شرعاً گنجائش ہے، جیسا کہ سفر حج اور سفر عمرہ میں جانے کی روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور اسی طرح جہاد کے سفروں میں اپنے شوہر یا محرم کے ساتھ جانا ثابت ہے اور بہت سی عورتوں کا جہاد کے سفر میں شہید ہونا بھی ثابت ہے۔

عن محمد بن مهاجر وعمر بن مهاجر عن أبيهما أن أسماء بنت يزيد بن السكن بنت عم معاذ بن جبل قتلت يوم اليرموك تسعة من الروم بعمود فسطاطها. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٥٧، رقم: ٤٠٣)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: حدثتني أم حرام، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال يوما في بيتها فاستيقظ وهو يضحك قالت: يا رسول الله! ما يضحكك؟ قال: عجبت من قوم من أمتي يركبون البحر كالملوك على الأسرة، فقلت: يا رسول الله! أدع الله أن يجعلني منهم، قال: أنت منهم، ثم نام، فاستيقظ وهو يضحك، فقال: مثل ذلك مرتين أو ثلاثا، قلت: يا رسول الله! أدع الله أن يجعلني منهم، فيقول: أنت من الأولين، فتزوج بها عبادة بن الصامت، فخرج بها إلى الغزو، فلما رجعت قربت دابة لتركبها، فوقعت فاندقت عنقها. (بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب ركوب البحر، النسخة الهندية ١/ ٤٠٥، رقم: ٢٨٠٨، ف: ٢٨٩٤)

وقال لي أحمد بن محمد هو الأزرقي: حدثنا إبراهيم عن أبيه عن جده، أذن عمر لأزواج النبي ﷺ في آخر حجة حجها، فبعث معهن عثمان بن عفان، وعبدالرحمن بن عوف. (بخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٢، ف: ١٨٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۳۳ھ

مستورات کی جماعت کے بارے میں فتاوی دارالعلوم پر نظر ثانی

سوال [۱۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کی جماعت کا مسئلہ لوگوں میں گشت کرر ہا ہے، تبلیغی جماعت سے دلچسپی رکھنے والے بعض حضرات اپنی مستورات کو مرکز نظام الدین کی شرائط وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے جماعت میں لے جاتے ہیں۔ اور عام طور پر چھ جوڑوں کی جماعت بنتی ہے، اوران جوڑوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ عورت اپنے شوہر یا حقیقی بیٹے کے ساتھ جاسکتی ہےاوراس میں یہ شرط ہے کہ ماں اپنے بیٹے کی ماتحتی کوقبول کرتی ہواور بیٹے کی بات مانتی ہواور بیٹی اپنے باپ کے ساتھ جاسکتی ہےاور یہ جماعت جب ٹرین پرسفر کرتی ہےتو ٹرین کے دوکیبن ریزویشن کر لیتے ہیں، ایک کیبن میں مرداور دوسرے کیبن میں عورتیں ہوتی ہیں اورعورتوں کے کیبن میں پردہ لگا دیا جاتا ہےاور جہاں جانا ہوتا ہے، وہاں پہلے ہی سے اطلاع کردی جاتی ہے، جس سے اس جماعت کے لئے قیام اور رہائش کا پہلے ہی سے پردہ کے ساتھ معقول انتظام ہوجاتا ہے۔ اورعورتوں کو اپنے محرم مردوں کے ساتھ کوئی ضروری گفتگو کرنی ہوتی ہے،تو اس کے لئے الگ سے کمرہ ہوتا ہے، جس میں باتیں کرنے کے لئے مرد کو اطلاع کردی جاتی ہے۔ اوراس کمرہ میں اپنے محرم یا شوہر سے ضروری باتیں ہوتی ہیں۔اور پردہ کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ جس مرد کو اپنی محرم عورت سے بات کرنی ہوتو نہ اپنے طور پر اسے بلاسکتا ہے، نہ ہی آزادانہ طور پر اس سے بات کرسکتا ہے؛ بلکہ نظام کے مطابق چھوٹے بچے کے ذریعہ بلا کر الگ کمرہ میں بات کرسکتے ہیں، عورتوں کے مجمع میں عورتیں ہی اصلاحی گفتگو کرتی ہیں اور قریبی مسجد کے اندر مرد لوگوں میں اصلاحی باتوں کا مذاکرہ کرتے ہیں، اس طرح مرکز نظام الدین کے شرائط وضوابط کے ساتھ مستورات کی جماعتیں نکلتی ہیں، ہمیں ''فتاوی دارالعلوم'' جلد: ۱۶ میں مستورات کی جماعت سے متعلق تین فتاوی دیکھنے کا اتفاق ہوا:

(۱) مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری کا فتوی ہے، جوص: ۲۰۸/ پر موجود ہے، اس میں سائل

نے سوال کیا کہ میں اپنی اہلیہ کو لے کر جا سکتا ہوں تو مفتی صاحب نے جواب میں لکھا کہ عورتوں کو جماعت میں لے کر جانا مطلوب اور پسندیدہ نہیں۔

(۲) دوسرا فتویٰ حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کا لکھا ہوا ہے، اس کے سوال میں لکھا ہے کہ عورتوں کا تبلیغی سفر کرنا مع محرم کے درست ہے؟ تو اس پر مفتی صاحب نے جواب میں لمبی تحریر کے تحت لکھا ہے کہ عورتوں کا تبلیغی سفر کرنا اگرچہ محرم ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو، کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟

(۳) تیسرا فتویٰ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کا ہے، اس کے سوال میں لکھا ہے کہ عورتوں کا تبلیغ کے لئے اپنے محرم کے ساتھ نکلنا کیسا ہے؟ تو اس کے جواب میں لکھا ہے کہ عورتوں کا جماعت میں نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ فقہاء نے دینی کاموں کے لئے عورتوں کے نکلنے کو بالاتفاق حرام قرار دیا ہے، تو فتاوی دارالعلوم کے ان تینوں فتوؤں کے پیش نظر آنجناب سے چند باتیں دریافت کرنی ہیں، تاکہ خلجان دور ہو جائے:

(۱) مفتی عبدالرحیم صاحب نے جو جواب لکھا ہے، کیا اس سے آپ کو اتفاق ہے؟

(۲) حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ نے اپنے جواب میں لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تبلیغ کے لئے سفر کرتے تھے، جہاد میں جاتے تھے، مگر عام طور پر سب عورتوں کو اپنے ساتھ نہیں لے کر جاتے تھے، تو آپ سے گزارش ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کے سفروں میں اپنی عورتوں کو ساتھ میں نہیں لے کر جاتے تھے؟ اگر نہیں لے کر جاتے تھے؟ تو اس کے سلسلے میں کم از کم دو حدیث تحریر فرما دیں۔

(۴) مفتی رشید احمد صاحبؒ نے جواب میں لکھا ہے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے؛ اس لئے فقہاء نے دینی کاموں کے لئے بھی عورتوں کے نکلنے کو بالاتفاق حرام قرار دیا ہے، تو آپ سے گزارش ہے کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے کہ فقہاء نے عورتوں کو اپنے شوہر یا محرم کے ساتھ نکلنے کو بالاتفاق حرام قرار دیا ہے؟ اور مفتی رشید احمد صاحب نے تین چار صفحات پر عربی عبارتیں نقل کی ہیں، ان عبارات میں ہم کو کوئی ایسی عبارت دیکھنے میں نہیں آئی کہ فقہاء

نے دینی کاموں کے لئے بھی شوہر یا محرم کے ساتھ عورتوں کے نکلنے کو حرام قرار دیا ہو؛ اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ کوئی حدیث یا فقہی جزئیہ جس میں عورتوں کو شوہر یا محرم کے ساتھ نکلنے کو حرام قرار دیا گیا ہو، وضاحت کے ساتھ تحریر فرمادیں، اگر جواز کی بات ہے تو جواز کے سلسلے میں حدیث یا فقہی جزئیہ تحریر فرمادیں تاکہ ہم کو تسلی ہو جائے۔

المستفتی: محمد سلیمان قاسمی، ناہل غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ تینوں جوابات سے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ دو مسئلے بالکل الگ الگ ہیں۔اور دونوں کا حکم بھی بالکل الگ الگ ہے اور دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کا اپنے شوہروں یا محارم شرعی کے ساتھ دور دراز سفروں میں نکلنا یہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں؛ اس لئے کہ اس میں کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کا بغیر شوہر یا بغیر محرم کے دور دراز مسافت شرعی کا سفر کرنا بالاتفاق ناجائز ہے؛ اس لئے کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا اگر پہلے مسئلہ سے متعلق سوال کیا جائے اور مجیب دوسرے مسئلہ کا حکم بیان کرے تو وہ سوال کا جواب نہیں کہلائے گا اور اس کو فتویٰ کہنا بھی مشکل ہے، اس کے بعد ''فتاوی دارالعلوم'' میں نقل کئے گئے تینوں مسئلوں سے متعلق حسب ذیل گزارش ہے:

(۱) حضرت اقدس مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے فتوی پر غور کیا گیا، ان کا فتویٰ سوال کے مطابق ہے یا نہیں؟ سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ میں اپنی اہلیہ کو لے کر تبلیغی جماعت میں جا سکتا ہوں؟ تو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے جواب میں شوہر کے اہلیہ کو ساتھ میں لے جانے کی بات حذف کر کے ان الفاظ سے جواب دیا کہ عورتوں کو جماعت میں لے جانا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے، عورتیں غیر محتاط ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب کا یہ جواب ہم

کو سمجھ میں نہیں آیا؛ اس لئے ہم اس فتوی سے اتفاق کرنے سے معذور ہیں۔

(۲) حضرت اقدس مفتی مہدی حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا مع محرم کے درست ہے؟ اس پر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے جواب میں جو تحریر فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ محرم کے ساتھ بھی عورتوں کے لئے تبلیغی سفر جائز نہیں ہے، اب حضرت کے جواب میں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تبلیغ کے لئے سفر کرتے تھے، جہاد میں جاتے تھے؛ لیکن عام طور پر سب عورتوں کو اپنے ساتھ میں نہ لے جاتے تھے۔ حضرت کی اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت نے یہ اس لئے لکھا ہے کہ حضرت کو معلوم ہے کہ سب عورتوں کو نہیں لے جاتے تھے؛ بلکہ بعض عورتوں کو لے جاتے تھے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو دور دراز سفر میں لے جانے کے لئے قرع اندازی فرماتے تھے، جن کا نام نکلتا، ان کو لے کر جاتے اور جن کا نام نہ نکلتا ان کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ اور یہ عورتوں کے اپنے شوہروں کے ساتھ نکلنے کے جواز کی دلیل ہے، اس کو حضرت نے اپنی عبارت سے حذف کر دیا ہے؛ کیوں حذف کیا ہے ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

(۲) حضرت نے یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ اس شر اور فتنہ کے زمانہ میں عورتوں کو تبلیغ کے لئے سفر کرنا اگرچہ محرم کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت نے عورتوں کے اپنے محرم کے ساتھ بھی تبلیغی سفر کے لئے نکلنے کو ناجائز لکھا ہے، مگر حضرت نے اس عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل تحریر نہیں فرمائی ہے؛ اس لئے کہ عورتوں کا اپنے شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ دور دراز سفر میں جانے کے بارے میں عدم جواز پر قرآن وحدیث اور فقہی عبارات میں کوئی بھی دلیل نہ ہم کو ملی نہ حضرت نے نقل فرمائی ہے؛ بلکہ جواز سے متعلق دلائل شرعیہ کا ذخیرہ موجود ہے، جو ہم آگے نقل کریں گے، اس کے باوجود حضرت نے دلائل شرعیہ کو حذف فرما کر یہ حکم کیوں تحریر فرمایا ہے؟ ہم کو سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت نے عدم جواز کی

بنیاد شر اور فتنہ کو قرار دیا ہے اور شر اور فتنہ بغیر محرم یا بغیر شوہر کے سفر کرنے سے ہوتا ہے، محرم شرعی یا اپنے شوہر کے ساتھ سفر کیا جائے تو شر وفتنہ کا خطرہ نہیں ہے، ورنہ شریعت اسلامی سفر عمرہ اور نفلی حج کے اسفار میں عورتوں کو اپنے اپنے شوہروں یا محرموں کے ساتھ بھی جانے کی اجازت نہ دیتی۔ اور شریعت نے محرم اور شوہر کے ساتھ جانے کی کھل کر اجازت دے رکھی ہے، جس کا سلسلہ دور نبوت سے لے کر آج تک بلانکیر جاری ہے اور پوری امت اس کے جواز پر متفق ہے، چنانچہ سفر عمرہ وسفر حج میں عورتیں محرموں اور شوہروں کے ساتھ جاتی ہیں اور حکومت، حج کمیٹی اور گروپ لیڈر کے انتظام میں کئی کئی جوڑوں کو ایک کمرہ میں رہائش دی جاتی ہے، اس لئے سفر حج اور سفر عمرہ میں اختلاط کا جو اندیشہ ہے، مستورات کی جماعت میں اس اختلاط کا دور دور تک بھی اندیشہ نہیں ہے۔ اور اس کے جواز پر چند روایتیں ہم ذیل میں درج کر دیتے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مستورات کا اپنے شوہروں یا محرموں کے ساتھ دور دراز کے سفر پر جانا بلا کراہت جائز ہے۔

(۱) حدیث کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر غزوہ میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی عورتوں کی جماعت کو ساتھ میں لے کر گئے ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالك –رضي الله عنهما– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يغزو بأم سليم، ونسوة من الأنصار معه إذا غزا، فيسقين الماء ويداوين الجرحى. (مسلم شريف، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، النسخة الهندية ٢/ ١١٦، بيت الأفكار، رقم: ١٨١٠، سنن الترمذي، كتاب الجهاد والسير، باب ماجاء في خروج النساء في الحرب، النسخة الهندية ١/ ٢٨٦، دارالسلام، رقم: ١٥٧٥، سنن أبي داؤد، الجهاد، باب في النساء يغزون، النسخة الهندية ١/ ٣٤٣، دارالسلام، رقم: ٢٥٣١، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٣/ ٢٩٦، رقم: ٦٨٨٠)

(۲) حضرت اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا جو حضرت معاذ بن جبل کی چچا زاد بہن ہیں، جنگ یرموک میں شریک ہو کر شہید ہوئیں۔

عن محمد وعمر عن أبيها أن أسماء بنت يزيد بن السكن بنت معاذ بن جبل قتلت يوم اليرموك تسعة من الروم بعمود فسطاطها.
(المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٥٧، رقم: ٤٠٣، أسد الغابة، دارالفكر ٦/ ١٨)

(۳) حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے شوہر عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ رومیوں سے جنگ کے دوران موجود تھیں، جس میں حضرت عکرمہ شہید ہوئے۔ اور عدت وفات کے بعد حضرت ام حکیم بنت الحارث کا نکاح خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ روایت ملاحظہ فرمایئے:

أم حكيم بنت الحارث ...... شهدت أحدا كافرة، ثم أسلمت يوم الفتح، كانت تحت ابن عمها عكرمة بن أبي جهل، ولما أسلمت كان زوجها قد هرب إلى اليمن، فاستأذنت له من النبي ﷺ واستأذنته في أن تصير في طلبه، فأذن لها فردته، فأسلم، وقتل عنها عكرمة، فتزوجها خالد بن سعيد. (أسد الغابة، بيروت ٦/ ٣٢١)

(۴) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے شوہر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا بذات خود بخاری کی روایت کے مطابق چھ غزوات میں اور مسلم کی روایت کے مطابق سات غزوات میں شریک ہوئیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أم عطية الأنصارية، قالت: غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سبع غزوات أخلفهم في رحالهم، واصنع لهم الطعام، وأداوى الجرحى، وأقوم على المرضى. (صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب النساء الغازيات يرضخ لهن، النسخة الهندية ٢/ ١١٧، بيت الأفكار، رقم: ١٨١٢، سنن ابن ماجة، كتاب الجهاد، باب العبيد والنساء يشهدون مع المسلمين، النسخة الهندية، ص: ٤١٢، دارالسلام، رقم: ٢٨٥٦، بخاري شريف، كتاب العيدين، باب إذا لم يكن لها

جلباب، النسخة الهندية ١/ ١٣٤، رقم: ٩٧٠، ف: ٩٨٠)

(۵) حضرت ام سلیط یوم احد میں پانی سے بھرے مٹکے سے زخمی مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

أم سليط من نساء الأنصار، ممن بايع رسول الله ﷺ قال عمر: فإنها كانت تزفر لنا القرب يوم أحد. (بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزو، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٥، ف: ٢٨٨١)

(۶) حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوکر مجاہدین کو پانی پلاتیں، زخمیوں کے لئے دوادارو کا انتظام کرتیں اور مقتولین کو مدینہ پہنچاتی تھیں۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن الربيع بنت معوذ قالت: كنا مع النبي ﷺ، نسقي، ونداوي الجرحى، ونرد القتلى إلى المدينة. (بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب مداواة النساء الجرحى في الغزو، النسخة الهندية ١/ ٤٠٣، رقم: ٢٧٩٦، ف: ٢٨٨٢)

(۷) حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا اپنے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ سمندری سفر میں شریک ہوکر شہید ہوئیں۔ روایت ملاحظہ ہو:

أم حرام ...... تزوجها عبادة بن الصامت، فأخرجها معه، فلما جاز البحر بها ركبت دابة فصرعتها، فقتلتها. (مسند أحمد ٦/ ٤٢٣، رقم: ٢٧٩٢١، أسد الغابة، بيروت ٦/ ٣١٧)

(۸) امام طحاویؒ نے اپنی کتاب "مشکل الآثار" میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت نقل فرمائی ہے کہ وہ خود غزوہ خیبر کے سفر میں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا تھا، واپس بلندی پر سورج آ گیا، یہاں تک کہ پہاڑوں کے اوپر سے سورج نظر آنے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی، اس کے بعد انہوں نے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد سورج اپنی رفتار سے غروب ہوگیا۔ یہ روایت سند صحیح کے ساتھ "مشکل الآثار" (۲/ ۷، رقم: ۱۲۰۸، اور ۴/

۲۶، رقم: ۳۸۵۰) میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ان تمام روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دور نبوت اور دور صحابہ میں کثرت سے عورتیں اپنے شوہروں اور محرموں کے ساتھ دور دراز سفر میں جایا کرتی تھیں، ان سارے واقعات اور روایات کا علم حضرت مفتی صاحب کو ضرور ہوگا، اس کے باوجود حضرت نے عورتوں کے محرموں کے ساتھ نکلنے کو کیوں ناجائز لکھا ہے؟ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، ان دلائل شرعیہ کی وجہ سے پردہ کی پابندی کے ساتھ محرموں اور شوہروں کے ساتھ مستورات کے لئے تبلیغی اسفار میں نکلنے کو ہم ناجائز نہیں کہہ سکتے۔

(۳) مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی علیہ الرحمہ کا سوال وجواب دیکھ لیا گیا ہے کہ اس میں جواب سوال کے مطابق نہیں ہے؛ اس لئے کہ دو مسئلے بالکل الگ الگ ہیں:

(۱) عورتوں کا اپنے حقیقی محرم اور اپنے شوہروں کے ساتھ دور دراز سفروں کو جانا بالاتفاق جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۲) عورتوں کا بغیر محرم یا بغیر شوہر کے دور دراز کے سفر پر جانا بالاتفاق ناجائز ہے، سائل نے پہلے مسئلہ سے متعلق سوال کیا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے دوسرے مسئلہ سے متعلق جواب دیا؛ اس لئے سوال وجواب میں کوئی انطباق نہیں ہے اور اس کے بعد تقریباً چار صفحات میں جو عربی عبارات نقل کی گئی ہیں، ان میں سے کسی بھی عبارت میں عورتوں کے محارم یا شوہروں کے ساتھ دور دراز سفر میں نکلنے کی ممانعت موجود نہیں ہے؛ اس لئے ہمیں حیرت ہے کہ اس بے جوڑ فتوی کو "فتاوی دار العلوم" میں ضم کرکے اس کا جزو کیسے بنا دیا گیا؟ مذکورہ تینوں مفتیان کرام ہمارے لئے بہت زیادہ قابل احترام اور ہمارے لئے پیشوا کے درجہ میں ہیں، مگر ہم کو اس بات پر شرمندگی ہے کہ "فتاوی دار العلوم" میں ضم کئے گئے تینوں فتاوی میں سے ایک سے بھی مذکورہ وجوہات کی بنا پر اتفاق نہ کرسکے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۳۶ھ

مستورات کے سلسلے میں مدرسہ شاہی کا فتویٰ دارالعلوم کے فتویٰ کے خلاف نہیں

سوال [۱۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم مدرسہ شاہی مرادآباد آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ عورتوں کے جماعت میں نکلنے سے متعلق ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ یہی ہے کہ شوہر یا محرم کے ساتھ بھی عورتیں جماعت میں نہیں جاسکتیں، مگر آپ کے مدرسہ شاہی کے دارالافتاء کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، آپ کے یہاں کا فتویٰ جواز کا ہے، آپ نے جائز ہونے کا فتویٰ کیسے لکھ دیا ہے؟ جب کہ دارالعلوم کا فتویٰ ناجائز ہونے کا ہے، آپ ہم کو اس بات کا جواب دیں، تاکہ ہمارے شکوک وشبہات دور ہوں اور ہم کو تسلی حاصل ہوجائے۔

المستفتی: آپ کا ایک خیرخواہ اور مخلص قصبہ چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے اچھا سوال اٹھایا ہے، واقعی مخلصین کا سوال شوک وشبہات دور کرنے کے لئے ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب آنجناب کے سوال کا جواب ہم دارالعلوم دیوبند کے سب سے اہم اور برگزیدہ مفتیان کرام کے فتاوی اور جوابات کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے سب سے بڑے مفتی صاحب فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ اور حضرت مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا مشترکہ فتویٰ یہی ہے کہ شوہر یا محرم کے ساتھ عورتوں کے لئے دور دراز علاقہ میں تبلیغی سفر کرنا جائز اور درست ہے، چنانچہ بمبئی سے مستورات کی ایک جماعت کو لندن جانے کے لئے ۲/ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ میں ان دونوں اہم مفتیان کرام نے اجازت دی ہے، یہ دونوں مفتیان کرام ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش ان تمام ممالک کے سب سے بڑے مفتیان کرام ہیں اوران ممالک کے اکثر مفتیوں کے اساتذہ کرام ہیں۔ اور راقم الحروف کے بھی اہم استاذوں میں سے ہیں، ان دونوں حضرات کا مشترکہ فتویٰ سوال وجواب کے ساتھ آنجناب کی خدمت میں پیش ہے، ملاحظہ فرمائیے:

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

سوال: - زید کی والدہ تبلیغی جماعت میں بمبئی میں کام کرتی ہیں، اب تبلیغی جماعت کے اکابرین نے چند مستورات کی جماعت محرموں کے ساتھ لندن بھیجنے کا ارادہ کیا ہے، اس مذکورہ جماعت میں زید کی والدہ کا نام بھی ہے، زید کی والدہ اپنے شوہر کے ساتھ لندن جائیں گی، مگر گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، ایک پندرہ سالہ لڑکی بھی ہے، والدین کی عدم موجودگی میں بچوں کی نانی بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے تیار ہے، تو ان حالات میں یہ سفر جائز ہے یا نہیں؟ اور مستورات کا جماعت کی شکل میں دور دراز سفر بغرض تبلیغ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا: تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا، اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے پختہ کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہے اور اس جذبہ کو عام کرنے کے لئے طویل طویل سفر بھی اختیار کئے جاتے ہیں، جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں، عورتیں بھی محتاج ہیں۔ اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے؛ اس لئے اگر لندن یا کسی بھی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدود شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں، تو شرعاً اس کی اجازت ہے؛ بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔ اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں کہ بغیر والدہ کے تڑپیں گے اور ان کی پرورش نہیں ہوسکے گی اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقہ پر کرلیں گی، تو پھر اجازت ہے۔ خدائے پاک اس سفر میں برکت دے، نصرت فرمائے۔ اور کامیاب واپس لائے، بچوں کو عافیت سے رکھے۔ (فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۴/۲۶۶، میرٹھ ۵/۱۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ: العبد محمود غفرلہ	الجواب صحیح:
دارالعلوم دیوبند	بندہ نظام الدین غفرلہ
۱۳۹۱/۱۲/۲ھ	دارالعلوم دیوبند
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۱۵۶)	۱۳۹۱/۱۲/۲ھ

دارالعلوم دیوبند کے موجودہ اہم ترین دومفتیان کرام: حضرت مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی اور مفتی محمود حسن صاحب بلندشہری کا مشترکہ فتوی بھی جواز کا ہے، جو۳/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ کا لکھا ہوا ہے اور اس پر مزید دومفتیوں کے بھی دستخط ہیں، حضرت مفتی کفیل الرحمٰن نشاط رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد عبداللہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، ان دونوں کے دستخط بھی اس میں موجود ہیں؛لہٰذا یہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

الجواب وبالله العصمة التوفيق، حامدا ومصليا ومسلما:

''فتاوی محمودیہ'' میں ہے: ''تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا اور اس کو پختہ کرنا ہے، اور دوسروں کو دین سیکھنے پختہ کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہےاوراس جذبہ کوعام کرنے کے لئے طویل طویل سفر بھی اختیار کئے جاتے ہیں، جس طرح مرد اپنے دین کوسمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں، عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے؛ اس لئے اگر لندن یا کسی دور دراز مقام پرمحرم (یا شوہر) کے ساتھ حدود شرع کی پابندی کا لحاظ کرتے ہوئے جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے؛ بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔ (فتاوی محمودیہ ڈابھیل۴/۲۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: العبداحقر محمود حسن غفرلہ بلندشہری الجواب صحیح:

دارالعلوم دیوبند حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

۳/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ (حوالہ نمبر:۳۳۳) کفیل الرحمٰن، محمد عبداللہ غفرلہ

دارالعلوم دیوبند کے ان اہم اور بڑے مفتیان کرام کی طرف سے محرم یا شوہر کے ساتھ مستورات کی جماعت کے جواز پرفتویٰ آجانے کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی طرف سے جواز کے فتویٰ کوام المدارس دارالعلوم دیوبند کے فتوی کے خلاف کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اور ہم نے اس موضوع سے متعلق جتنے جوابات لکھے ہیں، وہ سب قرآن وحدیث کے حوالہ سے مدلل لکھے ہیں۔ اور دارالعلوم دیوبند کے ان بڑے مفتیان کرام کے جوابات کے مطابق ہیں؛ لہٰذا ہمارے جوابات کی وجہ سے شکوک وشبہات نہیں

ہونے چاہئیں۔ امید ہے کہ اس تحریر سے آنجناب کے شکوک وشبہات دور ہو گئے ہوں گے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۱۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۷/۱۴۳۶ھ

عورتیں نماز کے لئے مسجد نہیں جاسکتیں تو جماعت میں کیسے؟ اعتراض کا جواب

مقصد تحریر چند باتیں ہیں، جن میں یہاں بعض علماء کو پیچیدگی محسوس ہورہی ہے، امید ہے کہ ادلہ شرعیہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں گے۔

سوال [۱۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا محلّہ علمائے دین کے مشرب ومسلک سے تعلق رکھتا ہے اور مسجدوں میں تبلیغی جماعت کا کام خوب آزادی سے ہوتا ہے؛ لیکن اب کچھ روز سے تبلیغی جماعت کے احباب کی جانب سے عورتوں کی جماعت بھی مردوں کے ساتھ بنانے اور باہر نکالنے کی ترغیب ہورہی ہے، جماعت کے احباب کی دلیل یہ ہے کہ اب یہ کام پوری دنیا میں جاری ہوگیا ہے، نیز نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے مستورات کی درخواست پر دین سیکھنے سکھانے کے لئے اجتماع کا دن مقرر فرمایا تھا، نیز ازواج مطہرات کے پاس کثرت سے مستورات دین سیکھنے اور مسائل معلوم کرنے کے لئے آتی تھیں، تو پھر اصول وشرائط کی ساری پابندی اور پردہ کے اہتمام کے ساتھ عورتوں کی جماعت نکالی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

اختلاف رکھنے والے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ عورتوں کی جماعت کو ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک لے جانا باوجود تمام اصول شریعت کی پابندی اور پردہ کے اہتمام کے درست نہیں ہے بچند وجوہ:

(۱) ازواجِ مطہرات کا فرض باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں نہ آنا، جب کہ

دروازہ مسجد سے متصل تھا، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مزاج مبارک یہ تھا کہ عورتیں صرف ان عبادات کے لئے باہر نکلیں جن عبادات کا ادا کرنا گھروں میں ممکن نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا:

هذه ثم لزوم الحصر. (معارف القرآن ۷/ ۱۳٤)

اور جن عورتوں کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے مسجد آنے کی اجازت عطا فرمائی تھی، ان کو بھی نبوت کے مزاج شناس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ''ما أحدث النساء'' کے پیش نظر مسجد آنے سے روک دیا، تو جو چیز فرض یا واجب نہیں ہے عورتوں پر یعنی تبلیغ، اس کام کے لئے عورتوں کی جماعت کو شہر در شہر اور ملک در ملک سفر کرنا کیسے درست ہوگا؟ یہ کام تو مردوں پر لازم ہے کہ وہ دین سیکھیں اور گھر کی عورتوں کو سکھائیں۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

لو أدرک رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد. (بخاري شريف ۱/ ۱۲۰)

''ما أحدث النساء'' کی تشریح میں شراح حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ اس میں زینت، خوشبو اور لباس فاخرہ جیسی چیزیں ہیں۔

قال النووي: يعني من الزينة، والطيب، وحسن الثياب ونحوها.

(مسلم شريف ۱/ ۱۸۳)

تو جب خیر القرون میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مزاج یہ بیان فرمارہی ہیں کہ ابھی اس وقت عورتوں میں جو تبدیلی آگئی ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں مشاہدہ فرمالیتے تو ضرور ان عورتوں کو مسجد آنے سے روک دیتے، تو اب اس شرور وفتن سے بھرپور دور میں عورتوں کی جماعت کو شہر در شہر اور ملک در ملک سفر کرانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

(۳) یہ بات درست ہے کہ ازواجِ مطہرات کی خدمت میں عورتیں مسائل کی معلومات حاصل کرنے آیا کرتیں تھیں؛ لیکن یہ تو ثابت نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام یا خلفائے راشدین نے عورتوں کی جماعت یا اپنی بیوی کو اس کام کے لئے شہر سے باہر کہیں سفر کرایا ہو، جب کہ اصول اور شرائط کا لحاظ اور پردہ کا اہتمام ان سے زیادہ اب اس دور میں ممکن ہی نہیں۔ ''ابوداؤد شریف'' کے حاشیہ پر ہے:

ولما كان هذه الشروط لا يوجد في زماننا وديارنا الهندية أصلا، فيجب على الأولياء منعهن من الخروج ولو كان إلى المساجد للصلاة. (أبوداؤد شريف ١/ ٨٤)

(۴) مسجد میں آنے کے لئے جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے عورتوں کی جوسفارش فرمائی تھی تو رات کی قید بھی لگادی تھی، نیز علماء نے مسجد میں آنے کی شرطوں میں ''ولا شابة'' کی قید بھی ذکر کی ہے، جیسا کہ ''ابوداؤد کے حاشیہ ص:۸۴'' پر ہے۔ اور تبلیغی جماعت کے اندر تو خاص طور پر نوجوانوں کو اپنی بیویوں کی جماعت نکالنے کی ترغیب دی جارہی ہے، تو کیا ایسی صورت میں جب کہ محلّہ کی مسجد میں آنا ہی عورتوں کے لئے ممنوع ہوجائے تو عورتوں کی جماعت کو ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر درست ہوگا؟

(۲) تبلیغی جماعت میں کچھ اصول کی پابندی اس قدر شدت کے ساتھ کی جاتی ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے اصول شکنی ہوگئی تو پھر وہ عمل قابل قبول نہیں ہوتا، جب کہ اس طرح کی شدت پسندی امر مباح اور مستحب پر شریعت میں جائز نہیں؛ بلکہ کبھی کبھی اس کے خلاف کی ترغیب ملتی ہے؛ لیکن جماعت کا چلہ اور سال اس قدر اہم اور مؤکد ہوچکا ہے کہ اس میں کوئی عذر قبول نہیں، مثلاً:

(ا) اگر کوئی چلہ اور سال میں نکلا ہوا ہے اور گھر میں اس درمیان کوئی حادثہ ہوگیا یا کوئی اللہ کو پیارا ہوگیا تو بھی اس شخص کو گھر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ فقط اتنی رعایت ہے کہ وہ آئے اور باہر ہی باہر جنازہ اور کفن دفن میں شریک ہوکر اپنا چلہ یا سال

پورا کرنے نکل جائے۔ اور اگر گھر میں داخل ہوگیا تو یہ چلہ اور سال قابل قبول نہیں، پھر سے از سرِنو مثل کفارۂ صوم کے وقت لگائے۔

(۲) شدت پسندی کی دوسری مثال جس سے علماء کرام کی تحقیر کھل کر ظاہر ہوجاتی ہے، یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کا بڑا اجتماع جب ہوتا ہے، تو اس میں صرف ان حضرات کو خطاب کا موقع دیا جاتا ہے جس نے چلہ یا سال لگایا ہوا ہے، خواہ وہ عالم ہو یا نہ ہو، ایک عالم جس کی زندگی دعوت وارشاد اور اشاعت دین وذکر اللہ میں گذر رہی ہے؛ لیکن چلہ یا سال اس کا جماعت میں نہیں لگا، تو وہ اجتماع سے خطاب کے قابل نہیں، گویا چلہ یا سال ایک عقیدہ بن گیا ہے، جس کی بنیاد پر ترجیح کا دارومدار ہے، اس طرح کی پابندی اور اصرار کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ممنوع اور خلاف شریعت قرار دیا ہے۔ (اصلاح الرسوم/۱۱۳)

پر فرماتے ہیں کہ: اس حدیث سے یہ بات نکلی کہ جو شخص امر مستحب پر اصرار کرے اور عزیمت کو ضروری قرار دے لے اور کبھی رخصت پر یعنی اس کے مقابل پر عمل نہ کرے، تو ایسے شخص سے شیطان اپنا حصہ گمراہ کرنے کا حاصل کر لیتا ہے، تو کیا جماعت کی شدت پسندی اور اصرار کہ بڑے اجتماع سے خطاب صرف چلہ اور سال لگائے ہوئے حضرات ہی کریں گے اور چلہ وسال بھی وہی قابل قبول ہوگا، جس کے درمیان جماعت کے اصول کے خلاف گھر میں داخل نہ ہوا ہو، بدعت اور خلاف شریعت کہا جاسکتا ہے۔ مدلل جوابات کی گزارش ہے، شکریہ ہوگا۔

المستفتی: اشتیاق احمد قاسمی، امام مسجد محلّہ پٹھان ٹولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ پورا دیکھ لیا گیا ہے، مستورات کی جماعت کو نماز پنج گانہ کے لئے مسجد میں جانے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ روزانہ پانچوں وقت مسجد میں جانے کی صورت میں کبھی اکیلی جائے گی اور کبھی دوسری عورتوں کے ساتھ

جائے گی، محرم شرعی کے ساتھ پابندی سے پانچوں وقت نہیں جائے گی؛ لہٰذا مسجد جانے کے بہانے سے عورت کا اپنے دوست اور عاشق سے ملاقات کرنا آسان ہوجانا یہی فتنہ کا ذریعہ ہے؛ اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے، اس کے برخلاف نفلی حج اور عمرہ کے سفر کے لئے شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ جانے میں اس فتنہ کا خطرہ نہیں ہے؛ اس لئے نفلی حج یا عمرہ کے سفر کے لئے محرم کے ساتھ جانے پر امت میں کسی نے نکیر نہیں کی ہے اور مستورات کی جماعت نفلی حج کے سفر اور سفر عمرہ کے مشابہ ہے؛ لہٰذا اسی پر قیاس کرنا چاہئے، پس جس طرح نفلی حج وعمرہ کے لئے شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ جانا عورت کے لئے جائز ہے، اسی طرح پردہ کے اہتمام کے ساتھ شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ مستورات کے لئے جماعت میں جانا جائز ہے اور قافلہ کے ساتھ نفلی حج اور سفر عمرہ میں غیر محرموں کے ساتھ اختلاط کا جو اندیشہ ہے وہ اختلاط مستورات کی جماعت میں ہرگز نہیں ہے؛ اس لئے مستورات کی جماعت کی شرعی طور پر گنجائش ہے، بس اس میں مرکز نظام الدین کی جانب سے جو اصول وضوابط اور ہدایات جاری کی جارہی ہیں، ان کی پابندی لازم ہے۔ اور تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ اس کی پابندی بڑے اہتمام سے کی جاتی ہے اور سفر عمرہ اور نفلی حج کے جواز سے متعلق حدیث کی کتابوں میں بے شمار روایات موجود ہیں، چند حوالہ حسب ذیل ہیں:

صحیح البخاری، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۹، رقم: ۳۸۴۷، ف: ۳۹۹۱، صحیح مسلم النسخة الهندية ۱/ ۴۸۶، رقم: ۱۴۸۴)

(۲) آپ کا سوال، سرخی کے مطابق نہیں ہے؛ اس لئے کہ سوال کی سرخی میں استفتاء برائے جماعت مستورات ہے اور سوال نمبر۲ میں جماعت مستورات سے متعلق سوال نہیں ہے؛ بلکہ تبلیغ والوں کی شدت پسندی کی بات ہے، شریعت اعتدال کو چاہتی ہے، شدت پسندی کہیں بھی مناسب نہیں ہے، تبلیغ میں ہو، مدارس میں ہو، خانقاہوں میں ہو، انفرادی حالات میں ہو یا اجتماعی حالات میں، کہیں بھی شدت پسندی مناسب نہیں ہے؛ بلکہ اعتدال لازم ہے۔

(۱) چلہ میں نکلا ہوا ہو اور گھر میں حادثہ پیش آجائے یا کسی کی موت واقع ہوجائے، تو کفن

دفن اور جنازے میں شرکت کی اجازت ہے، گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، یہ بات ہماری معلومات میں نہیں ہے؛ بلکہ تبلیغی ذمہ داروں سے معلوم کیا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ ایسا نہیں ہے، معلوم ہوا کہ گھر میں جا سکتا ہے اور ایک آدھ رات گھر میں رہ بھی سکتا ہے، اس لئے بے بنیاد اور سنی سنائی باتیں پھیلانا مناسب نہیں ہے۔

(۲) تبلیغی اجتماعات میں صرف سال یا چلہ لگائے ہوئے لوگوں کو بیان کا موقع دینا یہ ان کا اپنا عمل ہے، اس سے کسی کی ذلت اور تحقیر نہیں ہوتی؛ بلکہ سال اور چلہ لگانے کے دوران جو تجربات ہوتے ہیں، ان تجربات کی روشنی میں کچھ باتیں پیش کرتے ہیں؛ اس لئے کہ اجتماعات کا اصل مقصد تقریر وخطاب نہیں ہوتا؛ بلکہ جماعتیں نکالنا مقصد ہوتا ہے اور جماعتیں نکالنے کے لئے ترغیبی بیانات ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں جو جماعت میں جا چکے ہیں، ان کی کارگزاریاں سن کر سامعین میں شوق زیادہ پیدا ہوتا ہے؛ اس لئے اگر ان کو ترجیح دی جائے، تو علمائے کرام اس کو اپنی تحقیر پر محمول نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۰۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۹ھ

دودھ پیتی بچی کو چھوڑ کر جماعت میں جانے کا حکم

سوال [۱۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اور میری بیوی الحمد للہ باشرع زندگی گذار رہے ہیں، دونوں نے تبلیغ میں بھی وقت لگایا ہے، گھر میں پردہ کا پورا ماحول ہے، اس حالت میں ہمارے لئے تبلیغی جماعت میں جانا کیا حکم رکھتا ہے، جب کہ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے اور تبلیغ والے اصرار کر رہے ہیں، صورت حال یہ ہے کہ تبلیغی احباب کی کچھ عورتیں ہمارے گھر آئیں اور میری بیوی کی دس دن کی جماعت میں جانے کے لئے تشکیل کرنے لگیں، جب کہ میری بیوی کے پاس چھ مہینہ کی

بچی ہے، میری بیوی نے جب ان سے بتایا کہ بچی کو دودھ پلانے کا مسئلہ ہے، تو وہ کہنے لگیں کہ بچی کو گھر پر چھوڑ جاؤ اور اس کو دودھ چھڑانے کی عادت ڈالو اور ایک مشین دودھ نکالنے کی ساتھ لے کر چلنا اور جو دودھ آئے گا اس کو نکال کر پھینک دینا اور انہوں نے بتایا کہ ہم نے بھی اسی طرح کیا تھا اور ان دنوں میری بڑی بیٹی جو کہ شادی شدہ ہے وہ آئی ہوئی ہے، وہ عورتیں کہنے لگیں کہ اگر ضرورت پڑی تو آپ کی بڑی بیٹی اس کو دودھ پلا دے گی، جب کہ وہ بچی اپنی ماں کے علاوہ کسی کا دودھ نہیں پیتی ہے اور نہ ہی اپنی ماں کے بغیر رہ سکتی ہے، تو اس صورت میں ہمارے لئے تبلیغی جماعت میں جانا کیا حکم رکھتا ہے؟ جب کہ تبلیغ والے بہت اصرار کررہے ہیں، باہر مجھ سے اصرار کرتے ہیں اور ان کی عورتیں ہمارے گھر آ کر میری اہلیہ سے اصرار کرتی ہیں اور جب ان کو عذر بتلاتے ہیں تو وہ یہی بات سامنے رکھتے ہیں، اس وضاحت کے بعد چند سوالات مطلوب ہیں:

(۱) اس صورت میں ہمارے لئے تبلیغ میں جانا کیسا ہے؟ اور ان تبلیغ والوں کا اصرار کرنا کیسا ہے؟

(۲) بچہ کو دودھ پلانا فرض ہے یا واجب وغیرہ اور کتنی مدت تک ہے؟ اور اس مدت کے اندر بغیر کسی عذر شدید اس کا دودھ چھڑوا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا تبلیغ میں جانا یہ عذر ہے؟

(۳) اگر بچہ کو چھوڑ کر تبلیغ میں جاتے ہیں، تو کیا یہ بچہ کی حق تلفی نہیں ہوگی کہ ایک طرف تو ہم ثواب کما رہے ہوں اور دوسری طرف کسی کا حق مارا جارہا ہے۔

(۴) بچی کا زبردستی دودھ چھڑا کر تبلیغ میں جانا اور دس دن تک اس دودھ کو پھینکنا کیسا ہے؟ کیا یہ بچی کا حق مار کر اس کے حق کو ضائع کرنا نہیں ہوا؟

(۵) اور جنہوں نے اس طرح دودھ پھینکا ہے ان کے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت والا سے درخواست ہے کہ مذکورہ بالا تمام سوالات کے جوابات تسلی بخش شریعت کی روشنی میں دیں، تاکہ میں مطمئن ہوکر عمل کرسکوں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

المستفتی: محمد جاوید چاندپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مستورات کی جماعت سے متعلق مرکز نظام الدین کے ذمہ دار اکابر سے معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ پردہ اور محرم وغیرہ کی شرائط کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ جس عورت کا دودھ پیتا بچہ ہو وہ مستورات کی جماعت میں نہیں جائے گی؛ لہٰذا ایسی عورت کی جماعت میں جانے کے لئے تشکیل کرنا مرکز نظام الدین کے اصول وضوابط کی خلاف ورزی کرنا ہے، جس کی ہرگز اجازت نہیں ہے، نیز اس عورت کے لئے بھی جماعت میں جانے کی اجازت نہیں ہے، جس کا چھوٹا بچہ ہو اور اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا ہو، مگر ماں کے بغیر دوسرے کے پاس وہ نہ رہ سکتا ہو، تو ایسی عورت کو بھی مستورات کی جماعت میں جانے کے لئے تشکیل کرنا مرکز نظام الدین کے اصول وضوابط اور ہدایات کی خلاف ورزی ہے، ہاں البتہ جس عورت کے بچہ نے دودھ پینا چھوڑ دیا ہو اور اس کی غذا خارجی اشیاء ہوں اور دادی یا نانی کے ساتھ ایسا مانوس ہو کہ ماں کو یاد نہیں کرتا ہے، تو ایسی عورت کے لئے مستورات کی جماعت میں جانے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو صورت حال پیش کی گئی ہے، اس میں مرکز نظام الدین کے اصول وضوابط اور ہدایات کی سخت خلاف ورزی ہے، ایسے لوگ اپنے آپ کو تبلیغی اور داعی ثابت کر کے تبلیغی جماعت کو بدنام کرتے ہیں، ان کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے، اس تفصیل سے ذیل کے سارے سوالات کے جوابات تقریباً آچکے ہیں، پھر بھی اختصاراً ہر سوال کا جواب لکھ دیا جاتا ہے:

(۱) اس صورت میں چھوٹے بچہ کو چھوڑ کر کے تبلیغ میں جانا جائز نہیں ہے اور تبلیغ والوں کا اس پر اصرار کرنا شرعاً بھی جائز نہیں ہے۔ اور مرکز نظام الدین کی ہدایات کی خلاف ورزی ہے، ایسی بے اصولی کرنے والوں کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے، ایسے لوگوں کو منجانب تبلیغ متکلم ہرگز نہ بنایا جائے۔

(۲) اگر ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی نہیں ہے، تو ماں کے اوپر اپنے بچوں کو دودھ پلانا واجب ہے اور دو سال سے ڈھائی سال کے اندر دودھ پلانے کی مدت

ہے، بغیر کسی شرعی عذر کے اس مدت سے پہلے دودھ چھڑانے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔

(۳) دودھ پیتے بچہ کو چھوڑ کر تبلیغ میں جانا جائز نہیں ہے، یہ بچہ کی حق تلفی ہے اور شریعت کی بھی خلاف ورزی ہے اور مرکز نظام الدین کی ہدایات کی بھی خلاف ورزی ہے۔

(۴) بچی کا زبردستی دودھ چھڑا کر تبلیغ میں جانا اور اس دوران جو دودھ اترتا ہے، اس کو پھینکنا یہ بچہ کی حق تلفی ہے، شریعت ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی اور نہ ہی مرکز نظام الدین کی طرف سے اس کی اجازت حاصل ہے، ایسوں کو سخت ہدایت کرانی چاہئے جو تبلیغی جماعت کے لئے بدنما داغ ہیں، ایسے لوگ اپنے آپ کو تبلیغی کہنے کے ہرگز حق دار نہیں ہیں، جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

وتؤمر به ديانة؛ لأنه من باب الاستخدام، وهو واجب عليها إلى قوله: والأصح أنها تجبر عند الكل وجزم به في الهداية، وفي الخانية وعليه الفتوى، وقوله وفي الخانية: وإن لم يكن للأب ولا للولد الصغير مال تجبر الأم على الإرضاع عند الكل. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ٤/ ٣٤٢، كراچی ٤/ ٢٠٢، وكذا في الشامي زكريا ٥/ ٣٤٧، كراچی ٣/ ٦١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲ھ

○❖○

٦/ کتاب السلوک والإحسان

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

شریعت اور طریقت کے درمیان فرق

سوال [۱۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت وطریقت کے درمیان فرق کیا ہے؟ یہاں ایک مزار شاہ جمال اللہؒ کا ہے، اس مزار پر گدی نشیں بھی تھے، وہ اپنی زندگی میں اپنی قبر تیار کر رکھے تھے، اب ان کا انتقال ہوگیا، قبر ریت سے بھری ہوئی تھی، اب دفن کرنے سے پہلے اس قبر کی صفائی کی اور قبر کی گہرائی سر کے اوپر تک ہے، کسی نے پوچھا کہ اتنی گہری قبر تو ان کے ماننے والوں نے جواب دیا: یہ طریقت ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی: عبدالصمد محلّہ بلاسپور گیٹ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت احکام ظاہرہ اور احکام باطنہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور طریقت صرف احکام باطنہ کا نام ہے؛ لہٰذا طریقت شریعت کا ایک جزو ہے، شریعت سے الگ کوئی دوسری چیز نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/ ۵۴۵)

الطريقة: سلوك طريق الشريعة، والشريعة: أعمال شرعية محدودة، وهما والحقيقة ثلاثة متلازمة؛ لأن الطريق إليه تعالىٰ ظاهر

وباطن، فظاهرها الطريقة والشريعة، وباطنها الحقيقة، فبطون الحقيقة في الشريعة، والطريقة كبطون الزبد في لبنه لا يظفر بزبده بدون مخضه، والمراد من الثلاثة إقامة العبودية على الوجه المراد من العبد. (شامي، مقدمه، مطلب ويجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل، زكريا ۱/ ۱۵۷، کراچی ۱/ ۶۰)

اور جولوگ قوالی گانا اور پیروں سے مرادیں مانگنے وفرائض کے چھوڑنے اور خلاف شریعت حرکات کوطریقت سمجھتے ہیں، یہ غلط اورگمراہی ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ ا/۱۴۳)

اورشریعت اورطریقت کی روسے قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہئے کہ اوپر سے ڈھانپنے کے بعد اندرآدمی بیٹھ جائے۔

عن محمد رحمه الله تعالىٰ أنه قال: ينبغي أن يكون مقدار العمق إلى صدر الرجل وسط القامة، قال: وكلما ازداد، فهو أفضل، وعن عمر رضي الله عنه: أنه قال: يعمق القبر إلى صدر الرجل، وإن أعمقوا مقدار قامة الرجل، فهو أحسن، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم.

(المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني الثلاثون: الجنائز نوع آخر من هذا الفصل في القبر والدفن، مكتبة إدارة القرآن المجلس العلمي ۳/ ۹۴، رقم: ۲۴۸۸، البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا ۲/ ۳۳۸، کوئٹہ ۲/ ۱۹۳، التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون: الجنائز القبر والدفن، زكريا ۳/ ۷۶، رقم: ۳۷۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۴۷)

مدرسہ اور خانقاہ کے علوم میں فرق

سوال [۱۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں :مدرسہ کاعلم نجات میں کیا کرے گا ؟اور جوعلم خانقاہ میں سکھایا جا تا ہے، وہ نجات میں کیا کرے گا ؟ دونوں کے الگ الگ کام ہیں، یا ایک کام ہے؟

المستفتی: معین الحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ میں قرآن وحدیث کاعلم سکھایا جا تا ہےاور خانقاہ میں کسی ولی کامل کی صحبت سے علوم نبوی پرعمل کی عادت ڈالی جاتی ہے، نفس علم نجات کا ذریعہ نہیں ؛ بلکہ اس کے مطابق عمل بھی ضروری ہے، دونوں کا مقصد تقرب الی اللہ ہے۔

تزكية الأخلاق من أهم الأمور عند القوم ...... ولا يتيسر ذلک إلا بالمجاهدة على يد شيخ كامل، قد جاهد نفسه، وخالف هواه وتخلى عن الأخلاق الذميمة وتحلى بالأخلاق الحميدة، ومن ظن من نفسه أنه يظفر بذلک بمجرد العلم ودرس الكتب، فقد ضل ضلالا بعيدا، فكما أن العلم بالتعلم من العلماء كذلک الخلق بالتخلق على يد العرفاء، فالخلق الحسن صفة سيد المرسلين. الخ

(إعلاء السنن، كتاب الأدب، باب الترهيب عن مساوى الأخلاق، مكتبه دارالكتب العلمية ۱۸/ ٤٨٤، کراچی ۱۸/ ٤٤٢-٤٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۷۱)

اصلاح کے لئے بیعت کافی ہے یا جماعت میں نکلنا بھی ضروری ہے؟

سوال [۱۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت کیا ہےاور کیوں ہے؟ ایک شخص تبلیغی جماعت میں نہیں

نکلتا؛ لیکن اسے برا بھی نہیں کہتا اور ایک پابند شریعت عالم سے بیعت بھی ہے، تو کیا یہ اس کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا اسے تبلیغی جماعت میں نہ لگنے کا گناہ نہیں ہوگا؟

المستفتی: ندیم احمد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم بھی دی ہے اور تبلیغ بھی کی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ. [سورة آل عمران، آيت: ١٦٤]

يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. [سورة المائدة، آيت: ٦٧]

اور پھر یہ دونوں کام امت کے سپرد فرمائے۔

عن عبدالله بن عمرو، أن النبي ﷺ قال: بلغوا عني ولو آية. (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، النسخة الهندية ١/ ٤٩١، رقم: ٣٣٤٢، ف: ٣٤٦١)

عن أبي شريح أنه قال لعمرو بن سعيد: وهو يبعث البعوث إلى مكة: إئذن لي أيها الأمير أحدثك قولا قام به رسول الله ﷺ الغد من يوم الفتح سمعته أذناي ووعاه قلبي وأبصرته عيناي حين تكلم به (إلى أن روى) وليبلغ الشاهد الغائب. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ليبلغ الشاهد الغائب، النسخة الهندية ١/ ٢١، رقم: ١٠٤)

تعلیم وتربیت کا کام مدارس والے انجام دے رہے ہیں اور سلوک کے بزرگان بھی اپنے خانقاہوں میں انجام دیتے ہیں اور کم وبیش تبلیغ کا کام بھی مدارس اور خانقاہوں سے جاری

ہے، ہاں البتہ مستقل طور پر تبلیغ کا کام مرکز نظام الدین کے زیر نگرانی علماء ومفتیان اور تبلیغی جماعت منظّم شکل میں انجام دے رہی ہے، اب ہر مسلمان کو اختیار رہے کہ ان مذکورہ اداروں اور مکاتب فکر میں سے جہاں سے چاہے اپنی اصلاح کرے، چاہے مدارس میں آٹھ دس سال لگا کر شریعت کی پوری تعلیم حاصل کرکے اپنے دین کی اصلاح کرے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی دائرۂ شریعت میں عمل کرنے کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ کرے اور چاہے متبع شریعت صاحب نسبت بزرگ کی خدمت میں جاکر یہ چیزیں حاصل کرے اور چاہے تبلیغی جماعت میں جاکر یہ چیزیں حاصل کرے اور ان تینوں راستوں میں سے تبلیغی جماعت میں شرکت کرکے اپنی دینی اصلاحی کا سلسلہ شروع کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے؛ اس لئے کہ وہاں تین دن بھی، دس دن بھی، چالیس دن بھی، چار مہینے بھی، سال بھر بھی حسب گنجائش جتنا بھی وقت لگانا چاہے لگایا جاسکتا ہے۔ اور جو لوگ دنیا داری میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی تجارت، کاروبار، کاشت کاری جس کام میں بھی لگے ہوئے ہیں، ان کے لئے کچھ حاصل کرنے کے واسطے یہی تبلیغی جماعت ہی زیادہ مناسب ہے؛ اس لئے کہ وہ لوگ مدارس میں تسلسل کے ساتھ آٹھ دس سال لگا نہیں سکتے۔ اور اسی وجہ سے تبلیغ کا کام پوری دنیا میں ایک ہمہ گیر اور مقبول ترین کام بن گیا ہے اور اس کام کی ابتداء اس وقت کی گئی ہے، جب امت کے افراد میں بدعملی پھیل گئی اور اسلام پر عمل کرنے کا رجحان ختم ہوگیا، اس کا مقصد لوگوں کے اندر دین سیکھنے کا جذبہ پیدا کرنا، لوگوں کے کلمہ، نماز وغیرہ کو صحیح کرنا اور نیک اعمال کی طرف رغبت دلانا ہے، اس کی بدولت بہت سے بے دین لوگ دیندار بن گئے، نماز روزے کی پابندی کرنے لگے، سنتوں پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوگیا؛ غرض یہ کہ بہت سے فوائد حاصل ہوئے، جس کا کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اور جو علماء مدارس کے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کو اس میں براہ راست وقت لگانے کا موقع نہیں ملتا ہے؛ اس لئے اپنے متعلقین کو زبانی طور پر تبلیغ میں لگنے کی ترغیب دینی چاہئے، یہ نہیں ہے کہ تبلیغ میں نہ لگنے کی وجہ سے کوئی شخص گنہگار ہوجائے گا یا کسی کی اصلاح کے لئے تبلیغی جماعت ہی واحد راستہ ہے، ہاں البتہ دنیا

میں لگے ہوئے لوگوں کے لئے سب سے آسان تبلیغی جماعت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۹۹/۱۴، ۱/۴۳۲، جدید ڈابھیل ۴/۲۲۳، ۲۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۸/۱/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۱/۲۳ھ

بیعت ہونے کے فوائد اور نہ ہونے کے نقصانات

سوال [۱۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا بیعت ہونا ضروری ہے؟ اور اگر بیعت ہوا جائے تو ان کے اندر کیا خوبی ہونی چاہئے؟ بیعت کی خصوصیت ضرورت اور فوائد اور نہ ہونے پر نقصانات بھی بتائیں؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) بیعت خلافت: اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر ملک گیر انداز پر تمام مسلمان بیعت ہو جائیں، اس کے بعد جب خلیفۃ المسلمین قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف کسی حرام کام پر مجبور نہ کرتا ہو، تو اس کے حکم کا پابند ہونا تمام مسلمانوں پر واجب ہے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اس کے خلاف کرنے والوں کو باغی کہا جائے گا اور یہ بیعت واجب ہے۔ اور اسی کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة الجاهلية. (مسلم، باب الأمر يلزم الجماعة، النسخة الهندية ٢/ ١٢٨، بيت الأفكار، رقم: ١٨٥١، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٩/ ٣٣٤، رقم: ٧٦٩)

(۲) بیعت اصلاح: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر مسلمان اسلامی طریقہ پر اپنے اعمال کی اصلاح کا محتاج ہے اور اعمال کی اصلاح اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ قرآن وحدیث کا لائق

وقابل عالم اور فاضل ہے اور پوری شریعت پر عبور رکھتا ہے۔ اور اس کو ایسے علوم حاصل ہیں کہ رفتار زمانہ کے اتار چڑھاؤ اور کسی صاحب قلم کی تیز روی اور کسی ادیب وخطیب کے وقتی دلائل اسے متأثر نہیں کر سکتے؛ بلکہ وہ قرآن وحدیث کا متبحر عالم ہونے کی وجہ سے پہاڑ کی طرح اپنی جگہ نصب ہے، کسی باطل کے دلائل سے وہ کبھی متأثر نہیں ہوتا۔ اور اس نے اپنی زندگی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، خلفائے راشدینؓ کی زندگی، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے ڈھانچے میں ڈھال رکھا ہے۔ اور عامل بالسنہ ہے، شریعت کے خلاف کبھی کوئی عمل نہیں کرتا، اگر اتفاقاً کوئی لغزش ہو جائے فوراً توبہ کر لیتا ہے، تو ایسے آدمی کے لئے بیعت ہونا ضروری نہیں۔

لا يلزم بيعة الرسمية في طريقة من طرق المشايخ نعم تستحب، فمن أتى بها ووفى توفى أجرها، ومن لم يأت بها وسلك الطريق المستقيم أخذا من الكتاب والسنة، وآداب السلف الصالحين لا يخشى عليه سوء الخاتمة. (كفايت المفتي، كتاب السلوك والطريقة، مطبع زكريا، جديد ٢/ ١٠٧، زكريا مطول ٣/ ٣١٣)

اور اگر ایسا نہیں ہے؛ بلکہ قرآن وحدیث کا عالم ہونے کے باوجود اعمال کی صحیح اصلاح نہیں ہے اور قرآن وسنت کے خلاف کثرت سے عمل ہوتا رہتا ہے، یا ایسا ہے کہ نہ عالم ہے اور نہ شریعت پر عبور ہے، معمولی پڑھا لکھا ہے، ہر شخص کے دلائل سے متأثر ہو جاتا ہے، یا کچھ بھی پڑھا لکھا نہیں ہے، تو ایسے مسلمان کے لئے کسی صاحب نسبت متبع شریعت عالم دین کو نصب العین بنائے بغیر اعمال کی اصلاح اور دائرہ شریعت میں رہ کر اسلامی زندگی مشکل ودشوار ہے؛ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن بصریؒ سے یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے، میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں، ان کے ذریعہ سے اس کی ضرورت کہاں تک ہے سمجھ میں آ سکتی ہے، جو لوگ صاحب نسبت، متبع شریعت عالم کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہیں، ان کو عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ چاہے کتنے ہی بڑے عالم اور صاحب قلم کیوں نہ ہوں، بار بار راستے سے

بھٹکتے رہے، مثلاً ماضی قریب کے مشہورترین عالم اور صاحبِ قلم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ اور عرب وعجم کے نمبر ا کے عالم دین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ، یہ دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ بڑے عالم اور صاحب قلم ہونے کے باوجود ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے متأثر ہوکر خود بھی مودودی ہوگئے اور مودودیت کی گمراہ کن ذہنیت لے کر ایک مدت تک ان حضرات نے مودودیت کی ترجمانی کی ہے؛ لیکن اللہ نے حفاظت فرمائی کہ دونوں حضرات حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے، تو اللہ نے ان کی برکت سے حفاظت فرمائی کہ دونوں حضرات نے مودودیت سے توبہ کرلی اور ندامت کا اعلان اپنی کتابوں میں کیا، پھر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ نے تو مودودیت کے گمراہ کن عقائد کو واضح کرکے مسلمانوں کو اس سے روشناس فرمایا، نیز ماضی قریب کے مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ ان کو اپنی معلومات اور اپنے قلم پر ناز تھا، مگر ادھر ادھر بھٹکتے رہے، آخر کار جب خانقاہ تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے اور تربیت کی ذمہ داری خود حضرت تھانویؒ نے لی، اس کے بعد حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کو اپنی پچھلی تحریروں میں لغزشیں نظر آنے لگیں، چنانچہ بعد میں انہوں نے بہت سی تحریروں سے رجوع فرمالیا۔ نیز ماضی قریب کے مشہورترین سیرت نگار حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، ان کو بھی اپنی معلومات، شستہ تحریر پر بڑا ناز اور فخر تھا اور بیعت سے پہلے ان کی تحریر وتقریر بھی دائرہ اسلام سے باہر بھٹکتی رہی، جب ایک مدت کے بعد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے، تو ان کو بھی اپنی تحریروں میں لغزشیں نظر آنے لگیں اور وہ بھی اپنی پچھلی بہت سی تحریروں سے رجوع فرماکر حضرت تھانویؒ سے اصلاح لیتے رہے، تو جب اتنے بڑے بڑے علماء کو بھی اعمال کی اصلاح اور شریعت کے دائرہ میں رہ کر کتاب وسنت پر عمل کے لئے شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت ہونے کی ضرورت پڑی تو دوسرے لوگوں کو اس کام کی کہاں تک ضرورت ہے، ہر شخص اندازہ

لگاسکتا ہے؛ اس لئے صاحب نسبت عالم کے ہاتھ پر بیعت ہوجانے کو سنت کہا جاتا ہے۔

إعلم أن البيعة سنة وليست بواجبة؛ لأن الناس بايعوا النبي ﷺ، وتقربوا بها إلى الله تعالىٰ، ولم يدل دليل على تأثيم تاركها، ولم ينكر أحد من الأئمة تاركها. (القول الجميل، الفصل الثاني، مكتبه كلكته ص: ١٢، بحواله كفايت المفتي، جديد زكريا ٢/ ١٠٨، زكريا مطول ٣/ ٣٠٧)

لیکن پیری مریدی کا سلسلہ کچھ ان پڑھ جاہلوں نے بھی شروع کر رکھا ہے، انہوں نے اصلاح کے لئے نہیں؛ بلکہ اپنے پیٹ کے لئے دوکان لگا رکھی ہے، نہ وہ خود متبع شریعت ہوتے ہیں اور نہ ہی متعلقین کو شریعت کا عامل بنا سکتے ہیں، ایسے جاہلوں کے ہاتھ پر بیعت ہونا گمراہی ہے۔

والولي: هو العارف بالله تعالىٰ وصفاته حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي. (شرح العقائد/ ١٤٥)

الولي: هو العارف بالله وصفاته بقدر ما يمكن له، المواظب على الطاعات، المتجنب عن السيئات، المعرض عن الإنهماك في اللذات والشهوات والغفلات واللهوات. (شرح فقه أكبر/ ٧٩)

حضرت تھانویؒ نے ''قصد السبیل'' میں تحریر فرمایا ہے: کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ہونا ہے، اس کا شیخ کامل ہونا لازم ہے اور شیخ کامل میں دس قسم کی صفات کا ہونا لازم ہے:

(۱) بقدر ضرورت علم دین کا حامل ہو۔

(۲) عقائد واعمال واخلاق میں شریعت کا پابند ہو۔

(۳) اپنے کمالات کا دعویٰ نہ کرتا ہو اور دنیا کی حرص نہ ہو۔

(۴) اس نے خود کسی شیخ کامل کی صحبت میں ایک زمانہ گذارا ہو۔

(۵) اس شیخ کو زمانہ کے اچھے علماء اور مشائخ اچھا سمجھتے ہوں۔

(۶) ان پڑھ اور عوام کے مقابلے میں پڑھے لکھے دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

(۷) جولوگ اس کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں، ان میں سے اکثر شریعت کے متبع بن جاتے ہوں اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی فکر کرتے ہوں۔

(۸) وہ شیخ تعلیم وتلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی بری بات کو سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔

(۹) اس شیخ کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

(۱۰) وہ شیخ خود بھی ذاکروشاغل ہو اور اپنے مریدوں کو بھی ذکروشغل کا پابند بناتا ہو۔

فشرط من يأخذ البيعة أمور: أحدها: علم الكتاب والسنة، والشرط الثاني: العدالة والتقوى، والشرط الثالث: أن يكون زاهدًا في الدنيا راغبًا في الآخرة، والشرط الرابع: أن يكون آمرًا بالمعروف ناهيًا عن المنكر، والشرط الخامس: أن يكون صحب المشايخ متأدب بهم دهرا طويلا، وأخذ منهم نور الباطن والسكينة. (القول الجميل، ص: ٦، ٩، بحواله فتاوی محمودیه ڈابھیل ٤/ ٣٥٨)

اور شیخ کے شیخ کامل ہونے کے لئے کرامات کا صادر ہونا لازم نہیں ہے۔ اور نہ شیخ کے اندر یہ بات ہونی لازم ہے، کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہوں؛ اس لئے کہ یہ بزرگی کے لوازمات میں سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک نفسی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے، غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی یہ کام کرسکتا ہے، اس میں بزرگی کا کوئی دخل نہیں ہے؛ بلکہ شیخ کامل کے اندر شریعت وسنت کا اتباع لازم ہے۔ (مستفاد: قصد السبیل/۴)

وفراسة رياضية، وهي التي تحصل بالجوع والسهر والتخلي، فإن النفس إذا تجردت عن العوائق، صار لها من الفراسة والكشف بحسب تجردها، وهذه فراسة مشتركة بين المؤمن والكافر، ولا تدل على إيمان ولا على ولاية، ولا نكشف عن حق نافع، ولا عن طريق مستقيم، بل كشفها من جنس فراسة الولاة، وأصحاب عبادة الرؤساء والأطباء

ونحوهم. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت ص: ٤٩٩، شرح الفقه الأكبر لملا علي قاري، ص: ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۴/۶۵۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲۳ھ

کیا حضرت حاجی امداد اللہ متبع شریعت تھے؟

سوال [۱۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ شریعت پر پورا پورا عمل کرتے تھے؟ زید کہتا ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب کچھ ناجائز ونادرست باتوں پر بھی عمل کرتے تھے، حاجی صاحب کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے یا صحیح؟ زید کس درجہ کا گنہگار ہے؟

المستفتی: تحسین خان سکندر آباد، بلند شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی زندگی اتباع شریعت میں گذری ہے، ہاں البتہ کبھی کبھی قیام میلاد کر لیتے تھے اور کسی ناجائز بات پر عمل کرنا ہمارے علم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۱۲ھ

پیر کے اوصاف کیسے ہوں؟

سوال [۱۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر وزید ایک ہی شخص سے بیعت ہوئے شیخ بکر کے مکان پر قیام کرتے تھے، شیخ نے

جو تعلیمات بکر کو دیں تھیں، اسی طریقے سے زید کو بھی ساری تعلیمات دیں اور وہ سب اور ادو وظائف واذکار وغیرہ عطا کئے، زید شیخ کی خدمت میں صبح شام حاضری دیتا تھا اور جو کام بتاتے تھے وہ بخوبی انجام دیتا تھا، زید اپنے شیخ سے بے انتہاء محبت کرتا تھا اور شیخ بھی زید پر بہت کرم فرماتے تھے۔ ایک دن بکر نے بعد مغرب زید کو اطلاع دی کہ شیخ نے یاد فرمایا ہے، زید نے اس وقت کہا کہ میں ابھی مغرب سے پہلے شیخ کے پاس آیا ہوں، پھر بھی زید وہاں پہنچا، تو شیخ کا وصال ہو چکا تھا، زید نے رقت انگیز لہجے میں یہ جملہ ادا کیا کہ آپ بیچ منزل پر چھوڑ کر چلے گئے، اس پر بکر نے کہا کہ تمہارے لئے کہہ گئے ہیں، تجہیز و تکفین کے دوسرے دن بکر نے شیخ کی تسبیح زید کو دے دی اور کچھ نہیں کہا، زید برابر بکر کے یہاں اتا جاتا رہا، مگر بکر نے شیخ کی کوئی بات زید کو نہیں بتائی، بکر ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ زید اس سے بیعت ہو جائے، مگر زید نے اس بات پر عمل نہیں کیا؛ کیوں کہ شیخ نے ایک بار کہا تھا کہ بکر تمہارے پیر بھائی ہیں، بکر کا بھی انتقال ہو چکا ہے، ایک رات عالم رویا میں زید کی شیخ سے ملاقات ہوئی، زید فوراً شیخ سے لپٹ گیا، شیخ نے جواب دیا کہ یہ کام پہلے ہی کر آئے ہیں، ایسی صورت میں کیا زید کو بیعت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: خاکسار محمد سلیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیعت کرنے کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے، جس کے اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح ہوگئی ہو اور اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ میں رسوخ رکھتا ہو، متبع سنت اور احکامِ شرع کا پابند ہو۔ اور اس کے متبع سنت شیخ نے اس پر اعتماد کر کے بہ ہوش وحواس بیداری کی حالت میں زندگی میں بیعت کی اجازت دی ہو، خواب میں اجازت بیعت کا کوئی اعتبار نہیں؛ لہٰذا زید کو مذکورہ خواب کی وجہ سے بیعت کرنے کی اجازت نہیں۔

وقال الشیخ ظفر أحمد العثماني: وبالجملة فالتصرف عبارة عن عمارة الظاهر والباطن، أما عمارة الظاهر فبالأعمال الصالحة، وأما عمارة الباطن فبذكر الله، وترك الركون إلى ما سواه، وكان يتيسر

ذلک للسلف بمجرد الصحبة. (إعلاء السنن، کتاب الأدب والتصوف والسلوك، کراچی ۱۸/ ۴۳۸)

إعلم أن البيعة المتوارثة بين الصوفية على وجوه: أحدها: بيعة التوبة من المعاصي، والثاني: بيعة التبرک في سلسلة الصالحين.

(القول الجميل، ص: ۱۲، بحواله محموديه ۴/ ۳۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ

مرتکب کبیرہ سے بیعت ہونے کا حکم

سوال [۱۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک سلسلہ کے بزرگ (شیخ) ہیں، جن کے احوال درج ذیل ہیں:

(۱) مریدین ان کی خدمت میں آتے ہیں، قدم بوسی کرتے ہیں۔

(۲) ان کے خلفاء ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں، وہ شیخ اس پر نکیر نہیں کرتے۔

(۳) بیعت کے کلمات کی تلقین کے بعد ہر بیعت ہونے والے (خواہ مرد ہوں یا عورت) کو شیخ کا جھوٹا دودھ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ اس کو پیتے وقت شیخ کی پیشانی دیکھ کر پیئے۔

(۴) جو عورتیں ان سے بیعت ہوتی ہیں، وہ ان سے مصافحہ بھی کرتی ہیں اور ان کی قدم بوسی بھی کرتی ہیں۔

(۵) جن جگہوں میں ان کا اجتماع ہوتا ہے، شیخ کو پھول کا ہار پہنایا جاتا ہے۔

(۶) ان کی مجلسوں میں ذکر واذکار سے فراغت کے بعد سب کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں۔

(۷) جب کسی مرید کا انتقال ہوتا ہے، تو اس کے کفن میں سلسلہ کا شجرہ رکھا جاتا ہے، کہ قبر کے سوال کا جواب شیخ دیں گے۔

(۸) سالانہ ایک مرتبہ شیخ اپنے قافلہ کے ساتھ دادا پیر کی درگاہ پر پہنچتے ہیں اور قبر بوسی کرتے ہیں اور قافلہ میں رہنے والے مریدین قبر کا سجدہ بھی کرتے ہیں۔

(۹) مریدین اپنے شیخ کی تصویر گھروں میں لٹکائے رکھتے ہیں۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(الف) ایسے پیر سے بیعت ہونا کیسا ہے؟

(ب) کسی وقف شدہ خانقاہ کو ایسے پیر یا ان کے خلفاء کے حوالہ کرنا کیسا ہے؟

(ج) اگر خانقاہ کے ذمہ داروں نے لاعلمی میں خانقاہ کو ان کے حوالے کر دیا ہے، تو اب شرعاً کیا حکم ہے؟

(د) ایسے پیر کو گھروں میں لے جانا اور ضیافت وغیرہ کا نظم کرنا کیسا ہے؟

(ہ) ایسے پیر کے مریدوں کو دینی اداروں کا ذمہ دار بنانا کیسا ہے؟

(ی) جو احباب بیعت لے چکے ہیں، ان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: مجلس انصار الحق، وانمباڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں ذکر کردہ شیخ کے احوال قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہیں؛ اس لئے ایسے شیخ سے بیعت ہونا درست نہیں؛ اس لئے کہ بیعت کا مقصد اصلاح نفس اور ظاہری اور باطنی احوال کا درست کرنا ہوتا ہے۔ اور جب شیخ کے اندر ہی یہ باتیں نہیں پائی جاتی ہیں، تو اس کے ذریعہ سے بیعت ہونے والوں کی اصلاح کیسے ہوگی؟ اس لئے ایسے شیخ اور پیروں سے جہاں تک ہو سکے دور ہی رہنا چاہئے۔

فشرط من يأخذ البيعة أمور: أحدها: علم الكتاب والسنة، وإنما شرطنا العلم؛ لأن الغرض من البيعة أمره بالمعروف ونهيه عن المنكر، وإزالة الرذائل، فمن لم يكن عالما كيف يتصور منه ذلک؟ والثاني: العدالة والتقوى، فيجب أن يكون مجتنبا عن الكبائر غير مصر على

الصغائر، والثالث: أن يكون زاهدا في الدنيا راغبا في الآخرة، والرابع: أن يكون آمرًا بالمعروف ناهيا عن المنكر، والخامس: أن يكون صحب المشايخ دهرا طويلا. (القول الجميل/ ١٦، ٢١)

(۲) خانقاہ چوں کہ لوگوں کی اصلاح کی غرض سے شیخ کامل اور ان کے مریدین کے قیام کرنے کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اور سوال نامہ میں ذکر کردہ شیخ کے عمل سے بجائے اصلاح کے گمراہی اور فساد عقیدہ کا جال پھیل سکتا ہے؛ اس لئے خانقاہ کا ایسے شیخ اور ان کے مریدین کے حوالے کرنا جائز نہیں۔

الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف، وليس فيه فسق يعرف. (هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف ......، مكتبه زكريا قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠)

ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچى ٤/ ٣٨٠، الموسوعة الفقهية الكويتيه ٤٤/ ٢٠٧، البحر الرائق، كتاب الوقف، مطبع زكريا ٥/ ٣٧٨، كوئٹه ٥/ ٢٢٦)

(۳) مسئولہ صورت میں ایسے شیخ اور ان کے مریدین سے خانقاہ کو واپس لے لینا ضروری اور لازم ہے۔

وينزع لو الواقف فغيره بالأولى غير مامون أو عاجزا، أو ظهر به فسق. (درمختار مع شامي زكريا ٦/ ٥٧٨ تا ٥٨٠، كراچى ٤/ ٣٨٠-٣٨١)

(۴) ایسے دنیا دار پیر اور ان کے مریدین کی تعظیم کی غرض سے ضیافت کرنا اور برکت کے واسطے گھروں میں لے جانا دین کے ڈھانے کے مترادف ہے؛ لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔

عن إبراهيم بن ميسرة قال: قال رسول الله ﷺ: من وقر صاحب بدعة، فقد أعان على هدم الإسلام. (شعب الإيمان، باب في مباعدة

الكفار والمفاسدين، فصل في مجانبة الفسقة والمبتدعة، دارالكتب العلمية ۷/ ۶۱، رقم: ۹۴۶۴، مشكوة شريف ۱/ ۳۱)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من وقر صاحب بدعة، فقد أعان على هدم الإسلام.

(المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر ۵/ ۱۱۸، رقم: ۶۷۷۲)

وقال القاري: قوله: من وقر صاحب بدعة، كأن خدمه من غير عذر يلجئه إلى ذلك. (مرقاة المفاتيح، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۲۵۷)

(۵) ایسے پیر کے مریدوں کو دینی اداروں کا ذمہ دار بنانا درست نہیں؛ اس لئے کہ مدرسہ کا ذمہ دار ایسا شخص ہونا چاہئے جو کہ اپنے ماتحت طلباء اور ملازمین کی غلطیوں اور خامیوں کی اصلاح کر سکے۔ اور جب خود ذمہ دار کی اصلاح نہیں ہوئی ہوگی ،تو وہ دوسروں کی اصلاح کیا کرے گا؛ لہٰذا ایسے لوگوں کو مدرسہ کا ذمہ دار بنانا درست نہیں۔

الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف، وليس فيه فسق يعرف.

(هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف، مكتبه زكريا قديم ۲/ ۴۰۸، جديد ۲/ ۳۸۰، البحر الرائق، كتاب الوقف، زكريا ۵/ ۳۷۸، كوئٹه ۵/ ۲۲۶، الأشباه والنظائر مكمل، كراچى ۱/ ۳۳۵، فتح القدير، كتاب الوقف، زكريا ۶/ ۲۱۴، كوئٹه ۵/ ۴۴۲، دارالفكر ۶/ ۲۳۱)

(۶) جو لوگ ناواقفیت کی بنا پر مذکورہ شیخ سے بیعت ہو گئے ہیں، تو اب شیخ کے غیر شرعی احوال سے واقف ہونے کے بعد ان مریدین کو اس شیخ سے تعلق منقطع کر کے کسی متبع شریعت شیخ کے ساتھ منسلک ہو جانا چاہئے ،تاکہ ان لوگوں کی دینی اصلاح صحیح طور پر ہو سکے۔

واعلم أن تكرار البيعة من رسول الله ﷺ ماثور، وكذا عن الصوفية، وأما من الشيخين، فإن كان بظهور خلل في من بايعه فلا بأس. (القول الجميل، ص: ۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۳۰ھ

مختلف منکرات کے مرتکب شخص سے بیعت کا حکم

از طرف حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش مہتمم مدرسہ دار العلوم چھاپی
وکارگزار مہتمم دار العلوم دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
بعد تحیہ مسنونہ گزارش یہ ہے کہ ایک اہم مسئلہ کی طرف حضرت والا کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔

سوال [۱۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ پالن پور میں بحمد اللہ آپ بزرگوں کی دعاؤں سے عوام وخواص، علماء وغیر علماء سب ہی تعلیم وتدریس، دعوت وتبلیغ اور تزکیہ نفس تینوں شعبوں کے باہم امتزاج کے قائل ہیں، تزکیہ نفسہ کے لئے عوام وخواص میں تقریباً سارے ہی لوگ مشائخ حقہ کے ہاتھ پر بیعت ہوتے رہے ہیں، خصوصاً حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے سلسلہ کے خلفاء کرام اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ کے خلفاء سے ہی منسلک رہے ہیں اور ہیں، جن کا طریقۂ تزکیہ اور طریقۂ اصلاح بلا ریب کتاب وسنت کے موافق اور تمام بدعات وضلالتوں سے پاک ہے۔

گذشتہ چند دنوں سے ایک نیا فتنہ سر اٹھانے لگا (جو ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہے) وہ یہ کہ مہوارہ (ضلع اعظم گڑھ یوپی) کے ایک ماسٹر عباد صاحب مقیم حال شاہ گنج ممبئی، گونڈی یا بھیونڈی میں اپنے صاحبزادے کے یہاں جا کر مقیم ہوئے تھے، ہمارے یہاں کے کچھ لوگ جو ۵/۱۰ سے زیادہ نہیں تھے، ان سے بیعت ہوئے اور چپکے چپکے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے لگے، ماسٹر صاحب ممبئی شانتا کروز میں ایک ہوٹل کے کمرہ میں آکر مقیم ہوتے ہیں اور ان کے مریدین شام سے رات تک وہیں حاضر ہوتے ہیں، مجلس میں سگریٹ نوشی کے ساتھ تصوف کی باتیں جن میں صرف اپنے سلسلہ کی خوبیوں کو بیان کیا جاتا ہے اور عصر، مغرب اور عشاء بھی وہیں ہوتی ہیں، مریدین وہاں جمع ہو کر اپنے خوابوں کا تذکرہ بہت کرتے ہیں؛ بلکہ

خواب کو بہت ہی اہمیت دی جاتی ہے، ایک صاحب جو تین سال تک مرید رہ کر اب ان کو چھوڑ چکے ہیں، ان کا بیان ہے کہ نماز بھی جلد جلد پڑھائی جاتی ہے، جب کوئی شخص ان کی مجلس میں ان کا غیر اہل سلسلہ چلا جاتا ہے، تو سب کے سامنے یہ کہتے ہیں کہ اس کی ظلمت و کثافت سے میرا سر درد کرنے لگا، اسی طرح قبروں پر مراقبوں کی تعلیم دیتے ہیں، نیز بعضوں کو ''صلی اللہ یا محمد'' نو سو مرتبہ پڑھنے کا ورد بتاتے ہیں اور جب کوئی ان سے کہتا ہے کہ اس طرح کہنا مناسب نہیں ہے، تو کہتے ہیں کہ ''ضیاء القلوب'' میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے لکھا ہے۔ ہمارے علماء ومشائخ کے بارے میں تنقید کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ایک بار حضرت مولانا عبد الحلیم جونپوریؒ کا تذکرہ ان کی مجلس میں ہوا، تو فوراً کہنے لگے کہ انہوں نے شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد خلافت حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ سے لے کر چوری کی (نعوذ باللہ منہ) بیعت ہونے والوں اور وظیفہ شروع کرنے والوں کو ہدایت دی جاتی ہے کہ دعا صرف اپنے لئے اور اپنے ماں، باپ اور بیوی کے لئے کرے، دوسروں کے حق میں ہدایت اور مغفرت کے علاوہ کوئی دعا نہ کرے، حتی کہ شفاء وغیرہ کسی چیز کی دعا نہ کرے، ورنہ اللہ تعالیٰ دوسرے کی مصیبت آپ کو دے دیں گے، اس طرح ان کی مجلس میں جانے والا ہر شخص متأثر ہونے لگا۔ اور وہ شخص صرف اپنے اوراد وظائف کا ہو کر رہ گیا، بعضوں نے مسجد کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دیا، یہاں تک بعض لوگوں نے کہا کہ مسجد میں نماز با جماعت کی ادائیگی صرف افضل ہے، واجب اور فرض نہیں ہے، بعضوں نے دعوت وتبلیغ کی محنت کرنا چھوڑ دیا، اسی طرح اپنی بیعت کو بیعت رضوان کہنے لگے اور دوسروں کی بیعت کو بیعت توبہ۔ اور کہا کہ یہ صرف ہمارے سلسلہ کی خصوصیت ہے، ہمارا یہ سلسلہ باہر سے آیا ہوا ہے؛ اس لئے لوگ اس سے زیادہ واقف نہیں ہیں، بارہا کا مشاہدہ ہے؛ بلکہ ان کے مریدین کا بیان ہے کہ شاید ہم پر تصرف کر دیا جاتا تھا کہ ہم مجلس میں بہت ساری غلط باتیں دیکھنے کے باوجود اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔ مریدین میں بعض جو بہت سالوں سے منسلک ہیں، لین دین کے معاملات سے بہت ہی مخدوش ہیں۔

جب اس فتنہ کی لپیٹ میں آنے والے بڑھنے لگے، تو علاقہ کے بعض علماء نے ماسٹر صاحب اور ان کے سلسلہ کی تحقیق شروع کی، جب بڑی مشکل سے ان کا شجرہ ہاتھ لگا اور اوراد وظائف جلد نہیں بتائے جاتے تھے، آخر کار اس کا کچھ حصہ ان کے ایک برگشتہ مرید نے بتایا کہ میرے اوراد یہاں تک تھے (اس کی فوٹو کاپی ارسال ہے) ماسٹر صاحب کے بارے میں مفتی راشد صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند نے جو تحقیق بتلائی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''وہ خود ضلع اعظم گڑھ کے بعض مستند علماء کرام سے ملے، سب ان کو اچھی طرح سے جانتے ہیں اور کوئی ان کے کام سے متفق نہیں ہے اور ان کے سلسلہ کے دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی اسی طرح مشہور تھا کہ وہ تصرف یا توجہ کے ذریعہ لوگوں کو متأثر کرتے تھے اور ہمارے علماء ومشائخ کے یہاں ان کی آمد ورفت نہیں رہی۔ خود ہم نے ضلع اعظم گڑھ کے بعض علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ ''یہ بعض اہل بدعت سے بھی ملے ہوئے ہیں اور بعض اہل بدعت ان کے یہاں مرید ہوتے ہیں، مساجد سے انقطاع مشہور ہے، وغیرہ۔

اب یہ فتنہ رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہے، کچھ بے خبر لوگ اس کی لپیٹ میں آرہے ہیں، چونکہ ہمارے علاقہ میں حضرات مفتیان کرام کے فتویٰ کی بڑی اہمیت ہے، امید کہ حضرت والا کے جواب سے غلط فہمی میں مبتلا لوگوں کو صحیح راہ پانے کا موقع ملے گا اور آئندہ کے لئے اس فتنہ کا مکمل سد باب ہوجائے گا، انشاء اللہ العزیز۔ فقط والسلام

المستفتی: حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب،
مہتمم مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم چھاپی

بعد نماز مغرب: تین مرتبہ سورۂ فاتحہ، نو مرتبہ سورۂ اخلاص، دس مرتبہ درود وسیلتی پڑھنے کے بعد یہ کہے کہ اس کا ایصال ثواب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ اور سید عبد الباری شاہؒ اور تمام اولیائے طریقت کی ارواح کو پہنچے۔

أُفَوِّضُ أَمْرِيْ إِلَى اللهِ، إِنَّ اللهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ.

مراقبہ کی نیت: میں متوجہ ہوں قلب کی طرف، قلب متوجہ ہوتا ہے ذات پاک کی طرف

بعد نماز عشاء: پانچ سو مرتبہ قبلہ رو ہو کر درود وسیلتی پڑھیں آنکھ بند کر کے۔

نیت: میں اپنے قلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی طرف متوجہ کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا فیض میرے قلب پر آئے۔

درود وسیلتی: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنا مُحَمَّدٍ وَسِیْلَتِي إِلَیْکَ وآلہٖ وَسَلِّمْ.

بعد نماز فجر: سو مرتبہ درود وسیلتی، ۵۰۰/ پانچ سو مرتبہ ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' پھر سو مرتبہ درود وسیلتی پڑھنے کے بعد یہ کہے: ''یا اللہ! اس کا ایصال ثواب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کی پاک روح کو پہنچے، آپ کے فیوض وبرکات سے مجھ غریب کو مستفیض فرما۔

مراقبہ: میں متوجہ ہوں قلب کی طرف، قلب متوجہ ہوتا ہے ذات پاک کی طرف۔

بعد نماز عشاء: درود سراج منیر ایک سو پچیس مرتبہ باوضو آنکھ بند کر کے رو بہ قبلہ بیٹھ کر۔

نیت: میں قلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف متوجہ کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام ولایت کی محبت کا فیض میرے قلب پر آئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ ن السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وآلہٖ وَسَلِّمْ.

مراقبہ: میں متوجہ ہوں قلب، روح سر، خفی، اخفیٰ نفس، باد، نار ماء اور خاک کی طرف، یہ سب متوجہ ہیں ذات پاک کی طرف، ان میرے دسوں لطیفوں پر انوار کا فیض آئے۔

نیت کلام پاک کی: رسول اللہ ﷺ کے سینہ سے جو فیض حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے سینہ مبارک میں آیا، یا اللہ قرآن پاک کا وہی فیض میرے سینہ میں آئے۔

مراقبہ کی نیت، مقام توبہ: میں اپنے قلب کو عرش اعظم کی طرف متوجہ کرتا ہوں، حضرت آدم علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے توبہ کا فیض میرے قلب پر آئے، اس کے بعد ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا'' والی آیت پڑھے۔

درود سیفی: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیْفِ اللهِ عَلَی الظَّالِمِیْنَ، وَآلہ وَسَلِّمْ''، سو مرتبہ باوضو، آنکھ بند کر کے رو بقبلہ بیٹھ کر پڑھے۔

نیت: یا اللہ تعالیٰ! اس مبارک درود شریف کی برکت سے میرے ظاہری وباطنی دشمن مجھ

سے مغلوب اور دفع رہیں۔

''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ'' (بعض مریدین کو یہ وظیفہ دیا جاتا ہے، نیت وغیرہ کا علم نہیں ہے)

شجرۂ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۴) حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (۵) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (۶) حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ (۷) حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ (۸) حضرت خواجہ بوعلی خارمیدیؒ (۹) حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ (۱۰) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (۱۱) حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ (۱۲) حضرت خواجہ محمودؒ (۱۳) خواجہ عزیزاں علی رامتینیؒ (۱۴) حضرت خواجہ محمد سماسیؒ (۱۵) حضرت سید امیر کلالؒ (۱۶) حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ (۱۷) حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ (۱۸) حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ (۱۹) خواجہ ناصر الدین احرارؒ (۲۰) حضرت مولانا محمد زاہد وخشیؒ (۲۱) حضرت مولانا درویش محمدؒ (۲۲) حضرت خواجہ محمد املنگیؒ (۲۳) حضرت خواجہ باقی باللہؒ (۲۴) امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ (۲۵) حضرت شیخ آدم بنوریؒ مدینہ شریف ۱۳/شوال ۱۰۵۳ھ دسمبر ۱۶۴۳ء (۲۶) حضرت شیخ عبداللہ اکبرآبادیؒ، اکبرآباد، آگرہ (۲۷) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ، دہلی ۱۱/صفر ۱۱۳۱ھ ۲۴/دسمبر ۱۷۱۸ء (۲۸) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، دہلی ۷/شوال ۱۲۴۸ھ جون ۱۷۶۳ء (۲۹) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، دہلی ۷/شوال ۱۲۲۸ھ جون ۱۸۲۳ء (۳۰) حضرت سید احمد شہید بریلویؒ، بالاکوٹ (پاکستان) ۲۴/ذیقعدہ ۱۲۴۶، ۶/مئی ۱۸۳۱ء (۳۱) حضرت صوفی نور محمد چاٹگامیؒ، نظام پور (چاٹگام) بنگلا دیش (۳۲) حضرت صوفی فتح علی ویسیؒ، مانک تلہ (کلکتہ) ۸/ربیع الاول ۱۳۰۴، ۵/دسمبر ۱۸۸۶ء (۳۳) حضرت مولانا غلام سلمانیؒ، پھرپھرا شریف بنگال، ۳/رجب

۱۳۳۰، جولائی ۱۹۱۱ء (۳۴) قطب الارشاد حضرت سید عبد الباری شاہؒ، بنڈیل شریف کلکتہ ۶ /رمضان ۱۳۱۸ھ دسمبر ۲۰۰۰ء (۳۵) حضرت حافظ حامد حسن علویؒ، گونڈہ (یوپی) ۱۱/ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ ۳/ستمبر ۱۹۵۹ء (۳۶) حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ، (منگرواں (اعظم گڑھ) ۲۷/محرم ۱۳۹۶ھ ۳/جنوری ۱۹۷۶ء (۳۷) حضرت مولانا عبد الحکیم خاں صاحب، بابا اسرار خان صاحب (۳۸) ماسٹر عباد صاحب، مہوارہ مقیم حال شاہ گنج، اعظم گڑھ۔

بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب! دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد خیریتِ طرفین، ایک استفتاء عرض خدمت ہے، امید کہ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔ بمبئی "شانتا کروز" میں ماسٹر عباد صاحب جو ضلع اعظم گڑھ کے ایک باشندے ہیں، آتے ہیں، کچھ لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں اور یہ مولانا عبد الحکیم خان صاحب ٹھکما کے مجاز کہے جاتے ہیں، وہ مولانا سعید خاں صاحب کے مجاز تھے، جو سید عبد الباری شاہ صاحبؒ کے مجاز تھے، یہ اپنے سلسلہ کو سلسلۂ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ کہتے ہیں، وہ اپنے مریدین کو ابتداءً درودِ وسیلتی "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنا مُحَمَّدٍ وَسِيْلَتِي إِلَيْكَ وآلِهٖ وَسَلِّمْ" کا ورد بتاتے ہیں، اس کے بعد درودِ سراجاً منیرا پڑھنے کو بتاتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وآلِهٖ وَسَلِّمْ" اس کی پابندی ہونے کے بعد درودِ سیفی "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيْفِ اللهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ، وَآلِه وَسَلِّمْ" کا ورد بتاتے ہیں، ہر درود کے بعد مراقبہ، نیت اور اس کے علاوہ دیگر کچھ اوراد بھی بتاتے ہیں، کچھ لوگوں کو "صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ" کا وظیفہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہماری بیعت بیعتِ رضوان اور بیعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو ٹوٹ نہیں سکتی، توڑنے والا مرتد ہوجاتا ہے (اور اس قول کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں) اور ہماری بیعت توڑنے سے بہت نقصان ہوتا ہے، جب کہ موجودہ دیگر مشائخ کی بیعت بیعتِ توبہ ہے، جس کو توڑنے سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوتا۔

مذکورہ ماسٹر صاحب نے پالن پور کے قریب کے ایک گاؤں میں رہنے والے شخص کو جو عالم نہیں ہیں، مجازِ صحبت بنایا ہے، یہ صاحب مسجد کی جماعت کا اہتمام نہیں کرتے، اکیلے گھر پر یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، مسجد میں کبھی کبھار آجاتے ہیں، وہ بھی لوگوں کو وظائف بتاتے ہیں، اپنے سلسلہ کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے ان سے بھی یہی وظائف لے کر پڑھنا شروع کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمیں بہت فائدہ ہورہا ہے، کسی کا کہنا ہے کہ ان وظائف سے بیماری دور ہوجاتی ہے اور کوئی اپنی پریشانی دور ہوجانے اور قرض ادا ہوجانے کی بات کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس سے اچھے اچھے خواب بھی آتے ہیں، کسی کا سحر ختم ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔

ماسٹر صاحب مذکور کے متعلق ان کے علاقے کے اہل حق علماء میں سے جو ان کو اور ان کے سلسلہ کو اچھی طرح جانتے ہیں، تحقیق کی گئی تو تقریباً دس مستند علماء کرام نے بتایا کہ یہ شخص معتبر نہیں ہے، نہ ان کا ہمارے مشائخ وعلماء سے کوئی خاص ربط ہے، ان کے سلسلہ کے کئی لوگوں کا مساجد سے انقطاع مشہور ومعروف ہے، ان کے علاقے کے بعض علماء نے بتایا کہ یہ اہل بدعت سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔

مذکورہ تمہید کے پیشِ نظر اب عرض خدمت یہ ہے کہ: کیا ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت ہونا درست ہے؟ کیا ایسے شخص سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرسکتے ہیں؟ سوال میں مذکورہ اورادو درود پڑھنا جائز ہے؟ خصوصاً "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رسول اللّٰہ" کا ورد پڑھ سکتے ہیں؟ جو لوگ بیعت ہوچکے ہیں، ان کو کیا کرنا چاہئے؟ ان میں سے بعض اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم کہیں مرتد نہ ہوجائیں، شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

نوٹ: مذکورہ ماسٹر صاحب کا پورا شجرہ اور بعض اوراد کی فوٹو کاپی ملحق ہے۔

مذکورہ ماسٹر صاحب اپنے مریدین کو صرف اپنی ذات، والدین، بیوی کے لئے دعا کرنے کو کہتے ہیں، ان کے علاوہ کسی کے لئے دعا کرنا منع سمجھتے ہیں، زیادہ سے زیادہ مغفرت اور ہدایت کی دعا کرسکتے ہیں، دوسرے شخص کی کسی مصیبت کو دور کرنے کی دعا کی تو اس کی مصیبت تمہاری طرف منتقل ہوسکتی ہے۔ فقط والسلام

المستفتی: حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش، مہتمم مدرسہ دارالعلوم چھاپی، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماسٹر عباد صاحب اعظمی سے متعلق حضرت مولانا غلام رسول خاموش رحمۃ اللہ علیہ کے خط اور مولانا مفتی محمد راشد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کی رپورٹ سے حالات کا علم ہوا، ایسا شخص کبھی متقی اور دینی رہنما نہیں ہوسکتا جو پابند جماعت نہ ہو؛ حالاں کہ مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنا بعض ائمہ کے نزدیک فرض عین اور بعض کے نزدیک فرض کفایہ اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اور حدیث پاک میں حضرت سید الکونین علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جب کچھ منافقین نے جماعت میں شرکت کے لئے مسجد نبوی میں آنا کم کردیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کے ساتھ فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں نماز پڑھانے کے لئے کسی کو کھڑا کردوں اور چند نوجوانوں کو لے کر ان لوگوں کے گھروں کو جاکر جلادوں، جو جماعت میں شرکت نہیں کرتے ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن آمر بحطب، فيحطب، ثم آمر بالصلوة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فاحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم أنه يجد عرقا سمينا أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء. (صحيح البخاري، باب وجوب صلاة الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٨٩، رقم: ٦٢٥، ف: ٦٤٤)

اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ بلاعذر شرعی تارک جماعت شخص فاسق ہوتا ہے:

أما إذا واظب على الترك فلا يعذر، ويعذر ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (طحطاوي على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل يسقط حضور الجماعة، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ٢٩٨)

الجماعة سنة لا يجوز لأحد التأخر عنها، إلا بعذر، والأصل فيه

قوله علیه السلام: لقد هممت أن آمر رجلا یصلی بالناس وأنظر إلی قوم یتخلفون عن الجماعة، وأحرق بیوتهم، ومثل هذا الوعید إنما یتحقق بتارک الواجب أو تارک السنة المؤکدة، والجماعة لیست بواجبة، فعلم بأنها سنة مؤکدة. (المحیط البرهاني، فصل في الحث علی الجماعة، المجلس العلمي ۲/ ۲۱۰، رقم: ۱۵۷٦، البنایة ، کتاب الصلوة، باب في الإمامة، مکتبه أشرفیه دیو بند ۲/ ۳۲٤)

تو ایسے تارک جماعت شخص کا دینی اور روحانی رہنما بننے کا دعویٰ کرنا جھوٹا دعویٰ ہے۔اوراس کے ہاتھ پر بیعت ہونے والے سب گمراہی کے شکار ہوں گے، نیز اپنے مریدین کو یہ ہدایت کرنا کہ دعا صرف اپنے لئے، اپنے ماں باپ اور بیوی کے لئے کیا کریں، دوسروں کے لئے شفا وغیرہ کی دعا نہ کریں، اس سے دوسروں کی مصیبت اور بیماری تمہارے اوپر منتقل ہوگی ، یہ سخت ترین گمراہ کن ہدایت ہے، جو آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت اور آپ کی ہدایت اور تلقین کے خلاف ہے اور سلوک کے بزرگوں اور مشائخ کے طریقے کے بھی خلاف ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہی ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے دعا کی جائے، چنانچہ ایک شخص نے جب اپنے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کو محدود کردیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر فرمائی اور فرمایا کہ دعا میں سب کو شامل کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ یہ وسیع ترین چیز ہے، جس کو محدود نہیں کرنا چاہئے۔حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هریرة –رضي الله عنه– قال: دخل أعرابي المسجد، والنبي ﷺ جالس، فصلی، فلمافرغ قال: اللهم ارحمني ومحمدا، ولا ترحم معنا أحدا، فالتفت إلیه النبي صلی الله علیه وسلم، فقال: لقد تحجرت واسعا.

(سنن الترمذي، باب ما جاء في البول یصیب الأرض، النسخة الهندیة ۱/ ۳۸، دارالسلام، رقم: ۱٤۷، سنن أبي داؤد، کتاب الطهارة، باب الأرض یصیبها البول، النسخة الهندیة ۱/ ٥٤، دارالسلام، رقم: ۳۸۰، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۱٤/ ۱٥۰، رقم: ۷٦۷۹، سنن النسائي، الکلام

في الصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۱۳٦، دارالسلام، رقم: ١٢١٦، ١٢١٧، مصنف عبدالرزاق ۱/ ٤٢٣، رقم: ١٦٥٨، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٣٩، رقم: ٢٥٤)

اوراس کا اپنی بیعت کو بیعتِ رضوان کہنا سخت ترین گستاخی ہے؛ اس لئے کہ بیعت رضوان صرف اس بیعت کو کہا جاتا ہے جو حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے حدیبیہ کے موقع پر شجرہ کے نیچے بیعت فرمائی تھی، اس کے علاوہ کسی اور بیعت کو بیعت رضوان نہیں کہا جا سکتا۔ اور نیز اس کا یہ کہنا لوگوں کو ایمانی خطروں میں مبتلا کر دینا ہے کہ اس کی بیعت توڑنے والا مرتد ہو جائے گا، یہ نہایت خطرناک دعویٰ ہے، یہ در پردہ دعویٰ نبوت ہے، جو نہایت خطرناک اور عظیم ترین گناہ ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ایسے شخص کو عبرت ناک سزا دی جاتی؛ لیکن ہمارا ہندوستان آزاد ہے، جو جیسا چاہے دعویٰ کر بیٹھیں، حکومت کی طرف سے کوئی ایکشن نہیں ہے۔ اور اب تک جتنے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہیں، ان سب پر لازم ہے کہ ایسے گمراہ شخص کی بیعت توڑ کر علماء ربانیین سے رابطہ قائم کر کے اپنا عقیدہ صحیح کر لیں۔ اور وہ شخص جو اوراد بتاتا ہے، وہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں سے ثابت نہیں ہیں اور نہ حضرت حاجی صاحب کے متعلقین سے اس طرح کے وظائف ثابت ہیں، نیز ''صلی اللہ علیک یا رسول اللہ'' کا وظیفہ صرف روضۂ اطہر کے سامنے جالی کے پاس جا کر پڑھنا درست ہے، غائبانہ ایسا وظیفہ درست نہیں ہے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا اشتباہ ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۷۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۷/۱۴۲۵ھ

''منکوحۃ الغیر'' سے شادی کرنے والے سے بیعت ہونا

سوال [۱۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عاقلہ کے خاوند بکر کے کئی بار اصرار کرنے پر عاقلہ اس کے گھر نہیں گئی، اس دوران کا

چال چلن مشکوک ہوگیا، عاقلہ کا نکاح، زید کے ساتھ بغیر طلاق کردیا گیا، زید کو اس کا علم تھا کہ عاقلہ کو طلاق نہیں ہوئی ہے، زید ایک ذمہ دار شخص ہے، وہ پیری مریدی بھی کرتا ہے اور اپنے خلفاء بھی مقرر کرتا ہے، تو کیا ایسے شخص سے بیعت وسلوک قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیان صحیح ہے تو زید شرعاً فاسق ہے، اس کے ساتھ بیعت وسلوک کا تعلق جائز نہ ہوگا۔

فشرط من يأخذ البيعة أمور: أحدها: علم الكتاب والسنة، والثاني: العدالة والتقوى. (القول الجميل، ٦، ٧، بحواله محمودیه ڈابھیل ٤/ ٣٥٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۰۳)

عرس وقوالی کرانے اور قبروں پر سجدہ کرنے والے سے بیعت ہونا

سوال [۱۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو شخص عرس، گانا، باجا، قوالی وغیرہ کرواتا ہے اور قبروں پر سجدہ کرنے سے نہیں روکتا ہے، ایسے آدمی سے بیعت ہونا کیسا ہے؟ ایسے آدمی سے ایک غیر مسلم بیعت ہوگیا اور اس نے ہندوانی رسموں کو ترک نہیں کیا اور نہ ہی اسلام قبول کیا اور وہ مرگیا بہت سے مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی محض اس وجہ سے کہ وہ پیر بھائی تھا، نماز پڑھنے والوں میں بھی تھا، بعد میں علماء کرام سے معلوم کیا انہوں نے مجھے دوبارہ اسلام قبول کرنے اور نکاح کرنے کا حکم دیا، میں نے اس طرح نہیں کیا ہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا غیر مسلم کی نماز جنازہ پڑھنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے اور کس آدمی سے مرید ہونا چاہئے؟

المستفتی: فہیم احمد جوگی کوٹ بانگرمئو، اناؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس غیر مسلم نے اسلام قبول نہیں کیا ہے، محض جاہل پیر کے ہاتھ پر جہالت پر بیعت ہوکر اپنے کفر پر باقی رہا ہے، اسلام قبول نہیں کیا ہے، تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ. [التوبة: ۱۱۳]

نیز صاحب نسبت متبع شریعت دیندار شخص کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہئے، ناچ، گانا، قوالی وغیرہ میں مبتلا ہونے والا متبع شریعت نہیں ہوتا؛ بلکہ فاسق ہوتا ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا ممنوع ہے۔

فشرط من يأخذ البيعة أمور: أحدها: علم الكتاب والسنة، والشرط الثاني: العدالة والتقوى، والشرط الثالث: أن يكون زاهدًا في الدنيا راغبا في الآخرة، والشرط الرابع: أن يكون آمرًا بالمعروف ناهيًا عن المنكر، والشرط الخامس: أن يكون صحب المشايخ متأدب بهم دهرا طويلا، وأخذ منهم نور الباطن والسكينة. (القول الجميل، ص: ٦،٩، بحواله فتاوى محموديه ڈابهيل ٤/ ٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۸۱/۳۳)

مستحق خلافت کون ہے؟

سوال [۱۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسلمان ہو چکا ہے، مگر اس کے بیوی بچے مسلمان نہیں ہوئے ہیں، وہ شخص ایک شیخ سے

بیعت بھی ہو چکا ہے، شیخ نے اسے تعلیمات بھی دی ہیں، ایسے شخص کو کیا خلافت سے نوازا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جو شخص مسلمان ہوا ہے وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہی رہتا ہے؟

المستفتی: خاکسار محمد سلیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیعت اور خلافت ایک روحانی سلسلہ ہے اور مستحق خلافت وہ شخص ہوسکتا ہے، جو گناہ کبیرہ سے باز رہتا ہو اور شیخ کو اس پر مکمل اعتماد ہو، نیز وہ متبع سنت اور شریعت اسلامیہ کا پابند ہو۔ اور سوال نامہ کے مطابق یہ نومسلم اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہے، جب کہ اس کی بیوی اور بچہ ابھی تک کافر ہی ہیں۔ اور اس کی اہلیہ کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے دونوں میں تعلق زوجیت بھی باقی نہ رہا؛ اس لئے اس طرح کی عورت کے ساتھ رہنا بھی اسلام میں جائز نہیں ہے؛ بلکہ جب دونوں کا نکاح ہی ختم ہوگیا، تو اب دونوں کو ایک ساتھ رہنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا، نیز مذکورہ نومسلم شخص کا اپنی غیر مسلم بیوی کے ساتھ رہنا تقویٰ کے خلاف ہے اور بغیر تقویٰ کے کوئی شخص مستحق خلافت نہیں ہوسکتا، بریں بنا یہ شخص مستحق خلافت نہیں ہے۔

وقال الشیخ ظفر أحمد العثمانی: وبالجملة فالتصرف عبارة عن عمارة الظاهر و الباطن، أما عمارة الظاهر فبالأعمال الصالحة، وأما عمارة الباطن فبذكر الله، وترك الركون إلى ما سواه، وكان يتيسر ذلك للسلف بمجرد الصحبة. (إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف والإحسان، مكتبه كراچی ۱۸/ ۴۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴۳۲/۵/۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۰۰)	۱۴۳۲/۵/۴ھ

خواب کی خلافت اور فاسق کے ہاتھ پر بیعت ہونے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص کو اس کے معتقدین پیر طریقت کہتے ہیں، وہ شخص اپنے آپ کو میاں جی مہتاب صاحب نگینہ میوات کا خلیفہ مسلسل کہتا ہے اور جب میاں جی مرحوم کے معتمد خاص اور خادم خاص حاجی محمد اختر صاحب نگینہ سے اس کی تحقیق کی گئی، تو انہوں نے اس کی تردید فرمائی۔ اور فرمایا کہ میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ حضرت کے خلیفہ ہرگز نہیں ہیں۔

بقول حاجی اختر صاحب کے وہ خود ساختہ خلیفہ ہیں، اس کے باوجود وہ دوسروں کو خلافت تقسیم بھی کررہے ہیں، موصوف اکثر وبیشتر رؤساؤں اور مالداروں کے یہاں ہی قیام فرماتے ہیں اور نمازیں بھی اکثر قیام گاہ پر ہی ادا فرماتے ہیں، جب کہ ترک جماعت مسجد کا کوئی شرعی عذر بھی نہیں ہوتا ہے۔ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ دہلی کسی کے مکان پر تشریف لے گئے، صاحب خانہ کی جوان خوبصورت حسین وجمیل بچی کے ہاتھ سے رفقاء کے لئے کھانا حضرت نے خود لاکر دسترخوان پر رکھا اور فرماتے رہے: کوئی حرج نہیں ہے، ہمارے دوست کی بچی ہماری بچی ہے، دارالعلوم کے مہمان خانہ میں ایک باوقار معزز ہستی کے ساتھ خصوصی میٹنگ ہال میں بیٹھنے کا حضرت کو اتفاق ہوگیا، تو اپنے کسی رفیق کے ذریعہ ان بزرگ کے پاس بیٹھنے کی حالت میں ان سے چھپا کر اپنا اور ان کا فوٹو کھینچوایا اور پھر اس کا ''ای میل'' اپنے ایک تعلق والے حافظ صاحب کو کیا اور پھر ان سے فون کر کے پوچھا کہ آپ کو میرا فوٹو پہنچ گیا اور فرمایا کہ یہ ایسے کمرے میں لیا گیا ہے، جو ملائم سنگھ کے لئے ہی کھلتا ہے، یا پھر فقیر کے لئے کھولا گیا ہے، یہ سب اس لئے تھا کہ لوگوں کو ظاہر ہوجائے کہ کیسے کیسے حضرات میری بزرگی پر یقین رکھتے ہیں، حضرت کے محلّہ کے ہی بعض حضرات نے بتایا کہ ہم نے ان پیر طریقت سے پوچھا کہ ہماری تحقیق میں آپ کو میاں جی سے خلافت نہیں ہے، پھر آخر آپ کو خلافت کیسے مل گئی؟ انہوں نے فرمایا: میاں جی نے مجھے خواب میں خلافت دی ہے۔ حضرت کا ذکر بالجہر کا معمول یہ ہے کہ مغرب کے فوراً بعد رفقاء کے ساتھ کھانا تناول فرماتے ہیں، کھانے کے بعد لائٹ بند کردی جاتی ہے، کیواڑ کھلے رہتے ہیں، ذکر کے دوران حضرت کبھی کھڑے ہوجاتے ہیں اور کبھی بیٹھ جاتے ہیں، کبھی باہر نکل کر سڑک پر پہنچ جاتے ہیں، کبھی کسی اور

کمرے میں جا کر آرام فرما ہو جاتے ہیں اور ذکر کی مجلس چلتی رہتی ہے۔ مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں کچھ سوالات ابھر کر سامنے آتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے جوابات عنایت فرما کر رہبری فرمائیں، تاکہ اگر وہ اہل حق میں سے ہیں، تو ان کا اتباع کیا جائے اور اگر یہ کوئی فتنہ ہے، تو اس کا تعاقب اور بیخ کنی کی جائے۔

(۱) جو شخص کسی بزرگ کا خلیفہ نہیں ہے، اس کا بزبان خود اپنے کو خلیفہ کہنا جھوٹ اور گناہ کبیرہ کا کیا مسلسل ارتکاب نہیں ہے؟ کیا اس گناہ کبیرہ کا ان کے لئے شرعاً کوئی جواز ہے؟ اگر نہیں ہے، تو اس کا ترک کرنا اور اب تک جو لوگ اس فریب کا شکار ہوئے ہیں، ان کی غلط فہمی کو دور کرنا، ان کے ذمہ علی الاعلان واجب اور ضروری ہے یا نہیں؟ کیا خواب کی خلافت کو حقیقی خلافت کہا جا سکتا ہے؟ اس کو عام طور پر چھپا کر اپنے کو مطلقاً خلیفہ کہنا دجل اور فریب نہیں ہے؟

(۲) کیا کسی بزرگ کے لئے اجنبی حسین وجمیل بے پردہ لڑکی کے ہاتھ سے خود کھانا لا کر دسترخوان پر رکھنا گناہ کبیرہ نہیں؟ اور پھر یہ کہنا کہ دوست کی بچی ہماری بچی ہے، عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق اور اس گناہ کبیرہ کا استخفاف اور ہلکا پن نہیں ہے؟

(۳) بلاضرورت فوٹو کھچوانا، پھر اس کی اشاعت کرنا اور اس کے پہنچنے پر موصوف کا خوش ہونا اور ایک بزرگ ہستی کے فوٹو میں ساتھ ہونے کو اپنی ولایت وبزرگی کی دلیل بنانا، کیا یہ سب حرام وناجائز نہیں؟ اور کیا یہ شریعت کا کھلواڑ اور ایک بزرگ کے نام کا غلط استعمال اور ان کی حیثیت عرفی پر حملہ نہیں ہے؟

(۴) بلاعذر شرعی کے مسجد کی جماعت کی نماز کو ترک کرنا، کسی بزرگ یا ولی کے لئے شرعاً جائز ہے؟ جب کہ جماعت کی نماز کو بعض فقہاء فرض اور بعض سنت مؤکدہ بدرجہ واجب لکھتے ہیں، کیا فرض اور واجب کا مسلسل ترک کرنے والا بزرگ اور ولی ہو سکتا ہے؟

(۵) اس ڈرامائی انداز کے ذکر بالجہر کا کیا ہمارے اسلاف واکابر کی تعلیمات میں نمونہ پایا جاتا ہے؟ اور کیا شام کے کھانے کے فوراً بعد ذکر بالجہر کا تصوف کے اکابر کی تعلیمات میں

کہیں ثبوت ملتا ہے؟ اس ساری صورت حال کے ہوتے ہوئے، کیا یہ شخص ولی اور اہل حق میں سے ہے؟ کیا اسے پیر طریقت کہنا اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا اور اس کے ساتھ مالداروں کے یہاں اور بزرگوں کے مزارات پر پھرنا اور اس کی حمایت اور تائید کرنا، کسی کے لئے جائز ہے؟ یا اس شخص کی تردید اور اس کے تعلق کو خود چھوڑنا اور عوام وخواص کو بچانے کی کوشش کرنا، مقتدا حضرات پر شرعاً واجب اور ضروری ہے؟ تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ والسلام

المستفتی: ابوالبرکات قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے مشائخ کے یہاں بیعت وسلوک کا طریقہ چلا آرہا ہے اور جس کو خلافت دی جاتی ہے، اس کے اندر خاص طور پر دو چیزیں پیش نظر رکھی جاتی ہیں: (۱) عدالت: یعنی اس کے اندر ہر چیز میں اعتدال اور عبادت ومعاشرت میں اس کی عدالت نمایاں ہو اور جو آدمی بلا عذر مسجد کی جماعت کا اہتمام نہیں کرتا ہے، اس کی عدالت باقی نہیں رہتی ہے۔ (۲) تقویٰ: یعنی ہر قسم کے منکرات اور مشتبہ امور سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہو اور جھوٹ اور کذب بیانی، منکرات میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور سوال نامہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ کہتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں ایسا خاص کمرہ ہے، جس کو ملائم سنگھ کے لئے اور اس مدعی خلافت کے لئے کھولا جاتا ہے، یہ محض جھوٹ اور کذب بیانی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں ایسا کوئی کمرہ موجود نہیں ہے، جو صرف ملائم سنگھ اور اس مدعی خلافت کے لئے کھولا جاتا ہو، یہ بڑی جسارت کی بات ہے، ایسا آدمی متقی نہیں ہوسکتا۔

فشرط من يأخذ البيعة أمور: أحدها: علم الكتاب والسنة، والشرط الثاني: العدالة والتقوى، والشرط الثالث: أن يكون زاهدًا في الدنيا راغبا في الآخرة، والشرط الرابع: أن يكون آمرًا بالمعروف ناهيًا عن المنكر، والشرط الخامس: أن يكون صحب المشايخ متأدب

بهم دهرا طويلا، وأخذ منهم نور الباطن والسكينة. (القول الجميل، ص: ٦،٩، بحواله فتاوى محموديه ڈابهيل ٤/ ٣٥٨)

اورخواب کی خلافت کا اعتبار نہیں ہے۔ اورخواب کی حالت میں شیطان حضرت سید الکونین علیہ السلام کے علاوہ کسی کی بھی شکل میں آسکتا ہے، کبھی کسی بڑے ولی کی شکل میں بھی آسکتا ہے، کسی بڑے بزرگ، عالم اور شیخ الحدیث کی شکل میں بھی آسکتا ہے اور جناب میاں جی مہتاب صاحبؒ کی شکل میں بھی شیطان بڑی آسانی سے آسکتا ہے، تاکہ گمراہی کا سلسلہ پیدا کرے۔ سوال نامہ میں جس مدعی خلافت کا ذکر ہے، اس کی بات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ خواب کی حالت میں اگرخواب صحیح ہے، میاں جی مہتاب صاحب کی شکل میں ابلیس نے آکر اس مدعی خلافت کو خلافت دی ہوگی، ایسے آدمی کے ہاتھ پر ہر مسلمان کو بیعت ہونے سے گریز کرنا چاہئے، اس سے رشد ہدایت کے بجائے گمراہی پھیل سکتی ہے، مشائخ سلوک وبیعت کے یہاں کہیں بھی خواب کی خلافت کا اعتبار نہیں ہے۔

بأن الرؤيا غير الأنبياء لا يبنى عليها حكم شرعي. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مكتبه زكريا ٢/ ٤٨، كراچى ١/ ٣٨٣)

رؤيا غير الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لا يبنى عليها حكم شرعي. (عمدة القاري، كتاب الصلوة، باب الأذان، مكتبه دارإحياء التراث العربي، بيروت ٥/ ١٠٧، ١٠٩، زكريا ٤/ ١٥٠، تحت رقم الحديث: ٦٠٤)

قال ابن العربي: رؤيا الأنبياء وحي ومرأها حق من جملة الشرائع الدين، ورؤيا غيرهم في الدين ليست بشيء. (قوت المغتذي على هامش الترمذي، كتاب الصلوة، باب بدء الأذان، مكتبه مريم أجمل فاؤنڈيشن بمبئى ١/ ٤٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۲۰۹۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱/۱۴۳۴ھ

’’دوسروں کو اللہ اللہ سکھاؤ‘‘ کہنے سے خلافت کا حکم

سوال [۱۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر شیخ نے باضابطہ تحریر لکھ کر کسی مرید کو خلافت نہیں دی؛ بلکہ اتنا کہہ دیا کہ اب تم دوسروں کو اللہ اللہ سکھاؤ، اللہ سے تعلق جوڑنا سکھاؤ، کیا شیخ کا اتنا کہہ دینا خلافت تسلیم کرلیا جائے گا؟ اور یہ مرید دوسروں کو بیعت کرنے کا مجاز ہوگا؟ از راہ سلوک اور تصوف شرعاً کیا حکم ہے؟ آں محترم چونکہ اس راہ کو طے کر رہے ہیں، اس لئے تفصیل مطلوب ہے؟

المستفتی: منجانب خانقاہ مالکیہ مجددیہ سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف یہ کہہ دینا کہ دوسروں کو اللہ اللہ سکھاؤ، اللہ سے تعلق جوڑنا سکھاؤ، یہ سلوک کے بزرگوں کے یہاں بیعت کی اجازت نہیں ہوتی ، یہ بات تو ہر اچھے مسلمان سے کہی جاتی ہے اور اتنی بات کو خلافت سمجھ کر دوسروں کو بیعت کرنے کا سلسلہ شروع کرنا ، بہت بڑی جہالت ہے، ہاں البتہ ہر مسلمان ایک دوسرے مسلمان کو تسبیح اور ذکر سکھا سکتا ہے؛ لیکن شیخ کی طرف سے بیعت کی اجازت ہونے کے لئے تحریری یا زبانی صراحت ضروری ہے۔ اور یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۲۹ھ

جو کسی کا مرید نہیں وہ شیطان کا مرید ہے؟

سوال [۱۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو مسلمان کسی پیر سے مرید نہیں، کیا وہ شیطان کا مرید ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر کو معلوم نہیں، البتہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی ولی کامل سے رابطہ قائم کئے بغیر عامۃً پوری طرح احکام شرعیہ پر عمل ہوتا ہی نہیں؛ اس لئے ولی کامل سے ضرور رابطہ قائم کر لینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۱۳۵، جدید ڈابھیل ۴/۴۰۳)

وقال الشیخ ظفر أحمد العثمانی: وبالجملة فالتصرف عبارة عن عمارة الظاهر و الباطن، أما عمارة الظاهر فبالأعمال الصالحة، وأما عمارة الباطن فبذكر الله، وترک الركون إلى ما سواه، وكان يتيسر ذلک للسلف بمجرد الصحبة. (إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف والإحسان، مكتبه إدارة القرآن كراچی ۱۸/ ۴۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۰۹)

عورتوں کو خلافت دینا

سوال [۱۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا عورتوں کو خلافت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کو خلافت دینے کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ وطہارت اور انابت الی اللہ اور امور دینیہ سے متعلق اس عورت کو مکمل طریقہ سے مشورہ کا اختیار دینا ہے۔ اور وہ پھر دوسروں کو بیعت کرنے کا سلسلہ شروع کرے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دینی امور سے متعلق ساری رائے اور مشورہ اسی عورت کے اوپر موقوف ہے، وہ جو کہے گی، متعلقین کو اسی پر عمل کرنا ضروری ہوگا، یہ دین میں تباہی کا سبب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب ایسا زمانہ آئے گا کہ تمہارے معاملات اور امور دینی ودنیوی عورتوں کے مشورہ سے طے

پاتے ہوں گے،تو تمہارے لئے دنیا میں زندہ رہنے سے زمین کے نیچے دفن ہوجانا زیادہ بہتر ہوگا؛ اس لئے عورت کو خلافت دینا تباہی کا شکار بنانا ہے؛ اس لئے کسی طرح درست نہیں ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كان أمراء كم شراركم، وأغنياء كم بخلاء كم، وأموركم إلى نساء كم، فبطن الأرض خير لكم من ظهرها. (سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢، دار السلام، رقم: ٢٢٦٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۵۴/۳۷)

کیا عورت بیعت کرسکتی ہے؟

سوال [۱۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا عورت صاحب نسبت مرد کی طرح بیعت کرسکتی ہے؟

المستفتی: عبداللہ مرزاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سلوک کے بزرگوں میں سے جن میں بیعت وطریقت اور سلوک کا سلسلہ ہے، وہ خود عورتوں کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے، نیز جو عورت بیعت لینا چاہ رہی ہے، اس کو کہاں سے بیعت کی اجازت ملتی ہے، یہ خود محل غور ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم/۲۱۰، جدید زکریا ص: ۱۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۹۳/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۴ھ

کیا انسان کا تصور عبادت ہے؟

سوال [۱۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ اس چکر میں ہیں کہ انسان کا تصور کیسے عبادت ہے؟ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے مراقبات کو کہا یا نہیں؟ صاف صاف جواب لکھیں۔

المستفتی: مفتی محمد شاہد صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذکر کے وقت خدائے تعالیٰ کا تصور جمانا چاہئے، نہ کہ انسان کا تصور؛ لہٰذا اس طرح ذکر اور شیخ کا تصور جمانا اور وجد میں آنا، کودنا، پھاندنا، لوگوں کی نیندیں خراب کرنا، ممنوع اور ناجائز ہے، یہ عمل نہ صحابہ سے منقول ہے اور نہ تابعین وسلف صالحین سے، یہ عمل دین میں ایک نئی چیز پیدا کرنا ہے؛ لہٰذا قابل ترک ہے۔ اور ایسا پیر جوان امور کا مرتکب ہو وہ فاسق اور بدعتی ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: فتاوی شیخ الاسلام، ص: ۲۲۵، احسن الفتاوی ۱/ ۳۵۰، تالیفات رشیدیہ، ص: ۱۹۱)

ویکرہ إمامة عبد وأعرابي وفاسق إلی قوله: ومبتدع، أي صاحب بدعة، وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم. (شامي، باب الإمامة، کراچی ۱/ ۵۵۹، زکریا ۲/ ۲۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۲ھ

کشف وکرامات کی شرعی حیثیت

سوال [۱۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی کسی بزرگ سے متعلق ان کی کرامات وکشوف اور منامات کو شائع

کرے، جب کہ یہ اہل تحقیق کے نزدیک نا قابل التفات؛ بلکہ سالکین کے لئے سد راہ ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر یہ فائدہ ان کی اشاعت میں مدنظر ہو کہ اہل حق کا انکار موجب خسرانِ اخروی ہوتا ہے، ان کو پڑھ کر لوگ اس سے بچ جائیں گے اور ان کے علوم ومعارف جوان کے باقیات صالحات ہیں، ان سے استفادہ کرسکیں گے، تو کیا اس غرض سے ان کی اشاعت کی کچھ گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمدرضوان سہارنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کشف وکرامات اورمنامات یہ تمام چیزیں ظنی ہیں، جس میں خطا اور غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے اور نہ ہی شریعت نے کشف وکرامات اور منامات کا دوسروں کومکلّف بنایا ہے؛ اس لئے ان میں سے جو چیز قرآن وحدیث کے کسی ظاہری نصوص کے مطابق ہو، ان کے شائع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جونصوص سے بظاہر مخالف ہو، ان کوشائع نہ کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ بہت سے ان پڑھ اورشریعت سے ناواقف لوگ ان ہی چیزوں کواصل دین سمجھ بیٹھتے ہیں اورشریعت کے احکامات وفرائض و واجبات کوکھو بیٹھتے ہیں، قرآن وحدیث کی ان میں اتنی اہمیت نہیں ہوتی جتنی کشف وکرامات کی باتوں کی ہوتی ہے؛ اس لئے ان چیزوں کی اشاعت میں نہایت محتاط انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲/۴۹۲)

قال علمائنا: من أظهر الله على يديه ممن ليس بنبي كرامات وخوارق للعادات، فليس ذلک دالاً على ولايته. (تفسير ابن كثير، سورة البقرة: ٣٤، ١/ ١١٦)

ومما يجب أن يعلم أن من واظب على الرياضات الشاقة ظهرت عنه الخوارق ولو كان كافرا، وهذا إمتحان شديد لضعفاء المسلمين، وسبب لضلالهم، وسوء اعتقادهم بالشرائع، فليحفظ المؤمن إيمانه

عن هذه الآفة، وسمي استدراجا؛ لأنه سبب الوصول إلى النار بالتدريج. (النبراس، مكتبه إمداديه ملتان ۲۹۵، ۲۹۶)

فالخارق ثلاثة أنواع: محمود في الدين، ومذموم ومباح، فإن كان المباح فيه منفعة كان نعمة، وإلا فهو كسائر المباحات التي لا منفعة فيها، قال أبو علي الجوزجاني: كن طالبا للاستقامة، لا طالبا للكرامة، فإن نفسك متحركة في طلب الكرامة، وربك يطلب منك الإستقامة. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت ص: ٤٩٥)

وفراسة رياضية، وهي التي تحصل بالجوع، والسهر والتخلي، فإن النفس إذا تجردت عن العوائق صار لها من الفراسة، والكشف بحسب تجردها، وهذه فراسة مشتركة بين المؤمن والكافر، ولا تدل على إيمان ولا على ولاية، ولا تكشف عن حق نافع، ولا عن طريق مستقيم، بل كشفها من جنس فراسة الولاة، وأصحاب عبادة الرؤساء والأطباء ونحوهم. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت ص: ٤٩٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۳/۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ

کشف ومکاشفہ کا شرعی حکم

سوال [۱۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے حجرہ میں میرے پاس حضور اقدس ﷺ تشریف لائے، ان کے خادم کا کشف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کو نماز ظہر

پڑھانے آیا ہوں۔سوال یہ ہے کہ اس طرح کے مکاشفہ کا بیان اور اس کی اشاعت جائز ہے یانہیں؟ جب کہ اس میں عقیدۂ بریلویت کی تائید ہے اور ناخواندہ ذہن کے لوگ یہ سمجھیں گے کہ جو شخص نماز پڑھانے جارہا ہے، گویا وہ چھوٹا ہے اور جس کی امامت کر لی ہے وہ گویا فائق و برتر ہے اور یہ کھلی بے ادبی ہے۔نعوذ باللہ من ذلک۔مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات سے مدلل مع حوالہ آگاہ فرمائیں، عین کرم ہوگا، ایک سلسلہ میں ان جوابات کی سخت ضرورت ہے۔

المستفتی: محمد رضوان سہارنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کشف ومکاشفہ کا انکار نہیں کیا جاتا اور کشف وکرامات اپنی جگہ واقعہ کے مطابق درست ہوتے ہیں؛ لیکن سوال نامہ میں کشف کو بہانہ بنا کر جو بات کہی گئی ہے، وہ اور بیداری کی حالت میں حضور ﷺ کی حجرہ میں تشریف آوری، یہ دونوں چیزیں خادم ومخدوم کی طرف سے جھوٹی معلوم ہوتی ہیں، ایسی باتوں کو نہ شائع کرنا درست ہے اور نہ ہی ان کا زبانی چرچا کرنا امت کے لئے مفید ہے؛ بلکہ اس میں مسلمانوں کے دینی نقصان کے علاوہ کچھ نہیں ہاتھ آسکتا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع. (مسلم، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، النسخة الهندية ١/ ٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٢٠، رقم: ٨٢٠١، المصنف لا بن أبي شيبة، كتاب الأدب، باب ما كره للرجل أن يحدث بكل ما سمع، مؤسسة علوم القرآن ١٣/ ١٥٨، رقم: ٢٦١٣١)

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: عليك بالصدق، فإن الصدق يهدي إلى البر، وإن البر يهدي إلى الجنة، وما يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا، وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن

الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب، ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الصدق والكذب، النسخة الهندية ۲/ ۱۸، دارالسلام، رقم: ۱۹۷۱، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب قبح الكذب، النسخة الهندية ۲/ ۳۲۵، بيت الأفكار، رقم: ۲۶۰۷) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۲/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۳/۸۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۳ھ

کشفِ قبور کا حکم

سوال [۱۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ مولانا عبدالمالک صاحب بہاولپوری سے بیعت تھے، حضرت کے وصال کے بعد ان کے کسی خلیفہ نے ان کو اپنی جانب سے اجازت وخلافت بھی دے دی۔ اور اب زید بھی بیعت کرتا ہے، ماشاء اللہ زید صوم وصلوۃ کا پابند اور نہایت عبادت گذار شخص ہے؛ لیکن زید کہتا ہے کہ مجھے کشف قبور حاصل ہے اور کہتا ہے کہ میں حالت بیداری میں مردوں سے باتیں کر لیتا ہوں، کبھی کہتا ہے کہ میں ایک قبرستان میں پہنچا، اپنے کسی عزیز کی زیارت کے لئے؛ لیکن مجھے قبر کا علم نہیں تھا کون سی ہے، میں نے ادھر ادھر قبروں کو دیکھا تو وہ عزیز اپنی قبر پر کھڑے ہوئے مجھے بلا رہے ہیں کہ آجاؤ میری قبر یہ ہے، کبھی کہتا ہے کہ میرے پاس ابھی مجدد الف ثانیؒ آئے تھے، کبھی کسی اور بزرگ مرحوم کو یا کسی بھی مردے کو کہتا ہے کہ ابھی میرے پاس بیٹھے تھے اور کہتا ہے کہ میں اپنی طرف سے اجازت وخلافت اس کو دیتا ہوں، جس کو مجدد الف ثانی کہتے ہیں، میں پہلے ان کے سامنے نام پیش کر دیتا ہوں اور وہ بتا دیتے ہیں کہ ان کو اجازت دے دو اور ان کو نہیں، اور یہ سب

حالت بیداری میں ہوتا ہے۔ از روئے شریعت زید کی ان باتوں کی کیا حیثیت ہے؟ مدلل ومکمل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: شوکت علی بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کشف کا انکار نہیں، کشف کا صدور ہوسکتا ہے، جس میں کشف قبور بھی شامل ہے؛ لیکن سوال نامہ میں کچھ ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو کشف سے الگ ہیں، مثلاً مجدد الف ثانیؒ کا بیداری کی حالت میں مذکورہ شخص کے پاس پہنچ جانا اور پھر یہ کہنا کہ فلاں کو خلافت دے دو اور فلاں کو نہیں، اس طرح کی باتیں حدود سے تجاوز کی باتیں ہیں؛ اس لئے ایسے فرشتوں کی باتیں ہم جیسے ابن آدم سمجھنے سے قاصر ہیں، ہاں البتہ اس فرشتے سے براہ راست بات ہوجائے تو کچھ کہنا ممکن ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۴ھ

کیا بطور کشف وکرامت بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت ممکن ہے؟

سوال [۱۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور اقدس ﷺ کی زیارت بیداری میں بطور کشف وکرامات، یا بطورِ مشاہدہ یا بطورِ واقعۂ صوفیہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے جیسا کہ بزرگوں کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے، تو اس کی نوعیت وکیفیت کیا ہوتی ہے؟ کیا رویت ظاہری آنکھوں سے ہوتی ہے یا باطنی سے؟ زید کہتا ہے کہ سر کی آنکھوں سے بیداری میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوسکتی ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟ کوئی اس طرح کا قول خواہ مرجوح ہو کسی کا ہے؟ یا اس کی کوئی توجیہ ممکن ہے؟ یا یہ کہنا غلط ہے؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: العبد محمد رضوان سہارنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کو بیداری میں ایمان کی حالت میں دیکھ لے، اس کا نام صحابہ کی فہرست میں آجاتا ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق حضرات خلفاء راشدین اور جماعت صحابہ کو تھا اور ان سے بڑھ کر انبیاء کے بعد کسی کا مقام نہیں اور ان میں سے ہر ایک نے بنفس نفیس بارگاہ نبوت کی صحبت حاصل کی اور ان کی آنکھوں کے سامنے حضرت سید الکونین ﷺ کا نورانی چہرہ چمکتا رہا، اور ایک ایک صحابی نور ایماں کے پہاڑ تھے، مگر آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام کے دنیا سے پردہ فرما کر تشریف لے جانے کے بعد ان میں سے کسی سے آقائے نامدار علیہ الصلوۃ والسلام کو بیداری کی حالت میں آمنے سامنے بنفس نفیس دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ اور جماعت صحابہ کے بعد مشائخ واولیاء اور بزرگان دین میں سے کسی کا مقام کسی ایک صحابی کے برابر نہیں، جب صحابہ میں سے کسی کا بیداری میں دیکھنا ثابت نہیں ہے، تو ان کے بعد کے لوگوں میں سے کسی کا بیداری میں دیکھنا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا، اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ آمنے سامنے بیداری میں دیکھا ہے، وہ در پردہ مقام صحابیت کا دعویٰ کرتا ہے؛ اس لئے کہ جس نے ایمان کی حالت میں بیداری میں آپ ﷺ کو براہ راست دیکھا ہو، وہ صحابہ کی فہرست میں داخل ہوجاتا ہے؛ لہٰذا زید کا قول ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، نیز آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام روضۂ اقدس میں اپنی قبر شریف میں بنفس نفیس موجود ہیں، آپ وہاں سے منفصل نہیں ہوتے اور بنص حدیث یہ بات ثابت ہے کہ کوئی شخص آپ کی بارگاہ میں مواجہہ شریف کے سامنے درود شریف کا نذرانہ پیش کرتا ہے، تو آپ ﷺ براہ راست سنتے ہیں اور دور سے پیش کرتا ہے، تو فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے، نہ آپ تشریف لاتے ہیں، نہ قبر میں رہ کر دور سے درود شریف پڑھنے والے کے درود شریف کو سنتے ہیں، ہاں البتہ آپ ﷺ کو خواب کی حالت میں کوئی دیکھتا ہے، وہ صحیح اور درست ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائبا أبلغته. (شعب الإيمان للبيهقي،

باب في تعظيم النبي ﷺ و إجلاله وتوقيره، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۱۸، رقم: ۱۵۸۳)

عن عبدالله –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام. (سنن النسائي، باب التسليم على النبي ﷺ، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۳، دارالسلام، رقم: ۱۲۸۳، مسند الدارمي، دارالمغني ۳/ ۱۸۲۶، رقم: ۲۸۱۶، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۸۷، رقم: ۳۶۶۶، ۴۲۰۹، **.ن في الأرض يبلغوني من أمتي السلام.** (المعجم الكبير، دارإحياء التراث العربي ۱۰/ ۲۲۰، رقم: ۱۰۵۳)

عن عمار بن ياسر قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله و كل بقبري ملكا أعطاه الله أسماء الخلائق، فلا يصلي علي أحد إلى يوم القيامة إلا أبلغني باسمه و اسم أبيه هذا فلان بن فلان، قد صلى عليک. (مسند البزار، مكتبة العلوم و الحكم ۴/ ۲۵۴، رقم: ۱۴۲۵، الترغيب والترهيب ۲/ ۳۲۶)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من رأني في المنام، فقد رأني، فإن الشيطان لا يتمثل بي. (ابن ماجة، باب روية النبي ﷺ في المنام، النسخة الهندية، ص: ۲۷۸، دارالسلام، رقم: ۳۹۰۱، شمائل ترمذی، باب ماجاء فی روية رسول الله ﷺ، ص: ۲۸، صحيح مسلم، با ۴۳۲، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۲۱۵، رقم: ۳۱۱۶، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، باب في ثوا ب الصلوة على النبي ﷺ، مؤسسة علوم القرآن ۶/ ۴۴، رقم: ۸۷۹۷، صحيح ابن حبان، ذكر البيان بأن صلاة من صلى على المصطفى ﷺ من أمته تعرض عليه في قبره، دارالفكر ۱/ ۱۰۲، ۹۰۷، المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتا ب التفسير، مكتبه نزار مصطفى الباز ۴/ ۱۳۴۲، رقم: ۳۵۷۶)

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن لله ملائكة سياحیب قول النبي صلى الله عليه و سلم من رأني في المنام فقد رأني، النسخة الهندية ۲/ ۲۴۲، بيت الأفكار، رقم: ۲۲۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۲/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۳ھ

کیا اولیاء کے جنازوں میں فرشتے شریک ہوتے ہیں؟

سوال [۱۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا کسی بزرگ کے جنازے میں کوئی فرشتہ یا جن یا اور کسی دوسری مخلوق کی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت کسی توجیہ کے مطابق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: العبد محمد رضوان سہارنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فرشتوں کا نیک صالح مؤمنین کے جنازہ میں ساتھ چلنا حدیث سے ثابت ہے اور مؤمن جنات کا چلنا ممکن ہے، مگر صراحت نہیں ملی۔ اور حضور ﷺ کا قبر اطہر سے منتقل ہوکر بنفس نفیس کسی مؤمن کے جنازہ میں تشریف لانا ثابت نہیں، فرشتوں کے چلنے کی حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ثوبان -رضي الله عنه- قال: خرجنا مع النبي ﷺ في جنازة، فرأى ناسا ركبانا، فقال: ألا تستحيون إن ملائكة الله على أقدامهم وأنتم على ظهور الدواب. (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية الركوب خلف الجنازة، النسخة الهندية ١/ ١٩٦، دارالسلام، رقم: ١٠١٢، المستدرك على الصحيحين للحاكم قديم ١/ ٥٠٨، مكتبه نزار مصطفى الباز ٢/ ٥٠٩، رقم: ١٣١٥، السنن الكبرى للبيهقي، باب الركوب عند إنصراف من الجنازة، دارالفكر ٥/ ٣٣٢، رقم: ٦٩٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۲/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۳/۸۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۳ھ

کیا ولی کی قبر سے روشنی نکلنا، مردہ کا بات کرنا اور بیک وقت دو مجلسوں میں شرکت کرنا ممکن ہے؟

سوال [۱۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی عام مؤمن یا بزرگ کی قبر پر اگر روشنی نظر آئے یا ان کے قبر سے نور نکلتا دکھائی دے یا خوشبو محسوس ہو یا مردہ کا بات کرنا اور سلام کا جواب دینا مسموع ہو، تو کیا یہ شرعاً ممکن ہے یا نہیں؟ اور کیا کوئی بزرگ ایک جگہ رہتے ہوئے کسی دوسرے بعید ترین مقام میں جا کر کسی مجلس میں یا جنازے میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کسی جمادات کا بآواز بلند کسی کی موت پر رونا، یہ شرعاً صحیح ہے؟ کیا ان امور کی کوئی اصل ہے؟ یا یہ امور کسی تاویل وتوجیہ سے شرعاً صحیح ہو سکتے ہیں؟

المستفتی: العبد محمد رضوان سہارنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی عام مؤمن یا بزرگ کی قبر سے نور نکلنا، روشنی ہونا، خوشبو کا محسوس ہونا یا مردے کا بات کرنا اور سلام کا جواب دینا سب ممکن ہے، اگر یہ کسی معتبر سند سے ثابت ہے، تو ان کی تکذیب مشکل ہے؛ اس لئے کہ مردے کا سننا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور مردے کا سلام کا جواب دینا بھی بعض ضعیف حدیث سے ثابت ہے:

فقال عمر: یا رسول الله! ما تکلم من أجساد لا أرواح لها؟ فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: والذی نفس محمد بیده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم.

(بخاري شریف، باب قتل أبي جهل، النسخة الهندیة ۲/ ۵٦٦، رقم: ۳۸۳٤، ف: ۳۹۷٦)

عن أبي هریرة –رضي الله عنه– قال: إذا مر الرجل بقبر یعرفه، فسلم علیه رد علیه السلام، وعرفه، وإذا مر بقبر لا یعرفه، فسلم علیه رد علیه السلام. (شعب الإیمان للبیهقي، فصل في زیارة القبور، دارالکتب العلمیة بیروت ۷/ ۱۷، رقم: ۹۲۹٦)

یہ حدیث اثر صحابی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی صراحت نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت، ص: ۳۲۶)

قرآن وحدیث، فقہ اور سیرت صحابہ سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ ایک آدمی بنفس نفیس ایک جگہ رہے، پھر وہی آدمی دور دراز علاقے میں کسی مجلس میں یا جنازہ میں شریک ہو جائے،

یعنی ایک انسان کا ایک وقت میں دو جگہ ہونا شریعت سے ثابت نہیں ہے۔ اور بعض صوفیہ کی کتابوں میں اس طرح کے جو واقعات نقل کئے گئے ہیں، نہ وہ قرآن ہے، نہ حدیث ہے، نہ صحابہ کی زندگی کے مطابق ہے اور نہ ہی ائمہ مجتہدین کی زندگی کے مطابق ہے اور نہ ان کے اقوال کے مطابق ہے؛ اس لئے ایسی چیزوں کو نہ ہم صحیح کہنے کے مکلّف ہیں اور نہ ہمیں ایسی باتوں میں پڑنے کی ضرورت ہے، اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں، جنہوں نے ایسی باتیں کہی اور پھیلائی ہیں، اس سے نقصان یہ ہے کہ ان پڑھ جہلاء اسی کو شریعت سمجھتے ہیں اور ایسی چیزوں کا دعویٰ کرنے والے کو شریعت کا امام سمجھتے ہیں، اللہ تعالی اور ان کے درمیان میں معاملہ ہوگا، ہم اس کے مکلّف نہیں۔ جمادات کا بآواز بلند رونا حدیث سے ثابت ہے؛ لیکن کسی کی موت پر رونا ثابت نہیں ہے، جب منبر شریف تیار ہوگیا اور اسطوانہ حنانہ پر ٹیک لگانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کردیا، تو اس سے اونٹ کے رونے کی طرح آواز آئی، آپ نے اسے سینے سے چمٹالیا، تو وہ آواز بند ہوگئی، مگر کسی کی موت پر جمادات کا اس طرح آواز سے رونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نیک مؤمن کے انتقال پر آسمانوں کے فرشتے روتے ہیں۔

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنهما– أن النبي ﷺ كان يقوم إلى الجمعة إلى شجرة أو نخلة، فقالت امرأة من الأنصار، أو رجل: يا رسول الله! –صلى الله عليه وسلم– ألا نجعل لك منبرا؟ قال: إن شئتم، فجعلوا له منبرا، فلما كان يوم الجمعة دفع إلى المنبر، فصاحت النخلة صياح الصبي، ثم نزل النبي ﷺ فضمها إليه، تأن أنين الصبي الذي يسكن. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، النسخة الهندية ١/ ٥٠٦، ٣٤٥٩، ٣٤٦٠، ف: ٣٥٨٤، ٣٥٨٥)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مؤمن إلا وله بابان: باب يصعد منه عمله، وباب ينزل منه رزقه، فإذا مات بكيا عليه، فذلك قوله: ﴿فما بكت عليهم السماء والأرض

وما كانوا منظرين﴾ [الدخان: ٢٩] (سنن الترمذي، أبواب التفسير، باب ومن سورة الدخان، النسخة الهندية ٢/ ١٦١، دارالسلام، رقم: ٣٢٥٥)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من إنسان إلا وله بابان من المساء: منهما يصعد عمله وينزل رزقه، فإذا مات العبد المؤمن بكيا. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٥/ ٢٢، رقم: ٦٤٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ

کیا کتے سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے؟

سوال [۱۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا کتے جیسے ناپاک وغلیظ جانور سے حسی، معنوی یا علمی رہنمائی کسی بزرگ یا عامی کو ہوسکتی ہے؟ شرعاً اس کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: العبد محمد رضوان سہار نپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتے جیسے ناپاک اور غلیظ جانور سے یہ رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے، کہ اگر رات میں چور ڈکیت آرہا ہو، تو خواب غفلت میں سونے والے مالکوں کو بیدار کردے اور جدھر چور ڈکیت ہوں، اس کی طرف رہنمائی کردے اور شرعاً اس کی گنجائش ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور بزرگ اور عامی سب اس میں برابر ہیں۔ **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ

مفرد اسمِ ذات کا ذکر اور ذکرِ جہری

سوال [۱۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حلقہ تصوف میں چار سلسلے مشہور ہیں اور ہر حلقہ میں ذکر بالجہر یا بالسر تلقین کئے جاتے ہیں۔ مولانا عبدالسلام رحمانی کی مولفہ کتاب ''المنکرات فی العقائد والاعمال والحادات'' میں بزرگوں کے اوراد واذکار کو مختلف عنوانات سے بدعت قرار دیا گیا ہے، جو کتاب ہذا کے صفحہ: ۳۳،۹۸،۹۹،۱۰۶/ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، یہاں تک اسم ذات کے ورد پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ مفرد نام کا وظیفہ بھی صحیح نہیں ہے۔ صفحہ ۳۳/ پر ارباب طریقت کے ایجاد کردہ ذکر کے طریقہ کے عنوان پر لکھتے ہیں کہ سند صحیح سے مروی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں، وہ بآواز بلند ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد کرتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں، آپ ان لوگوں کے پاس پہنچے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو یہ طریقہ نہیں تھا، میں تم لوگوں کو بدعت اختیار کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں، پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ برابر یہ کہتے رہے، یہاں تک کہ ان سب کو اٹھا دیا اور مسجد سے نکال دیا، اس قسم کے اعتراضات کا جواب ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مفرد نام کا ذکر قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اسی طرح ذکر بالجہر اور ذکر بالسر انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح جائز اور ثابت ہے؛ البتہ اجتماعی ذکر بالجہر کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ کسی صاحب نسبت عالم کے زیر تربیت رہ کر اجتماعی شکل میں متوسط آواز سے ہر ایک اپنا اپنا الگ ذکر کرے، تو یہ جائز اور درست ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ جاہل لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ان میں سے ایک بآواز بلند سب کو ذکر کرائے، تو یہ طریقہ جائز نہیں ہے۔ اور اسی اجتماعی ذکر سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا

ہے۔ مذکورہ کتاب میں اس جیسی احادیث سے ذکر بالجہر کے ثبوت کا مطلقاً انکار کرنا اور بدعت قرار دینا غلط ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ص:۲۵۲، جدید زکریا ۲۲۸، بوادر النوادر ۲/ ۴۴۶، التکشف في مہمات التصوف ۵/۱۷۹)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري، باب الذكر بعد الصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۱۱٦، رقم: ۸۳۳، ف: ۸٤۱، صحيح مسلم، باب الذكر بعد الصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۷، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۳، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۸۲۲، رقم: ۱۷۰٦، سنن أبي داؤد، باب التكبير بعد الصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۱٤٤، دارالسلام، رقم: ۱۰۰۳)

وفيه دليل على جواز الجهر بالذكر عقب الصلوة. (فتح الباري، دارالفكر ۲/ ۳۲۵، أشرفيه ديوبند ۲/ ٤۱۳، تحت رقم الحديث: ۸٤٤، عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي ٦/ ۱۲٦، زكريا ٤/ ٦۱۵)

وعن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تقوم الساعة حتى لا يقال في الأرض الله الله. (مسلم، كتاب الإيمان، باب ذهاب الإيمان آخر الزمان، النسخة الهندية ۱/ ۸٤، بيت الأفكار، رقم: ۱٤۸، مسند أحمد ۳/ ۲۰۱، رقم: ۱۳۱۱۳، ۳/ ۱۰۷، رقم: ۱۲۰٦٦، سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ٤٤، دارالسلام، رقم: ۲۲۰۷، منسد البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۳/ ۳۵۰، رقم: ٦۹۸۰، صحيح ابن حبان، ذكر الخبر ...... قول من زعم أن هذا الخبر تفرد به، عبدالرزاق، دارالفكر ٦/ ۲۳٤، رقم: ٦۸۵۸، المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الفتن، مكتبه نزار مصطفى الباز ۸/ ۳۰۳۰، رقم: ۸۵۱۲، ۸۵۱۳، ۸۵۱۵)

وأقول: هذا يدل أن ''الله الله'' مفردا أيضا ذكر. (العرف الشذي، على هامش الترمذي، النسخة الهندية ۲/ ٤٤)

وأما رفع الصوت بالذكر، فجائز كما في الأذان والخطبة

والجمعة والحج. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، زكريا ۹/ ۵۷۰، کراچی ۶/ ۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۲۳/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۶ھ

شیخ کا بچا ہوا تبرک کھانے پینے کا حکم

سوال [۱۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مریدین حضرات خصوصاً دیگر حضرات عموماً شیخ پیر، بزرگ حضرات کا جھوٹا پانی پینا باعث اجر وثواب سمجھتے ہیں، شیخ اور پیر کے بچے ہوئے کھانے کو عقیدت سے کھاتے ہیں اور پیر حضرات بھی پانی اور چائے بچا کر مریدین کو دے دیتے ہیں، اس سلسلہ میں شریعت سے وضاحت چاہتے ہیں، کیا مندرجہ بالا طریقے شیخ ومرید کے درست ہیں؟

المستفتی: منجانب خانقاہ مالکیہ سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: متبع شریعت شیخ اور بزرگ کا جھوٹا پانی اور ان کے بچے کھانے کو تبرک سمجھ کر کھایا اور پیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ اس کو باعث اجر وثواب سمجھنا درست نہیں، اسی طرح شیخ کا پانی اور چائے میں سے کچھ بچا کر مریدین کو دے دینا بھی جائز ہے۔

فقال (النبي صلى الله عليه وسلم): رد (الأعرابي) البشرى فاقبلا أنتما قالا: قبلنا، ثم دعا بقدح فيه ماء، فغسل يديه ووجهه فيه، ومجّ فيه، ثم قال: اشربا منه وافرغا على وجوهكما، ونحوركما، وابشرا، فأخذا القدح ففعلا، فنادت أم سلمة من وراء الستر أن أفضلا لامكما فأفضلا لها منه طائفة. (بخاري شريف، كتاب الجهاد، باب غزوة الطائف، النسخة

الهندية ٢/ ٦٢٠، رقم: ٤١٥٧، ف: ٤٣٢٨، صحيح مسلم، كتاب المناقب، باب من فضائل أبي موسى وأبي عامر الأشعريين رضي الله عنهما، النسخة الهندية ٢/ ٣٠٣، بيت الأفكار، رقم: ٢٤٩٧)

الثاني فيه الدلالة على جواز التبرك بآثار الصالحين. (عمدة القاري، كتاب الطهارة، باب استعمال فضل وضوء الناس، مكتبه دار إحياء التراث، العربي ٣/ ٧٥، زكريا ٢/ ٥٣٦)

ففيه التبرك بآثار الصالحين واستعمال فضل طهورهم وطعامهم وشرابهم ولباسهم. (شرح النووي على مسلم، كتاب الصلوة، باب سترة المصلي ١/ ١٩٦، رقم: ٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۵/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۲۹ھ

مریدہ کا شیخ کا رومال کفن میں بطور تبرک استعمال کرنا

سوال [۱۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ ایک صاحب نسبت شیخ سے بیعت تھی، اس کی خواہش تھی کہ میرے مرنے پر شیخ کا رومال اوڑھنی کی جگہ کفن میں استعمال کیا جائے، چنانچہ ہندہ کے مرنے پر شیخ نے اپنا سفید رومال دے دیا، جو ہندہ کے کفن میں اوڑھنی کی جگہ استعمال کیا گیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟ اسلاف میں کوئی روایت ملتی ہے؟ کیا اس طرح ہندہ کے شیخ کا رومال اوڑھنی کے لئے کفن میں استعمال کرنے سے برزخ کے عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: نسیم احمد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مریدہ کا اپنے کفن میں شیخ کا رومال اوڑھنی کی جگہ بطور تبرک استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ لیکن اس کو نجات کا ذریعہ سمجھنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی اور بزرگ کے بارے میں متعین طور پر اس بات کی گارنٹی نہیں ہے کہ اللہ کے یہاں وہ بالکل پاک وصاف ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۱/۲۰۳)

وهذا الحديث أصل في التبرك بآثار الصالحين، ولباسهم كما يفعله بعض مريدى المشايخ من لبس أقمصتهم في القبر. (لمعات حاشية مشكوة/ ١٤٣)

الثاني: فيه الدلالة على جواز التبرك بآثار الصالحين. (عمدة القاري، كتاب الطهارة، باب استعمال فضل وضوء الناس، مكتبه دار إحياء التراث العربي ٣/ ٧٥، زكريا ٢/ ٥٣٦)

عن أم عطية الأنصارية -رضي الله عنها- قالت: دخل علينا رسول الله ﷺ حين توفيت ابنته، فقال: اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو أكثر من ذلك -إلى- فلما فرغنا آذناه، فأعطانا حقوه، فقال: اشعرنها إياه تعني إزاره. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر، النسخة الهندية ١/ ١٦٧، رقم: ١٢٣٩، ف: ١٢٥٣)

وقال الحافظ ابن حجرؒ: وهو أصل في التبرك بآثار الصالحين، وفيه جواز تكفين المرأة في ثوب الرجل. (فتح الباري، مكتبه دار الريان للتراث ٣/ ١٥٥، دار الفكر ٣/ ١٢٩- ١٣٠، أشرفيه ديوبند ٣/ ١٦٧، شرح المسلم للنووي، كتاب الجنائز ١/ ٣٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۹۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۸ھ

مسجد میں اجتماعی ذکر جہری کرنے کا شرعی حکم

سوال [۱۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں کوئی دینی مجلس قائم کرکے اس میں بآواز بلند ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی مجلس قائم کرنا اور دینی مسائل وفضائل کا بیان کرنا بہت بڑا کارِثواب ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله، يتلون كتاب الله، ويتدارسونه بينهم، إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة، وذكرهم الله في من عنده. (صحيح مسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن والذكر، النسخة الهندية ٢/ ٣٤٥، بيت الأفكار، رقم: ٢٦٩٩، مسند دارمي، دارالمغني ١/ ٣٦٩، رقم: ٣٦٨، سنن أبي داؤد، أبواب فضائل القرآن، باب في ثواب القرآن، النسخة الهندية ١/ ٢٠٥، دارالسلام، رقم: ١٤٥٥، سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، النسخة الهندية، ص: ٢٠، دارالسلام، رقم: ٢٢٥)

لیکن مسجد میں سب لوگوں کا جمع ہوکر بآواز بلند ذکر کرنا کہیں ثابت نہیں ہے، اس سے آئندہ ایک نئی چیز کی ایجاد کا خطرہ ہے، ہاں البتہ اگر کوئی بہت بڑا صاحب نسبت عالم دین ہے، جس کو اپنے اکابر سے اس کی اجازت ملی ہوئی ہے، وہ اپنی نگرانی میں اپنے متعلقین کو اکٹھا کرکے ذکر کی مشق کرائے تو اکابر سے اس کا ثبوت ہے۔ ہر کس وناکس کے لئے اس کی اجازت نہیں اس سے فتنہ ہوسکتا ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم.

(صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب الذكر بعد الصلوة، النسخة الهندية ١/ ١١٦، رقم:

۸۳۳، ف: ۸٤۱، صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب الذكر بعد الصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۷، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۳)

أنه حرام لما صح عن ابن مسعود أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي ﷺ جهرا، وقال لهم: ما أراكم إلا مبتدعين. (شامي، كتاب الكراهية، فصل في البيع كراچی ٦/ ۳۹۸، زكريا ۹/ ۵۷۰) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۱۷ھ

چند آدمیوں کا اکٹھا ہو کر ذکر جہری کرنا

سوال [۱۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دس پندرہ آدمیوں کا اکٹھا ہو کر کبھی اس مکان میں ذکر کا اہتمام کرنا اور کبھی اس مکان میں حضور ﷺ کی شان میں اشعار پڑھنا اور اس کے سامنے کے لوگ جو ذاکرین ہیں، وہ تڑپ کر ذکر کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتی: محمد شعیب آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذکر کا مذکورہ طریقہ جاہلوں کا ایجاد کردہ ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس کو ناجائز لکھا ہے اور اس پر سخت نکیر فرمائی ہے: **وما يفعله متصوفة زماننا حرام، لا يجوز القصد والجلوس إليه.**

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ۹/ ۵۰۳، كراچی ٦/ ۳٤۹)

مذکورہ عبارت سے واضح ہوا کہ ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا بھی ہرگز جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۹۹)

لاؤڈ اسپیکر میں ذکر کرنا

سوال [۱۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب (غیر عالم) کسی بزرگ کے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ لاؤڈ اسپیکر میں ذکر کراتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز کی وجہ سے نمازی ونائمین اور اپنے کاموں میں مشغول افراد کو خلل واقع ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں مائک میں ذکر جہری کرنا ناجائز اور مکروہ تحریمی ہوگا اور یہ شکل ریا کاری میں داخل ہوگی جو ممنوع ہے؛ لیکن اگر ذکر کی وجہ سے لوگوں کو خلل واقع نہیں ہوتا ہے اور ذاکر صاحب نسبت، متبع شریعت ہے اور اس کو اپنے شیخ سے اس کی اجازت ملی ہوئی ہے، تو ایسی صورت میں ذکر جہری کرنا جائز ہوگا، جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ کی اس عبارت سے یہ حکم مستفاد ہوتا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إن هناک أحاديث اقتضت طلب الجهر، وأحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما: بأن ذلک يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء، أو تأذي المصلين، أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر؛ لأنه أكثر عملا، ولتعدى فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۳۰۰)

”لا الہ الا اللہ حافظ جمال اللہ“ کی ضرب لگانا

سوال [۱۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص ”لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ“-صلی اللہ علیہ وسلم- کی جگہ ”لا الہ الا اللہ حافظ جمال اللہ“ کی ضربیں لگائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ اسلام سے خارج ہوگیا؟ اس کو دوبارہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہونا ہوگا یا نہیں؟ بالتفصیل تحریر فرما کر نوازیں۔

المستفتی: محمد عثمان بستوی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر حالت بیداری میں کوئی عاقل بالغ شخص اس طرح ضرب لگاتا ہے، تو موجب کفر ہے، فوراً اس حرکت سے توبہ کر کے باز آجانا لازم ہے۔

إن الناس قد أكثرو من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم -إلى- وقد عده أناس من العلماء شركا.

(روح المعاني، سورة المائدة، آيت: ۳۵، زكريا ٤/ ١٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲۷ھ

ختم خواجگان میں خلیفہ کا کچھ اضافہ کرنا

سوال [۱۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک علاقہ کے مشہور بزرگؒ کا انتقال ہوا جو کہ نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے یہاں ہفتہ میں ایک دن ختم خواجگان کا معمول تھا۔ حضرت کے سیکڑوں مریدین ہیں، جب کہ خلیفہ صرف ایک ہے، ختم خواجگان کا سلسلہ اسی طرح آج بھی جاری ہے، جیسا کہ حضرت کی حیات میں تھا، اب حضرت کی جگہ ان کے خلیفہ ومجاز بیٹھتے ہیں، حضرت کے جو

خلیفہ ہیں، انہوں نے ان کلمات میں (جو حضرت کے حیات میں) ختم خواجگان میں پڑھے جاتے تھے، کچھ کمی اور کچھ زیادتی کردی، مثلاً: ''**یاغیاث المستغیثین اغثنا**'' جیسے کلمات کا اضافہ کردیا، تو اب کچھ لوگوں کو ان کے اس عمل پر اعتراض ہے کہ جو کلمات حضرت کی زندگی میں پڑھے جاتے تھے، ان میں زیادتی کا کسی کو حق نہیں ہے، جب کہ دوسرے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ مجاز ہیں، ان کو اس کا حق ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی پیر کے خلیفہ کو اس طرح کا حق حاصل ہے؟ کیا ان کلمات میں کمی زیادتی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ کسی طرح کا کوئی جھگڑا نہیں ہے، صرف اختلاف ہوگیا ہے، جس میں علماء کرام کی رہنمائی کی ضروت ہے؟

المستفتی: محمد شاکر

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختم خواجگان قرآن وحدیث سے منقول نہیں ہے؛ بلکہ سلسلاتی بزرگوں کے معمولات میں سے ایک عمل ہے۔ اور ختم خواجگان کے مختلف طریقے اور مختلف الفاظ بزرگوں سے منقول ہیں، اس میں جو دعائیہ الفاظ ہیں، وہ بھی بزرگوں اور مشائخ کے مرتب کئے ہوئے ہیں اور بعد کے بزرگوں اور مشائخ کے اس میں مناسب الفاظ کے بڑھانے اور گھٹانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے؛ لیکن بڑھانے گھٹانے والے صاحب نسبت عالم دین ہونے چاہئے۔ اور اگر خود عالم دین نہیں ہے، تو کسی صاحب نسبت عالم دین کے مشورہ سے گھٹانا بڑھانا چاہئے، جو الفاظ کے معانی اور عربیت سے بھی خوب واقف ہو۔ اور اگر عالم دین نہیں ہے، تو بغیر گھٹائے بڑھائے اپنے مشائخ سے جس طرح ملے اسی طرح پڑھتے رہنا چاہئے، ورنہ غلطیوں کے شکار ہونے کا خطرہ ہے۔ اور سوال نامہ میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں: ''**یاغیاث المستغیثین اغثنا**'' یہ الفاظ بھی بعض بزرگوں کے ختم خواجگان کے الفاظ میں پہلے سے شامل ہیں؛ اس لئے اس کے بڑھانے میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ یہ اضافہ پہلے ہی سے مشائخ کے معمولات میں شامل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۳۰ھ

’’هُوَ الأَسَامَةُ سِرُنَا هُوَ‘‘ کا وظیفہ پڑھنا

سوال [۱۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ بعد نماز عشاء مجھ کو پڑھنے کے لئے ۳۴۳/ بار بتائے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان الفاظ کو پڑھنے سے آدمی جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رہتا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں: ’’هُوَ الأَسَامَةُ سِرُنَا هُوَ‘‘

امر دریافت طلب یہ ہے: (۱) کیا یہ کوئی قرآنی آیت ہے؟ (۲) ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ (۳) کیا ان الفاظ کو پڑھنے سے واقعی آفات ارضی وسماوی سے بچا جا سکتا ہے؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب ساتھ کے جوابی پوسٹ کارڈ پر تحریر فرمائیں۔ اور یہ بھی تحریر کریں کہ ان الفاظ کے پڑھنے سے کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد اقبال کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ الفاظ کے ذریعہ سے کوئی وظیفہ بندہ کو معلوم نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۴۳)

’’مناجات مقبول‘‘ میں اضافہ شدہ اشعار کی تحقیق

سوال [۱۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مرتب کردہ ایک کتاب ’’مناجات مقبول‘‘ کے نام سے ہے، جس کے اخیر میں قصیدہ ’’التجاء بحضرۃ خیر الوریٰ‘‘ کے نام سے ہے، ان اشعار کے ساتھ وہ قصیدہ شروع ہوتا ہے:

رسول الله جئتک مستعیذا ☆ علیک صلوۃ ربي والسلام

کئیبا مستغیثا مستعینا ☆ علی نفس تضیم ولا تضام

پھر نصف قصیدہ کے بعد یہ اشعار ہیں:

رسول الله فارحمني فإني ☆ غریب هائم ولي الهیام

شفیتهم وقد جاؤک مرضیٰ ☆ فهل أنا راجع ولي العقام

سقیتهم وقد جاءک عطشی ☆ وهل أنا راجع ولي الارام

اغثني یا رسول الله إني ☆ لمغلون وقطعني العطام

بک استشفعت في قلبي وکسری ☆ بک استشفیت إذ عرض السقام

بظاہر ان اشعار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا گیا ہے، نیز طلب شفاء وغیرہ مذکور ہے، ان کے کوئی محتمل معنی کی نشاندہی فرمادیں، تاکہ خلجان دور ہوجائے۔

المستفتی: مفتی عبداللہ قاسمی، فیض آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے سوال کے جواب میں تاخیر اس لئے ہوئی ہے کہ اس کا جواب حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم خلیفہ حضرت تھانویؒ سے مراجعت سے پہلے لکھنا مناسب نہیں تھا، اب احقر نے براہ راست حضرت موصوف سے ملاقات کرکے معلومات کرلی ہے، کہ یہ قصیدہ حضرت تھانویؒ کا نہیں ہے، نیز ''مناجات مقبول'' کے دوسرے نسخہ، مطبوعہ لکھیم پور، مطبوعہ الہ آباد، مطبوعہ کراچی، مطبوعہ نظام الدین دہلی وغیرہ مختلف نسخوں میں دیکھا گیا ہے، ان نسخوں میں یہ قصیدہ نہیں ہے، صرف ایک نسخہ میں یہ قصیدہ موجود ہے، شاید کسی خودغرض نے شامل کردیا ہے۔ اور مذکورہ اشعار خود حضرت تھانویؒ کے مزاج اور عقیدہ کے موافق نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۵ھ

کیمیائے سعادت کا شرعی حکم

سوال [۱۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عامی کے لئے امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام غزالی کی بعض کتابیں عوام کے لئے مناسب نہیں؛ اس لئے متبحر علماء کے مشورہ سے امام غزالی کی کتابیں مطالعہ کیا کریں، مثلاً ان کی کتاب ''کیمیائے سعادت'' فن تصوف کی بہت عمدہ کتاب ہے، مگر اس کے بعض مضامین ایسے ہیں، جو عوام کے لئے نہ مفید ہیں، نہ عوام ان کی حقیقت تک رسائی کرسکتی ہے؛ بلکہ الجھ کر رہ جائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۴۶)

شیخ کی تعریف میں مبالغہ بھرا خط لکھنے اور اس کو شائع کرنے کا حکم

سوال [۱۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر خود بحمد اللہ مع جملہ اہل خانہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ مسلک علمائے اہل سنت والجماعت یعنی علمائے دیوبند کا بڑا عاشق ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس دور میں دین اسلام کو صحیح سمجھنے والے اور اس کے تبیین وتشریح کرنے والے بلا شبہ عقیدہ سلف صالحین کے حامل یہی علماء کرام ہیں، باقی دوسرے حضرات افراط وتفریط کا شکار ہیں، کہیں شخصیات کی عقیدت میں ایسا غلو کہ توحید ذات وصفات باری تعالیٰ متأثر ہوتی نظر آئے اور کہیں اسلامی عظیم شخصیات سے ایسی صرف نظر کہ بس ''ھم رجال ونحن رجال'' کا نعرہ زبانوں پر

جاری نظر آئے، جس کی آڑ میں خواہش پرستی عروج پر دکھائی دے۔

بحمد اللہ تعالیٰ اہل علم، علمائے دیوبند کے یہاں بالکل اسلامی اعتدال والا مذاق ومزاج صاف نظر آتا ہے، اسی طرح نازک سے نازک موقع پر حق گوئی وبیباکی اس جماعت کا خاص وصف امتیازی نظر آتا ہے۔ بالخصوص راقم السطور حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علوم ومعارف سے بھری کتابیں دیکھتا رہتا ہے، کیا ہی خوب فہم دین ان بزرگوں کے حصے میں آیا ہے۔ اور یہ بھی احقر پر حق تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے کہ علماء کی محبت سے اپنے دل کو لبریز پاتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ ہر دور میں یہی علماء امت کی صحیح رہبری کا فریضہ انجام دیں گے۔

اس لئے اس پس منظر میں آپ حضرات سے ایک اہم استفتاء کرنا ہے۔ اور بحیثیت ایک طالب علم کے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ برائے مہربانی اس مسئلہ میں یہاں باہمی طور پر طلبہ کے درمیان اختلاف ہونے کی وجہ سے ذرا مفصل اور مدلل تحریر فرما دیں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی مدلل ومفصل تحریر دونوں فریقوں کو اطمینان بخش اور باعث رفع نزاع علمی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو آپ کی علمی محنتوں اور کاوشوں کا اجر عظیم اپنی شایان شان نصیب فرمائے۔ آمین۔

استفتاء: بعض حضرات جو کہ اپنے مشائخ کے ہاتھوں پر بیعت ہیں، ان کو خطوط لکھتے ہوئے ایسے جملے اور تعبیرات تحریر میں استعمال کرتے ہیں کہ جو عام طور پر کسی بڑے سے بڑے بشر کے لئے بھی عمومی طور پر بولے نہیں جاتے ہیں اور نہ اپنے اہل حق مشائخ کی کتابوں میں وہ عبارتیں عام طور پر موجود ہیں؛ اس لئے یہاں مقامی طور پر بعض مفتیان کرام کو ان عبارتوں پر اشکالات ہیں؛ اس لئے آپ حضرات سے استفسار کی ضرورت پیش آئی۔

قابل استفسار عبارات اور جملے مندرجہ ذیل ہیں:

ایک شخص اپنے پیرومرشد کو خط لکھتے ہوئے یہ عبارت لکھتا ہے:

(۱) میرے شیخ آپ تجلیاتِ حق سبحانہ ہیں، سراپا نورِ مطلق، ذرہ ذرہ عرش طورِ مطلق، میرے مالک جل جلالک تیری ذات پاک کی قسم میرے گمان میں یا سیل غرق، بحرِ غیر محدود تیرے عالم نے شاید ہی دیکھی ہو، ضرور ہی تو نے میرے مرشد کو حسب گمان بدرجہ یقین نادر الوجود پیدا کیا ہے۔

(۲) آگے لکھتے ہیں: اے نورِ مطلق! آپ صرف نبی نہیں باقی سب کچھ ہیں، آپ اصطلاحاً صحابی نہیں باقی سب کچھ ہیں، میرے گمان غیر متزلزل میں آپ سارے جہاں کے بایزیدوں کے سردار ہیں، آپ نہ صرف یہ کہ سب سے اکمل درجہ کے غوث ہیں، سب سے اکمل درجہ کے بایزید ہیں، بلکہ واللہ یا مرشدی میرے علم میں آپ بڑے بایزید ساز بھی ہیں، آپ کی روح عالی طواف کے آگے جملہ ارواح اولیاء بلا اعلان از منبر بغداد سراسر سرنگوں ہیں۔

(۳) لکھتے ہیں: خدا کی قسم خدا کی قسم ضرور ہی آپ حکیم الامت ہیں، آپ مجدد الملت ہیں، آپ ہی گنگوہی و نانوتوی ہیں اور حاجی صاحب مہاجر مکی ہیں۔ واللہ ثم واللہ میں اپنے گمان مستفیض بفیضان یقین میں آپ کو کسی بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے ذرا بھی کم نہیں سمجھتا ہوں؛ بلکہ بس کیا کہوں، میری نظر میں تو آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں، کہاں تک ضبط کروں، صاف صاف کہہ دینا کیا حق محبت وحق عظمت شیخ نہیں ہے؟

(۴) آگے لکھتے ہیں: میرے سرکار! میرے محبوب جان! میرے دو جہان! میرے سب کچھ، غلام کی روح پر آپ کے مقامات اظہر من الشّمس ہیں، میں جذبات سے نہیں کہہ رہا ہوں، میں منجانب اللہ مجبور ہوں، اگر میں اس کے خلاف کہوں گا تو واللہ ثم واللہ میرے گمان میں میں بالکل ہلاک ہو جاؤں گا، میرے قلب کا یہ مقام منجانب اللہ ہے، کما تعلمون یا مولائی، آپ کے جملہ مقامات مذکورہ غیر ہا احقر کی روح پر صرف مدلل ہی نہیں؛ بلکہ مدلل سے بھی زیادہ راسخ ومرتسخ ہیں اور قلب میں مستقر ہیں، بدرجہ قول اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ''سمعنا و اطعنا'' (من غیر انتظار دلیل)

(۵) آگے تحریر میں ہے: آج بھی عین نماز تراویح میں آپ کے یہ سب مقامات جب کہ

روح صرف برکت سیدی ومرشدی انوارقرب حق سے بہت ہی منور محسوس ہورہی تھی، اضطراراً قلب پر پیہم وارد ہوتے رہے، زندگی میں پہلی دفعہ (سالہا سال پہلے) ان نورحق نما کے بارے میں بعد عشا تا اذان فجر عالم بے خودی میں جو اشعار فارسی قلب پر بے ساختہ وارد ہوتے رہے، ان میں اسی نوع کے مضامین مظہر مقامات عظیمہ حضرت غوث پاک دامت برکاتہم کے ساتھ کچھ ایسا اشارہ بھی اضطراراً مذکور ہوا ہے کہ یہ اسرار مرشدی قلب عبدحقیر پر واضح اورزبان عبدحقیر سے اس کی اشاعت ہوگی۔

(۶) سید مجھ سا خنزیر استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ انا للہ اب تک نہ دنیا میں پیدا ہوا، نہ آگے ہونے کا گمان ہے۔

(۷) حضرت جی، شب وروز کے کسی بھی لمحہ میں ایک لفظ بھی یہ غلام مرضی حق کے خلاف نہیں نکال سکتا ہے، کسی بھی لفظ میں لغزش ہوگئی یا کہ جملہ تو درست تھا؛ لیکن لہجہ میں یا ارادہ میں لغزش ہوگئی، تو قلب پر ایک تکدر سا چھا جاتا ہے۔

(۸) میرے محبوب! میرے دو عالم خدا کی قسم خدا کی قسم، آپ جیسا شیخ کامل، عامل کامل، نائب کامل اور ہدایت کا نور کامل اس جہاں میں حسب گمان بدرجہ یقین دوسرا کوئی نہیں ہے، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ تا قیامت یہ اذان واقامت، عشق ومحبت ومعرفت جس کو آں غوث اعظم نے بلند فرمایا، جاری وساری اور زندہ وتابندہ درخشندہ رہے گی۔

(۹) آپ سراپا تجلیات حق، نور مطلق، نور مطلق، نور سید المرسلین ﷺ ہیں۔

(۱۰) حضرت جی احقر کی نگاہ میں سوائے آپ کے اور کوئی نہیں ہے۔ واللہ آپ بے مثل ہیں۔

عبارات عشرہ مذکورہ سے متعلق ناقابل فہم باعث اختلاف امور

بعض اہل علم وصاحب فتویٰ حضرات ان عبارتوں سے متعلق کچھ تحفظات رکھتے ہیں۔ اور بعض کی علم وتحقیق کے مطابق ان عبارات میں بہت سی غیر شرعی خطرناک باتیں ہیں۔ اور بعض صرف نامناسب سمجھتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں، جو کہتے ہیں کہ ان سب باتوں میں کوئی

حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ ہمارے اکابر کی بعض عبارتوں میں شیخ کے لئے خدا کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے،تو کیاان پرشرک کافتویٰ لگاؤ گے؟

منع کرنے والے علماءحضرات یہ فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم اورابوداؤد کی روایت جس میں ہے:''**من كان مادحا أخاه لا محالة، فليقل إني أحسبه الحديث**'' اور''**لا تطروني كما أطرت الحديث**'' کوسامنے رکھ کرحضرت گنگوہیؒ،حضرت تھانویؒ کی تحریرات موجود ہیں،جن میں''فتاوی رشیدیہ''اور''الکشف للتھانوی''وغیرہ کےاندراورتواور کسی کی ولایت کےتیقن سےمنع کیا گیاہے،تو پھرقسمیں کھا کراس طرح کی امورمخفیہ ولایت ومراتب ولایت سےمتعلق باتیں لکھنا کیسے روا ہوسکتا ہے؟ اسی طرح باقی اوپر لکھی ہوئی عبارتوں کاحال ہے، نیزان حضرات کا کہنا ہے کہ ان تحریرات میں بعض ایسی باتیں ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصمت کادعویٰ کررہے ہیں،جیسا کہ نمبر ۷ میں لکھاہے، پھرآخرگمان اوروہ بہ درجہ یقین اوراس پروالله کالانا یہ سب باتیں بظاہرناقابل فہم معلوم ہوتی ہیں۔

اس لئے آپ حضرات سے گزارش ہےاورآپ حضرات علمائے دیوبند پردونوں جماعتوں کا اعتماد بھی ہے کہ ان تمام عبارات کے قائل سےمتعلق اورعبارات سےمتعلق مدلل ومفصل جواب تحریرفرمادیں۔آپ حضرات عندالله انشاء الله تعالیٰ بہت ہی ماجورہوں گے۔

امید کہ حسب فرصت وسہولت اپنی تحقیقی،علمی معلومات سے ہم سب کومالا مال فرمائیں گے۔

جزاکم الله عنا خیرالجزاء۔ والسلام

المستفتی: محمد یحییٰ قطری،دوحہ قطر،مقیم حال کمرہ نمبر گیارہ،تہہ خانہ مسجد رشید دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ شروع سے آخرتک پڑھ کردیکھ لیا گیاہے،اس میں مرید نے شیخ کی تعریف اور مقامات بیان کرنے میں حد سے تجاوز کرکے بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیاہے، جوکسی طرح مناسب نہیں ہےاوراس طرح کےخطوط لکھنااور پھر انہیں شائع کرکے عام کرنا سخت فتنہ کا سبب ہے؛اس لئے ایسےخطوط کے شائع کرنے سے

احتراز لازم ہے۔ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ قابل تعریف اور سب سے زیادہ باعظمت ہے، اس کے باوجود آپ کی تعریف میں بھی مبالغہ آرائی سے ممانعت فرمائی ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباس سمع عمر يقول على المنبر: سمعت النبي ﷺ يقول: لا تطروني كما أطرت النصاري عيسى ابن مريم، فإنما أنا عبده ولكن قولوا: عبدالله ورسوله. (صحيح البخاري، باب قول الله: اذكر في الكتاب مريم إذانتبذت من اهلها" النسخة الهندية ١/ ٤٩٠، رقم: ٣٣٢٩، ف: ٣٤٤٥، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٩، رقم: ٢٤، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٥/ ٤٣٩، رقم: ٩٧٥٨، مسند أحمد بن حنبل ١/ ٢٣، رقم: ١٥٤، ١٦٤، ٣٣١، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١/ ٢٩٩، رقم: ١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۲۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۱۷ھ

بزرگان دین کی قدم بوسی اور دست بوسی کی شرعی حیثیت

سوال [۱۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علماء کرام اور بزرگان دین کی قدم بوسی اور دست بوسی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

المستفتی: محمد رفیق کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین، مشائخ، بزرگوں اور استاذ کی قدم بوسی اور دست بوسی جائز ہے، مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ قدم چومتے وقت سجدہ کی شکل اختیار نہ کی جائے۔

إن عبد الله بن عمر –رضي الله عنهما– حدثه، وذكر قصة قال: فدنونا يعنى من النبي ﷺ، فقبلنا يده. (أبوداؤد، باب قبلة اليد، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۹، دارالسلام، رقم: ۵۲۲۳، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب السير، ماجاء في إنفراد من الزحف، مؤسسة علوم القرآن ۱۸/ ۲۳۳، رقم: ۳۴۳۷۴، الأدب المفرد، دارالكتب العلمية بيروت ص: ۳۳۸، رقم: ۹۷۲)

عن ابن عمر أنه قبل يد النبي صلى الله عليه وسلم. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳، رقم: ۴۷۵۰، سنن ابن ماجة، باب الرجل يقبل يد الرجل، النسخة الهندية ۲/ ۲۶۳، دارالسلام، رقم: ۳۷۰۴)

وفي حديث طويل، طرفه هذا: لما قدمنا المدينة، فجعلنا نتبادر من رواحلنا، فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجله. (ابوداؤد شريف، باب في قبلة الرجل، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۹، دارالسلام، رقم: ۵۲۲۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۱۳۲، رقم: ۴۱۸، الأدب المفرد، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت، ص: ۲۸۹، رقم: ۹۷۵، سنن ابن ماجة، باب الرجل يقبل يد الرجل، النسخة الهندية ۲/ ۲۶۳، دارالسلام، رقم: ۳۷۰۵، سنن الترمذي، كتاب الاستئذان، باب ماجاء في قبلة اليد والرجل، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۲، دارالسلام، رقم: ۲۷۳۳)

تقبيل يد العالم والسلطان العادل جائز. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون في ملاقات الملوك، مكتبه زكريا قديم ۵/ ۳۶۹، جديد ۵/ ۴۲۶)

فعلم من مجموع ماذكرنا إباحة قبلة اليد والرجل والرأس والكشح. (البناية، كتاب الكراهية، فصل في الإستبراء وغيره، مكتبه أشرفيه ۱۲/ ۱۹۸، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة قبيل باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دارالكتاب، ص: ۳۱۹)

قوله: وقيل: سنة، أي تقبيل يد العالم والسلطان العادل، قال

الشرنبلالي: وعلمت أن مفاد الأحاديث سنتيه أو ندبه، كما أشار إليه العيني. (شامي، كتاب الكراهية، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۵۰، كراچی ٦/ ٣٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۵۹)

مریدین کا لوٹتے وقت شیخ کی طرف پیٹھ نہ کرنا

سوال [۱۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ جس جگہ کھڑے یا بیٹھے ہوتے ہیں، مریدین یا دیگر حضرات جب اس جگہ سے رخصت ہوتے ہیں، تو شیخ کی طرف پیٹھ نہیں کرتے، کیا یہ شیخ کا ادب باعث اجر ہے، یا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے؟

المستفتی: منجانب خانقاہ مالکیہ سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شیخ کے پاس سے رخصت ہوتے وقت مریدین کا شیخ کی طرف پیٹھ نہ کرنا اور الٹے پاؤں لوٹنا کوئی ادب نہیں اور اس کو باعث اجر وثواب سمجھنا درست نہیں؛ بلکہ اپنی فطری چال سے ہی لوٹنا چاہئے۔

ويرجع قهقري، أي إلى خلف (تحته في الشامي:) وفي مناسک النووي: أن ذلک مکروه؛ لأنه ليس فيه سنة مروية، ولا أثر محکی، وما لا أثر له لا يعّرج عليه، وتبعه ابن الكمال والطرابلسي في مناسكه. وقال الزيلعي: والعادة به جارية في تعظيم الأكابر، والمنكر لذلک مكابر.

(شامي، كتاب الحج، مطلب في حكم المجاورة، بمكة والمدينة، زكريا ۳/ ٥٤٦، كراچی ۲/ ٥٢٤، تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۳۷، زكريا ۲/ ۳۱۹)

وقيل: ما ذكر من العود إلى رأس القبر الشريف، لم ينقل عن الصحابة ولا التابعين. (فتح القدير، كتاب الحج، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي ﷺ، زكريا ۳/ ۱۷۰، دارالفکر ۳/ ۱۸۱، کوئٹہ ۳/ ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۵/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۲۹ھ

خرقہ تبرک کیا ہے؟

سوال [۱۳۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں کافی عرصہ سے ایک الجھن میں مبتلا ہوں اور عالموں کے پاس دوڑ رہا ہوں، مگر ایک مسئلہ حل نہیں ہوا، دل میں ایک بے چینی سی رہتی ہے اور کتاب میں جو کچھ لکھا جاتا ہے، اس کی کچھ تو حقیقت ضرور ہوتی ہے، مہربانی فرماکر میری مشکل حل کردیجئے۔

''الدرالمنظوم محفظ المخذ وم'' صفحہ: ۲۸۵/ پر لکھتے ہیں: ''طالب کو بغیر مرشد کے چارہ نہیں ہے کہ وہ اس کو ارشاد کرے اور اس کے واسطے طلب حق کا سبب ہوجائے اور طالب کو چاہئے ایک کا مرید ہوجائے۔ اور اگر اور مشائخ کا مرید ہوگا تو طریقت کا مفسد ہوگا کہ کسی طرح مصلح نہ ہوگا۔ اور اگر خرقہ تبرک پہنے تو روا ہے؛ اس لئے کہ خرقہ تبرک کا ارادت نہیں ہے'' پس یہ بتا دیجئے کہ خرقہ تبرک کیا چیز ہے؟

المستفتی: محمد اکرم استبل محی کنگ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''الدرالمنظوم'' درحقیقت تصوف کی کتاب ہے، سالکین کے لئے بہت مفید ہے، اس میں بزرگوں کے تجربات اور مشاہدات کا ذکر زیادہ ہے۔ اور سالکین کے یہاں تشبیہات اور کنایات کثرت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں

اور سالکین کے یہاں ''طریقہ ارادت'' کا مطلب یہ ہوتا ہے: کہ با قاعدہ کسی شیخ سے بیعت کا سلسلہ قائم کرلیا جائے اور اپنے امور دینیہ میں عبادت اور معمولات کے لئے اس شیخ کو اپنا معیار بنا لیا جائے۔ اور نسبت کا پوری طرح تعلق انہیں سے قائم کرلیا جائے اور ہر معمول انہیں کے مشورہ سے پورا کیا جائے۔ اور ''خرقہ تبرک'' کا مطلب یہ ہوتا ہے: کہ مشائخ میں سے کسی کی خدمت میں استفادہ کی نیت سے حاضری دی جائے، مگر ان سے بیعت کا تعلق قائم نہ کیا جائے، تو اگر کوئی شخص کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت ہوجائے اور دوسرے شیخ سے وہاں صرف استفادہ اور تبرک کے لئے حاضر ہوتا ہے، تو مضر نہیں؛ بلکہ زیادہ مفید ہوگا اور اس کو ''خرقہ تبرک'' کہتے ہیں؛ لیکن اگر دوسرے شیخ سے بھی بیعت وارادت کا تعلق قائم کرتا ہے، تو یہ مفید نہیں ہوگا؛ بلکہ مضر ہوگا، یہی ''الدر المنظوم'' کی پوری عبارت کا مقصد ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳/ رجب ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۴۷)	۱۴۱۶/۷/۱۳ھ

اولیاء کو قدرت تصرف حاصل ہے یا نہیں؟

سوال [۱۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اولیا کو قدرت تصرف ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ قاسمی خادم مدرسہ اشرف العلوم مہاراج گنج، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو اولیاء دنیا سے گذر گئے، وہ کسی طرح تصرف پر قادر نہیں، ہاں البتہ جو اولیاء زندہ ہیں وہ صرف ہمت کرسکتے ہیں۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم

ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له. (صحيح مسلم، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، النسخة الهندية ۲/ ٤١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۵)

تمباکو استعمال کرنے والے پیر کا حکم

سوال [۱۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پان میں تمباکو کھانا، سگریٹ، بیڑی، حقہ پینا کیا مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟ تمباکو استعمال کرنے والے پیر کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس تمباکو سے نشہ ہوتا ہے، اس کا کھانا پینا ناجائز ہے، اور جس میں نشہ نہ ہو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ۱۱۵، جدید ڈابھیل ۱۸، ۳۸۰)

لہٰذا تمباکو استعمال کرنے میں اگر نشہ نہیں آتا ہے، تو پیر صاحب پر کوئی گناہ والزام نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ۱۱۵، جدید ڈابھیل ۱۸، ۳۸۰)

فيفهم منه حكم النبات وهو الإباحة على المختار أو التوقف، وفيه إشارة إلى عدم تسليم إسكاره، وتفتيره، وإضراره. (شامي، قبيل كتاب الصيد، كراچی ٦/ ٤٦٠، زكريا ١٠/ ٤٤)

هذا العبد الضعيف وجميع من في بيته أن يقول هو مباح، لكن رائحته تستكرهما الطباع، فهو مكروه طبعا لا شرعا. (شامي، كتاب الأشربة، زكريا ١٠/ ٤٣، كراچی ٦/ ٤٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۳۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷/ کتاب الأدعیة والأذکار

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حضور ﷺ سے کن کن مواقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے؟

سوال (**الف**) [۱۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہاتھ اٹھا کر حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے کن کن مواقع پر دعا مانگنا ثابت ہے؟ معلومات کے مطابق حل فرمائیے۔

المستفتی: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کی تعداد مختلف کتابوں میں مختلف منقول ہے۔ نووی میں (۱/۲۹۳) میں تیس مقامات بتلائے ہیں۔ عمدۃ القاری ۱۱/۱۴۲ میں ۱۲/مقامات کا ذکر ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

قد ثبت رفع يديه صلى الله عليه وسلم في الدعاء في مواطن غير الاستسقاء، وهي أكثر من أن تحصر، وقد جمعت منها نحو من ثلاثين حديثا من الصحيحين. (شرح المسلم للنووي، كتاب صلاة الاستسقاء ۱/ ۲۹۳)

قال النووي: هذا الحديث ظاهره يوهم أنه لم يرفع صلى الله عليه وسلم يده إلا في الاستسقاء، وليس الأمر كذلك بل قد ثبت رفع يديه في

الدعاء في مواطن غير الاستسقاء، وهي أكثر من أن تحصى. (عمدة القاري، كتاب الصلاة، صلاة الاستسقاء، باب رفع الإمام يده في الاستسقاء، مكتبه دار إحياء التراث العربي بيروت ۷/ ۵۲، حاشيه بخاري ۱/ ۱۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۲۰)

دعا کے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھانا

سوال (ب) [۱۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز کی نیت کرتے وقت کعبہ شریف کی طرف ہتھیلیاں کر کے ہاتھ اٹھا کر ہاتھ باندھنا اور دعا کے لئے آسمان کی طرف ہتھیلیاں کرنا مسنون بتایا گیا ہے، نماز کا قبلہ کعبہ اور دعا کا قبلہ عرش بتایا گیا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ ہاتھ جوڑ کر دعا مانگنا، بھوئیں پکڑ کر، داڑھی پکڑ کر مٹھی بند کر کے دعا مانگنا کیسا ہے؟ افضل ومسنون دعا کا کیا طریقہ ہے؟

(۲) رکوع سے اٹھتے وقت اگر امام صاحب حمدہ کی جگہ حمیدہ پڑھتے ہوں تو کیا اس سے معنی میں کچھ فرق تو نہیں آتا؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) نماز کی نیت باندھتے وقت ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف کر کے اٹھانا اور دعا کے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف کر کے اٹھانا مستحب ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کہ جس طرح نماز کا قبلہ کعبۃ اللہ ہے اسی طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے؛ لہٰذا دعا کے وقت داڑھی پکڑنا، مٹھی بند کرنا مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

يرفع يديه ناشرا أصابعه مستقبلا بهما القبلة حتى تكون الأصابع نحو القبلة. (بدائع الصنائع ۱/ ۱۹۸)

واختلفوا في كراهة رفع البصر إلى السماء في الدعاء في غير الصلاة، فكرهه شريح وآخرون وجوزه الأكثرون، وقالوا: لأن السماء قبلة الدعاء كما أن

الكعبة قبلة الصلاة. (نووي على المسلم، باب النهي عن رفع البصر إلى السماء في الصلاة، قديم ۱ / ۱۸۱)

ومن الأدب في الدعاء ...... حذاء الصدر وبطونها مما يلي الوجه، وشرحه: أن يرفعهما حذاء منكبيه باسطا كفيه نحو السماء؛ لأنها قبلة الدعاء. (طحطاوي على المراقي، ص: ۱۷۳)

(۲) ''حمدہ'' کے بجائے ''حمیدہ'' پڑھنا **لفظی غلطی** ہے اور اس طرح کی غلطیاں **عوام الناس** میں ہوتی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، مگر اس کی وجہ سے **معنی میں تغیر** نہ ہوگا اور نماز میں فساد بھی نہ آئے گا، مگر ایسے **شخص کو الفاظ درست** کرنے کی ضرورت ہے۔

وفي التاتارخانية عن الحاوي حكى عن الصفار: أنه كان يقول الخطأ إذا دخل في الحروف لا يفسد؛ لأن فيه بلوى عامة الناس؛ لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة. (شامي، زكريا ۲/ ۳۹٦)

ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفا أو قدمه أو بدله بآخر لم تفسد ما لم يتغير المعنى. (شامي زكريا ٤/ ۳۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۱/۸ھ

دعا مانگنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دعا مانگتے وقت ہاتھوں کی کیا حالت ہونی چاہئے، ملے ہوئے ہوں یا الگ الگ؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا؟

المستفتی: محمد عارف کانٹھ دروازہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دعا مانگنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ سینے تک اٹھے ہوئے ہوں اور دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو، ملا کر رکھنا خلاف اولیٰ ہے۔ (مستفاد:

فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/۳۰۳،۴جدید زکریا ۶/۸۰،احسن الفتاوی ۳/ ۵۱)

فیکون بینهما فرجة، أي وإن قلت. (شامي، آداب الصلوة مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، زكريا ٢/ ٢١٤، كراچی ١/ ٥٠٧)

عن معمر عن الزهري قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه عند صدره في الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ٢٤٧، رقم: ٣٢٣٤)

والأفضل في الدعاء أن يبسط كفيه، ويكون بينهما فرجة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلوة والتسبيح، زكريا قديم ٥/ ٣١٨، جديد ٥/ ٣٦٧، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان سننها، مكتبه دارالكتاب، ص: ٢٥٧)

يرى الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة أن من آداب الدعاء خارج الصلاة رفع اليدين بحذاء صدره –إلى– من الأفضل أن يسبط كفيه، ويكون بينهما فرجة. (الموسوعة الفقهية ٤٥/ ٢٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۸/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۸/۱۰ھ

دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنا

سوال [۱۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دعا مانگنے کے وقت دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا دیں، یا فاصلہ رکھا جائے؟ اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شفیق احمد بھائے پوری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا مانگتے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنا بہتر ہے۔ اور اگر دونوں ہاتھوں کو ملالیا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحمیہ قدیم ۴/۳۰۴، جدید زکریا ۶/۸۰)

والأفضل في الدعاء أن يبسط كفيه، ويكون بينهما فرجة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلوة والتسبيح، زكريا قديم ٥/ ٣١٨، جديد ٥/ ٣٦٧، هكذا في شامي زكريا ٢/ ٢١٤، كراچى ١/ ٥٠٧،)

فيرفع يديه حذاء صدره باسطا كفيه نحو السماء، ويكون بينهما فرجة، وإن قلت. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان سننها، مكتبه دار الكتاب، ص: ٢٥٧)

فذهب الحنفية إلى أنه من الأفضل أن يبسط كفيه، ويكون بينهما فرجة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۵ھ

بنا ہاتھ پھیلائے دعا کرنے کا حکم

سوال [۱۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بنا ہاتھ پھیلائے دعا مانگنا کیسا ہے؟

المستفتی: فرقان علی، مدرسہ اہل سنت تعلیم القرآن یا قوت پورہ، چھپرہ، دلپت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر ہاتھ پھیلائے دعا مانگنا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے بہت سے مواقع میں بغیر ہاتھ اٹھائے دعا مانگنا بھی ثابت ہے۔

عن ابن عباس –رضي عنه– قال: مر رسول الله ﷺ بقبور المدينة، أقبل عليهم بوجهه، فقال: السلام عليكم يا أهل القبور! يغفر الله لنا ولكم، وأنتم سلفنا ونحن بالأثر. (ترمذي، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر، النسخة الهندية ١ / ٢٠٣، دارالسلام، رقم: ١٠٥٣)

عن حذيفة بن اليمان، قال: كان النبي ﷺ إذا أوى إلى فراشه، قال: باسمک أموت وأحيىٰ، وإذا قام قال: الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور. (بخاري شريف، باب ما يقول إذا نام، النسخة الهندية ٢/ ٩٣٤، رقم: ٦٠٦٧، ف: ٦٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۳۱ھ

اجتماعی دعا میں جہراً آمین کہنا

سوال [۱۳۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بزرگانِ دین، علماء کرام کسی دینی مجلس کے ختم پر یا اپنے ناصحانہ کلمات کے بعد اجتماعی دعا کراتے ہیں اور حاضرین، سامعین ان دعاؤں پر جہراً آمین کہتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ جہراً آمین کہنا سنت سے ثابت ہے؟ یا جس طرح احناف کے یہاں نماز میں امام ومقتدی دونوں کے لئے آمین سراً مسنون ہے، ایسے ہی حاضرین سامعین کو آمین سراً کہنا چاہئے؟ اس سلسلے میں قول راجح کیا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی دینی مجلس یا پروگرام کے بعد اجتماعی دعا کرنا، جس

میں ایک شخص دعا کراتا ہے اور بقیہ سامعین ان کی دعا پر جہراً آمین کہتے ہیں، یہ طریقہ جائز اور حدیث سے ثابت ہے۔

عن حبيب بن مسلمة الفهري، وكان مستجابا، أنه أمَّر على جيش، فدرب الدروب، فلما لقي العدو، قال للناس: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن سائرهم، إلا أجابهم الله. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٤/ ٢٢، رقم: ٣٥٣٦، المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، قديم ٣/ ٣٩٠، مكتبه نزار مصطفى البازر ٦/ ٢٠٢٣، رقم: ٥٤٧٨، مجمع الزوائد ١٠/ ١٧٠)

عن محمد بن قيس، عن أبيه، أن رجلا جاء زيد بن ثابت رضي الله عنه، فسأله عن شيء، فقال له زيد: عليک بأبي هريرة، فإني بينما أنا وأبو هريرة، وفلان ذات يوم في المسجد، ندعو ونذكر ربنا عز وجل إذ خرج علينا رسول الله ﷺ حتى جلس إلينا، فسكتنا، فقال: عودوا للذي كنتم فيه، قال زيد: فدعوت أنا وصاحبي قبل أبي هريرة، وجعل النبي ﷺ يؤمن على دعائنا. (المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٣٣٨، رقم: ١٢٢٨، المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز ٦/ ٢٢١٨، رقم: ٦١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴/صفر ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۳۲/۳۹)	۱۴۳۳/۲/۲۴ھ

اجتماعی دعا میں جمع کا صیغہ استعمال کرنا

سوال [۱۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک امام صاحب فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعاؤں میں ”لا إلــه إلا أنــت

سبحانک إنا کنا من الظالمین“ پڑھتے ہیں، اس طرح سے کئی دنوں سے پڑھتے ہیں؛ لیکن ایک صاحب خصوصی موقع پر بھری مجلس میں دعا میں لقمہ دے کر ”**إني کنت**“ کہہ کر ”**إنا کنا**“ کے پڑھنے کو تحریف قرآن کا سنگین مسئلہ بتا رہے ہیں؛ اسی لئے آپ سے التماس ہے کہ آیا ”إنا کنا“ اجتماعی دعاؤں میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اجتماعی موقعوں پر اس طرح امام کو جھڑکنا وغیرہ کیا صحیح ہے؟

(۳) امام صاحب کی غلطی اگر ہو تو مطلع کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ نیز عوام الناس کی خاطر ”إني کنت“ اور ”إنا کنا“ کے فرق کو معنی کی تفصیل کے ساتھ معلوم کرائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی اجتماعی دعا میں مقتدیوں کی رعایت کر کے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرے اور واحد متکلم کے صیغہ سے احتراز کرے؛ لیکن وہ دعائیں جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، اگرچہ وہ صیغہ واحد متکلم کے ساتھ ہوں، چونکہ امام مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے، اس حیثیت سے اس کے مفہوم میں تمام مقتدی بھی شامل ہوجاتے ہیں؛ اس لئے اولیٰ اور افضل تو یہی ہے کہ امام انہیں صیغوں کے ساتھ دعا مانگے جو ماثور ہیں؛ لیکن اگر کوئی امام دعائے ماثورہ میں واحد کی جگہ جمع کا صیغہ استعمال کرے، جیسا کہ ادھر اکثر ائمہ مساجد کا معمول ہے، مثلاً: ”**ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین**“ میں واحد کے صیغہ کو جمع سے تبدیل کر کے ”**ربنا اغفرلنا ولوالدینا الخ**“ بوقت دعا پنج وقتہ دعاؤں میں پڑھا کرتے ہیں اور مسئولہ دعائے یونس علیہ السلام، نیز ”**سبحان ربنا رب العزة**“ ”**کما ربیانا صغیرا**“ وغیرہ میں بھی بوقت ضرورت دعا میں واحد کی جگہ جمع کا صیغہ استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے، گو خلاف اولیٰ ہے، جنوبی ہند کے مشہور فقیہ اور عالم دین مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب قادری ویلوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ ”باقیات صالحات“ ص:۶۴ر میں دعا کرتے وقت ماثور دعاؤں کے صیغے اپنے مطابق بدل لینا جائز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاوی باقیات صالحات/۶۴)

اور (فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/ ۵۱، جدید ڈابھیل ۵/۲۴۷) میں ہے:

سوال: احادیث میں بعض دعاؤں میں واحد متکلم کا صیغہ ہے، اجتماعی دعاؤں میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ مثلا: "إهدني" کی جگہ "إهدنا" الخ۔

الجواب: درست ہے۔ (ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/ ۵۱، جدید ڈابھیل ۵/۲۴۷) فقط واللہ اعلم۔ حررہ العبد محمود غفر لہ ۲۷/۲/ ۱۴۰۱ھ

واضح ہو کہ مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے ایک آدھی جگہ دعا میں بجائے واحد، جمع کا صیغہ استعمال کر لینا یہ صرف اولیٰ وغیر اولیٰ، افضل وغیر افضل کا فرق رکھتا ہے، اس کو تحریف قرآن کہنا اور بھری مجلس میں امام کو لقمہ دینا (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) ہرگز مناسب نہیں؛ کیوں کہ منصب امامت اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، امام نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے، امام مقتدیوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایلچی اور قاصد ہوتا ہے؛ اس لئے جو امام بظاہر متقی اور متبع سنت نظر آئے، تو اس کا احترام کرنا چاہئے، اگر بتقاضائے بشریت خارج نماز امام صاحب سے کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ تنہائی میں امام صاحب سے مل کر کہنا چاہئے، ورنہ مجمع عام میں امام کی اصلاح سے مصلیوں میں انتشار پارٹی بازی اور فتنہ کا قوی اندیشہ ہے، جب لوگ امام کی اقتداء میں اپنی فرض اور واجب نمازیں ادا کر رہے ہیں، تو پھر اس کے رتبہ کا بھی کچھ خیال رکھنا چاہئے۔ حضرت العلام مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ "کفایت المفتی" میں پیش امام کا مرتبہ کیا ہے؟ تحریر فرماتے ہیں، پیش امام کی عزت وتوقیر کرنی چاہئے، اس کی بے عزتی اور توہین اور ہتک کرنی گناہ ہے۔ ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی قدیم ۳/ ۹۲، جدید زکریا ۳/ ۱۳۴، زکریا مطول ۴/ ۲۷۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ
۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

عورت کے دعا مانگنے کامسنون طریقہ

سوال [۱۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت نماز کا سلام پھیر کر جب دعا مانگے تو ہاتھوں کو دوپٹہ کے اندر کرکے دعا مانگنا بہتر ہے، جیسا کہ نیت باندھتے وقت عورت کو ہاتھ دوپٹہ کے اندر کرکے اٹھانا مستحب ہے یا بغیر دوپٹہ کے؟ اورفقہاء نے جو دعا کا مستحب طریقہ لکھا ہے کہ دونوں ہاتھ سینے کے برابر ہوں اور دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو، کیا یہی طریقہ عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے، چندعورتیں اگریکجا اپنی تعلیم کے لئے اکٹھا ہوجائیں، تو کیا تعلیم کے بعد عورتیں اجتماعی جہری دعائیں کرسکتی ہیں؟ جیسا کہ ایک مرد دعا کراتا ہے باقی سب آمین کہتے ہیں۔ دارالافتاء کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا کا جو مستحب طریقہ آپ نے سوال نامہ میں نقل کیا ہے، اس سے ہٹ کر کوئی دوسرا طریقہ نظر سے نہیں گذرا اور حضرت تھانویؒ نے بھی (بہشتی زیور ۱۱/ ۳۲) میں یہی طریقہ لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے حق میں بھی یہی طریقہ مستحب ہے، نیز اجتماعی دعائیں ان کے علاوہ اگر مجمع میں کوئی مرد نہ ہو۔ اوران کی آوازیں انہیں کے مجمع تک محدود رہیں، تو ایک عورت جہری دعا کرے اور دوسری عورت اس پر آمین کہے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اس بات کا شدت سے خیال کیا جائے کہ آواز باہر نہ جائے۔

الـذي في الـحـصـن والـحصين وشرحه أن يرفعهما حذاء منكبيه بـاسـطـا كفيه نحو السماء؛ لأنها قبلة الدعاء، وفي النهر: من فعل كيفيته المستحبة أن يكون بين الكفين فرجة، وإن قلت وأن لا يضع إحدى يديه على الأرض. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في صفة الأذكار، مكتبه

دارالکتاب دیوبند/ ۳۱۷)

ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلک من استمالة الرجال إليهن، وتحريک الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة مطلب في ستر العورة، كراچی ١/ ٤٠٦، زكريا ٢/ ٧٩، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة فصل في متعلقات الشروط فروعها، مكتبه، دارالكتاب، ديوبند ٢٤٢)

عن حبيب بن مسلمة الفهري -إلى- قال للناس: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يجتمع ملأ، فيدعو بعضهم، ويؤمن سائرهم إلا أجابهم الله. (المعجم الكبير للطبراني ٤/ ٢٢، رقم: ٣٥٣٦، المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، قديم ٣/ ٣٩٠، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٦/ ٢٠٢٣، رقم: ٥٤٧٨) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۹۳/۳۸)

کیا دعا مانگتے وقت عورت ہاتھوں کو دوپٹہ کے اندر رکھے گی؟

سوال [۱۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت دعا مانگتے وقت ہاتھوں کو دوپٹہ کے اندر رکھے یا باہر؟ کیا بہتر ہے؟ اگر صراحت مل جائے، تو حوالہ بھی تحریر فرمادیں۔

المستفتی: جمعیۃ العلماء سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا دعا مانگتے وقت ہاتھوں کو دوپٹہ کے اندر رکھ کر

دعامانگنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

والمرأة تستر كفيها حذرا من كشف ذراعها. (حاشية الطحطاوي، دارالكتاب ديوبند، ص: ٢٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۲۰ھ

دعا کو ختم کرنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”لا الہ الا اللہ“ پر فرض نماز کے بعد کی دعا کا ختم کرنا کیسا ہے؟ کن الفاظ کے ذریعہ دعا کا اختتام کرنا مسنون ہے؟

المستفتی: محمد جمال سنیچر بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نمازوں کے بعد دعا کے اختتام پر ”لا الہ الا اللہ“ پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ آدابِ دعا میں سے دعا کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور ﷺ پر درود پڑھنا ہے؛ اس لئے **”سبحان ربک رب العزة عما يصفون“** یا **”صلی اللہ تعالیٰ علی خير خلقه“** وغیرہ الفاظ پر دعا کا اختتام کرنا مستحب ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورة يونس، آيت: ١٠)

عن أبي سعيد، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سلم من الصلاة، قال ثلاث مرات: سبحان ربك رب العزة عما يصفون، وسلام على المرسلين، والحمدلله رب العالمين. (الصافات: ١٨١، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٦٥١، رقم: ٢٣١٢)

عن عبدالله بن زيد بن أرقم عن أبيه –رضي الله عنهما– عن النبي

ﷺ قال: من قال في دبر كل صلاة: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون، وسلام على المرسلين، والحمدلله رب العالمين" ثلاث مرات، فقد إكتال بالجريب الأوفىٰ من الأجر. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٥/ ٢١١، رقم: ٥١٢٤، مصنف عبدالرزاق موقوفا عن علي، المجلس العلمي ٢/ ٢٣٦، رقم: ٣١٩٦)

وفي الشامية: من أراد أن يسأل الله حاجته فليكثر بالصلوة على النبي ﷺ ثم يسأل الله حاجته، وليختم بالصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم، فإن الله يقبل الصلوتين، وهو أكرم من أن يدع ما بينهما.

(شامي، كتاب الصلوة باب صفة الصلوة، قبيل مطلب في أن الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم، زكريا ٢/ ٢٣٣، كراچی ١/ ٥٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

ختم دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا

سوال [۱۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں اکثریت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ دعا ختم کرنے کے بعد جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں، تو اس وقت کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں، کیا شریعت میں اس کا ثبوت ہے؟

المستفتی: منظور احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا ممنوع ہے؛ کیوں کہ یہ اہل بدعت کا شعار بن چکا ہے؛ اس لئے منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ نہ پڑھنا چاہئے۔ اور اس کا التزام کرنا واجب اور ضروری سمجھنا شرعاً ثابت نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۱۳۹، جدید ڈابھیل ۵/ ۶۶۰، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/ ۱۳۷)

دعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دعا حمد وثنا پر ختم کی جائے؛ لہٰذا منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت یہ دعائیہ آیت: ”سبحان ربک رب العزة عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمدللہ رب العالمین“ یا اس طرح کی دعائیہ آیت پر دعا ختم کر کے چہرہ پر ہاتھ پھیرنا مسنون ہے؛ اس لئے کہ یہ حمد وثنا پر ختم ہو رہی ہے۔

عن معمر عن الزهري قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه عند صدره في الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۲۴۷، رقم: ۳۲۳٤)

عن ابن عباس قال: كنا نعرف انصراف رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوله: ”سبحان ربک رب العزة عما يصفون، وسلام على المرسلين، والحمدلله رب العالمين“. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۱/ ۹۵، رقم: ۱۱۲۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

”بحق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پر دعا کو ختم کرنا

سوال [۱۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کسی محلّہ کی مسجد میں امامت کرتا تھا، پہلے دو سال ”**برحمتک یا أرحم الراحمین، بحق لا اله الا الله محمد رسول الله**“ (صلعم) پڑھ کر دعا ختم کرتا تھا، پھر امسال کہتا ہے کہ اس طرح دعا کرنا حدیث میں نہیں ہے، صرف ”**برحمتک یا أرحم الراحمین**“ پڑھ کر دعا ختم کرنا ہے، اسی وجہ سے محلّہ میں مقتدیوں کے اندر جھگڑا شروع ہو گیا، یعنی دو جماعت ہو گئی، پھر مسجد کمیٹی نے بیٹھ کر یہ مشورہ طے کیا کہ آپ کو ”**بحق لا اله الا الله محمد رسول الله**“ پڑھ کر دعا کرنا ہوگا، تو زید نے اس شرط پر امامت کرنے سے

انکار کردیا، پھر بکر اس محلّہ کا آدمی ہے، وہ محلّہ کو جھگڑا فساد سے بچانے کے لئے مسجد کمیٹی کی شرط پر امامت کرنے لگا، تو اس صورت میں بکر کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ کسی روایت میں، **بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" ثابت ہے؟ کیا اس طرح دعا کرنے سے بکر گنہگار ہوگا؟

(۲) بکر کے اس طرح دعا کرنے سے کچھ مقتدی "**برحمتک یا أرحم الراحمین**" پر دعا ختم کر لیتے ہیں اور کچھ مقتدی امام کے ساتھ ، "**بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" پڑھ کر دعا ختم کرتے ہیں، کیا اس طرح دعا کرنے سے کوئی مقتدی گنہگار ہوگا یا نہیں؟ کچھ مقتدی امام کی اتباع کرتے ہیں، کچھ مقتدی نہیں کرتے ،اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) بکر کے اس طرح دعا کرنے سے تین طلبہ اور ایک طلبہ کا بھائی اور والد صاحب بکر کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ، اندر جماعت ہوتی ہے، تو وہ لوگ باہر بیٹھے رہتے ہیں اور کبھی کبھی اندر جماعت ہوتی ہے، وہ لوگ باہر تنہا نماز پڑھتے ہیں، جماعت کے ساتھ ساتھ۔ اور بکر کو کچھ نہیں کہتے ؛ لیکن لوگوں سے کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی ؛ کیوں کہ اس طرح دعا کرنا حدیث کے اندر نہیں ہے، بدعت ہے، مع حوالہ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: احقر محمد علی خان مدنا پور (مغرب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: "**بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" کے الفاظ کے ساتھ دعا کو ختم کرنا قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ دعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دعا کے وقت حمد وثنا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے ساتھ دعا شروع کی جائے، پھر اپنی مرادیں مانگی جائیں، پھر آخر میں اللہ کی حمد اور رسول پاک ﷺ پر درود کے ساتھ دعا کو ختم کیا جائے۔ اور "**برحمتک یا أرحم الراحمین**" پر ختم کرنا بھی جائز اور درست ہے، مگر "**بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" پر دعا کا ختم کرنا ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا امام اور مقتدی سب کو مسنون طریقے سے دعا میں شامل ہونا چاہئے، نفسیاتی طور پر ذاتی رنجش نہیں پیدا کرنی چاہئے۔

وَآخِرُ دَعْواهُم أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (سورۃ یونس، آیت: ۱۰)

عن عمرو بن مالك الحبني، حدثني أنه سمع فضالة بن عبيد صاحب رسول الله ﷺ يقول: سمع رسول الله ﷺ رجلا يدعو في الصلوة، ولم يذكر الله عز وجل، ولم يصل على النبي ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: عجل هذا، ثم دعاه، فقال له ولغيره: إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد ربه والثناء عليه، ثم ليصل على النبي، ثم ليدع بعد بما شاء.

(مسند أحمد بن حنبل ٦/ ١٨، رقم: ٢٤٤٣٤، سنن أبي داؤد، باب الدعاء، النسخة الهندية ١/ ٢٠٨، دارالسلام، رقم: ١٤٨١، سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٦، دارالسلام، رقم: ٣٤٧٧، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٣٥١، رقم: ٧١٠)

وفي الشامية: من أراد أن يسأل الله حاجته فليكثر بالصلوة على النبي ﷺ ثم يسأل الله حاجته وليختم بالصلوة على النبي ﷺ، فإن الله يقبل الصلوتين، وهو أكرم من أن يدع ما بينهما. (شامي، كتاب الصلوة باب صفة الصلوة، قبيل مطلب في أن الصلوة على النبي ﷺ، زكريا ٢/ ٢٣٣، كراچی ١/ ٥٠٧)

(۳) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مؤکدترین سنت ہے۔ اور جماعت چھوڑنے کے عادی شخص کو فقہاء نے فاسق لکھا ہے؛ اس لئے محض اس بہانے سے کہ بکر ''**بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' کہہ کر دعا ختم کرتا ہے، جماعت سے نماز نہ پڑھنا اور جماعت ہوتے ہوئے تنہا اپنی نماز پڑھنا جائز اور درست نہیں ہے۔ اور بکر کے لئے بھی ضروری ہے کہ بے ثبوت چیز کو بلا وجہ معمول بنا کر مقتدیوں میں اختلاف پیدا نہ کرے۔ اور سوال نامہ میں جس بات کو معمول بنانے کا ذکر ہے، وہ قرآن وحدیث وفقہ اور صحابہ اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے اس کا ترک کرنا ان حالات میں بکر پر لازم ہے۔

والجماعة سنة مؤكدة للرجال. (درمختار) قال في النهر: إلا أن هذا يقتضي الإتفاق على أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثما مع أن قول

العراقيين والخراسانيون على أنه يأثم إذا اعتاد الترک كما في القنية.
(شامي، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، زكريا ۲/ ۲۸۷، كراچی ۱/ ۵۵۲، منحة الخالق على البحر، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطبع زكريا ۱/ ۶۰۳، كوئٹه ۱/ ۳۴۴، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مكتبه دارالكتاب ديو بند ص: ۲۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۲ھ

دعا کی قبولیت کے اوقات

سوال [۱۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یوں تو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت مانگتے رہنا چاہئے، پھر بھی دن میں وہ کون کون سے اوقات ہیں، جن میں دعاؤں کا مقبول ہونا بتایا گیا ہے۔

المستفتی: ڈاکٹر ایم اسلام خان، سرائے خیر نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دن میں فرض نمازوں کے بعد، عصر کے بعد سورج غروب ہونے سے قبل، جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد دعائیں قبول ہونا ثابت ہے، اسی طرح رات کے اخیر حصہ میں بھی دعا کا قبول ہونا ثابت ہے۔

عن العرباض بن سارية –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۸/ ۲۵۹، رقم: ٦٤٧، الفية الحديث/ ۱٦۸)

صبح وشام کی دعائیں (ترمذي، أبواب الدعوات، باب ما جاء في الدعاء إذا أصبح وإذا أمسى ۲/ ۱۷٦) **وغیرہ میں موجود ہیں۔**

التمسوا الساعة التي ترجى في يوم الجمعة بعد العصر إلى غيبوبة الشمس. (ترمذي، أبواب الجمعة، باب في الساعة التي ترجى في يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۱، دارالسلام، رقم: ۴۸۹)

عن أبي أمامة –رضي الله عنه– قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۷، دارالسلام، رقم: ۳۴۹۹، السنن الكبرى للنسائي، كتاب عمل اليوم والليلة، مطبع دارالكتب العلمية بيروت ۶/ ۳۲، رقم: ۹۹۳۶)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: يوم الجمعة ثنتا عشرة يريد ساعة لا يوجد مسلم يسأل الله شيئا إلا آتاه الله، فالتمسوها آخر ساعة بعد العصر. (سنن أبي داؤد، باب الإجابة آية ساعة هي في يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۰۴۸، سنن النسائي، وقت الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۶، دارالسلام، رقم: ۳۸۹، المستدرك قديم ۱/ ۴۱۴، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۱/ ۴۰۶، رقم: ۱۰۳۲)

عن ابن عمر –رضي الله عنهما– قال: كان يستحب الدعاء عند أذان المغرب، وقال: إنها ساعة يستجاب فيها الدعاء. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۵/ ۴۸۲، رقم: ۸۰۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۷۳)

اذکار سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟

سوال [۱۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں پر ہر جگہ اسٹیکر کی صورت میں اعمال حسنہ اور اس کے فوائد لکھ کر تقسیم کرتے ہیں،

جیسے بازار جاتے وقت ایک دعا جس کے پڑھنے سے ایک لاکھ گناہ معاف، ایک لاکھ ثواب ، ایک لاکھ درجات بلند ہوتے ہیں، گناہ سے کون سے گناہ مراد ہیں؟ اور گناہ کبیرہ کون کون سے گناہ ہیں؟

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے سوال میں ایک لاکھ لکھا ہے، ''ترمذی شریف'' میں دس لاکھ کا ذکر ہے۔

عن سالم بن عبداللّٰہ بن عمر، عن أبیه، عن جده أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: من قال في السوق: لا الٰه إلا اللّٰہ وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد، یحیي ویمیت، وهو حي لا یموت، بیده الخیر، وهو علی کل شيء قدیر، کتب اللّٰہ له ألف الف حسنة، ومحا عنه ألف ألف سیئة، وبني له بیتا في الجنة. (ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب مایقول إذا دخل السوق؟ النسخة الهندیة ۲/ ۱۸۱، دارالسلام، رقم: ۳۴۲۹)

بہرحال ایک لاکھ ہو یا دس لاکھ، احادیث شریفہ میں جہاں کہیں اس قسم کے گناہ معاف ہونے کی روایات منقول ہیں، وہاں گناہ صغیرہ ہی مراد ہوتے ہیں؛ کیوں کہ کبائر کی معافی کے لئے توبہ شرط ہے۔

وتبعه ابن حجر مع أنه قید الذنوب بالصغائر المتعلقة باللّٰہ تعالیٰ.

(مرقاة، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، مکتبه إمدادیه ملتان ٤/ ٣٦٩، مصري ٢/ ٦٠٠)

گناہِ کبیرہ، گناہِ صغیرہ کی فہرست کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک رسالہ جس کا نام ''گناہ بےلذت'' ہے، اس میں تفصیل مذکور ہے، ان میں سے بعض گناہِ کبیرہ یہ ہیں: (۱) نماز چھوڑنا (۲) نماز کو اپنے وقت سے بلا عذر مقدم یا موخر کرنا (۳) زکوۃ نہ دینا (۴) چوری کرنا (۵) لوگوں کو گانا سنانا (۶) لوگوں کا ستر دیکھنا (۷) از راہِ تکبر لنگی یا پائجامہ

ٹخنوں سے نیچے لٹکانا (۸) غیبت کرنا (۹) چغلی کرنا (۱۰) گناہ صغیرہ پر مداومت کرنے سے وہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے، نیز ہر وہ گناہ، گناہِ کبیرہ ہے، جس کو قرآن وحدیث میں فسق، ظلم وغیرہ کے ذریعہ یاد کیا گیا ہو۔ نیز ہر وہ گناہ بھی گناہِ کبیرہ ہے، جس پر جہنم کی وعید آئی ہے۔

والكبيرة، وقد اختلف الروايات فيها، فروى ابن عمر أنها تسعة: الشرك بالله، وقتل النفس بغير حق، وقذف المحصنة، والزنا، والفرار عن الزحف، والسحر، وأكل مال اليتيم، وعقوق الوالدين المسلمين، والإلحاد في الحرم، وزاد أبو هريرة أكل الربوا، وزاد علي السرقة، وشرب الخمر، وقيل: كل ما كان مفسدته مثل مفسدة شيء مما ذكر أو أكثر منه، وقيل: كل ما توعد عليه الشارع بخصوصه، وقيل: كل معصية أصر عليها العبد، فهي كبيرة، وكل ما استغفر عنها، فهي صغيرة.

(شرح العقائد النسفية، كتب خانه نعيميه، ص: ۱۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۹۳)

ذکر اللہ کی جگہ پر کب تک رحمت نازل ہوتی رہتی ہے؟

سوال [۱۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ جس گھر میں اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہوتا ہے، اس گھر میں رحمت کے فرشتے سال بھر تک آتے رہتے ہیں اور اللہ کی رحمت برستی ہے اس گھر میں؛ لیکن جو زید کا مخالف ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے اور مجھے تو اس بات پر یقین نہیں ہے تو زید کہتا ہے اگر تم کو یقین نہیں ہے، تو اس بات سے پتہ چلا کہ تمہارا اللہ اور اس کے رسول پر بھروسہ نہیں۔ زید کا مخالف بولا: کیا تم ہمارے ایمان کے ٹھیکیدار بن بیٹھے ہو؟ اس بات پر دونوں میں بحث جاری رہی اور عوام کا کہنا ہے کہ جب تک اس بات کا فتویٰ نہیں آجاتا ہے، ہم لوگوں کو کیسے

معلوم کہ زید کا کہنا اپنی جگہ درست ہے، یا زید کے مخالف کا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں حل فرمائیں۔

المستفتی: حاجی محمد شمس الدین ٹیلر ماسٹر ہرتھلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف میں اتنا ثابت ہے کہ جب کوئی قوم کسی جگہ جمع ہوکر اللہ کا ذکر کرتی ہے، تو ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ کی رحمت ان پر برستی ہے، پھر ملائکہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ اور سال بھر رحمت نازل ہونے کی بات کسی صحیح حدیث میں اس خاکسار نے نہیں دیکھی۔

عن أبي هريرة وأبي سعيد الخدري –رضي الله عنهما– أنهما شهدا على النبي ﷺ أنه قال: لا يقعد قوم يذكرون الله عز وجل إلا حفتهم الملائكة، وغشيتهم الرحمة، ونزلت عليهم السكينة، وذكرهم الله فيمن عنده. (صحيح مسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، النسخة الهندية ۲/ ۳٤٥، بيت الأفكار، رقم: ۲۷۰۰، سنن ابن ماجة، مقدمه، باب فضل العلماء والحث، النسخة الهندية، ۱/ ۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۲٥، سنن الترمذي، باب ماجاء في القوم يجلسون فيذكرون الله، النسخة الهندية ۲/ ۱۷٥، دارالسلام، رقم: ۳۳۷۸)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن لله تبارك وتعالىٰ ملائكة سيارة فضلا يتبغون مجالس الذكر، فإذا وجدوا مجلسا فيه ذكر، قعدوا معهم، وحف بعضهم بعضا بأجنحتهم، حتى يملئوا ما بينهم وبين السماء الدنيا، فإذا تفرقوا عرجوا وصعدوا إلى السماء. (صحيح مسلم، باب فضل مجلس الذكر، النسخة الهندية ۲/ ۳٤٤، بيت الأفكار، رقم: ۲٦۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۵ھ

کیا ذکر اللہ سے بخل اور جہاد میں نہ جانے کی تلافی ہوسکتی ہے؟

سوال [۱۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو بخل کی وجہ سے مال نہ خرچ کرسکتا ہو اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرسکتا ہو، تو کیا اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت اس کی تلافی کرسکتی ہے؟

المستفتی: شفیق احمد، ستیاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقاتِ واجبات میں اگر مال خرچ کرنے سے بخل مانع بنتا ہے، اسی طرح فرضی جہاد میں شرکت کرنے سے اگر بزدلی رکاوٹ بنتی ہے، تو ذکر اللہ کی کثرت سے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی ہے، ہاں اگر نفلی صدقات میں بخل اور نفلی جہاد میں بزدلی رکاوٹ بنتی ہے، تو ذکر اللہ کی کثرت سے اس کی تلافی ہوجائے گی۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من عجز منكم عن الليل أن يكابده، وبخل بالمال أن ينفقه، وجبن عن العدو أن يجاهده، فليكثر ذكر الله. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١١/ ١٦٨، رقم: ٤٩٠٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١١/ ٨٤، رقم: ١١١٢١، شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٩١، رقم: ٥٠٨، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ١٠/ ٧٤، رقم: ١٦٧٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/ صفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۴۸)

دعا میں سعودیوں اور یہودیوں پر لعنت کرنا

سوال [۱۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ’’یا اللہ! حرمین شریفین کی حفاظت فرما، سعودیوں، یہودیوں، نصرانیوں اور اسرائیل کو ذلت آمیز شکست عطا فرما‘‘، اس طرح دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں۔

المستفتی: عبدالواحد نعیمی، قدیری، اشرفی منگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودیوں پر کفر کا حکم لگانا غلط اور ناجائز ہے، وہ مسلمان ہیں، ان میں اگر بگاڑ پیدا ہو تو ان کی ہدایت کی دعا کی جاسکتی ہے، ایسی دعا ان کے حق میں نہ ہونی چاہئے، جو غیر مسلم کفار پر کی جاتی ہے۔ اور یہودیوں، نصرانیوں اور بنی اسرائیل پر ذلت کے لئے دعا درست اور جائز ہے۔ اور مذکورہ کفار اور دشمنان اسلام کے حق میں بددعا کرنا درست اور جائز ہے؛ کیوں کہ اس طرح کفار پر بددعا کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله ﷺ في مرضه الذي لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد. (صحيح البخاري، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۶، رقم: ۱۳۷٤، ف: ۱۳۹۰، صحيح مسلم، باب النهي عن بناء المساجد على القبور، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۵۲۹)

عن خفاف بن إيماء الغفاري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة: اللهم العن بني لحيان، ورعلا، وذكوان، وعصية عصوا الله ورسوله، غفار غفر الله لها، وأسلم سالمها الله. (صحيح مسلم، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين نازلة، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۸، بيت الأفكار، رقم: ٦۷۹)

قال ابن عمر: لعن الله اليهود والنصارى وكفرة الأعراب، فإن

هـذا وأصـحـابـه يسـألـونـي، فإذا لم يوافقهم أتوا يخاصموني. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٦/ ١٢٠، رقم: ١٠١٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۶۰)

کیا ایسی کوئی سنت ہے جو تمام سنتوں کے قائم مقام ہو؟

سوال [۱۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جیسا کہ ایمان لانے سے، حج کر لینے سے، ہجرت کر لینے سے اور جہاد کرنے سے جملہ گناہ معاف اور مفہوم ہوجاتے ہیں؟

(۲) اور ندامت کے ساتھ پختہ توبہ کر لینے سے جملہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

(۳) مسنون دعاؤں میں ''**أللهم إني أسألك من خير ما سألك منه الخ**'' کے پڑھ لینے سے جملہ دعائیں ہوجاتی ہیں؟

(۴) اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ''فضائل نماز'' میں تحریر فرمایا ہے: کہ نماز میں بارہ ہزار مسائل ہیں؛ لیکن اہلِ علم نے ان کو ۱۲/ مسائل میں بند فرمادیا ہے، جو ان بارہ کو کرلے گا، گویا سب پر عمل ہوگیا، ایسے بہت سے اعمال ہوں گے اور دعائیں ہوں گی، جن کی جامعیت سے اہل علم واقف ہوں گے، تو فقیر کی تمنا یہ ہے کہ کیا کوئی عمل یا جامع سنت بھی ہے کہ اس پر عمل کرلیا جائے تو جملہ سنتیں ادا کرنے کا ثواب ملے اور تمام سنتوں کی ادائے گی کے قائم مقام ہوجائے؟ اگر ہو تو کتاب کے حوالہ کے ساتھ مطلع فرمائیں، یا کسی اور علمی مرکز سے رابطہ کرنے سے پتہ چل سکتا ہو تو اس کا پتہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حاجی محمد یوسف صاحب، ٹانڈہ، ضلع باغپت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یہ صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جو غیر مسلم سچائی کے ساتھ اسلام لے آئے، تو ماقبل کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں؛ البتہ کسی انسان کے مالی حقوق اس کے اوپر لازم ہوں، تو وہ معاف نہیں ہوتے ہیں، اس کی ادائے گی اس پر لازم ہے۔ اور جہاد کی فضیلت اس شرط کے ساتھ ہے کہ صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی غرض سے جہاد کیا جائے، تو اگر کسی کے مالی حقوق نہیں ہیں، تو اس جہاد سے حقوق اللہ سے متعلق جو گناہ ہیں، وہ سب معاف ہوجائیں گے، بشرطیکہ کسی انسان کا اس پر کوئی حق لازم نہ ہو، اگر کسی انسان کا اس پر حق ہو تو اس کی ادائے گی اس پر لازم ہے۔ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں کو ہجرت کرنے کی سہولت تھی، ان کے لئے ہجرت کرکے مدینہ پہنچنا فرض تھا۔ اور جب مکہ المکرّمہ فتح ہوچکا تو وہ فرضیت ختم ہوگئی۔ حدیث شریف میں جو حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''الهجرة تهدم ما كان قبلها'' اس سے وہ ہجرت مراد ہے، جو فتح مکہ سے پہلے تھی۔

وقال بعض علمائنا: يمحو الإسلام ما كان قبله من كفر وعصيان، وما ترتب عليها من العقوبات التي هي حقوق الله، وأما حقوق العباد، فلا تسقط بالحج والهجرة إجماعا، ولا بالإسلام لو كان المسلم ذميا، سواء كان الحق عليه ماليا، أو غير مالي، كالقصاص، أو كان المسلم حربيا، وكان الحق ماليا بالإستقراض، أو الشراء، وكان المال غير الخمر. (المرقاة، كتاب الإيمان، الفصل الأول: شرح أن كل واحد من الإسلام والهجرة منه، إمداديه ملتان ١/ ١٠٣، فتح الملهم، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما كان قبله، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٢٧٢، فيض القدير ٣/ ١٧٩، رقم: ٣٠٦٤)

(۲) پچھلے گناہوں سے نادم ہوکر سچی توبہ کرلینے سے جملہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس میں بھی یہی شرط ہے کہ کسی انسان کا حق اس پر لازم نہ ہو، اگر کسی انسان کا حق اس پر لازم ہے، تو اس کی ادائیگی ہر صورت میں لازم ہے۔

والتوبة في الشرع ترک الذنب لقبحه، والندم على ما فرط منه، والعزيمة على ترک المعاودة، وتدارک ما أمکنه أن يتدارک من الأعمال بالإعادة، هذا کلام الراغب. وزاد النووي وقال: إن کان الذنب متعلقا ببني آدم، فلها شرط آخر، وهو رد المظلمة إلى صاحبها، أو تحصيل البراءة منه. (المرقاة، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الأول، مکتبه إمداديه ملتان ۵/ ۱۲۲)

(۳) یہ بات صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ میں تمہیں ایک ایسی دعا بتاتا ہوں، جو میری تمام دعاؤں کو شامل ہے اور وہ یہی دعا ہے، جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے، اس کو جامع الدعاء کہا جاتا ہے، اس میں صاف الفاظ اس سلسلہ میں موجود ہیں، جو اس بات کی واضح ترجمانی کررہے ہیں، کہ حضور ﷺ نے جتنی خیر کی دعائیں مانگی ہیں، ان سب کی مانگ اس دعا میں موجود ہے۔ اور جتنی چیزوں سے پناہ مانگی ہے، ان سب چیزوں سے پناہ مانگنا اس دعا کے الفاظ میں موجود ہے۔

عن أبي أمامة –رضي الله عنه– قال: دعا رسول الله ﷺ بدعاء کثير لم نحفظ منه شيئا، قلنا: يا رسول الله! دعوت بدعاء کثير لم نحفظ منه شيئا، فقال: ألا أدلکم على مايجمع ذلک کله؟ تقول: اللهم إنا نسألک من خير ما سألک منه نبيک محمد صلى الله عليه وسلم، ونعوذ بک من شر ما استعاذ منه نبيک محمد صلى الله عليه وسلم، وأنت المستعان، وعليک البلاغ، ولا حول ولا قوة إلا بالله. (سنن الترمذي، کتاب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۲، دارالسلام، رقم: ۳۵۲۱)

(۴) نماز میں بارہ ہزار چیزوں کے بارے میں حضرت شیخ نے ''فضائل نماز'' صفحہ: ۸۰/ میں لکھا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا: ان بارہ ہزار کو بارہ چیزوں میں منضم کردیا گیا ہے، پھر اس کے بعد شیخ نے ان بارہ چیزوں کو گنایا ہے، جن میں سے ہر ایک حدیث وفقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں؛ لیکن وہ بارہ ہزار چیزیں نہ حضرت شیخ نے نقل فرمائی ہیں اور نہ ہی ہم کو کسی کتاب میں دستیاب

ہوئی ہیں۔اور حضرت شیخ نے صوفیاء کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہےاور صوفیاء کی کسی کتاب میں بارہ ہزار چیزیں ہم کو دستیاب نہیں ہوئی ہیں؛اس لئے ان بارہ ہزار چیزوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں؛ البتہ بارہ چیزوں کے بارے میں جن کو شیخ نے نقل فرمایا ہے، کہہ سکتے ہیں کہ وہ نماز کے لازمی امور میں سے ہیں، سائل نے ان پر قیاس کرکے سنت اور دوسرے اعمال کے متعلق بھی پوچھا ہے، کہ ایسی جامع سنت کیا ہے کہ ایک سنت سے ہزار سنت ادا ہوجائیں؟اور بارہ سنتوں سے بارہ ہزار سنتیں ادا ہوجائیں؟ گزارش یہ ہے کہ احقر کو کسی ایسی سنت کا علم نہیں ہے کہ بارہ سنت ادا کرلی جائیں،تو بارہ ہزار سنتوں کا ثواب مل جائے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۷/ ۸۳۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۲ھ

نورِ الٰہی کے توسل سے دعا مانگنا

سوال [۱۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس طرح دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟ ’’یا اللہ جل جلالہ! بطفیل اپنے چہرہ کے نور جس سے سارے عالم کی تاریکی منور ہوگئی اور جس سے ہر بگڑا کام بن جاتا ہے، میری تمام جائز دعائیں قبول فرمالو اور میری تمام جائز تمنائیں پوری فرمادو‘‘۔

(۲) ’’یا اللہ جل جلالہ! بطفیل اپنے چہرے کے نور میری تمام جائز دعائیں قبول فرمالو اور تمام جائز تمنائیں پوری فرمادو‘‘۔

المستفتی: عبد العزیز بقلم خود

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) اس طرح دعا مانگنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ

کے لئے انسانی چہرہ کا تصور نہ ہو؛ بلکہ ایسا چہرہ جو اس کی ذات کے مناسب ہو، نورا سماء الٰہی میں سے ایک نام ہے، اس سے دعا مانگنا جائز ہے۔

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنىٰ فَادْعُوْهُ بِهَا. [سورۃ الأعراف، آیت: ۸۰]

وأن يسأل الله تعالىٰ بأسمائه الحسنى وصفاته العلى. (حصن حصين/ ۱۸)

قال النبي ﷺ: أتدرون بم دعا الله؟ دعا الله باسمه الأعظم، الذي إذا دعي به أجاب، وإذا سئل به أعطى. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤، دارالسلام، رقم: ۳٥٤٤، سنن أبي داؤد، باب الدعاء، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۰، دارالسلام، رقم: ۱٤۹٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۸)

حضور ﷺ اور بزرگوں کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال [۱۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عالم دین دعا مانگنے کے بعد یہ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ جتنے تیرے پیارے بندے ہیں، یا ہوں گے، سب کے واسطہ وسیلہ اور صدقہ طفیل میں اور اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ اور صدقہ طفیل میں تمام دعاؤں کو قبول فرمالے۔ اور جلد سے جلد اثر ظاہر فرمادے۔ آمین ثم آمین۔ تو اس طرح دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح دعا مانگنا مستحب اور قبولیت کی زیادہ امید ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳/ ۵، جدید، زکریا ۲/ ۲۳۷، فتاوی محمودیہ، قدیم ۱/ ۶۹، جدید ڈابھیل ۱/ ۵۸۱، إمداد الفتاوی ۴/ ۳۷۲، کفایۃ المفتي ۱/ ۱۹۱، جدید زکریا مطول ۱/ ۱۸۱-۱۸۲، جدید، زکریا ۱/ ۲۳۶)

ومن آداب الدعاء: تقديم الثناء على الله والتوسل بالنبي يستجاب. (حجة الله البالغة ٢/ ٦)

يحسن التوسل بالنبي إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، کوئٹہ ٥/ ٢٨١، کراچی ٦/ ٣٩٧، زكريا ٩/ ٥٦٩، روح المعاني ٦/ ١٢٦)

عثمان بن حنيف رفعه: أئت الميضاة، فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل ركعتين، ثم ادع بهذه الدعوات: اللهم إني أسألک، وأتوجه إليک بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بک إلى ربي، فيقضي لي حاجتي. (المعجم الكبير للطبراني ٩/ ٣٠، رقم: ٨٣١١، المستدرك للحاكم ١/ ٧٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۰۸)

وسیلہ سے دعا مانگنا اور غیر اللہ سے حاجت روائی کرنا

سوال [۱۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دعا مانگنا بالفاظ ذیل: ”یا الٰہی! رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے، یارسول اللہ! کرم کیجئے خدا کے واسطے“۔ زید کہتا ہے کہ مصرعہ اولیٰ تو درست ہے؛ البتہ مصرعہ ثانیہ درست نہیں۔ عمر کہتا ہے کہ دونوں مصرعہ درست ہیں۔ حضرت والا سے گزارش ہے کہ صحیح جواب بالشرع عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: احقر حبیب الرحمٰن، محلّہ عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مصرعہ اولیٰ سے دعا مانگنا جائز اور مسنون ہے۔ (مستفاد:

فتاوی رحیمیه ۳/ ٥، جدید زکریا ۲/ ۲۳۹، إمداد الفتاوی ٤/ ۳۷۲، فتاوی محمودیه قدیم ۱/ ٦۹، جدید ڈابھیل ۱/ ٥۸۱، کفایة المفتي، قدیم ۱/ ۱۹۱، جدید زکریا مطول ۱/ ۱۸٤، جدید زکریا ۱/ ۲۳٦)

قال السبکي: یستحسن التوسل بالنبي إلی ربه، ولم ینکره أحد من السلف ولا الخلف. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، کوئٹه ٥/ ۳۸۱، کراچی ٦/ ۳۹۷، زکریا ۹/ ٥٦۹، روح المعاني، سورة المائدة، تحت الآیة: ۳٥، جز ٦، مکتبه زکریا ٤/ ۱٤۸)

ومن آداب الدعاء: تقدیم الثناء علی الله والتوسل بالنبي یستجاب. (حجة الله البالغة ۲/ ٦)

قال أبو بکر: علمني رسول الله ﷺ هذا الدعاء، فقال: اللهم إني أسألک بمحمد نبیک، وبإبراهیم خلیلک، وبموسی نجیک، وعیسی روحک، وکلمتک. (جمع الفوائد ۲/ ۲٦٤)

مصرعۂ ثانیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت روائی اور حاضر وناظر سمجھتے ہوئے دعا مانگنا موجب شرک اور حرام ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/ ۱۶۴، ۱/ ۱۷۸، ۱/ ۱۹۳، جدید زکریا مطول ۱/ ۱۹۳-۱۹۴، جدید زکریا ۱/ ۲۱۲، ۱/ ۲۲۴، ۱/ ۲۳۸، فتاوی رحیمیہ ۳/ ۳، جدید زکریا ۲/ ۲۳۷، تسکین الصدور، ص: ۴۱۱)

لہٰذا اس قسم کے جملے اور مصرعوں سے دعا مانگنے سے باز رہنا واجب ہے، نیز اسے یعنی فلاں اللہ کے واسطے میرے او پر رحم فرمائیے، مجھے فلاں چیز دیجئے، میرا فلاں کام کردیجئے، عرف عام میں اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب مخاطب متکلم کے سامنے ہو اور متکلم اپنی آنکھ سے مخاطب کو دیکھ رہا ہو، یا خط وکتابت ہو اور یہاں نہ متکلم آنحضور ﷺ کو دیکھ رہا ہے اور نہ آپ ﷺ متکلم کے سامنے ہیں اور نہ خط وکتابت؛ اس لئے یہ عرف میں داخل نہیں۔

وفي کل بلدة علی عادة أهلها، ویراد ذلک المنقاد بینهم إلی

قـولـه: لأن الـمتكلم إنما يتكلم على عرفه وعادته، أي أنه يقصد ذلک بكلامه. (عقود رسم المفتي، ص: ۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۰/۲۴)

نئی دوکان میں عالم کو بلوا کر دعا کروانا

سوال [۱۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عموماً رواج یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی کسی طرح کی دوکان کھولتا ہے، تو مسجد کے عالم کو دوکان میں لے جا کر اور دیگر کچھ لوگوں کو جمع کر کے دعا کراتا ہے اور کبھی کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ دوکان کیسٹس یا ریڈیو ٹیپ، یا ٹی وی فروخت کرنے کے لئے بھی ہوتی ہیں، اگر کوئی عالم نہیں جاتے، تو لوگ بہت برا سمجھتے ہیں، بعض اوقات جو دوکان کھولی گئی ہے، اس میں قرض پر لیا ہوا سود کا پیسہ بھی ہوتا ہے، کیا اس طرح کی دعا میں ایک ذمہ دار عالم کی شرکت از روئے شرع کراہت کا درجہ تو نہیں رکھتی؟ اگر وہاں نہ جا کر مسجد میں ہی دعا کرا دی جائے تو اولیٰ اور بہتر نہیں ہوگی؟

المستفتی: عبد الجبار جامع مسجد مین روڈ ہندوپور، اننت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کے مواقع پر علماء وصلحاء کو بلا کر دعا کرانا ثابت ہے، چنانچہ حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر برکت کے لئے دو رکعت نماز ادا کی؛ لہٰذا بطور برکت کے دعا کرانا درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/ ۲۲۷)

عن عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ، أن النبي صلى الله عليه وسلم أتاه في منزله، فقال: أين تحب أن أصلي لک من بيتک؟ قال: فأشرت له إلى مكان، فكبر

النبي ﷺ، **وصفنا خلفه، فصلی رکعتین.** (بخاري، باب إذا دخل بیتا یصل حیث شاء أو حیث أمر و لا یتجسس، النسخة الهندیة ١/ ٦٠، رقم: ٤٢٠، ف: ٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۶۲)

مغرب سے قبل دعا کا ثبوت

سوال [۱۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز سے کچھ دیر پہلے لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، جو بھی آتا ہے وہی ہاتھ پھیلا کر بیٹھ جاتا ہے، قطار کی قطار دعا مانگتے ہیں، تو کیا اس کا ثبوت دورِ نبوت، دورِ صحابہ سے ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ عمل کیا ہے؟ اور اس طرح دعا مانگنا سنت ہے، مستحب ہے، یا بدعت ہے؟ اور حنفیہ کا اس بارے میں کیا مذہب ہے؟

المستفتی: محمد شاہد خان میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز سے کچھ دیر پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اور یہ وقت اجابت دعا اور اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں اس وقت بطور خاص اپنی تسبیح وتقدیس کا حکم دیا اور اس مخصوص وقت میں دعاؤں میں مشغول ہوجانے میں قبولیت کی امید وابستہ ہے، نیز ساعت جمعہ کی اجابت حدیث شریف میں واضح طور پر مذکور ہے، چنانچہ ایک روایت میں عصر اور مغرب کے درمیان میں اس ساعت اجابت کو تلاش کرنے کی ترغیب

دی گئی ہے؛ اس لئے جس کو توفیق ہو عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں دعاؤں میں مشغول ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کی امید ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۲۸۰، کتاب الفتاوی ۳/ ۱۰۱)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. [طه، ۱۳۰]

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ. [سورة المومن: ۵۵]

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنهما– عن رسول الله ﷺ أنه قال: يوم الجمعة ثنتا عشرة: يريد ساعة، لا يوجد مسلم يسأل الله شيئا إلا آتاه الله، فالتمسوها آخر ساعة بعد العصر. (أبوداؤد، باب الإجابة أية ساعة هي في يوم الجمعة؟ النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۰۴۸، سنن النسائي، وقت الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵٦، دارالسلام، رقم: ۱۳۸۹، المستدرك قديم ۱/ ٤۱٤، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۱/ ٤۰٦، رقم: ۱۰۳۲)

في الساعة المحمودة خمسة وأربعون قولا –إلى قوله– أنها بعد العصر إلى غروب الشمس، وهو مختار أبي حنيفة. (حاشية الترمذي ۱/ ۱۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۲ھ

اذانِ مغرب سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال [۱۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ کچھ لوگ خاص طور سے اذان مغرب سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، اس کی کیا اصل یا سند ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر اور مغرب کے درمیان ذکر اور دعاؤں میں مصروف رہنا احادیث پاک سے ثابت ہے، نیز مغرب کی اذان سے پہلے بھی دعاؤں میں مشغول ہوجانا حدیث سے ثابت ہے۔ اور دعائیں ہاتھ اٹھاکر ہی کرنا بہتر اور افضل ہے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لأن اقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة الغداة حتى تطلع الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة من ولد إسماعيل، ولأن أقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة. (أبوداؤد، كتاب العلم، باب في القصص، النسخة الهندية ٢/ ٥١٦، دارالسلام، رقم: ٣٦٦٧، مسند البزار ، مكتبة العلوم والحكم ١٣/ ٤٦٣، رقم: ٧٢٤٤، مشكوة شريف ١/ ٨٩)

وعنه قال: كنا نؤمر بالدعاء عند أذان المغرب. (مشكوة شريف، ١/ ٦٦)

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : قولي عند أذان المغرب: اللهم عند إقبال ليلک، وإدبار نهارک، وأصوات دعائک، وحضور صلاتک، اغفرلي. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن ١٥/ ١٢٦، رقم: ٢٩٨٦٠)

عن أنس قال: كان النبي ﷺ يرفع يديه في الدعاء حتى يرى بياض إبطيه. (صحيح ابن حبان، دارالفكر بيروت ٢/ ٩٢، رقم: ٨٧٤)

ويستحب أن يرفع يديه عند الدعاء بحذاء صدره. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/ ٥٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۲۹ھ

مغرب کی نماز سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال [۱۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغرب کی نماز سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے، اگر مغرب کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے تو گناہ یا حرج تو نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف لال مسجد سرائے ترین، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی اذان کے وقت دعا کرنا، اسی طرح عصر ومغرب کے درمیان ذکر واذکار اور دعا وغیرہ میں مشغول رہنا احادیث شریفہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: علمني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقول عند أذان المغرب: اللهم هذا إقبال ليلک، وإدبار نهارک، وأصوات دعائک، وحضور صلاتک فاغفرلي. (سنن أبی داؤد، باب ما يقول عند أذان المغرب، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دارالسلام، رقم: ۵۳۰، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۳/ ۳۰۳، رقم: ۶۸۰)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إذا نودي بالأذان فتحت أبواب السماء، واستجيب الدعاء، وعن سهل بن سعد، قال: قال رسول الله ﷺ: ساعتان تفتح فيهما أبواب السماء، ويستجاب فيهما الدعاء: عند الأذان بالصلوة، وعند الصف في سبيل الله عز وجل. (كتاب الدعاء للطبراني ۱/ ۱۶۷، رقم: ۴۸۹)

عن أبي أمامة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ولئن اذكر الله تعالى من بعد صلاة العصر إلى أن تغرب

الشمس أحب إلي من أن اعتق كذا وكذا من ولد إسماعيل عليه السلام. (كتاب الدعاء، جديد ١/ ٥٢٥، رقم: ١٨٨٢)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لأن اقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي من أن اعتق أربعة من ولد إسماعيل. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/ ٢٩٢، رقم: ٦٠٢٢، مشكوة شريف ١/ ٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۹ھ

مغرب کی نماز سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال [۱۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغرب کی نماز سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بعض مفتی لوگ منع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آفتاب غروب کے وقت شیطان کی پرستش کی جاتی ہے، جس کی بنا پر نماز پڑھنے سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا دعا کرنا بھی ممنوع ہے؟ یہ استدلال کیسا ہے؟

المستفتی: محمد فاروق متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر اور مغرب کے درمیان غروب شمس سے پہلے دعاؤں کی قبولیت احادیث شریفہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا اس وقت دعا کرنے والوں پر نکیر کی ضرورت نہیں۔

عن ابن عمر -رضى الله عنهما- قال: كان يستحب الدعاء عند أذان المغرب، وقال: إنها ساعة يستجاب فيها الدعاء. (المصنف لابن أبي

شيبة، كتاب الصلوة، أي الساعات يستجاب الدعاء، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٢، رقم: ٨٥٥٤)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: إذا نودي بالأذان فتحت أبواب السماء، واستجيب الدعاء، وعن سهل بن سعد، قال: قال رسول الله ﷺ: ساعتان تفتح فيهما أبواب السماء، ويستجاب فيهما الدعاء: عند الأذان بالصلوة، وعند الصف في سبيل الله عز وجل. (كتاب الدعاء للطبراني ١/ ١٦٧، رقم: ٤٨٩)

عن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: لئن اذكر الله تعالىٰ من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس أكبر وأهلل أحب إلي من أن اعتق رقابا من ولد إسماعيل، ولئن اذكر الله تعالىٰ من بعد صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي من أن عتق كذا وكذا من ولد إسماعيل عليه السلام. (كتاب الدعاء، للطبراني ١/ ٥٢٥، رقم: ١٨٨٢)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لأن اقعد مع قوم يذكرون الله بعد صلوة الفجر إلى طلوع الشمس أحب إلي من أن اعتق أربعة من ولد إسماعيل، قال: لأن أقعد مع قوم يذكرون الله تعالىٰ من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي من أن اعتق أربعة من ولد إسماعيل. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/ ٢٩٢، رقم: ٦٠٢٢، مشكوة شريف ١/ ٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۴۲/۳۵)

مغرب کی اذان کے وقت دعا کرنا

سوال [۱۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مغرب کی اذان سے قبل عام طور پر مسجدوں میں اہتمام کے ساتھ لوگ دعا کیا کرتے ہیں، جس کی بابت لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اجابت دعا کا وقت ہے، تو کیا کسی حدیث میں اس وقت کی صراحت موجود ہے؟

المستفتی: محمد جاوید قاسمی چاند پور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغرب کی اذان سے قبل دعا کرنے کے سلسلہ میں مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مغرب کی اذان کے وقت دعا پسند فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ: یہ اجابت دعا کا وقت ہے۔

عن ابن عمر –رضی الله عنهما– قال: کان یستحب الدعاء عند أذان المغرب، وقال: إنها ساعة یستجاب فیها الدعاء. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلوة، أي الساعات یستجاب الدعا، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٢، رقم: ٨٥٥٤)

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: علمني رسول الله صلی الله علیه وسلم أن أقول عند أذان المغرب: اللهم هذا إقبال لیلک، وإدبار نهارک، وأصوات دعائک، فاغفرلي. (المستدرك، کتاب الصلوة، مکتبه نزار مصطفی الباز ١/ ٢٩٦، رقم: ٧١٤، المعجم الکبیر للطبراني، دار احیاء التراث العربي ٢٣/ ٣٠٣، رقم: ٦٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۵/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۲۴ھ

مغرب سے قبل دعا کا ثبوت

سوال [۱۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: قبیل مغرب لوگ دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں، اس کے متعلق بعض معتبر علماء سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مشرکین و پرستار حجر کا طریقہ ہے؛ لہٰذا بالکل غلط اور ناجائز ہے، صحیح کیا ہے؟

المستفتی: محمد عثمان سیر سید نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت قبولیت کا وقت ہے، اس وقت میں ذکر تلاوت اور دعا وغیرہ کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ وقت غروب تک رہتا ہے اور غروب کے فوراً بعد بھی حدیث شریف میں دعا کی ترغیب آئی ہے۔ اور قرآن کریم میں سورۂ ''اعراف'' آیت: ۲۰۵ میں ''بالغدو والآصال'' کی مفسرین نے صاف طور پر تفسیر فرمائی ہے کہ ''غدو'' سے فجر کی جماعت اور طلوع شمس کا درمیانی حصہ مراد ہے۔ اور ''آصال'' سے عصر سے غروب شمس تک کا درمیانی وقت مراد ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

بالغدو: أي بالغداة جمع غدوة، وهي ما بين صلاة الغداة وطلوع الشمس، وقوله: والآصال، وهو كما قال الأزهري: جمع أصل، وأصل جمع أصيل، أعني مابين صلاة العصر إلى غروب الشمس. (روح المعاني، سورة الأعراف، تفسير الآية: ۲۰۶، مطبوعه زكريا ديوبند ۶/ ۲۲۴)

اور آیت کریمہ: **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ.** [الأعراف: ۲۰۵]

میں ذکر سے تلاوتِ قرآن اور دعا، تسبیح وتہلیل وغیرہ سب مراد ہیں۔ ملاحظہ ہو:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ: وهو عام في الأذكار من قراءة القرآن والدعاء، والتسبيح والتهليل وغيره ذلك. (مدارك ۱/ ۳۱۳، كشاف ۲/ ۱۹۲)

اور جہاں نماز عصر سے غروب شمس تک بات کہی گئی ہے، اس کے اندر قبیل غروب کا وقت خود شامل ہے؛ اس لئے اس کے اندر ذکر، تلاوت اور دعا مقبول اور مطلوب شرعی ہے۔ اور غروب

کے فوراً بعد اور اذان مغرب کے وقت میں دعا کرنے کا خود حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیبی حکم فرمایا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن عمر –رضي الله عنه– قال: كنا نؤمر بالدعاء عند أذان المغرب. (مشكوة شريف، ١/ ٦٦)

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: علمني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقول عند أذان المغرب: اللهم هذا إقبال ليلك، وإدبار نهارك، وأصوات دعائك، فاغفرلي. (المستدرك، كتاب الصلوة، مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ٢٩٦، رقم: ٧١٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢٣/ ٣٠٣، رقم: ٦٨٠، أبو داؤد، باب ما يقول عند أذان المغرب، النسخة الهندية ١/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٥٣٠، المصنف لابن أبي شيبة، ما يدعي به إذا سمع الأذان، مؤسسة علوم القرآن ١٥/ ١٢٦، رقم: ٢٩٨٦٠، كتاب الدعاء، باب ما يدعي به إذا سمع الأذان، ١/ ٥٢٥، رقم: ١٨٨٢، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٧٨، رقم: ٦٨٦٠)

عن ابن عمر –رضى الله عنهما– قال: كان يستحب الدعاء عند أذان المغرب، وقال: إنها ساعة يستجاب فيها الدعاء. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، أي الساعات يستجاب الدعا، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٢، رقم: ٨٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۶۴)

غروب آفتاب سے قبل دعا مانگنا

سوال [۱۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے لوگ عصر کے بعد یعنی سورج ڈوبنے سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

المستفتی: عبد السلام منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم اوراحادیث شریفہ میں فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نمازعصر اورغروب آفتاب کے درمیانی وقت میں تسبیح وغیرہ میں مشغول ہونے کی فضیلت وارد ہوئی ہے، نیز حضرت ابودرداء سے مروی ہے کہ دن کے آخری حصہ میں سورج غروب ہونے سے قبل مندرجہ ذیل دعا مانگی جائے اور ہاتھ اٹھانا منجملہ آداب دعامیں سے ہے؛ لہٰذا اس وقت دعا مانگنا درست ہے، ہاں البتہ اس کولازم اور ضروری نہیں سمجھنا چاہئے۔

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَار. [سورة المؤمن: ۵۵]

قال العلامة آلوسيوجوز أن يراد خصوص الوقتين، والمراد بالتسبيح معناه الحقيقي. (تفسير روح المعاني، مكتبه زكريا جزء ۱۳، ۲۴/ ۱۱۸)

عن طلق بن حبيب، قال: جاء رجل إلى أبي الدرداء –رضي الله عنه– إلى– ومن قالها آخر النهار لم تصبه مصيبة حتى يصبح: اللهم أنت ربي، لا اله إلا أنت، عليک توكلت، وأنت رب العرش العظيم، ما شاء الله كان، وما لم يشأ، لم يكن، لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، أعلم أن الله على كل شيء قدير، وأن الله قد أحاط بكل شيء علما، أللهم إني أعوذ بک من شر نفسي، ومن شر كل دابة أنت آخذ بناصيتها، إن ربي على صراط مستقيم. (عمل اليوم والليلة، لابن السيني، مؤسسة علوم القرآن ۱/ ۵۴، رقم: ۵۷)

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: علمني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقول عند أذان المغرب: اللهم هذا إقبال ليلک، وإدبار نهارک، وأصوات دعائک، فاغفرلي. (المستدرك، كتاب الصلوة قديم ۱/ ۳۱۴، مكتبه نزار مصطفى الباز ۱/ ۲۹۶، رقم: ۷۱۴، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء

التراث العربي ۲۳/ ۳۰۳، رقم: ۶۸۰، أبو داؤد، باب ما يقول عند أذان المغرب، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دارالسلام، رقم: ۵۳۰)

عن أنس قال: كان النبي ﷺ يرفع يديه في الدعاء حتى يرى بياض إبطيه. (صحيح ابن حبان، دارالفكر بيروت ۲/ ۹۲، رقم: ۸۷٤)

عن معمر عن الزهري قال: كان رسول الله ﷺ يرفع يديه عند صدره في الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۲٤۷، رقم: ۳۲۳٤)

والمستحب: أن يرفع يديه عند الدعاء بحذاء صدره كذا من القنية. (عالمگیری، کتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقرأة القرآن ...... زكريا قديم ٥/ ۳۱۸، جديد ٥/ ۳٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۷/ ۱۴۱۸ھ

مغرب کی اذان سے پہلے دعا کرنا

سوال [۱۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عموماً مسجدوں میں دیکھا جاتا ہے کہ مغرب کی اذان سے پہلے بہت سے لوگ دعا کا اہتمام کرتے ہیں، خصوصاً جمعہ کے دن، کیا ان حضرات کا اس مخصوص وقت میں دعا کا اہتمام کرنا درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد اسلم، ۲۴/ پرگنہ، متعلم عربی پنجم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغرب کی اذان کے قریب دعا کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے؛ اس لئے جو لوگ غروب شمس کے موقع پر مغرب کی اذان تک دعا کرتے ہیں، ان

کو اس عمل خیر سے نہ روکا جائے، جمعہ کے دن کی کوئی خصوصیت نہیں، جمعہ اور غیر جمعہ کسی بھی دن اس وقت دعا کرنا مشروع اور مستحب ہے۔ اور بعض احادیث شریفہ میں صاف الفاظ کے ساتھ مغرب کی اذان کے وقت دعا کرنا ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: علمني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقول عند أذان المغرب: اللهم هذا إقبال ليلك، وإدبار نهارك، وأصوات دعائك، فاغفرلي. (المستدرك، كتاب الصلوة، مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ٢٩٦، رقم: ٧١٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢٣/ ٣٠٣، رقم: ٦٨٠، أبو داؤد، باب ما يقول عند أذان المغرب، النسخة الهندية ١/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٥٣٠)

عن ابن عمر –رضى الله عنهما– قال: كان يستحب الدعاء عند أذان المغرب، وقال: إنها ساعة يستجاب فيها الدعاء. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، أي الساعات يستجاب الدعاء، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٢، رقم: ٨٥٥٤، مطبع كراچى پاكستان ٢/ ٤٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲/ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۹)	۱۴۲۵/۶/۱۱ھ

غروب سے قبل دعاؤں میں مشغول ہوجانا

سوال [۱۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغرب کی نماز سے پہلے عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیسا ہے؟ کچھ لوگ مغرب سے پہلے صفوں میں داخل ہوجاتے ہیں اور دعاؤں میں مشغول ہوجاتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغرب کی نماز سے قبل ہاتھ اٹھا کر صفوں میں بیٹھ کر دعا کرنا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، کتب فقہ میں مذکور ہے: کہ اس وقت میں دعا کرنا، تلاوت قرآن سے افضل ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/۳۸۰، میرٹھ ۹/۹۴، کتاب الفتاوی ۳/۱۰۱)

الصلوة على النبي ﷺ والدعاء والتسبيح أفضل من قرأة القرآن في الأوقات التي نهي عن الصلوة فيها. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ٣/ ٣٥، كراچى ١/ ٣٧٤، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع زكريا ٩/ ٦٠٦، كراچى ٦/ ٤٢٣)

الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم في الأوقات التي تكره فيها الصلوة والدعاء والتسبيح أفضل من قراءة القرآن، ولعله؛ لأن القراءة ركن الصلوة، وهي مكروهة، فالأولى ترك ما كان ركنا لها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، زكريا ١/ ٤٣٧، كوئٹه ١/ ٢٥١)

فيستحب الإكثار من الأذكار بعد العصر وآخر النهار، قال الله تعالىٰ: ﴿فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها﴾. [طه: ١٣٠] **وقال الله تعالى: ﴿فسبح بحمد ربک بالعشى والابكار﴾.** [غافر: ٥٥] **قال النبي صلى الله عليه وسلم: لأن أجلس مع قوم يذكرون الله عز وجل من صلوة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي أن أعتق ثمانية من ولد إسماعيل.** (الأذكار للنووي، دارالكتب العلمية بيروت ٧٧)

عن أنس بن مالک -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: ولأن أقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة. (سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب في القصص،

النسخة الهندية ۲/ ٥١٦، دارالسلام، رقم: ٣٦٦٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٣/ ٤٦٣، رقم: ٧٢٤٤، المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/ ٢٩٢، رقم: ٦٠٢٢، عمل اليوم والليلة لابن السني،، مؤسسة علوم القرآن، ص: ١٢١، رقم: ٦٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۰ھ
فتویٰ رجسٹر خاص

عشاء کے بعد اجتماعی دعا پر اصرار کرنا

سوال [۱۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ ہے، پنجوقتہ نمازیں مدرسہ کی مسجد میں ہوتی ہیں، عشاء کی نماز کے بعد بہ ہیئت اجتماعی دعا ہوتی ہے، جس کی صورت یہ ہے: کہ عشاء کی فرض نماز کے بعد امام حسب دستور دعا کرا دیتا ہے، اس کے بعد سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد تمام طلبہ ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں، چھوٹے بچوں سے کھانے پینے اور سونے کے آداب اور فرائض نماز وغیرہ کا مذاکرہ کرایا جاتا ہے۔ اور بڑے لڑکوں کو سورۂ یٰسین پڑھنے کا مکلّف کیا جاتا ہے، اس کے بعد مدرسے کے مہتمم صاحب یا ناظم مدرسہ اجتماعی دعا کراتے ہیں، یہ دعا عام طور سے جہری ہوتی ہے اور کبھی کبھار سری اور دس دس پندرہ منٹ تک جاری رہتی ہے، اس میں تمام طلبہ کا حاضر اور شریک ہونا ضروری ہے، التزام کے ساتھ دعا کا یہ طریقہ پورے سال جاری رہتا ہے۔ اور بلا عذر شدید کے کبھی ناغہ نہیں ہوتا اور اس پر اصرار کا یہ عالم ہے کہ اس میں شریک نہ ہونے والے اساتذہ کو مہتمم صاحب لعنت ملامت اور نکیر کرتے ہیں اور ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور اب تو اس بارے میں شدت کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نئے استاذ کے تقرر کے وقت یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عشاء کے بعد والی دعا میں شریک ہونا لازمی ہے۔ اور یہ کہ آئندہ تنخواہ کی کمی وزیادتی کا معیار بھی اسی کو بنایا جائے گا، ایسی صورت میں درج ذیل سوالات حل طلب ہیں، آپ جوابات تحریر فرمادیں، نوازش ہوگی۔

(۱) کیا اس اجتماعی دعا کا ثبوت احادیث سے ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے پوری حیات طیبہ میں کبھی اس طرح سے دعا کی ہے؟ دعائے ثانی کو تمام فقہاء نے بدعت لکھا ہے، تو دعا کی مروجہ صورت دعائے ثانی ہے یا نہیں؟ اگر یہ دعائے ثانی نہیں ہے تو پھر مروجہ دعا اور دعائے ثانی جس کو فقہاء بدعت کہتے ہیں، میں ما بہ الامتیاز کیا چیز ہے؟

(۲) فقہاء کے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ امرِ مباح التزام واصرار سے بدعت ہو جاتا ہے۔ اور مذکورہ صورت پر التزام واصرار ہے؛ کیوں کہ اس میں شریک نہ ہونے والے استاذ کو لعنت وملامت اور طعن وتشنیع کیا جاتا ہے، ان پر نکیر کی جاتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر التزام واصرار کی دلیل یہ ہے کہ اب تقرر نامہ میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ اس میں شریک ہونا لازمی ہے۔

(۳) دعا سے پہلے طلبہ کو ایک جگہ اکٹھا کر کے سورۂ یٰسین پڑھوانا کیا اجتماعی قرآن خوانی نہیں ہے؟ جس کو فقہ میں بدعت لکھا ہے؟

(۴) اکثر یہ دعا جہری ہوتی ہے اور بعض دفعہ دس دس اور پندرہ منٹ تک تو کیا اس قدر طویل دعا درست ہے؟

(۵) کیا اس میں شرکت نہ کرنے والے اساتذہ کو ملامت اور طعن وتشنیع کرنا درست ہے؟ اور ان پر نکیر جائز ہے؟

المستفتی: توقیر عالم، مدرسہ قاسمیہ کھاری، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو چیزیں بالکل الگ الگ ہیں: (۱) بابِ احکام (۲) بابِ تربیت۔ بابِ احکام کا مطلب یہ ہے کہ: کتاب وسنت فقہ اور شریعت سے جو جو چیزیں ثابت ہیں، ان کا پابند کیا جائے۔ اور جو ثابت نہیں ہے، اس کا پابند کرنا درست نہیں۔ اور بابِ تربیت کا مطلب یہ ہے کہ: جو جو چیزیں شریعت سے ثابت ہیں، ان کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی چیزوں کا بھی پابند بنایا جائے جو شریعت سے کھل کر ثابت نہیں ہیں؛ لیکن ان امور کے اختیار کرنے میں تعلیم وتربیت کے حق میں مصلحتیں ہیں اور تربیت سیکھنے والوں

کے لئے مفید اور معاون ہیں۔عشاء کے بعد کے جو معمولات بیان کئے گئے ہیں، یہ بابِ احکام سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ بابِ تربیت سے متعلق ہیں؛ اس لئے کتاب وسنت کے دلائل سے ان کو ناجائز ثابت کرنا درست نہیں ہوگا، جیسا کہ بخاری شریف کا سبق پڑھنا، حدیث یاد کرنا امر مستحسن ہے۔ اور کتاب وسنت کے موافق ہے؛ لیکن میزان نحو میر پڑھنے والے طالب علم اگر بخاری شریف کا سبق پڑھنے لگیں تو انہیں منع کیا جائے گا؛ اس لئے کہ تربیت اور مصلحت کے خلاف ہے، اسی طرح قرآن کریم کے معانی اور ترجمہ کا سبق پڑھنا اور تفسیر کا سبق پڑھنا حدیث کی کتابوں کا پڑھنا، کتاب وسنت سے ثابت ہے؛ لیکن نحو وصرف اور قواعد کی کتابوں کے پڑھنے سے پہلے کوئی طالب علم حدیث وتفسیر کی کتاب پڑھنے لگے اور ان درجات کا طالب علم بن جائے تو نہ صرف اس کی ملامت کی جائے گی؛ بلکہ اسے سزا بھی دی جاسکتی ہے، حالانکہ ان اصول وقواعد کے پڑھے بغیر حدیث وتفسیر کی کتاب کا پڑھنا کتاب وسنت سے منع نہیں ہے؛ لیکن یہ بات بابِ تربیت سے متعلق ہے؛ اس لئے منع کیا جاتا ہے، اب رہی یہ بات کہ مدرسین کرام پر پابندی لگانا یہ اس لئے نہیں ہے کہ ان مدرسین کو عشاء کے بعد کے معمولات کا پابند بنایا جارہا ہے؛ بلکہ طلبہ کی نگرانی کے مقصد سے پابند کیا جاتا ہے۔ اور بہتر یہ تھا کہ کلی طور پر تمام عملہ پر روزانہ پابندی نہ لگائی جائے؛ بلکہ مدرسین کے درمیان تقسیم کار کر دیا جائے کہ باری باری نگرانی پر پابندی لگائی جائے، تاکہ ہر ایک کو اپنی دوسری ضروریات پوری کرنے میں آسانی ہوجائے۔ اور کوئی اپنی ضرورت کی وجہ سے شرکت نہ کرے تو اس پر لعن طعن اور اس کے بارے میں چہ می گوئیاں نہ کی جائیں۔ اور اگر تقرری کے وقت میں عشاء کے بعد کے معمولات میں شرکت کی شرط لگائی جاتی ہے اور جس کا تقرر کیا جارہا ہے، وہ ان شرائط کو مان کر ملازمت منظور کرتا ہے، تو ایسی شرائط پر جانبین کے تراضی کی وجہ سے تقرر عمل میں آنا جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا مدار ذیل میں آنے والی حدیث شریف پر ہے، جس میں اس کا ذکر ہے، کہ مسلمان جب آپس

میں کوئی شرط طے کرلیں، جس کی وجہ سے حلال کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا لازم نہ آتا ہو، تو اس کی پابندی ضروری ہوجاتی ہے۔ اور بابِ تربیت کی چیزیں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتی ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عمرو بن عوف المزني عن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي شريف، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المستدرك، كتاب الأحكام، قديم ٤/ ١١٣، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٧/ ٢٥٢٢، رقم: ٧٠٥٩)

نیز دعا بہت لمبی لمبی نہیں کرنی چاہئے، اس میں ہر ایک کو اکتاہٹ ہوجاتی ہے، جو غیر مناسب بات ہے۔ حدیث میں آیا ہے: کہ اللہ کو ایسی دعا پسند ہے جس میں پوری طرح توجہ رہے اور توجہ ہٹنے والی دعا اللہ کو پسند نہیں ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ : ادعو الله وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل لاه. (ترمذی، كتاب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٦، دارالسلام، رقم: ٣٤٧٩، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٧/ ٣٠٧، رقم: ١٠٠٥٩، المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/ ٣٢، رقم: ٥١٠٩، مشكوة/ ١٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۴۹)	۱۴۲۴/۵/۲۱ھ

مصیبت میں نجات کی دعا کریں یا صبر کی؟

سوال [۱۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: یہ بتایا جائے کہ جو آدمی پریشان حال ہے اور اس سے چھٹکارا چاہتا ہے، تو کیا صبر کی دعا کرنا ایسے آدمی کے لئے جو برداشت نہ کرپائے، اس کے لئے مناسب نہیں ہے؟

المستفتی: محمد فیاض الدین بہار شریف، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں مصیبت سے نجات کی دعا کرنے کا حکم آیا ہے، صبر کی دعا کا حکم نہیں آیا ہے، ہاں البتہ کوئی ایسا واقعہ ہے کہ جس چیز کا صدمہ ہو رہا ہے، وہ چیز واپس لوٹ کر نہیں آسکتی تو ایسی صورت میں صبر کی دعا کی تلقین ہے، جو لوٹ کر نہیں آسکتی ہو، جیسا کہ کسی کا انتقال ہو جائے تو پسماندگان کے لئے صبر کی دعا کی تلقین ہے۔ اور اگر ایسی چیز نہیں ہے جو لوٹ کر نہیں آسکتی ہو، تو ایسی صورت میں بجائے صبر کی دعا کے نجات اور عافیت کی دعا کا حکم ہے۔

عن معاذ بن جبل –رضي الله عنه– قال: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلا، وهو يقول: اللهم إني أسئلك الصبر، فقال: سألت الله البلاء، فاسأله العافية. (سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٩٢، دارالسلام، رقم: ٣٥٢٧، الأدب المفرد، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٥٣، رقم: ٧٢٥، مسند البزار، مكتبة العلوم الحكم ٧/ ٨٢، رقم: ٢٦٣٥، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢٠/ ٥٥، رقم: ٩٧، مشكوة/ ٢١٤)

محل هذا إنما هو قبل وقوع البلاء، وأما بعده فلا منع من سوال الصبر، بل مستحب لقوله تعالى: ”ربنا افرغ علينا صبرا“. (مرقاة، باب الدعوات، الفصل الثاني، ممبئی ٣/ ١٢٤، ملتان ٥/ ٢٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۶۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۴ھ

"سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، اللّٰہ أکبر، لا إله الا اللّٰہ" کی فضیلت

سوال [۱۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اخبار میں دیکھا تھا کہ ایک ضعیفہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں بہت کمزور ہوں، عبادت کرنے کے لائق نہیں ہوں، میں کیا کروں؟ تو سرکار-صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا: کہ تم یہ پڑھا کرو:

(۱) سبحان اللہ ۱۰۰/بار سو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

(۲) الحمد للہ ۱۰۰/بار سو گھوڑے جہاد میں بھیجنے کا ثواب ملے گا۔

(۳) اللہ اکبر ۱۰۰/بار سو اونٹ قربانی کرنے کا ثواب ملے گا۔

(۴) لاالہ الا اللہ ۱۰۰/بار تمام آسمان اور زمین ثواب سے بھر جاتے ہیں۔

یہ حدیث شریف کس کتاب سے ماخوذ ہے؟ تحریر فرما دیجئے، اگر کوئی جوان آدمی پڑھے، تو اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں: "سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، اللّٰہ أکبر، لا إله الا اللّٰہ" بعینہٖ موجود ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو -رضي اللّٰہ عنه- قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ...... وإذا أخذت مضجعک تسبحه وتکبره وتحمده مائة، فتلک مائة باللسان، وألف في المیزان، فأیکم یعمل في الیوم واللیلة ألفین وخمس مائة سیئة. (ترمذي، أبواب، باب ماجاء في التسبیح والتکبیر والتحمید عند المنام، النسخة الهندیة ۲/ ۱۷۸، دارالسلام، رقم: ۳۴۱۰، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۶/ ۴۴۲، رقم: ۲۴۷۹، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۶۲، رقم: ۶۴۹۸)

اوراس کی بہت سی فضیلت بھی وارد ہے،مگر وہ فضائل جوسوال نامہ میں درج ہیں،کسی حدیث صحیح میں نظر سے نہیں گذری۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۸رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۱۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۸ھ

کلمہ طیبہ کے پڑھنے سے ستون کا ہلنا

سوال [۱۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرش کے سامنے کوئی ستون ہے، جو کسی کے کلمہ طیبہ پڑھنے کی وجہ سے ہلنے لگتا ہے؟ اور پڑھنے والے کی مغفرت کرواتا ہے؟

المستفتی: شفیق احمد سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ عرش کے سامنے ایک ستون ہے، جو کلمہ طیبہ پڑھنے کی وجہ سے ہلنے لگتا ہے اور کلمہ پڑھنے والے کی مغفرت کراتا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: إن لله تبارک وتعالیٰ عمودا من نور بين يدی العرش، فإذا قال العبد: لا إله إلا الله، اهتز ذلک العمود، فيقول الله تبارک وتعالى: اسكن، فيقول: كيف اسكن ولم تغفر لقائلها، فيقول: إني قد غفرت له، فيسكن عند ذلک. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٤/ ٣٦١، رقم: ٨٠٦٥، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ١٠/ ٨٢، رقم: ١٦٨٠٠، فضائل أعمال، باب فضائل الذكر، ص: ٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۰رصفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۶۴۸)

مشورہ کی دعا کا ثبوت

سوال [۱۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: "**الھمنا براشد أمورنا، وأعذنا من شرور أنفسنا، ومن سیئات أعمالنا**".
مذکورہ دعا مشورہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اس کا ثبوت حدیث سے ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالجبار، دورۂ حدیث شریف مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں سوال نامہ میں درج کردہ الفاظ کے ساتھ دعا بعینہٖ دستیاب نہیں ہوسکی، ہاں البتہ اس کے کچھ الفاظ واحد متکلم کے صیغہ کے ساتھ مل سکے جو حسب ذیل ہیں:

اللھم ألھمني رشدي، وأعذني من شر نفسي. (ترمذي شریف، أبواب الدعوات، باب ماجاء في جامع الدعوات، النسخة الهندیة ۲/ ۱۸٦، دارالسلام، رقم: ۳٤۸۳، المعجم الأوسط، دارالفکر ۳/ ۹، رقم: ۲۰۰٦، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۹/ ۵۳، رقم: ۳۵۸۰، المعجم الکبیر للطبراني، دار احیاء التراث العربي ۱۸/ ۱۷٤، رقم: ۳۹٦)

اللھم إني استھدیک لأرشد أموري، وأعوذ بک من شر نفسي.
(صحیح ابن حبان، دارالفکر ۲/ ۱۲۹، رقم: ۸۹۸، المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۹/ ۵۳، رقم: ۸۳٦۹، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ۲۱، رقم: ۱٦۳۷۷، ٤/ ۲۱۷، رقم: ۱۸۰٦۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۵ھ

دعائے گنج العرش کی شرعی حیثیت

سوال [۱۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وظائف کی کتابوں میں دعائے گنج العرش کا پڑھنا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جاوید قاسمی چاند پور، ضلع بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعائے گنج العرش میں کوئی ناجائز الفاظ نہیں ہیں، کسی کا دل چاہے تو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اس کی جو فضیلتیں لکھی گئی ہیں، کہیں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اور بعض جگہ دعائے گنج العرش، عہد نامہ وغیرہ کی ایسی ایسی فضیلتیں لکھی گئی ہیں کہ وہ دعائیں پڑھنے سے تمام کام انجام پذیر ہوجاتے ہیں، رزق میں وسعت ہوگی، دین ودنیا کے منافع ہوں گے، مشکلات حل ہوجائیں گی، ہر قسم کے مرض سے شفایاب ہوں گے اور ان فضیلتوں کی نسبت حضور ﷺ کی طرف بھی کی گئی ہے، حالاں کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین، تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی وہ فضیلتیں ثابت نہیں ہیں اور نہ ہی یہ دعائیں منقول ہیں؛ بلکہ یہ ساری کی ساری فضیلتیں لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کی ہیں؛ اس لئے حضرت تھانویؒ نے ''بہشتی زیور'' (۵۲/۱۰) میں ان دعاؤں اور ان فضیلتوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: یہ سب گھڑی ہوئی ہیں؛ اس لئے ان کو حضرت سید الکونین علیہ الصلوۃ والسلام یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے منقول سمجھ کر پڑھنا اور ان کی فضیلتوں کو بھی منقول اور مروی سمجھ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من كذب علي متعمدا، فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح مسلم، مقدمه، النسخة الهندية ١/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ٣، صحيح البخاري، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم النسخة الهندية ١/ ٢١، رقم: ١٠٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، مقدمه، النسخة الهندية ۱/ ۸، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۵/ ۲۰، رقم: ۸۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۲/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۴۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۲/۱۴۲۴ھ

قبر پر مٹی ڈالنے کی دعا

سوال [۱۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبر پر مٹی ڈالتے وقت تلقین شدہ قرآنی آیات کے فضائل کیا ہیں؟

المستفتی: ولی الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں ہاتھوں سے تین مرتبہ مٹی ڈالنا اور پہلی مرتبہ: **"منها خلقناكم"** اور دوسری میں: **"وفيها نعيدكم"** اور تیسری میں: **"ومنها نخرجكم تارة اخرى"** پڑھنا مسنون اور مستحب ہے۔

ويقول في الحثية الأولى: منها خلقناكم، وفي الثانية: وفيها نعيدكم، وفي الثالثة: ومنها نخرجكم تارة أخرى. (هندية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، زكريا قديم ۱/ ۱۶۶، الجوهرة النيرة، كتاب الصلوة، باب الجنائز، مكتبه دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۳۲، البناية، جديد ۱/ ۲۲۷، باب الجنائز، فصل في الدفن، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۵۷، شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في دفن الميت، كراچی ۲/ ۲۳۷، زكريا ۳/ ۱۴۳، الموسوعة الفقهية ۲۱/ ۱۴)

عن أبي أمامة –رضي الله عنه– قال: لما وضعت أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "منها خلقناكم، وفيها نعيدكم، ومنها نخرجكم تارة أخرى.

(طه: ۵۵، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۲۵۴، رقم: ۲۲۵۴۰، المستدرك قديم ۲/ ۴۱۱، مكتبة نزار مصطفى الباز، جديد ۴/ ۱۲۸۹، رقم: ۳۴۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۰۵)

کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال [۱۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کھانا کھانے کے بعد فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبد المالک آسامی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کھانا کھانے کے بعد حضور ﷺ سے زبانی دعا مانگنے کا ثبوت ہے اور یہی معمول بہ ہے، چنانچہ جب حضور ﷺ کھانا کھاتے، یا پانی پیتے تو: **"الحمدلله الذي أطعمنا وسقانا، وجعلنا مسلمين"** پڑھتے تھے؛ لیکن اس دعا میں آں حضور ﷺ سے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي سعيد –رضي الله عنه– قال: كان النبي ﷺ إذا أكل أو شرب قال: "الحمدلله الذي أطعمنا وسقانا، وجعلنا مسلمين". (سنن الترمذي، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۴، دارالسلام، رقم: ۳۴۵۷، سنن أبي داؤد، باب مايقول الرجل إذا طعم، النسخة الهندية ۲/ ۵۳۸، دارالسلام،

رقم: ۳۸۵۰، سنن ابن ماجة، باب ما يقال إذا فرغ من الطعام؟ النسخة الهندية، ۲/ ۲۳۶، دارالسلام، رقم: ۳۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۲/۲۳)

دائمی مصائب سے نجات اور ادائے گئ قرض کی دعا

سوال [۱۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امید کہ مزاج عالی بخیر وعافیت ہوں گے! امر ضروری یہ ہے کہ میں نہایت ہی بدحال پریشان حال مقروض اور نہایت ہی غیر دوراندیش عالم ہوں، تیس برس تبلیغ میں رہا، ۲۶/ برس مفت میں مسجد کی امامت وخدمت کی، بچپن سے نمازی رہا، کبھی ناجائز اور حرام کاموں کی طرف رغبت نہیں کی، ڈبل فاضل اور بی اے ٹرینڈ ہوں، پرائمری اسکول میں ۲۱/ برس سے معلم ہوں، میٹرک کا اسکیل اب تک مل رہا ہے، آئی، اے، بی، اے کا اسکیل نہیں دیتا، جب کوئی ترقی کا موقع آیا رکاوٹ حائل ہوئی، میرے ہر کام میں بلا مبالغہ عرض ہے کہ رکاوٹ آتی ہے، تمام ہی محنت خواہ دینی ہو، یا دنیوی رائیگاں جاتی ہے، ۱۹/ برس حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے ہوگئے ہیں، مگر بیعت کے بعد سے مختلف پریشانیاں، مالی بحرانی، ترقیات میں رکاوٹ اور میں مع اہل وعیال بیمار ہونا سب شروع ہوگیا، ۷/ بال بچے ہیں، سبھی دائم المریض، کوئی صرع کی مریضہ، کوئی مثل پاگل، کوئی پولیو، کوئی گٹھیا، وغیر وغیرہ کے مریض ہیں، اہلیہ ہفتہ میں دو دن بھی صحت مند نہیں رہتی ہیں، جس سے گھر پلید، بے ترتیب اور بچے سبھی ضدی، بے ترتیب اور منشاء کے خلاف کرنے والے بن گئے ہیں، اہلیہ بھی ضدی اور منشاء کے خلاف کرنے والی ہیں، میں بھی بغیر دوا کے ایک روز گذارا نہیں کرسکتا، دوا بھی کسی کو نہیں لگتی، حکیم، ڈاکٹر بدلتے بدلتے پریشان، تیمارداری اور بیماری اور دوا کا نہ لگنا

باعثِ بربادی مال ووقت ہیں،مکان کوتاہ اورمرطوب،ہرسال دوتین ماہ تک پوکھر کا پانی گھر میں گھسارہتا ہے، گھر کچا ہے، مالی حالت اچھی نہیں کہ مکان بنا سکوں، ان احوال سے اب دل اوب گیا ہے، سہتے سہتے دل سے ابل کر زبان پر کلمہ کفر خدانخواستہ آجائے؛ اس لئے حضرت کچھ دعا کر دیجئے اور کچھ دعا یا عمل مگر اجمالی بتائیے کہ میرا قرض ادا ہو، مال میں برکت آئے ،وقت ومحنت بربادنہ جائے۔

حضرت! میں آپ کو بحیثیت مفتی کوئی استفتاء نہیں کررہا ہوں؛ بلکہ آپ کو اپنا مشفق ومربی ومعلم جان کر لکھ رہا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرما دیں۔اورکوئی مجرب اجمالی عمل یا دعا مجھے بتائی جائے، احسان ہوگا۔والسلام مع الاکرام۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اللہ تعالیٰ کی مرضی اپنے کسی بندہ کو اپنے سے قریب کرنے کی ہوتی ہے،تواس کوطرح طرح کی مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں،قرآن کریم میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ اسی سلسلہ میں موجود ہے، نیز تمام کوششوں اورمصائب کا اجر آخرت کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں ملے گا،ادائیگی قرض کے لئے حسب ذیل ہر نماز کے بعد ۲۵ رمرتبہ پڑھا کریں:

اللهم اكفني بحلالك عن حرامك، واغنني بفضلك عمن سواك.

نیز ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ رزاق بہت جلد آپ کے قرض ادا فرما دیں، نیز ہمیشہ نیت کوصحیح رکھنے کی کوشش فرمائیں۔

عن أبي وائل عن علي –رضي الله عنه– أن مكاتبا جاءه، فقال: إني قد عجزت عن مكاتبتي، فأعني، قال: ألا أعلمك كلمات علمنيهن رسول الله صلى الله عليه وسلم، لو كان عليك مثل جبل صير دينا أداه الله عنك؟ قال: قل: اللهم اكفني بحلالك عن حرامك، واغنني بفضلك عمن سواك. (سنن الترمذي، كتاب الدعوات،

باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٦، دارالسلام، رقم: ۳٥٦۳، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۱٥۳، رقم: ۱۳۱۹، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۲/ ۱۸٥، رقم: ٥٦۳، المستدرك على الصحيحين للحاكم، قديم ۱/ ۷۲۱، كتاب الدعاء والتكبير، مكتبة نزار مصطفى الباز ۲/ ۷٥۰، رقم: ۱۹۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ررمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۷۶)

گھر ومکان کی پریشانی سے نجات دلانے والی دعا وعمل

سوال [۱۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری عمر اس وقت ۶۷ رسال ہے، میرے بچپن میں میرے بزرگ استاذ کہا کرتے تھے کہ: کوئی بھی گھر رہنے کے لئے خریدنا تو خوب جانچ پڑتال کر لینا۔ اور اگر کوئی سواری کے لئے گھوڑا خریدنا ہے، تو کوئی جانکار تجربہ کار کو ساتھ رکھ کر خریدنا چاہئے، اسی طرح اگر بیوی یا بہو لانی ہو تو بہت سوچ سمجھ کر اور غور وفکر سے رشتہ کرنا چاہئے، یہ تھے ان بزرگ کے الفاظ مجھے پہلے تو مکان کا تجربہ آیا، جس میں رات دن تلاوت کے باوجود خیر وبرکت کا نام نہیں، دوسرے نئی شادی ہونے پر بھی دس سال اولاد نہیں، مجبوراً وہ گھر بیچ ڈالا، لینے والے کا بہت بڑا کنبہ تھا، اس کی مالی حالت بھی کافی اچھی تھی، مگر سات سال میں پورے کنبہ میں سے ایک بڑھیا اور ایک لڑکا باقی رہا اور مالی حالت پر اللہ رحم فرمائے، اب بڑے لڑکے کا رشتہ نہ پایا اور اسی لڑکے کو کالا ناگ ڈس گیا، بڑی مشکل سے ٹھیک ہوا، پھر شادی ہوئی اور ٹھیک تین مہینے گذرنے پر ایک بچہ جو تیرنا نہیں جانتا تھا، ایک کنویں میں گر کر ختم ہو گیا، بچہ نمازی تھا اور ۲۲ رسال کی عمر تھی، صدمہ میں وہ کنواں والا باغیچہ گھر بیچ دیا اور اب ۷۰-۶۵ کلومیٹر دوری پر آکر بسا ہوں، لیکن پھر بھی وہی حال ہے، بڑا لڑکا تو شادی کے بعد ہی الگ

ہوگیا، بیوی کی چال میں آکر، اس طرح کی مسلسل پریشانیاں ہیں، کوئی علاج یا عمل تحریر فرمادیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: بابوقاسم احمدنگر مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہرنماز کے بعد ''یا لطیف'' ۱۱۱/مرتبہ اور ''یا سبوح یا قدوس'' ۲۵/مرتبہ اور روزانہ نماز فجر کے بعد یا نماز عشاء کے بعد یکسوئی کی حالت میں ''حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر'' ۱۱۱/مرتبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ آسانی ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۱۵ھ

ایک دعا کی تحقیق

سوال [۱۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درج ذیل دعا کے بارے میں تحریر فرمائیں کہ یہ کس موقع کی دعا ہے؟ حوالہ یا ماخذ کیا ہے؟ بتادیں، نوازش ہوگی۔

اللهم اقذف في قلبي رجائک واقطع رجائي عمن سواک حتی لا أرجو أحدا غیرک، اللهم وما ضعفت عنه قوتي وقصر عنه عملي ولم تنته إلیه رغبتي، ولم تبلغه مسألتي، ولم یجر علی لساني مما أعطیت أحدا من الأولین والآخرین من الیقین، فخصني به یا رب العالمین.

المستفتی: احسان احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کردہ دعا ان ہی الفاظ کے ساتھ اسی انداز سے ہمیں قرآن یا حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲/صفر ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۷۰/۳۸)	۱۴۳۱/۲/۲ھ

”أللهم صل علی محمد النبي الخ“ کے معمول کا نظام بنانا

سوال [۱۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھے بیٹھے جو درود شریف: ”**اللهم صل علی محمد النبي الخ**“ ۸۰/مرتبہ پڑھنے کا حکم ہے، ہم اپنی مسجد میں یہ نظام بنانا چاہ رہے ہیں کہ مسجد میں پہلے اعلان کر دیں کہ بھائی عصر کے بعد تسبیح فاطمہ اور دعا سب ہی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پڑھتے رہیں، اگر چند منٹ اور ٹھہر جائیں کہ پہلے تسبیح فاطمہ پڑھ لیں، پھر اسی مرتبہ یہ درود پڑھ لیں، پھر دعا کر کے سب اٹھ جائیں، اگر کسی کو تقاضہ ہو تو وہ صرف تسبیح فاطمہ پڑھ کر اپنی دعا مانگ کر بھی جا سکتا ہے، ہم ایسا کرنا چاہ رہے ہیں، تاکہ اس درود شریف کے ثواب میں سب ہی شریک ہو جائیں، تو کیا ہمارا یہ نظام بنانا صحیح ہے، بدعت وغیرہ تو نہیں ہوگا؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی، امام مدنی جامع مسجد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ”**أحب الأعمال إلی اللّٰہ أدومها**“ (صحيح مسلم، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره، النسخة الهندية ١/ ٢٦٦، بيت الأفكار، رقم: ٧٨٣، صحيح بخاري، باب القصد والمداومة على العمل، النسخة الهندية ٢/ ٩٥٧، رقم: ٦٢١٦، ف: ٦٤٦٥) کے مطابق سابقہ معمول ہی بہتر

ہے۔اور مذکورہ نظام بنا کر ایک امرِ مستحب پر اصرار کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ لوگوں کے لئے حصولِ ثواب کا جذبہ قابل قدر ہے؛ لہٰذا اپنے وعظ وتقریر میں اس کے فضائل بیان کریں، نظام بنانا درست نہیں ہے۔

من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۳۱/۳۸)

ٹی وی دیکھتے ہوئے ذکر کرنا

سوال [۱۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ٹیلی ویژن دیکھنا ایک عام عادت بن گئی ہے اور اسے دیکھنے میں حالات حاضرہ، طبی صحت سے متعلق معلوماتی پروگرام، نیز مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہنے کی مصلحتیں بھی بیان کی جاتی ہیں، کم از کم خبریں دیکھنے میں تو شرعی لباس وحلیہ کے پابند مسلمانوں کے علاوہ بعض علماء کرام بھی زیادہ قباحت محسوس نہیں کرتے، ایسے ہی بعض حضرات کو دیکھا گیا کہ ٹیلی ویژن دیکھتے ہوئے تسبیح ہاتھ میں لے کر ذکر اللہ کرتے رہتے ہیں، یا ذکر قلبی فرماتے ہیں، از راہ کرم آگاہ فرمائیں کہ:

(۱) ٹیلی ویژن دیکھتے ہوئے ذکر اللہ کرنا کیسا ہے؟

(۲) مذکورہ بالا مصلحتوں کی وجہ سے ٹیلی ویژن کے ان مخصوص پروگراموں کو دیکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: فیضان الحق ۱۵۰/ ۸را برارلوج محلّہ
چوب فروشان، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱)ٹی وی دیکھتے ہوئے ذکر کرنا جائز نہیں،ذکر کرنے والا گنہگار ہوگا؛ اس لئے کہ اس میں ذکر اللہ کا استہزاء اور توہین ہے۔

وقد يأثم بالتسبيح، والتحميد، وقرأة القرآن، والأحاديث النبوية، وعلم الفقه إذا فعله في مجلس الفسق، وهو يعلمه لما فيه من الإستهزاء، والمخالفة لموجبه. (عالمگیری، کتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلوة والتسبيح، زكريا قديم ٥/ ٣١٥، جديد ٥/ ٣٦٣، ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٩، ومثله في الدر المنتقى، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٩)

(۲) سوال نامہ میں ذکر کردہ ٹی وی کی مصلحتیں مثلاً حالات حاضرہ سے متعلق اور طب وصحت سے متعلق معلومات حاصل کرنا، نیز مسلمانوں کے حالات معلوم کرنا وغیرہ کے پیش نظر ٹی وی دیکھنا جائز نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ ٹی وی آلہ لہو ولعب ہے؛ لہٰذا اس کی آواز سننا، اس کے سامنے بیٹھنا اور اس سے دلچسپی لینا جائز نہیں۔ اور دنیا کی خبریں حاصل کرنے کے لئے ریڈیو اور اخبارات کافی ہیں؛ اس لئے ٹی وی کے حیا سوز پروگراموں کے ذریعہ سے دنیا کی خبریں حاصل کرنا ضروری نہیں۔

وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب، ونحوه حرام لقوله عليه السلام: استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر، أي بالنعمة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ٩/ ٥٠٤، كراچی ٦/ ٣٤٩، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثامن عشر في الغناء واللهو، زكريا ١٨/ ١٨٩، رقم: ٢٨٤٦٦، البناية، كتاب الكراهية، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٢/ ٨٨، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۸ھ

ایک ہی صفحہ پر دعائے طعام اور گائتری منتر لکھنا

سوال [۱۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے اسکول میں ہندو مسلم سبھی بچے پڑھتے ہیں اور سبھی وقفہ میں کھانا کھاتے ہیں، تو کیا ہندو بچوں کے واسطے بھوجن منتر اور گائتری منتر اور مسلم بچوں کے واسطے دعائیں ایک ہی صفحہ پر شائع کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم بچوں کے واسطے عربی رسم الخط میں دعائیں شائع کرنا جائز اور درست ہے۔ اور غیر مسلم بچوں کے واسطے بھوجن منتر اور گائتری منتر وغیرہ شائع کرنا جائز نہیں، نیز اسی کتاب یا کاغذ میں شائع کرنا اور بدتر ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ. [سورة الممتحنة، آیت: ۱]

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۹ھ

روضۂ اقدس پر ہلکی آواز میں درود پڑھنا

سوال [۱۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: روضۂ اقدس پر جو زائرین سلام پیش کرتے ہیں، ان کی آواز اتنی پست ہوتی ہے کہ قریب تر شخص کو بھی سنائی نہیں دیتی، تو کیا یہ ہلکی آواز میں سلام پیش کرنا تقریباً ۲ر یا ۳ر میٹر دور آقا صلی اللہ علیہ وسلم سن لیتے ہیں؟ مسجد نبوی شریف میں کسی بھی جگہ سے آکر مؤدب ہوکر سلام پیش کریں، تو کیا وہ سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیا آقا صلی اللہ علیہ

وسلم کی سماعت کے بارے میں کوئی حد متعین ہے؟ اگر نہیں تو کیا ہندوستان میں رہ کر تصور میں مواجہ شریف پر حاضر ہو کر سلام پیش کرنا درست ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد، مسجد مولانا والی تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں حضرت سید الکونین علیہ السلام کا ارشاد مروی ہے کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے آس پاس کھڑے ہو کر درود وسلام پیش کرے گا، وہ آپ براہ راست سنتے ہیں۔ اور اس حدیث شریف میں زور کی آواز اور ہلکی آواز کے درمیان کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ جو بھی وہاں کھڑے ہو کر سلام پیش کرے گا وہ آپ سنتے ہیں؛ اس لئے کہ زندگی کی سماعت اور حیات برزخی کی سماعت کو یکساں نہیں کہا جاسکتا، دنیوی زندگی میں سامنے بیٹھ کر ہلکی آواز سے جو سلام پیش کیا جاتا ہے، وہ نہیں سنا جاتا؛ لیکن برزخی زندگی میں وہ بھی سنا جاسکتا ہے، اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک کے اندر اشارہ فرمایا ہے۔ اور قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام پیش نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ دور سے پیش کیا جاتا ہے، چاہے مسجد نبوی کے اندر ہی دور سے پیش کیا جاتا ہو، اس کو آپ براہ راست نہیں سنتے ہیں؛ بلکہ فرشتوں کے واسطے سے پہنچایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے متعین ہیں، جو آپ کو دور سے سلام پیش کرنے والوں کا سلام آپ کو پہنچاتے ہیں، اسی طرح مدینۃ المنورہ میں کسی جگہ بیٹھ کر یا جزیرۃ العرب میں کسی بھی جگہ سے سلام پیش کیا جائے یا ہندوستان یا پوری دنیا کے کسی بھی کونے سے سلام پیش کیا جائے وہ آپ کی خدمت بارگاہ میں فرشتوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے، جس کی صراحت حدیث شریف میں موجود ہے، نیز ہندوستان میں رہ کر اپنے آپ کو مواجہ شریف کے پاس تصور کر کے سلام پیش کرنا روضۂ اطہر کے پاس سلام پیش کرنے کے مرادف نہیں ہے۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن للّٰہ ملائکة سیاحین في الأرض یبلغوني عن أمتي السلام. (شعب الإیمان، قبیل فصل في

معنى الصلاة ......، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢١٨، رقم: ١٥٨٢، نسائي، باب السلام على النبي ﷺ، النسخة الهندية ١/ ١٤٣، دارالسلام، رقم: ١٢٨٢، مسند دارمي، دارالمغني ٣/ ١٨٢٦، رقم: ٢٨١٦، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ٢١٥، رقم: ٣١١٦)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائبا أبلغته. (شعب الإيمان، قبيل فصل في معنى الصلاة ......، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢١٨، رقم: ١٥٨٣، مشكوة شريف ١/ ٨٧)

عن مجاهد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنكم تعرضون علي بأسمائكم، فأحسنوا الصلاة علي. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ٢١٤، رقم: ٣١١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/۷/۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۵۱)	۱۰/۷/۱۴۲۷ھ

حضور ﷺ کے اسم مبارک پر کہاں کہاں درود پڑھا جائے؟

سوال [۱۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب رسول اکرم ﷺ کا نام نامی آئے، تو درود شریف پڑھنا چاہئے؛ لیکن نماز کی تکبیر، خطبہ جمعہ اور نماز میں جہر سے جب امام پڑھ رہا ہو، یا دوران نماز کوئی دوسرا شخص آپ ﷺ کا نام لے تو درود شریف نہیں پڑھنا چاہئے، آپ ﷺ تفصیل سے ارشاد فرمائیں کہ کہاں کہاں درود شریف پڑھنا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان اور تکبیر کے بارے میں حکم شرعی یہی ہے کہ مؤذن جو الفاظ بولتا جائے وہی الفاظ سامعین بھی کہتے جائیں، جب مؤذن "**أشهد أن محمدا**

رسول الله'' کہے تو سامعین بھی ''أشهد أن محمدا رسول الله'' ہی کہیں، اسی طرح نماز کی تکبیر میں بھی کہے، اس میں درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں ہے، اسی طرح نماز کے دوران بالکل خاموشی اختیار کرنے کا حکم ہے، جب امام ایسی سورت کی قراءت کرے، جن سورتوں میں آپ ﷺ کا نام صراحت کے ساتھ آیا ہوا ہے، تو امام کی قراءت کے دوران مقتدی حضرات درود شریف نہیں پڑھیں گے، اسی طرح خطبہ جمعہ کے دوران آپ ﷺ کا نام مبارک آجائے تو دل دل میں پڑھے، زبان سے تلفظ کے ساتھ درود شریف نہ پڑھے۔ سائل نے یہ بھی پوچھا ہے کہ کس کس موقع پر درود شریف نہیں پڑھنا چاہئے، تو اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ بیوی سے ہمبستری کے وقت، قضائے حاجت کے وقت، تعجب کے وقت، یا کبھی ٹھوکر لگ جائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے، ان مواقع پر درود شریف نہیں پڑھا جائے گا؛ بلکہ ''انا لله وانا اليه راجعون'' پڑھا جائے گا، وغیرہ۔

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قال المؤذن: الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر، الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة الخ. (مسلم شريف، باب ما يقول مثل قول الموذن لمن سمعه، ثم يصلي على النبي ﷺ، النسخة الهندية ١/ ١٦٧، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٥، سنن أبي داؤد، باب مايقول إذا سمع المؤذن، النسخة الهندية ١/ ٧٧، دارالسلام، رقم: ٥٢٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١/ ٣٨٣، رقم: ٢٥٨، مصنف عبدالزاق، المجلس العلمي ١/ ٤٧٨، رقم: ١٨٤٣)

وإجابة الإقامة مستحبة ...... وفي سائر الكلمات يجيب كما يجيب في الأذان. (هندية، الباب الثاني، في الأذان، الفصل الثاني في كلمة الأذان، مكتبه زكريا قديد ١/ ٥٧، جديد ١/ ١١٤، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، دارالكتاب، ديوبند/ ٢٠٣)

تكره الصلاة عليه في سبعة مواضع: الجماع، وحاجة الإنسان، وشهرة المبيع، والعثرة، والتعجب، والذبح، والعطاس ...... أقول: يستثنى أيضا ما لو ذكره أو سمعه في القراءة، أو وقت الخطبة لوجوب الإنصات، والاستماع فيها. (شامي، آداب الصلوة، مطلب في المواضع التي تكره فيها الصلاة على النبي ﷺ، زكريا ۲/ ۲۳۱، ۲۳۲، كراچی ۱/ ۵۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۱۱۲۲۹)

سب سے افضل درود

سوال [۱۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کون سا درود افضل ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں: ''صلی اللہ علیہ وسلم'' افضل ترین درود ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ''درود ابراہیمی'' افضل ہے، ان دونوں درود میں سے کون سا درود افضل ہے؟

المستفتی: مولانا عبد الماجد ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سب سے افضل ترین درود شریف ''درود ابراہیمی'' ہے، جو نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ (مستفاد: فضائل درود شریف/ ۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/شوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۲۴ھ

''اللهم صل على سيدنا مولانا محمد وعلى وآل سيدنا مولانا محمد''

سوال [۱۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہمارے بنگال کے مقررین حضرات اپنی تقریر میں درود شریف کے طور پر ''**اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد وعلی آل سیدنا مولانا محمد**'' ہی کو پڑھتے ہیں، کیا یہ درود شریف حدیث شریف میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس کو درود کے طور پر پڑھنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ایوب ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ حدیث کی کتاب میں درود شریف نہیں ملتی؛ البتہ الگ الگ الفاظ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ (فضائل اعمال، فضائل درود شریف ۱/ ۷۰۶، ۱/۷۰۷، ۷۳۶، ۷۳۸)

اوران کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۴۹/۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱۱ھ

روضۂ اقدس پر حضور ﷺ سے تزکیہ کے لئے کہنا

سوال [۱۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت رسول اکرم ﷺ -فداہ ابی وامی- اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں اور یہ حیات حسی اورجسمانی ہے۔ علماء دیوبند کا یہ عقیدہ ہے، جس کی ترجمانی حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصیف ''سیرۃ المصطفی'' (۲/ ۴۰۹) میں بعنوان: ''حیات نبوی'' میں فرمائی ہے، چنانچہ اسی عقیدہ کے تحت روضۂ مقدسہ پر شفاعت کی درخواست اور دیگر دعائیں بارگاہ ایزدی میں آپ کی وساطت سے مانگی جاتی ہیں، مناسک کی کتابوں میں مختصر ومفصل دعاؤں کا تذکرہ موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ: روضۂ اقدس کی حاضری پر کیا کوئی بندہ یہ درخواست پیش کرسکتا ہے کہ ''اے

اللہ کے رسول! آپ میرا تزکیہ فرما دیجئے‘‘ اور بطور استشہاد آیت قرآن: ’’**یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة**‘‘ پیش کرے، جو بندہ مذکورہ عقیدہ پر مصر ہو، اس کا شرعی حکم بھی بیان فرمانے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرشید عفی عنہ نعمانی، دارالافتاء والارشاد اندھیری، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روضۂ اقدس پر حاضری کے موقع پر یہ دعا کرنا کہ ’’اے اللہ کے رسول! آپ میرا تزکیہ فرما دیجئے‘‘ اور اس کے لئے سوال نامہ میں ذکر کردہ آیت قرآنی سے استدلال کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ آیت قرآنی میں تزکیہ سے مراد ایسے امور کی طرف دعوت دینا ہے، جن کے ذریعہ سے انسان کی ظاہری اور باطنی خرابیوں کا تزکیہ ہو جائے؛ لہٰذا آپ ﷺ کی بیان کردہ تعلیمات پر عمل کرنے سے خود بخود تزکیہ ہو جائے گا۔ اور آپ ﷺ کا قبر اطہر میں باحیات ہونا اور آپ ﷺ کے واسطہ سے بارگاہ ایزدی میں دعا مانگنا جائز ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ براہ راست تزکیہ کردیں گے؛ بلکہ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما کر تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کی طرف سے تزکیہ کے لئے قرآن کریم، احادیث رسول وغیرہ جو آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں، ان پر عمل کرنا کافی ہے، اسی کا نام اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے تزکیہ ہے، پھر یہ سمجھنا کہ قبر اطہر پر سوال کرنے سے تزکیہ ہو جائے گا، یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے سے گریز کرنے کا بہانہ ہے، جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف ہے۔

’’ویزکیهم‘‘ أي یدعوهم إلی ما یکونون به زاکین طاهرین مما کان فیهم من دنس الجاهلیة، أو من خبائث الإعتقاد الفاسدة، کالإعتقادات التي کان علیها مشرکوا العرب، وأهل الکتابین. (روح المعاني زکریا ۳/ ۱۷۸، جزء رابع) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۲۸)

جماع اور رفعِ حدث کی حالت میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا

سوال [۱۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسے شخص کے بارے میں کہ جب بھی آنحضور ﷺ کا نام ٹیپ ریکارڈ پر یا کسی آدمی کی زبان پر آتا ہے، تو اس کی زبان پر بلا اختیار درود شریف آنکلتی ہے۔ اور جب اسے یاد آتا ہے کہ ہم جماع کی حالت میں ہیں، یا رفع حدث کی حالت میں ہیں، تو آدھی درود شریف پڑھ چکا رہتا ہے اور وہ شب وروز اس کے اندر مبتلا ہے۔

المستفتی: محمد امیر اللہ دیوریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سات مواقع ایسے ہیں جن میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا مکروہ ہے، جن میں سوال میں ذکر کردہ صورتیں بھی شامل ہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

تکره الصلاة عليه في سبعة مواضع: الجماع، وحاجة الإنسان، وشهرة المبيع، والعثرة، والتعجب، والذبح، والعطاس ...... أقول: يستثنى أيضا ما لو ذكره أو سمعه في القراءة، أو وقت الخطبة لوجوب الإنصات، والاستماع فيها. (شامي، آداب الصلوة، مطلب في المواضع التي تكره فيها الصلاة على النبي ﷺ، زكريا ۲/ ۲۳۱، ۲۳۲، كراچی ۱/ ۵۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۰)

''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جگہ ادھورا درود پڑھنا

سوال [۱۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم، اپنے وعظ وتقریر میں یا کسی دینی کتاب کو پڑھ کر

سنانے میں اس کی زبان پر جب بھی حضور سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آئے اور پھر وہ درود شریف کے الفاظ کو عجلت میں یا غفلت میں یا عادت سے مجبور ہو کر یعنی ''صلی اللہ علیہ وسلم''، یا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے بجائے: ''**سل سلم، صل سلم، صا سلم، صسلم، سلم، صلعم، صل الله عليه وسلم، ساسم، سسم**'' وغیرہ جیسے الفاظ ادا کرے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم صادر ہوتا ہے؟

المستفتی: فہیم احمد خان عالم باغ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی جب سنا جائے یا زبان پر آئے تو ایک مجلس میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ اور بار بار پڑھنا مستحب ہے۔

تجب في كل مجلس مرة وإن تكرر ذكره مرارا. (روح المعاني، سورة الأحزاب، تفسير الآية: ٥٧، مكتبه زكريا ١٢/ ١١٧)

ایسی صورت میں مکمل درود شریف یعنی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھنا چاہئے، اسے بگاڑ کر پڑھنا یا مخفف کر کے پڑھنا ادب کے خلاف ہے۔ اور اس پر کسی ثواب کی امید نہیں ہے؛ بلکہ یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔

قوله تعالى: فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ. [سورة البقرة: ٥٩] **يحتج بها في ما ورد من التوقيف فى الأذكار والأقوال، بأنه غير جائز تغييرها ولا تبديلها إلى غيرها.** (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، تفسير الآية: ٥٩، مكتبه سهيل أكيڈمى لاهور ١/ ٣٣، زكريا ١/ ٣٨)

وبيان الحكمة في نهيهم ...... وهي الملل من العبادة والتعرض للتقصير في بعض وظائف الدين من إتمام الصلاة بخشوعها وأذكارها وآدابها وملازمة الأذكار وسائر الوظائف المشروعة في نهاره وليله والله

أعلم. (شرح النووي، كتاب الصوم، باب النهي عن الوصال ١/ ٣٥١، رقم: ١١٠٢)

فحاصل هذا كله أن الأولى والأخرى في الصلوة، وسائر الأذكار، والدعوات أن يتبع فيها الألفاظ الوارده الماثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم. (أحكام القرآن، سورة الأحزاب، تفسير الآية: ٥٦، مكتبه أشرفي ديوبند ٥/ ٣٢١، المستفاد: معارف القرآن ٧/ ٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹٦۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱/۱۴۲۷ھ

ایک درود شریف اور اس کی تحقیق

سوال [۱۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک درود شریف یعنی "**صلى الله على النبي الأمي وآله صلى الله عليه وسلم صلوة وسلاما عليك يا رسول الله**" اس درود شریف کی بیشمار فضیلتیں ہیں، پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد مدینہ منورہ کی طرف منہ کرکے ایک سو ایک بار پڑھیں، چند جمعہ بھی نہ گذرنے پائیں گے کہ اس کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے، یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ پڑھنے والے بے سروسامانی کے باوجود حج بیت اللہ اور زیارت حبیب اللہ سے مشرف ہوئے۔ آپ اس کی تصدیق فرمادیں، بے حد احسان ہوگا۔

المستفتی: بیگم جہاں، محلّہ بھٹی محمد شاکر صاحب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذخیرۂ احادیث میں کوئی درود شریف ایسی نہیں ہے اور نہ ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے؛ البتہ جمعہ کے دن ایک درود شریف بعد نماز عصر اسی (۸۰) مرتبہ پڑھنا حدیث میں آتا ہے، جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

أللهم صل على محمد النبي الأمي وعلى آله وسلم تسليما.

وفي لفظ عند ابن بشكوال من حديث أبي هريرة أيضا ”من صلى صلاة العصر من يوم الجمعة، فقال قبل أن يقوم من مكانه: ”أللهم صل على محمد النبي الأمي وعلى آله وسلم تسليما“ ثمانين مرة، غفرت له ذنوب ثمانين عاما، وكتبت له عبادة ثمانين سنة. (القول البديع، باب الصلوة عليه في يوم الجمعة وليلتها، مطبع دارالكتب العلمية، بيروت، ص: ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱/۱۴۲۰ھ

ایک درود سے متعلق سوال

سوال [۱۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض خدمت ہے کہ احقر مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہے، سلوک میں شیخ نور الہدیٰ مالیگاؤں قدس سرہ سے بیعت ہوکر سلاسل ستہ میں نقشبندیہ کے اصول پر طریق اندراج النہایۃ فی البدایہ کے مطابق القائی طرز پر تعلیمات حاصل کرکے اپنے شیخ قدس سرہ سے خلافت پائی، اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد یونس صاحب، شیخ الحدیث مظاہر علوم کے حکم پر طویل مدت جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، اسی دور میں اپنے شیخ کی سوانح حیات ۱۵۲/صفحات پر مشتمل ”حیات اہل دل“ کے نام سے لکھی تھی، جو ۱۹۹۲ء میں جامعہ اکل کوا کے شعبہ نشر واشاعت سے شائع ہوئی تھی۔

ہمارے سلسلے میں لطائف عشرا اور کچھ دوائر کی تعلیم کے بعد درود اہل بیت بتایا جاتا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

أللهم صل على سيدنا محمد وعلى أهل بيته علي والحسن والحسين وفاطمة الزهراء وعلى ولدها الصالح.

مجھے اس درود شریف پر علمی اشکال یہ ہے کہ اس میں شیعوں کے عقیدہ پنج تن کی جھلک پائی جاتی ہے، جو ہم اہل سنت کے لئے انتہائی غیر مناسب ہے؛ اس لئے میں نے اپنے شیخ کی اجازت سے اس میں ''أهل بيته'' کے بعد صرف ایک ''واؤ'' کا اضافہ کر کے پڑھنا شروع کیا اور اپنے متوسلین کو بھی اسی طرح پڑھنے کی ہدایت کرتا رہا۔

مشائخ سلسلہ ان کے خلفاء ومتوسلین سب ہی میرے درود اہل بیت میں تغیر واضافہ کی نہ صرف شدید مذمت کر رہے ہیں؛ بلکہ میری سخت مخالفت بھی کر رہے ہیں، اس جم غفیر کا کہنا ہے کہ یہ درود شریف سلسلے میں صدیوں سے معمول بہ ہے، سلسلے میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، عبدالعزیز محدث دہلویؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسے اکابر گذرے ہیں جو علم دین کے بہت بلند مقام پر تھے، ان سب نے اصل الفاظ کے ساتھ درود مذکور کو اپنا معمول بنائے رکھا، کسی نے اس پر کوئی اشکال واعتراض کر کے درود شریف میں اضافہ نہیں کیا، حالانکہ یہ تمام اکابر علم میں آپ سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔

درود شریف میں میرے اضافہ اور اشکال یا اعتراض کی وجہ سے سلسلے کے مشائخ میری نسبت باطنی کے سلب ہو جانے کی دھمکی بھی دیتے ہیں۔

سلسلے کے مشائخ واکابر کے مطابق انیسوی صدی کے اواخر میں حافظ حامد حسن علویؒ نے سلسلے کی تعلیمات کو کتابی شکل میں شائع کیا تھا؛ لیکن طباعت سے قبل مسودہ رئیس المحدثین علامہ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ اور حضرت مولانا عبداللطیفؒ کی خدمت میں مطالعہ کے لئے دیا تھا، کہ اس میں کوئی چیز شریعت کے خلاف ہو تو نشان دہی فرما دیں، تاکہ اصلاح کر لی جائے؛ لیکن ان اکابر نے بھی درود اہل بیت کو بحالہ رکھا، اس پر کچھ اعتراض بھی نہ کیا، اپنے سلسلے کے اکابر ومشائخ کے دلائل کے باوجود درود اہل بیت پر میرا اشکال اپنی جگہ باقی ہے، حل نہیں ہوا، میرے ناقص علم کے مطابق اہل سنت کے نزدیک، اہل بیت کی اولین مصداق امہات المؤمنین ہیں۔ اور حدیث رداء کی بنا پر حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم ضمناً اس میں داخل ہیں۔ (دیکھئے آیت تطہیر، سورۂ احزاب)

لہٰذا گزارش ہے کہ مجھے بتایا جائے کہ شرعاً میں اپنے علم پر عمل کرتے ہوئے خود کردہ اضافہ کے ساتھ درود اہل بیت پڑھ کر مشائخ کے مشائخ کا شکار ہوں، دریں صورت میں گنہگار تو نہ ہوں گا؟ اور میری نسبت باطنی اکابر سلسلے کے مطابق سلب تو نہیں ہوجائیں گی؟ یا پھر مجھے مکتوب ہذا کا بنظر غائر مطالعہ فرما کر اور تمام جزئیات کو ذہن میں مستحضر رکھ کر شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: قاضی سعید الدین، مظاہری مجددی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس درود کے متعلق سوال نامہ میں لکھا گیا ہے، وہ درود شریف حدیث سے منقول نہیں ہے، ہاں البتہ منقول درود شریف کے مفہوم کے دائرہ میں داخل ہوسکتا ہے۔ اور یہ بات بھی درست ہے کہ اس کے الفاظ سے شیعیت کی بو آتی ہے۔ اور جن اکابر نے اس مذکورہ درود پر نکیر نہیں فرمائی ہے، اس کی وجہ وہی ہے جو سوال نامہ میں لکھی گئی ہے کہ درود اہل بیت کا مفہوم حدیث رداء کے ذریعہ سے سوال نامہ میں مذکور درود کو بھی درود اہل بیت کے دائرے میں سمجھا جاسکتا ہے، مگر صحیح اور بہتر بات یہی ہے کہ امت کے اپنی طرف سے بڑھائے اور بنائے ہوئے الفاظ کو بطور وظیفہ پڑھنے کے بجائے حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک سے بطور ترغیب جن الفاظ کے ساتھ اہل بیت پر درود وارد ہوا ہے، ان ہی کو وظائف کے طور پر معمول بنانا چاہئے؛ لہٰذا آپ جھگڑے میں پڑنے کے بجائے حضرت سید الکونین علیہ السلام سے منقول درود اہل بیت کو معمول بنالیں، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ ''ابوداؤد شریف'' اور ''شعب الایمان'' کے حوالہ سے درود اہل بیت آپ کی خدمت میں پیش ہے، اسی کو اپنے معمولات میں شامل فرمالیں اور کسی کے جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من سره أن يكتال بالمكيال الأوفى إذا صلى علينا أهل بيت فليقل:

أللهم صل على محمد النبي وأزواجه أمهات المؤمنين وذريته وأهل بيته، كما صليت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد. (أبوداؤد شريف، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد التشهد، النسخة الهندية ١/ ١٤١، دارالسلام، رقم: ٩٨٢، شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٨٩، رقم: ١٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۸۶)

درود ابراہیمی کا پہلا ٹکڑا پڑھنے سے سنت کی ادائے گی کا حکم

سوال [۱۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درود ابراہیمی کا پہلا ٹکڑا پڑھ لیا اور دوسرا نہیں پڑھا، تو کیا وظائف یا اس کے علاوہ اس طرح پڑھ سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: التحیات کے بعد کوئی بھی درود پڑھنا مسنون ہے۔ اور درود ابراہیمی پڑھنا افضل ہے، اگر ایک حصہ بھی پڑھ لیا تب بھی سنت ادا ہو جائے گی؛ اس لئے کہ درود ابراہیمی کا ایک حصہ بھی مکمل ایک درود شریف ہے، نیز درود ابراہیمی کے الفاظ مختلف انداز سے وارد ہوئے ہیں، جن میں سے بعض مفصل اور بعض مختصر ہیں۔ اور بعض روایات میں مختلف الفاظ سے ایک حصہ بھی وارد ہوا ہے۔ اور نماز میں مطلقاً کوئی بھی درود پڑھنا کافی ہے۔ اور درود ابراہیم پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اور درود ابراہیمی کا ایک حصہ بھی درود ابراہیمی ہی ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

أللهم صل على محمد النبي وأزواجه أمهات المؤمنين وذريته وأهل بيته، كما صليت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد. (أبوداؤد

شريف، الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد التشهد، النسخة الهندية ۱/ ۱٤۱، دارالسلام، رقم: ۹۸۲، شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۸۹، رقم: ۱۵۰٤)

وقيل: إن التشبيه وقع على الآل لا على النبي عليه السلام، فكان قوله: اللهم صل على محمد مقطوعا من التشبيه، وتم الكلام عنه. (منحة الخالق على البحر ۱/ ۳۲۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه رشيديه كوئٹه پاكستان، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٥٧٤)

وأقل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وآله اللهم صل على محمد وعلى آله الزيادة إلى مجيد سنة. (الفقه الإسلامي ۱/ ٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:....../۸۶۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۴ھ

اجتماعی طور پر آیت کریمہ یا درود شریف وغیرہ کا سلسلہ جاری کرنا

سوال [۱۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں یا کسی اور مقام پر کسی ایک دن اور کسی ایک نماز کے بعد اجتماعی طور پر آیت کریمہ، درود شریف یا کوئی اور وظیفہ مسلسل جاری رکھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: منجانب اہلیان محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم کی تلاوت، درود شریف اور دیگر وظائف واذکار کا معمول بنالینا ہر مسلمان کے لئے باعث سعادت وخوش قسمتی ہے اور مشائخ اور بزرگوں کے تلقین کردہ ہدایت کے مطابق جاری رکھنا مناسب ہے اور یہ سب کے سب انفرادی اعمال میں سے ہیں؛ لیکن آیت کریمہ، درود شریف یا وظائف کے لئے مسجد یا کسی خاص مکان پر ہفتہ وارانہ یا مہینہ کے کسی دن کو متعین کرکے اجتماعی طور پر کرنے کو معمول بنالینا

کہیں سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مسلمانوں پر عمومی طور پر کوئی مصیبت آن پڑے یا کوئی حادثہ پیش آجائے، تو ایسے حالات میں وقتی طور پر کوئی ایسا عمل اجتماعی طور پر کرکے دفع بلا کے لئے دعا کرانے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور حدیث میں یہ جو وارد ہوا ہے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...... ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله، يتلون كتاب الله، ويتدارسونه بينهم، إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة، وذكرهم الله فيمن عنده. (مسلم شريف، كتاب الذكر، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، النسخة الهندية ٢/ ٣٤٥، بيت الأفكار رقم: ٢٦٩٩، مشكوة /٣٢-٣٣)

اس حدیث پاک میں قرآن شریف کی تعلیم اور تدریس کا ذکر ہے، اس سے اس بات پر استدلال بے موضوع ہے کہ ہفتہ میں کسی ایک دن کی تعیین کرکے اس میں کسی ایک متعین آیت کریمہ کی تلاوت کی جائے یا کسی اور مقررہ وظیفہ کا ورد کیا جائے؛ بلکہ اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مستفاد:

عن أبي الدرداء –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أبا الدرداء! لا تختص ليلة الجمعة بقيام دون الليالي، ولا يوم الجمعة بصيام دون الأيام. (مسند أحمد ٦/ ٤٤٤، رقم: ٢٨٠٥٧، وهكذا في صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب كراهية أفراد يوم الجمعة بصوم، النسخة الهندية ١/ ٣٦١، بيت الأفكار، رقم: ١١٤٤)

ولأن ذكر الله تعالىٰ إذا قصد به تخصيص بوقت دون وقت أو بشيء دون شيء لم يكن مشروعاً حيث لم يرد به الشرع؛ لأنه خلاف المشروع. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين، زكريا ٢/ ٢٧٩، كوئٹھ ٢/ ١٥٩)

فإذا ندب الشرع مثلاً إلى ذكر الله فالتزم قوم الاجتماع على لسان واحد وبصوت واحد، وفي وقت معلوم مخصوص عن سائر الأوقات لم يكن

في نـدب الشرع ما يدل على هذا التخيص الملتزم بل فيه ما يدل على خلافه. (الاعتصام ۱/ ۳۳۵، بحواله راه سنت /۱۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۶/۱۴۳۱ھ

ہر روز ''سورہ یٰسین'' ختم کرنے کے بعد دعا کرنا

سوال [۱۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسے میں طلبہ اور استاذ کو اس بات کا مکلّف بنانا کہ ہر روز سورہ یٰسین ختم کرنے کے بعد دعا ہوگی، ایسا کرنا بدعت تو نہیں کیوں کہ سورہ یٰسین تو مصائب کو دفع کرنے کے لئے پڑھتے ہیں اور مدرسے میں ہر روز مصائب تو آتے نہیں، اگر کبھی کبھی پڑھ لیا جائے تو درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد، غازی یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سورہ یٰسین شریف صبح وشام پڑھنے کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے؛ لہٰذا اس کا عادی بنانے کے لئے اگر طلبہ اور اساتذہ کو روزانہ اسے پڑھنے کا مکلّف بنایا جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، اسے بدعت نہیں کہا جائے گا، اور کوئی شخص اگر کسی دن کسی عذر کی وجہ سے سورہ یٰسین نہ پڑھ سکے تو نہ تو وہ گنہگار ہوگا اور نہ اس پر نکیر کرنے کی اجازت ہوگی۔

عن عطاء ابن أبي رباح قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قرأ يسٓ في صدر النهار قضيت حوائجه. (سنن دارمي كانپور/ ٤٣٥)

قال ابن عباس: من قرأ يسٓ حين يصبح أعطي يسر ...... حتى

یمسي، ومن قرأها في صدر لیلته أعطی یسر لیلته حتی یصبح. (سنن دارمي، نظام درس کانپور /۴۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ...../۹۲۲۰)

جب موت کی یاد ستائے تو کیا کرے؟

سوال (الف) [۱۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب کسی کا انتقال ہوتا ہے، تو اپنی موت بھی قریب دیکھائی دیتی ہے اور نبی پاک علیہ السلام کے ارشادات جو آخرت کی سختیوں سے متعلق ہیں، وہ روبرو ہوکر پریشان کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ قلب دنیا سے بے تعلق جیسا ہوجاتا ہے، کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ تنہاء راستہ چلتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ ملک الموت پیچھے پیچھے ہیں، جس سے دل بہت پریشان ہوجاتا ہے، کسی کام میں طبیعت نہیں لگتی، کیا میرا یہ معاملہ قریب الموت ہونے کی طرف اشارہ تو نہیں ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟ از یں قبل خاکسار کی نسبت حضرت باندوی نور اللہ مرقدہ سے تھی، فی الحال خالی ہے۔

المستفتی: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کثرت کے ساتھ موت کو یاد کرنا ایمانی عقلمندی ہے۔ **فأي المؤمنین أکیس؟ قال: أکثرهم للموت ذکرا، وأحسنهم له استعدادا. الحدیث** (مستدرک ۸/۳۰۷۹، رقم: ۸۶۲۳) اور اللہ کا ذکر کرتے رہیں اور یہ دعا کثرت سے پڑھیں:

اللهم أعني علی ذکرک وشکرک، وحسن عبادتک. (مسند إمام أحمد ۵/ ۲۴۵، رقم: ۲۲۴۷۰، ۲۲۴۷۷، أبوداؤد، النسخة الهندیة ۱/ ۲۱۳، الأدب المفرد، دارالکتب العلمیة بیروت ۲۰۶، رقم: ۶۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵/ ۷۱۱۱)

سجدہ کی حالت میں دعا مانگنے کا ثبوت

سوال (ب) [۱۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ شریعت میں پانچ سجدے مشروع ہیں: سجدۂ صلاۃ، سجدۂ سہو، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر، سجدۂ دعا۔ اور بکر پانچویں سجدۂ دعا کا انکار کرتا ہے، نیز یہ کہتا ہے کہ دعا کا یہ طریقہ مشروع نہیں ہے اور نہ الفاظ عربی کے علاوہ کسی زبان میں دعا کی جا سکتی ہے، فریقین کا یہ دعویٰ کس حد تک درست ہے اور کون حق بجانب ہے؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی حالت میں دعا فرمائی ہے، جیسا کہ مستدرک حاکم اور سنن کبریٰ نسائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق صحیح سند سے ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن علي بن أبي طالب قال: لما كان يوم بدر قاتلت شيئا من قتال، ثم جئت مسرعا لأنظر غلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما صنع، فجئت فأجده وهو ساجدا يقول: يا حي يا قيوم، لا يزيد عليها فرجعت إلى القتال، ثم جئت وهو ساجد يقول ذلک، ثم جئت إلى القتال، ثم جئت وهو يقول ذلک، فلم يزل يقول ذلک حتى فتح الله عليه. الحديث (السنن الكبرى للنسائي ٦/ ١٥٧، رقم: ١٠٤٤٧، مستدرك حاكم ١/ ٣٤٤، رقم: ٨٠٩)

اور ابوداؤد اور نسائی صغریٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی سجدہ کی حالت میں دعا کرنا ثابت ہے، مگر موقع تہجد ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے اس کو نماز تہجد پر محمول کیا ہے؛ حالانکہ اس میں نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فلمست

المسجد، فإذا هو ساجد وقدماه منصوبتان وهو يقول: أعوذ برضاك من سخطك، وأعوذ بمعافاتك من عقوبتك، وأعوذ بك منك لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك. الحديث (أبوداؤد شريف، باب الدعاء في السجود، النسخة الهندية ١/ ١٢٨، مكتبه دارالسلام رياض، رقم: ٨٧٩، نسائی هنديه، باب الدعاء في السجود ١/ ١٢٦، مكتبه دارالسلام رياض، باب ترك الوضوء من مس الذكر، ص: ٢٣، رقم: ١٦٩)

بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت موقع تہجد کی وجہ سے نماز تہجد پر محمول کرنے کی گنجائش ہے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت موقع صلوۃ نہیں ہے؛ اس لئے تاویل کرنا بے محل اور بے موقع ہوگا، نیز غزوۂ بدر میں بیٹھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم میں ہے، ملاحظہ فرمایئے:

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: لما كان يوم بدر نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المشركين وهم ألف وأصحابه ثلاث مائة وتسعة عشر رجلا، فاستقبل نبى الله صلى الله عليه وسلم القبلة ثم مد يديه، فجعل يهتف بربه اللهم انجزلي ما وعدتني، اللهم آت ما وعدتني اللهم ان تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض فما زال يهتف بربه مادا يديه مستقبل القبلة حتى سقط رداء ه من منكبيه، فأتاه أبو بكر فأخذ رداء ه فألقاه على منكبيه، ثم التزمه من ورائه يا نبي الله! كفاك مناشدتك ربك، فإنه سينجز لك ما وعدك. الحديث (صحيح مسلم قديم ٢/ ٩٣)

اس سے معلوم ہوا کہ غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجِ صلوۃ بھی دعا فرمائی ہے اور بیٹھ کر بھی دعا فرمائی ہے، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اور سجدہ کی حالت میں بھی دعا فرمائی ہے جیسا کہ مستدرک اور سنن کبریٰ نسائی کی روایت میں ہے؛ لہٰذا سخت پریشانی کی حالت میں سجدہ میں دعا کرنا جائز ہوگا، مگر جو لوگ نمازوں کے بعد مسجد میں دعا کرتے ہیں اس کا ثبوت

نہیں ہے، اس پر علامہ شامیؒ نے نکیر فرمائی ہے؛ لہٰذا حاصل یہ نکلا کہ نمازوں کے بعد سجدۂ مناجات اور سجدۂ دعا کا ثبوت نہیں ہے اور فقہاء نے اس پر نکیر اس لئے فرمائی ہے کہ ناواقف لوگ اس کو واجب یا سنت سمجھنے لگیں گے؛ لیکن اس سے ہٹ کر اگر سخت پریشانی کی حالت میں خارج صلوۃ سجدہ کی حالت میں دعا مانگی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ثبوت حدیث میں ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت پریشانی میں سجدہ کی حالت میں دعا فرمانا ثابت ہے، جس کی صراحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت میں موجود ہے۔

أما بغير السبب فليس بقربة ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (شامي زكريا ٢/ ٥٩٨)

وتفصيل الكلام أن السجدة خارج الصلاة على عدة أقسام أحدها: سجدة السهو وهو في حكم سجدة الصلاة، وثانيها: سجدة التلاوة ولا خلاف فيها، وثالثها: سجدة المناجاة بعد الصلاة، وظاهر كلام الأكثرين أنها مكروهة، ورابعها: سجدة الشكر على حصول نعمة واندفاع بلية، وفيها اختلاف فعند الشافعي وأحمد سنة وهو قول محمد رحمه الله، والأحاديث والآثار كثيرة في ذلك، وعند أبي حنيفة ومالك ليس بسنة بل هي مكروهة. (هامش أبي داؤد ٢/ ٣٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۹۶)

بحمد اللہ تم

❖❖❖